تاریخِ احمدیّت

جلد چہاردہم

مجلسِ خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع سے
لے کر جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ سنہ ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء تک۔

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

النّاشر:۔ ادارۃ المصنّفین، ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد سیزدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-120-8

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-13 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-120-8

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

انجینئرنگ کالج لاہور کے احمدی طلبا میں رونق افروز ہیں (۲ ماہِ شہادت ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۴ کو جلد نمبر ۱۳ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد سیزدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　　　　　　　　　　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

تاریخ احمدیت کی چودہویں جلد

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی عنایت سے جلسہ سالانہ ۱۹۷۳ء کی مبارک تقریب پر تاریخ احمدیت کی چودھویں جلد طبع ہو کر احباب کی خدمت میں پیش ہو رہی ہے یہ جلد ۱۹۴۹ء کے مجلس خدام الاحمدیہ کے مرکز ربوہ میں پہلے اجتماع سے لے کر سالانہ جلسہ ربوہ ۱۹۵۱ء تک کے ایمان افروز روح پرور اور انقلاب آفریں واقعات پر مشتمل ہے اس جلد کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بہت سے غیر مطبوعہ پیغامات مراسلات اور تحریرات کے علاوہ حضور کے سفر بھیرہ کے موقع کی پُر معارف تقریر پہلی بار مکمل طور پر شائع ہو رہی ہے اسی طرح متعدد نایاب اور بالکل غیر مطبوعہ فوٹو جو مصلح موعودؓ کے خدا نما عہد مبارک کی پیاری یاد کو تازہ کر رہے ہیں نہایت عمدہ طباعت کے ساتھ شامل اشاعت ہیں

۱۹۵۱ء میں السید عبدالوہاب عسکری عراقی نمائندہ مؤتمر عالم اسلامی ربوہ تشریف لائے ان کے اعزاز میں جامعۃ المبشرین میں دعوت دی گئی جامعۃ المبشرین ان دنوں اس کچی عمارت میں تھا جو جلسہ سالانہ کے لنگرخانہ کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس تقریب میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مرحوم اور مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ بھی شامل ہوئے خاکسار ان دنوں جامعۃ المبشرین کے پرنسپل کے فرائض ادا کر رہا تھا اس تقریب کے فوٹو لئے گئے ان میں سے دو فوٹو خاکسار کے پاس محفوظ تھے۔ وہ بھی اس جلد میں تاریخی یادگار بن رہے ہیں۔

زمانہ کے حالات بڑی سرعت سے بدل رہے ہیں پچھلے سال کی نسبت اس سال بہت زیادہ مہنگائی ہو گئی ہے اور تقریباً ہر چیز کی قیمت دگنی اور بعض چیزوں کی قیمت دگنی سے زیادہ ہو گئی ہے کاغذ جو پچھلے سال ۴۸ روپے رِم تھا اب اسی روپے رم خریدا گیا ہے ان حالات میں اخراجات طباعت کا بڑھ جانا ناگزیر تھا بہرحال قیمت تقریباً لاگت کے مطابق رکھی گئی ہے احباب سے درخواست ہے کہ وہ کتاب کو خرید کر تعاون فرمائیں تاکہ تاریخ احمدیت کی تکمیل کے فرض سے ہم جلد سبکدوش ہو سکیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری مساعی کو قبول فرمائے (آمین)

خاکسار ابوالمنیر نور الحق
مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔ ربوہ۔
۱۷ دسمبر ۷۳ء

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد چہاردہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع سے لے کر اوکاڑہ اور راولپنڈی کے شہدائے احمدیت کی شہادت کے حالات تک	۱
ترقیوں اور ابتلاؤں کا متوازی سلسلہ	۱
فصل اوّل	
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا پہلا سالانہ اجتماع	
فصل دوم	
اخبار الرحمت کا اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز افتتاحی مضمون	۵
فصل سوم	
مسجد مبارک ربوہ کے سنگ بنیاد کی مقدس تقریب	۱۵
حضرت امیر المومنین کی تشریف آوری	۱۶
بیرونی مخلصین کی آمد	۱۶
حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایاتِ خصوصی	۱۶
نماز عصر اور بنیاد کی تقریب	۱۷
حضرت امام ہمام کا ایمان افروز خطاب	۱۹
تعمیر مسجد سے قبل صدقہ	۲۰
مسجد مبارک کی تعمیر اور افتتاح	۲۰
فصل چہارم	
حضرت امیر المومنین کا رہائش ربوہ کے بعد پہلا روح پرور خطبہ جمعہ	۳۱
منافق طبع لوگوں کی اصلاح کرنے اور خلیفۂ وقت کو اطلاع دینے کی تحریک	۳۷
حضرت مصلح موعودؓ کا لیکچر سرگودھا	۴۱
فصل پنجم	
احمدیہ مسلم مشن گلاسگو کا قیام	۴۲
مشن کی بنیاد	۴۳
ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں	۴۳
مسلم ہیرلڈ کا اجراء	۴۴
آرچ بشپ آف یارک اور پوپ کو دعوت مذاکرہ	۴۴
حلقہ اشاعت اسلام میں وسعت	۴۵
مبلغ اسلام کا ایثار	۴۵
ٹرینیڈاڈ کو روانگی	۴۶
گلاسگو مشن دارالتبلیغ لنڈن کی براہ راست نگرانی میں	۴۶
مشن کے دور ثانی کی خدمات پر ایک نظر	۴۶
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر سیالکوٹ	۴۸
فصل ششم	
کوائف قادیان	۴۹
قادیان سے متعلق حکومت کی پالیسی میں تبدیلی	۵۴

عنوان	صفحہ
دشمنانِ اسلام و احمدیت کا ایک تباہ کن منصوبہ اور اس کی ناکامی	۵۶
جلسہ قادیان کے لئے پہلا پاکستانی قافلہ	۶۰
پاکستانی قافلہ کا خیر مقدم	
فصل ہفتم	
قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسہ ۱۳۲۸ہش (۱۹۴۹ء)	
جلسہ ربوہ	۶۶
حضرت امیر المومنین کی دوسری تقریر	۷۰
جلسہ ربوہ کی بعض خصوصیات	۷۱
فصل ہشتم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۷۲
فصل نہم	
۱۳۲۸ہش (۱۹۴۹ء) کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۹۵
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریب مسرت	۹۵
نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ میں	
حضرت امیر المومنین کی مسلمانان عالم کو نصیحت	۹۶
جمعیت المسلمین کو حضرت مصلح موعود کا خصوصی ارشاد	۹۶
حضرت مصلح موعودؓ اخبار نویسوں کے	۹۷
قافلہ معیت محاذ کشمیر پر	۹۷
انجمن حمایت اسلام کے مشاعرہ میں احمدی	
شاعر کے کلام کی مقبولیت	۹۸
پاکستانی سرکاری افسروں کو نصیحت	۱۰۱
جماعت احمدیہ لاہور کی تبلیغی و تعلیمی ذمہ داریاں	۱۰۱

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان	۱۰۲
کشمیر میں استصواب رائے کے سلسلہ میں	
نائیجیریا، انگلستان اور امریکہ میں کامیاب سالانہ جلسے	۱۰۴
لبنانی پولیس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا تذکرہ	۱۰۹
مبلغین کی بیرونی ممالک سے آمد و روانگی	۱۱۰
نئی مطبوعات	۱۱۰
فصل دہم	
کتاب اسلام اور ملکیت زمین کی اشاعت	۱۱۲
مجلس مشاورت ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کا انعقاد	
دفاع وطن کی تیاری میں حصہ لینے اور جدید لٹریچر تیار کرنے کی تحریک، حضرت مصلح موعودؓ کا سفر کوئٹہ	
سندھ، اوکاڑہ اور پلٹن میں دو احمدیوں کی المناک	
شہادت، خلافت ثانیہ کا ۳۷واں سال ۱۳۲۹ہش (۱۹۵۰ء)	
اسلام اور ملکیت زمین کی اشاعت"	۱۱۴
مجلس مشاورت کا انعقاد	۱۱۷
دفاع وطن کی تیاری میں حصہ لینے کی پرزور تحریک	۱۱۸
تبلیغ اسلام کے لئے جدید لٹریچر تیار کرنے کی تحریک	۱۲۴
حضرت مصلح موعودؓ کا سفر کوئٹہ و سندھ	۱۲۵
بعض خاص علمی تقریبات	
کوئٹہ میں درس القرآن	۱۲۶
جلسہ عام سے حقیقت افروز خطاب	۱۲۷
حیدرآباد میں اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر لیکچر	۱۳۲

عنوان	صفحہ
کراچی میں ایک خاص خطبہ جمعہ	۱۳۵
کراچی پریس کانفرنس	۱۴۱
مسلم لیگی حکومت کا معاندانہ رویہ اور	۱۴۵
حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی	
اوکاڑہ اور اس کے ماحول کی آتشیں فضا	۱۴۹
ماسٹر غلام محمد صاحب کا واقعہ شہادت	۱۵۱
پنجاب پریس کا جانبدارانہ رویہ اور "تسنیم" کی معذرت	۱۵۳
اخبار تنظیم (پشاور) کا پرزور نوٹ اور حکومت سے مطالبہ	۱۵۴
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنے	۱۵۶
اندر روحانی انقلاب برپا کرنے کی تلقین۔	
راولپنڈی میں چوہدری بدرالدین صاحب کی شہادت	۱۵۸
اخبارات کی جھوٹی گمراہ کن اور متضاد خبریں	۱۵۹
سیدنا حضرت مصلح موعود کی طرف سے	۱۶۰
جماعت کو تبلیغ حق کا خصوصی ارشاد	
دوسرا باب	
حضرت مصلح موعودؓ کے سفر بھیرہ سے لے کر	۱۶۴
احمدیہ مسجد سمندری کے حادثہ آتشزدگی تک	
(ماہ نبوت ۱۳۲۹ تا احسان ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۰ء تا جون ۱۹۵۱ء)	
فصل اوّل	
حضرت مصلح موعودؓ کا سفر بھیرہ	۱۶۴
حضرت امیر المومنین کا اہل بھیرہ سے	۱۶۸
پُرمعارف اور ایمان افروز خطاب	

عنوان	صفحہ
دعوت چائے میں شرکت اور مراجعت	۲۰۰
فصل دوم	
کوائف قادیان ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء	۲۰۱
حضرت مصلح موعودؓ کی اہم سکیم	۲۰۱
نظام عمل میں خوشگوار تغیر	۲۰۳
فصل سوم	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء	۲۰۵
اور حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام	
کوائف جلسہ	۲۰۹
قافلہ پاکستان کے مختصر حالات	۲۱۲
فصل چہارم	
کوائف ربوہ ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء	
ربوہ باقاعدہ سٹیشن بن گیا	۲۱۵
حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی لائبریری ربوہ میں	۲۱۶
مصباح کا اجراء	۲۱۶
مکانات کی تعمیر کا آغاز	
مرکزی عمارات کا سنگ بنیاد اور تعمیر	۲۱۷
فصل پنجم	
سالانہ جلسہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی	۲۱۹
طرف سے مخالفین احمدیت کے دو الزامات	
کا حقیقت افروز جواب	
برطانوی ایجنٹ ہونے کے الزام کا جواب	۲۲۰

عنوان	صفحہ
باؤنڈری کمیشن میں الگ میمورنڈم پیش کرنے کے اعتراض کا جواب	۲۲۸
اخبار تنظیم لیڈر میں سالانہ جلسہ ربوہ کی رپورٹ	۲۳۷
فصل ششم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۳۹
فصل ہفتم	
۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۲۵۶
صاحبزادہ محمد اکرم خان صاحبؓ کی شہادت	۲۵۶
حضرت مصلح موعودؓ کا انگریزی زبان میں خطاب	۲۵۷
جلسہ سیالکوٹ پر سنگباری اور ایک سعید روح کا قبول احمدیت	۲۵۷
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو قتل کرنے کی سازش اور حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک دعا	۲۵۸
چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے بارہ میں ایک تشویشناک خبر	۲۵۹
حضرت امیر المومنین کی طرف سے احرار کے ایک جعلی لٹریچر کی تردید	۲۶۰
مسلمانوں اور پاکستان کا قیام اسلام کے قیام پر منحصر ہے	۲۶۱
جماعت احمدیہ کی مرکزی تنظیموں اور علماء سلسلہ کو احساس ذمہ داری کی تلقین	۲۶۳
خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک ضروری اعلان	۲۶۵

عنوان	صفحہ
سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک تاریخی روایت اور حضرت مصلح موعودؓ کی رہنمائی	۲۶۶
سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک تاریخی روایت کے بارہ میں ایک مقابل روایت	۲۶۷
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشاد خاص عالمگیر اسلامی نظام کے قیام سے متعلق	۲۶۹
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک مختصر مگر پُر معارف نوٹ	۲۶۹
جماعت احمدیہ اور مغربی پاکستان پریس	۲۷۰
دردمند دل مقتدر کشمیری مسلمانوں کی طرف سے احراری شورش کے خلاف احتجاج	۲۷۴
خدا کے لئے کشمیر اور کشمیریوں پر رحم کریں	۲۷۴
حضرت امیر المومنین کی ایک اہم نصیحت	۲۷۹
نوجوانان احمدیت کو قربانیوں کی دعوت	۲۸۱
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۲۸۲
مجاہدین احمدیت کی مرکز میں تشریف آوری	۲۸۶
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی	۲۸۶
علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات	۲۸۷
فصل ہشتم	
دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک	۲۸۷
طلبائے انجینئرنگ کالج لاہور سے پُر اثر خطاب	
نمائندہ عراق عبدالوہاب عسکری کی ربوہ آمد	
احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ	

عنوان	صفحہ
اجلاس میں بنیادی حقوق کی رپورٹ پر علماء سلسلہ کا تبصرہ محبت الٰہی کے موضوع پر پُر معارف خطبات احمدیہ مسجد سمندری کی آتش زدگی۔	
خلافت ثانیہ کا ۳۸ واں سال ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء	
دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک	۲۸۷
تحریک دعا کی اہمیت پر مزید روشنی	۲۹۲
احمدی جماعتوں کا والہانہ لبیک	۲۹۳
ملتان کانفرنس کے جواب میں الفضل کا خصوصی نمبر	۲۹۳
طلباء انجینئرنگ کالج لاہور سے حضرت امیر المومنین کا پُر اثر خطاب	۲۹۴
عبد الوہاب العسکری کی ربوہ میں آمد	۲۹۴
احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں	۲۹۵
مدرسوں میں حلقہ تبلیغ وسیع کرنے کی تحریک	۲۹۸
بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ پر علمائے سلسلہ کا تبصرہ	۲۹۹
محبت الٰہی کے موضوع پر پُر معارف خطبات	۳۰۱
احمدیہ مسجد سمندری کی آتش زدگی	۳۰۲
ضلع لائل پور کے معزز مسلمانوں کا کھلا اظہار نفرت	۳۰۴
روزنامہ جدید نظام کا احتجاج	۳۰۷
تیسرا باب	
جامعہ نصرت ربوہ کے افتتاح سے لے کر سالانہ جلسہ	

عنوان	صفحہ
ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء تک	
فصل اوّل	
جامعہ نصرت کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز خطاب	۳۱۰
جامعہ نصرت ربوہ کا پس منظر	۳۱۰
جامعہ نصرت کا افتتاح	۳۱۴
حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطاب	۳۱۵
ابتدائی اسٹاف	۳۲۶
دوسرے کوائف	۳۲۶
حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کے نتیجہ میں جامعہ نصرت کی حیرت انگیز ترقی	۳۲۷
جامعہ نصرت کا خالص اور شاندار اسلامی ماحول	۳۲۸
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار خوشنودی	۳۲۸
فصل دوم	
تحریک جدید کی طرف سے سیلون مشن کا قیام اور اس کی عظیم الشان اسلامی خدمات	۳۳۹
سیدنا حضرت مہدی معہود کی تحریرات	۳۴۰
مالدیپ اور سیلون میں حضرت صوفی غلام محمد صاحب کی تبلیغی مساعی	
مشکلات کے باوجود جماعت احمدیہ سیلون کی شاندار خدمات	۳۴۱
حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تشریف آوری اور جزیرہ میں احمدیت کا زبردست چرچا۔	۳۴۳

عنوان	صفحہ
حضرت مولوی عبداللہ صاحب مالاباری	۳۴۶
کی پرجوش تبلیغی جدوجہد	
اسلامیہ سورین کا اجراء	۳۴۸
تحریک جدید کے سیلون مشن کا قیام	۳۴۸
جماعتی تربیت و اصلاح کا نظام	۳۴۸
مالی قربانیوں میں ترقی	۳۴۹
لائبریریوں کا قیام	۳۴۹
دی میسیج کا احیاء	۳۵۰
مشرقی صوبہ میں ذیلی مشن کی بنیاد	۳۵۱
سنہلی زبان میں سلسلہ احمدیہ کا وسیع لٹریچر	۳۵۱
اسلامک لٹریچر سنٹر	۳۵۳
شائع ہونے والے اسلامی لٹریچر کی تفصیل	۳۵۴
ملک بھر کے وسیع دورے اور ان کا اثر	۳۵۴
قرآنی اسباق کی وسیع اشاعت	۳۵۵
مشن کی اسلامی خدمات کا ردعمل	۳۵۵
مستقبل کے لئے انتظامیہ کی تشکیل	۳۵۶
فصل سوم	
رسالہ التبلیغ کا اجراء صوبہ سرحد کے	
دو احمدیوں کی شہادت	
نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب	
وزیر اعظم پاکستان کا سفاکانہ قتل	
اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز تبصرہ	۳۵۷

عنوان	صفحہ
ربوہ سے رسالہ التبلیغ کا اجراء	۳۵۷
رسالہ کی جبری بندش	۳۶۰
حضرت امیر المومنین کے دو پیغام	
یوم تحریک جدید کے موقع پر	۳۶۰
صوبہ سرحد میں دو احمدیوں کی دردناک شہادت	۳۶۲
نوابزادہ لیاقت علی خان کی مخالفت اور	۳۶۳
سفاکانہ قتل	
جماعت احمدیہ کی طرف سے گہرے رنج و غم	۳۶۶
کا اظہار اور حضرت مصلح موعود کے عزم کا اعلان	
حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا حادثہ قتل	۳۶۷
پر بصیرت افروز تبصرہ	
حادثہ قتل کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ	۳۷۸
رپورٹ کے حق میں پاکستانی پریس کی آواز	۳۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کی پانچ ہدایات	۳۸۱
فصل چہارم	
حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی پیغام جماعت	۳۸۴
انڈونیشیا کے نام	
اخبار الرحمت اور عزل خلفاء	۳۸۷
ملتان اور لائل پور کے جلسہ ہائے سیرت النبی	۳۹۰
میں ہنگامہ آرائی	
جلسہ سیرت النبی ملتان	۳۹۱
جلسہ سیرت النبی لائل پور	۳۹۲

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اخبار الفضل کا دوبارہ اجراء اور سیدنا حضرت مصلح موعود کا افتتاحی مضمون	۳۹۴	تغیرات عالم اور جماعت احمدیہ	۳۹۹
فصل پنجم		عالم اسلام کے مسائل پر تبصرہ اور دعائے خاص کی تحریک	۴۰۰
حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی علم و معرفت سے لبریز تقاریر		عقیدہ احمدیت کی فاتحانہ شان	۴۰۱
سالانہ جلسہ ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کی مقدس تقریب پر	۳۹۸	تحریک احمدیت کے دس بنیادی اصول اور ان کی برتری	۴۰۲
مخالفت کو انعام سمجھنے اور سالانہ جلسہ کے ایام کو شکر گزاری کی طرح بسر کرنے کی تلقین	۳۹۹	اسلام کے روحانی غلبہ کا شاندار تصور	۴۰۳
		عالم روحانی کا دربار خاص	۴۱۱
		ضمیمہ	

تصاویر

۱۔ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب انجینئرنگ کالج لاہور کے احمدی طلبہ میں رونق افروز ہیں۔

۲۔ سیدنا حضرت مصلح موعود کا ورود کراچی

۳۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کراچی ۱۹۵۰ء کا ایک منظر

۴۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کراچی پریس کانفرنس کو خطاب فرما رہے ہیں۔

۵۔ حضرت مصلح موعودؓ اہل بھیرہ سے خطاب فرما رہے ہیں۔

۶۔ مسجد مبارک ربوہ کا ایک پُرکیف منظر

۷، ۸۔ السید عبدالوہاب عسکری عراقی نمائندہ مؤتمر عالم اسلامی جامعۃ المبشرین میں

۹۔ جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۱ء کے روح پرور نظارے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ـــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع سے لیکر اوکاڑہ اور راولپنڈی کے شہدائے احمدیت کی شہادت کے حالات تک

ترقیوں اور ابتلاؤں کا متوازی سلسلہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی ہجرت ربوہ کا واقعہ پچھلی جلد میں آچکا ہے۔ اِس اہم اور ناقابلِ فراموش واقعہ کے بعد جماعتِ احمدیہ کا قدم عظیم الشان ترقیات اور خوفناک ابتلاؤں کے ایک متوازی سلسلہ میں داخل ہوگیا۔

یہ زمانہ احمدیت کے لئے بڑی تنگی اور مصیبت کا زمانہ تھا مگر جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے فضلوں اور قدرتوں کے پے در پے جلوے دکھائے وہاں حضرت مصلح موعودؓ اور دوسرے بزرگانِ سلسلہ احمدیہ نے

بالخصوص اور باقی افرادِ جماعت نے بالعموم علیٰ قدرِ مراتب اپنے مولیٰ کریم سے وفاداری اور صبر و توکّل کا وہی بے مثال نمونہ دکھایا جس کا نقشہ حضرت مہدی معہود و مسیح موعود علیہ السلام نے درج ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:۔

" ایک قوی توکّل ان کو عطا ہوتی ہے اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبّت الٰہی جو لذّتِ وصال سے پرورش یاب ہے اُن کے دِلوں میں رکھی جاتی ہے۔ اگر اُن کے وجُودوں کو ہاونِ مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حُبِّ الٰہی کے اَور کچھ نہیں۔ دُنیا اُن سے ناواقف اور وہ دنیا سے دُور تر و بلند تر ہیں۔ خدا کے معاملات ان سے خارق عادت ہیں۔ اُن پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے۔ اُنہی پر کھُلا ہے کہ ایک ہے۔ جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سُنتا ہے۔ جب وہ پُکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتا ہے۔ جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ باپوں سے زیادہ ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے۔ پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و رُوحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک میدان میں اُن کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے اور وہ اُن کا ہے"۔ [1]

تحریکِ احمدیت کے خلاف ہنگامہ آرائیوں اور کھُلی جارحانہ کارروائیوں کا دائرہ تو زیادہ تر برّصغیر پاک و ہند میں ہی محدود رہا مگر جماعتِ احمدیہ کی شاندار پیش قدمی نہ صرف برّصغیر کے اندر بلکہ دُنیا بھر میں ایک فاتحانہ شان کے ساتھ جاری رہی۔ پہلے سے قائم شدہ احمدی مشنوں میں اسلام کی پاک و مقدّس خدمات کا سلسلہ زور پکڑ گیا۔ نئے مشن قائم ہوئے۔ نیا لٹریچر شائع ہوا۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کا جدید مرکز دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالی شان شہر میں تبدیل ہو گیا جس کی بدولت انوارِ قرآنی قدیم و جدید دنیا تک بڑی تیزی سے پھیلنے لگے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا۔ اَسْلَمْنَا لَهٗ هُوَ مَوْلٰـنَا فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

---

[1] سُرمہ چشم آریہ ص۱۳ حاشیہ طبع اوّل ٭

فصلِ اوّل

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کا پہلا سالانہ اجتماع

دُنیا کی مذہبی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام پر ابتدائے زمانہ میں ایمان لانے والے زیادہ تر نوجوان ہی ہوتے ہیں۔ عہدِ شباب میں قویٰ مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں اور دِلوں میں ایک اُمنگ، ولولہ اور جوش موجزن ہوتا ہے اِس لئے وہ ایک لمبے عرصہ تک نورِ صداقت کو پھیلا سکتے اور اس کی اشاعت و ترویج میں حصہ لے سکتے ہیں۔ خاص طور پر تبلیغی، اصلاحی اور جمالی سلسلوں کے لئے تو اَور بھی ضروری ہے کہ اُن کے اندر آسمانی تعلیم کو مدّتِ دراز تک اپنی اصلی صورت میں محفوظ رکھنے کے لئے تعلیم کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا مفید اور بابرکت نظام پورے تسلسل سے موجود رہے تا وہ اپنے ظاہری ڈھانچہ اور حقیقی رُوح دونوں کے ساتھ رائج و نافذ ہو اور پختہ بنیادوں پر جاری رہ سکے۔

تاریخِ مذاہب کے اسی انقلابی اصول اور اٹل فلسفہ کی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۴؍فروری ۱۹۳۸ء کو مجلس خدام الاحمدیہ جیسی عالمی تنظیم کی بنیاد رکھی جس کے متحدہ ہندوستان میں (۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء تک) ۹ سالانہ اجتماعات ہوئے۔

پاکستان میں مجلس کا پہلا سالانہ مرکزی اجتماع ۳۰، ۳۱؍اخاء/اکتوبر و یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو ربوہ کے بے آب و گیاہ اور وسیع میدان میں منعقد ہوا۔ اِس اجتماع کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حضور نے خدام الاحمدیہ کے نظام میں اِس بنیادی تبدیلی کا اعلان فرمایا کہ خدام الاحمدیہ نے چونکہ دینداری کی ان تمام توقعات کو اس حد تک پورا نہیں کیا جس حد تک مَیں چاہتا تھا اِس لئے آئندہ کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر مَیں ہوا کروں گا اور شوریٰ کی طرح اس کے اجتماع بھی میری ہی صدارت میں ہوا کریں گے اور نائب صدر کا کام محض تنفیذِ احکامِ صدر ہوگا۔ حضرت امیرالمؤمنین نے اِس تنظیمی تبدیلی کی نسبت یہ وضاحت فرمائی کہ اس کا تعلق میرے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں۔ نائب صدر میرا نمائندہ ہوگا لہٰذا تمہیں نائب صدر کے احکام کی پابندی صدر ہی کے احکام سمجھ کر

کرنا ہو گی۔ نائب صدر اپنے عہدہ کی حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ کا ممبر ہوا کرے گا۔[1]

پاکستانی دور کے اِس پہلے سالانہ اجتماع میں نوجوانانِ احمدیت نے تین دن خالص علمی، ورزشی اور دینی مصروفیات میں گذارے اور حضرت مصلح موعودؓ نے اِس اجتماع میں احمدی نوجوانوں کو تین بار خطاب سے نوازا اور ان کو بہت سی قیمتی نصائح فرمائیں جو ہمیشہ مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔ مثلاً:۔

۱۔ خدام الاحمدیہ ایک رُوحانی جماعت ہے لہٰذا اس سے توقع کی جاتی ہے کہ یہ رُوحانی تقاضوں کو پورا کرے۔

۲۔ انتخاب میں محض اِس لئے کوئی نام تجویز کرنا کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہے خدام الاحمدیہ کی اس رُوح کے منافی ہے جس کے قیام کے لئے یہ تحریک جاری کی گئی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس کا عمل اسلام اور احمدیت کی شان کے مطابق ہے یا نہیں۔ اہلِ بیت کے معاملے میں تو قرآن کریم کا ارشاد نہایت ہی سخت ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی کریں گے تو انہیں دُگنی سزا ملے گی۔ پس جب تک مذہب کی صحیح رُوح کسی شخص میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی صحیح مومن نہیں ہو سکتا۔

۳۔ احمدی نوجوان کے معنے یہ ہیں کہ اسے اپنی زبان پر قابو ہو، وہ محنتی ہو، وہ دیندار ہو، وہ پنجوقتہ نمازی ہو، وہ قربانی و ایثار کا مجسمہ ہو اور کلمۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں نڈر ہو۔[2]

۴۔ فرمایا "فیشن اور سماج کے رواج تمہیں مرعوب نہ کرنے پائیں۔ انبیاء کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھو وہ کہاں فیشن سے مرعوب ہوتے تھے؟ اُنہوں نے کب نوکریاں چلے جانے کے ڈر سے اپنے فرائض کی صحیح ادائیگی چھوڑ دی تھی؟ کلمۂ حق کو ہر حال میں نڈروں کی طرح پہنچانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے ہرگز ان عقل مندوں کی ضرورت نہیں جو قدم قدم پر لوگوں سے مرعوب ہوتے پھریں بلکہ مجھے ان دیوانوں اور پاگلوں کی ضرورت ہے جو خدا کی بات منوا کر ہی چھوڑیں۔ اپنے اندر عمل کا جذبہ پیدا کرو اور دُنیا والوں کے تمسخر کی پرواہ نہ کرو۔ یاد رکھو تعریف وہی اچھی ہے جو آسمان پر ہو دُنیا والوں کی تعریف اس آسمانی تعریف کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔"[3]

---

[1] الفضل ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۸۔

[2] الفضل یکم نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۸۔

[3] الفضل ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

۵۔ قواعد کی پابندی ہر حالت میں لازمی ہوتی ہے۔ جو قومیں دلیلوں سے قاعدے توڑنے کا جواز نکالنا شروع کر دیتی ہیں اُن کی ذہنیتیں شکست خوردہ ہو جاتی ہیں۔ افسر جو قانون بنائیں سب سے پہلے اس پر خود کاربند ہوں۔ ؎۱

خلاصہ یہ کہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اپنی زندگی بخش اور رُوح پرور تقریروں میں مجلس کی گذشتہ جدوجہد کا تجزیہ کیا، اس کے عمدہ کاموں کو سراہا اور خامیوں کو دُور کرنے کی تلقین فرمائی اور آئندہ کے لئے قوم کے نونہالوں کی تربیت کی باگ ڈور خود اپنے مقدس ہاتھ میں لے لی۔ ؎۲

حضور کی اِس بروقت توجہ اور براہِ راست نگرانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مجلس بہت جلد چوکس اور بیدار ہو کر پہلے سے زیادہ خدمتِ خلق میں سرگرمِ عمل ہو گئی۔

فصلِ دوم

اخبار "الرحمت" کا اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز افتتاحی مضمون

حکومتِ ہندوستان نے اخبار الفضل پر پابندی عائد کر دی تھی حضرت مصلح موعودؓ نے حکم دیا کہ ہندوستان کی احمدی جماعتوں کے لئے ایک نیا اخبار لاہور سے جاری کیا جائے جو خالصتاً تبلیغی اور اخلاقی اقدار کا علمبردار ہو۔

؎۱ الفضل ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

؎۲ اجتماع کے پہلے روز خدام کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی اور ۸۹ خیمے نصب ہوئے۔ اجتماع میں دینی معلومات اور پیمائشِ ذہنی کے امتحانات ہوئے جن کے دلچسپ پرچے الفضل ۲ نبوت و ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش میں چھپ چکے ہیں۔ پیمائشِ ذہنی کا پرچہ شعبۂ نفسیات تعلیم الاسلام کالج نے مرتب کیا تھا۔ خدام کے ساتھ ساتھ اطفال کے علمی اور ورزشی مقابلوں کے پروگرام جاری رہے۔ پہلے دن احمدی بچوں نے اپنے مقامِ اجتماع میں ۲۶ خیمے لگائے۔ (الفضل یکم نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳)

اِس پر ۱۲ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو مکرم شیخ روشن دین صاحب تنویر کی ادارت میں الرحمت جاری کیا گیا جو ۷ ہجرت ۱۳۳۰ھش / مئی ۱۹۵۱ء تک ایک کامیاب دینی ترجمان کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ نکلتا رہا۔

اخبار الرحمت کے پرنٹر و پبلشر مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی اور مینیجر مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز تھے۔ شروع میں یہ اخبار کوآپریٹو کیپیٹل پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور میں چھپتا تھا لیکن بعد میں اس کی طباعت پہلے ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس موہن لال روڈ لاہور میں پھر پاکستان ٹائمز پریس لاہور میں ہوئی۔ درمیان میں اس کے بعض پرچے جیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں بھی چھپتے رہے۔

اخبار الرحمت کی بنیاد چونکہ حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی اس لئے جماعت کے اِس نئے ترجمان نے اس خلاء کو فوری طور پر بہت حد تک پُورا کر دیا جو اخبار الفضل کی جبری بندش نے پیدا کر دیا تھا۔ اِس اخبار میں پورے التزام کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کے رُوح پرور خطبات چھپتے تھے برِّصغیر پاک و ہند کے علماءِ سلسلہ کی تقاریر اور مضامین نیز بیرونی ممالک کے مجاہدین کی معلومات افزا رپورٹیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ ربوہ کی تازہ خبریں بھی باقاعدگی سے درج کی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس میں مرکزِ احمدیت قادیان اور دوسری ہندوستانی جماعتوں کی تبلیغی اور تنظیمی جدّوجہد پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی۔

سیّدنا حضرت امیرالمومنین مصلح موعودؓ نے الرحمت کے اجراء پر ایک نہایت مفصّل، حقیقت افروز افتتاحی مضمون[1] سپردِ قلم فرمایا جو اس کے پہلے شمارہ کے صفحہ ۳ اور ۴ پر شائع ہوا۔ ذیل میں اس مبارک مضمون کا متن درج کیا جاتا ہے:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۞ نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

والسّلام علٰی عبدہ المسیح الموعود

---

[1] اِس پہلے پرچہ میں "اسلام ایک رحمت کا پیغام ہے" کے عنوان سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ایک قیمتی نوٹ بھی شائع ہوا۔

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا

"الرّحمت"

آج سے چھتیس سال پہلے نہایت خطرناک حالات اور بالکل بے بسی اور بیکسی کی صورت میں مَیں نے الفضل اخبار جاری کیا تھا جو پہلے ہفتہ وار شروع ہوا اور اب روزانہ اخبار کی صورت میں شائع ہو رہا ہے اور اِس وقت ملک کے مقتدر پرچوں میں شمار کیا جاتا ہے تقسیم ہند کے بعد یہ پرچہ ہندوستان سے پاکستان میں آ گیا۔ اپنی مرضی سے نہیں مجبوری سے۔ ملک کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا رہنا اور مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کا رہنا قریباً ناممکن ہو گیا۔ یہ حالات یقیناً تکلیف دہ تھے تکلیف دہ ہیں اور تکلیف دہ رہیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن حالات کے پیدا کرنے میں قدرت کی کوئی مصلحت بھی تھی۔ وہ کیا تھی؟ شاید اس کا بیان ابھی مناسب نہ ہو۔ بہرحال ان حالات کی وجہ سے علاوہ افراد کے بہت سے ہندو اور سکھ اخبار بھی مغربی پنجاب سے نکل کر مشرقی پنجاب کی طرف منتقل ہو گئے اور بہت سے مسلمانوں کے اخبار مشرقی پنجاب سے نکل کر مغربی پنجاب میں آ گئے۔ جہاں تک اخباروں کا تعلق ہے شاید نقصان ہندوؤں اور سکھوں کا زیادہ ہوا اور مسلمانوں کا کم کیونکہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا ایک ہی مقتدر اخبار الفضل تھا لیکن مغربی پنجاب میں ہندوؤں کے کئی بڑے بڑے پرچے تھے مثلاً "ٹریبیون" "پرتاپ" "ملاپ" "اجیت" "ویر بھارت"۔

جو پرچے جس ملک میں گئے لازماً ان کی ہمدردیاں اُن ممالک سے وابستہ ہو گئیں۔ الفضل گو ایک مذہبی پرچہ تھا لیکن کبھی کبھار اس میں نیم سیاسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے جن میں اپنی دیرینہ پالیسی کے مطابق پوری احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور خیال رکھا جاتا تھا کہ بین الاقوامی منافرت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو لیکن ایک پاکستانی اخبار کے جذبات بہرحال پاکستانی ہی ہو سکتے تھے میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں مگر ہندوستان کے بعض صوبوں کی حکومتوں نے الفضل کے بعض مضامین کو

قابلِ اعتراض سمجھ کر اس کا داخلہ بند کر دیا۔ اور اب تو قریباً سارے ہندوستان میں ہی سوائے دہلی کے اِس کا داخلہ بند ہے۔ ہندوستانی حکومت کے پاس جب اس کے متعلق احتجاج کیا گیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ مرکزی حکومت نے الفضل کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا اور براہِ راست اس کے ماتحت علاقوں میں اس کا داخلہ ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ باقی رہیں صوبہ جاتی حکومتیں سو وہ اِس معاملہ میں آزاد ہیں۔ اگر کسی صوبہ جاتی حکومت نے ایسا کیا ہو تو آپ اُس سے براہِ راست احتجاج کریں۔ الفضل چونکہ ایک مذہبی پرچہ تھا اِس لئے ہندوستان کی جماعتوں کے جذبات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اِس پرچہ میں سیاسی مضامین کلیتًا ممنوع قرار دے جائیں تاکہ کسی غیر گورنمنٹ کو اس پر اعتراض کا موقع نہ ملے لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور باوجود اِس کے کہ الفضل میں سیاسی مضمون چھپنے بند ہو گئے ہندوستان کے مزید صوبوں میں اس کا داخلہ بند کیا جاتا رہا۔ اور جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے اب قریباً سارے ہندوستان میں اس کا داخلہ بند ہے۔ جس طرح ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ الفضل کے کونسے مضامین کی وجہ سے اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جانے لگا ہے اسی طرح ہماری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ الفضل میں سیاسی مضامین کے ممنوع ہو جانے کے باوجود اس کا داخلہ مزید صوبوں میں کیوں بند کیا جاتا رہا مگر بہرحال یہ حکومت اپنے مصالح کو خود سمجھتی ہے اور دوسرے لوگوں کی سمجھ میں خواہ وہ مصالح آئیں یا نہ آئیں ان کے لئے احکامِ حکومت کی پابندی لازمی اور ضروری ہوتی ہے خصوصًا جماعتِ احمدیہ کے لئے جس کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اس کے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ اِس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ الفضل کے خلاف جو قدم اُٹھایا گیا ہے اس پر پروٹیسٹ کریں اور اس کے ازالہ کے لئے کوئی جدّوجہد کریں ایک نیا اخبار جاری کر دیا جائے جو کلیتًا سیاسیات سے الگ ہو تاکہ ان جماعت ہائے احمدیہ کی تنظیم اور تبلیغ میں کوئی روک پیدا نہ ہو جو ہندوستان میں رہتی ہیں۔ اِس ارادہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہوئے کہ وہ اِس پرچہ کو بابرکت بنائے اور ان مقاصد کی اشاعت میں کامیاب کرے جن کا ذکر ذیل میں کیا جائے گا۔

مَیں "الرحمت" کو جاری کرتا ہوں۔ یہ پرچہ خالص مذہبی پرچہ ہو گا۔ اور جہاں اس کی پالیسی یہ ہو گی کہ یہ انصاف اور عدل کے قوانین کے مطابق مختلف مذاہب کے لوگوں میں عقل اور اخلاق کی پیروی

کی رُوح پیدا کرے وہاں اس کی یہ بھی پالیسی ہوگی کہ وہ سیاسیات سے الگ رہتے ہوئے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک بہتر فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

ہمیں نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کئی ہندوستانیوں نے مسٹر گاندھی کے ان اعلانات کو بھلا دیا ہے کہ ہر ہندو اور سکھ اور غیر مسلم کو جو پاکستان میں رہتا ہے پاکستان کا مخلص اور وفادار شہری ہو کر رہنا چاہیئے۔ اور کئی مسلمانوں نے قائدِ اعظم کے ان اعلانات کو بھلا دیا ہے کہ ہر مسلمان کو جو ہندوستان میں رہتا ہے ہندوستانی حکومت کا مخلص اور وفادار شہری ہو کر رہنا چاہیئے۔ ان لیڈروں کے منشاء کے خلاف کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کو پاکستان میں رہنا ہی نہیں چاہیئے اور اگر ایسا ہو تو پھر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم کو دل میں پاکستان سے دشمنی رکھنی چاہیئے اور ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کو دل میں ہندوستان سے دشمنی رکھنی چاہیئے۔ اگر گاندھی جی اور قائدِ اعظم کے بیانات نہ بھی ہوتے تب بھی یہ جذبہ اور رُوح نہایت افسوسناک اور مذہب اور اخلاق کے خلاف تھی مگر اِن دو زبردست ہستیوں کے اعلانات کے خلاف اِس قسم کے جذبے کا پیدا ہونا نہایت ہی تعجب انگیز اور افسوسناک ہے۔ ہندوستان کی موجودہ دو علاقوں میں تقسیم بعض مصلحتوں کے ماتحت ہوئی تھی۔ ان مصلحتوں سے زیادہ کھینچ تان کر اِس مسئلہ کو کوئی اور شکل دینا کسی صورت میں جائز نہیں ہو سکتا۔ جب تقسیم اٹل ہو گئی تھی تو مَیں نے اُسی وقت یہ اعلان کیا تھا کہ اگر یہ تقسیم ہونی ہی ہے تو پھر کوشش کرنی چاہیئے کہ دونوں ملکوں کے باشندوں کو ایک دوسرے کے ملک میں بغیر پاسپورٹ کے آنے جانے کی اجازت ہو۔ تجارت پر کسی قسم کی کوئی پابندیاں نہ ہوں[1]۔ لیکن افسوس کہ اُس وقت میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور شاید آج بھی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوگی

---

[1] حضرت مصلح موعودؓ کے اِس خیال کے پیچھے صرف یہ جذبہ کارفرما تھا کہ بھارت کو تبلیغِ اسلام کے ذریعہ پھر سے مسلم ہند یعنی پاکستان بنانے کا رستہ کھلا رہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"ہم ہندوستان کو چھوڑ نہیں سکتے یہ ملک ہمارا اہنو وؤں سے زیادہ ہے۔ ہماری سُستی اور غفلت سے عارضی طور پر یہ ملک ہمارے ہاتھ سے گیا ہے۔ ہماری تلواریں جس مقام پر جا کر کُند ہو گئیں وہاں سے ہماری زبانوں کا حملہ شروع ہوگا اور اسلام کے خوبصورت اصولوں کو پیش کر کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر میری بات کو مان لیا جاتا تو وہ خون ریزی جو مشرقی پنجاب اور کشمیر میں ہوئی ہے ہرگز نہ ہوتی۔ ہم کُلّی طور پر آزاد بھی ہوتے مگر ہماری حیثیت اُن دو بھائیوں سے مختلف نہ ہوتی جو اپنے والدین کی جائداد تقسیم کرکے اپنے چولہے الگ کر لیتے ہیں۔ وہ یقیناً اپنی اپنی جائداد کے کُلّی طور پر مالک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ان کا کھانا پینا بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ ان کی آمدنیں بھی الگ ہوتی ہیں اور ان کے خرچ بھی الگ ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ کی جائداد کے تقسیم کرنے سے دو بھائی دشمن نہیں بن جاتے تو ہندوستان کے تقسیم کرنے سے مسلمان اور ہندو کیوں دشمن بن جائیں تقسیم دشمنی نہیں پیدا کرتی تقسیم کے پیچھے کسی غلط رُوح کا ہونا دشمنی پیدا کرتا ہے میں چاہتا تھا کہ اس غلط رُوح کو کچل دیا جائے اور بھائیوں بھائیوں کی طرح مسلمان اور ہندو اپنی آبائی جائداد کی تقسیم کا فیصلہ کریں مگر میری اس آواز کو اُس وقت نہ سُنا گیا۔ میری اِس آواز کو بعد میں بھی نہ سُنا گیا۔ پاکستان کے ایک متعصب عنصر نے میرے اِن خیالات کی وجہ سے مجھے پاکستان کا ففتھ کالمسٹ قرار دیا اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ مَیں وہی کہہ رہا ہوں جس کا اعلان بار بار قائدِ اعظم نے کیا تھا۔ صرف فرق یہ تھا کہ قائدِ اعظم نے ایک مجمل اصل بیان کیا تھا اور مَیں شروع سے ان تفاصیل کو بیان کر رہا تھا جن تفاصیل کے ذریعہ سے ہی قائدِ اعظم کا بیان کردہ اصل عملی صورت اختیار کر سکتا تھا۔ میرے اِن خیالات کی وجہ سے ہندوستان کے احمدیوں کو بھی ہندوستان میں کُشتنی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ہم اپنے ہندو بھائیوں کو خود اپنا جزو بنا لیں گے مگر اس کے لئے ہمیں راستہ کو کھلا رکھنا چاہیئے۔" (الفضل ۶ر شہادت ۱۳۲۵ھش صفحہ ۱-۷)

"الرحمت" چونکہ ہندوستان کے لئے جاری کیا گیا تھا اِس لئے برّصغیر کے ماحول کو اشاعتِ اسلام کے لئے سازگار بنانے کا مسئلہ اوّلیت رکھتا تھا ورنہ حضور ایک بین الاقوامی تبلیغی جماعت کے آسمانی راہ نما تھے اِسلئے امن کے معاملہ میں بھی علاقائی یا ملکی سطح کی بجائے مستقل طور پر ایک عالمی مسلک رکھتے تھے جو حضور کے الفاظ میں یہ ہے:-

"ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی ایک حکومت قائم ہوتا باہمی فسادات دُور ہوں اور انسانیت بھی اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو مگر ہم اس کو آزاد قوموں کی آزاد رائے کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔"

(الفضل ۲۲ر اخاء ۱۳۲۴ھش / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱)

گردن زدنی سمجھا گیا۔ شاید کسی اور مسلمان فرقہ کو اس قدر نقصان ہندوستان میں نہیں پہنچا جس قدر کہ احمدی جماعت کو پہنچا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا امام گاندھی جی کے بیان کردہ اصل کی ترجمانی کے صحیح طریق ان کے سامنے پیش کر رہا تھا ہم نے ایک سچائی کے لئے دونوں ملکوں میں تکلیف اُٹھائی اور شاید دونوں ملکوں کے متعصب لوگوں کے ہاتھوں سے آئندہ بھی ہم دونوں ملکوں میں تکلیف اُٹھائیں گے لیکن ہم اس دائمی سچائی کو جو قرآن کریم میں بار بار بیان کی گئی ہے کبھی نہیں چھوڑ سکتے کہ جو شخص جس حکومت میں رہتا ہے وہ اس کا فرمانبردار رہے اور اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے۔ اور اگر کسی وقت وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اخلاق کو قائم رکھتے ہوئے اس ملک میں رہ نہیں سکتا تو اس ملک سے ہجرت کر جائے۔ اگر اس ملک کی حکومت اُس کو ہجرت بھی نہ کرنے دے تو پھر وہ آزاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے جو بھی ذریعہ بخشا ہوا ہے اُسے کام میں لاتے ہوئے اپنی آزادی کی جدوجہد کرے۔ جب کانگرس گورنمنٹ کے خلاف کھڑی ہوئی تھی تو انہی اصول کی وجہ سے مَیں نے کانگرس کی مخالفت کی تھی ورنہ مَیں کانگرس کا دشمن نہیں تھا۔ نہ ملک کی آزادی کا دشمن تھا۔ کانگرس کے کئی لیڈر میرے واقف تھے اور بعض دوست بھی اور وہ مختلف اوقات میں مجھ سے تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے اور جانتے ہیں کہ مَیں ملک کی آزادی کا اُن سے کم حامی نہیں تھا۔ مجھے ان سے اختلاف صرف اُس طریقۂ کار کے متعلق تھا جو میرے نزدیک ملکی حکومت کے بن جانے پر بھی تفرقہ کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ جو کچھ مَیں نے اس وقت کہا تھا آج پاکستان اور ہندوستان میں لفظاً لفظاً صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ حکومت کے بائیکاٹ کے اعلانات کئے جا رہے ہیں۔ سٹرائیکیں کی جا رہی ہیں اور ملک میں رہتے ہوئے انتشار اور اختلاف کے سامان پیدا کئے جا رہے ہیں۔ مَیں جو انگریز کے زمانہ میں انگریز کے خلاف ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ خود ملکی حکومتوں کے قائم ہو جانے کے بعد پاکستان یا ہندوستان میں مَیں ایسی باتوں کی اجازت دے دیتا۔ چنانچہ ہر ایسے موقع پر جو پاکستان یا ہندوستان میں پیدا ہوا مَیں نے اپنی جماعت کو یہی حکم دیا کہ وہ حکومتِ وقت کی پُورے طور پر وفاداری کریں اور جو ذمہ داریاں حکومت کی طرف سے شہریوں پر عائد کی جائیں ان ذمہ داریوں کو دیانتداری سے ادا کریں۔ یقیناً یہ تعلیم پاکستانی اور ہندوستانی حکومتوں کی نظر میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھی جانی چاہیئے تھی مگر افسوس کہ ہندوستان میں ایسا نہیں کیا گیا اور بعض صوبجاتی حکومتوں نے اس قیمتی خزانے کی قدر

نہیں کی جو احمدیہ جماعت کی صورت میں اُن کے ملک کو حاصل ہوُا تھا۔ احمدی جماعت ہر ملک کیلئے ایک قیمتی جوہر ہے۔ وہ وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اپنے ملک کی حکومت کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ وہ انصاف اور عدل کے لئے قربانی کرنے والی جماعت ہے مگر حکومت کے ساتھ عدمِ تعاون اس کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ عدل اور انصاف کو عدل اور انصاف کے ذریعوں سے ہی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ عدل اور انصاف کے حاصل کرنے کے لئے غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ ذرائع کے اختیار کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ ہر سمجھدار انسان اِس جماعت کو سر اور آنکھوں پر بٹھائے گا۔ ہر سمجھدار حکومت ایسی جماعت کو قدر اور عزت کی نگاہوں سے دیکھے گی اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اگر اِس سے پہلے نہیں تو آئندہ ہندوستان کی مختلف صوبائی حکومتیں اور مرکزی حکومت ان احمدی تعلیمات کو مدِنظر رکھ کر جو مَیں نے اُوپر بیان کی ہیں احمدیوں کے متعلق اپنے رویّہ کو تبدیل کرے گی۔

مجھ سے بعض ہندوستانی جو اِدھر آتے رہتے ہیں انہوں نے بعض دفعہ ان امور پر تبادلۂ خیالات کیا ہے اور بعض ایسے سوالات کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ہمارے نقطۂ نگاہ کو پُورے طور پر نہیں سمجھا مثلاً یہ کہ اگر آپ ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان کی وفاداری کی تعلیم دیتے ہیں تو کیا پاکستان کے احمدی کشمیر کے معاملہ میں پاکستانی حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے؟ میری اُوپر کی تشریح کے بعد یہ سوال کیسا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ جو کچھ مَیں نے اُوپر بیان کیا ہے اُس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ جو شخص جس حکومت میں رہے وہ اس کا فرمانبردار رہے اور اُس کے ساتھ تعاون کرے۔ اِس تعلیم کا یہ مطلب ہے کہ ہر پاکستان میں رہنے والا احمدی اپنی حکومت کا پوری طرح فرمانبردار ہوگا اور اُس کے مقاصد اور مفاد میں پُوری طرح تعاون کرے گا۔ اور ہندوستان میں رہنے والا ہر احمدی حکومتِ ہندوستان کا پوری طرح فرمانبردار ہوگا اور اس کے مقاصد اور مفاد میں اُس سے پوری طرح تعاون کرے گا۔ اتنی واضح تعلیم کے بعد اِس قسم کا شُبہ پیدا ہی کس طرح ہو سکتا ہے؟ یہ سوال تو بے شک کیا جا سکتا تھا کہ کیا ہندوستان میں رہنے والا احمدی اپنی حکومت کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے گا؟ اس کا جواب یقیناً مَیں یہ دیتا کہ ہاں کرے گا۔ لیکن ہر حکومت کی وفاداری کی تعلیم سُنکر یہ کہنا کہ کیا پاکستان میں رہنے والا احمدی پاکستان کی حکومت سے بغاوت کرے گا! کُلی احمقانہ اور جاہلانہ سوال ہے۔ اُوپر کی بیان کردہ تعلیم کا یہ

لازمی نتیجہ ہے کہ پاکستان میں رہنے والا ہر احمدی حکومتِ پاکستان کی پُوری فرمانبرداری کرے گا اور اُس کے تمام مقاصد اور مفاد میں اس کے ساتھ تعاون کرے گا۔ اگر پاکستان ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ ہم ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان سے بغاوت کی تعلیم دیں تو ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ اور اگر ہندوستان کی حکومت ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ ہندوستان میں رہنے والے احمدیوں کو امن سے رہنے دینے کی قیمت ہمیں یُوں ادا کرنی چاہیئے کہ پاکستان کے احمدی پاکستان کی حکومت سے غداری کریں یا اس سے عدمِ تعاون کریں تو ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ ہمارا مذہب یہ کہتا ہے کہ جس حکومت میں رہو اس کے فرمانبردار رہو۔ پس جو ہندوستان میں رہتے ہیں ہم اُن کو یہی کہیں گے کہ ہندوستان کی حکومت کی فرمانبرداری کرو اور جو پاکستان میں رہتے ہیں ہم اُن کو یہی کہیں گے کہ پاکستان کی حکومت کی فرمانبرداری کرو۔ اور یہی تعلیم ہماری انڈونیشیا، عرب، یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ، انگلستان، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، ایبے سینیا، مصر اور دیگر حکومتوں کے ماتحت رہنے والے احمدیوں کو ہوگی۔ کسی کی سمجھ میں ہماری بات آئے یا نہ آئے ہماری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ ہمارے بیان کردہ اصولوں کے بغیر دُنیا میں امن قائم کس طرح رہ سکتا ہے؟ اگر ہندوستانی اپنے سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ وہ جہاں کہیں جائیں ہندوستان کے ایجنٹ بن کر رہیں تو دوسری قومیں ان کو برداشت کس طرح کریں گی؟ اور اگر پاکستانی اپنی رعایا یا اپنے سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دیں تو اسی سلوک کی اُن کو بھی امید رکھنی چاہیئے۔ ہر سیاسی حکومت کو اپنے باشندوں کو یہی حکم دینا ہوگا کہ تم اپنی حکومت کے فرمانبردار رہو۔ اور اگر باہر جاؤ تو عارضی طور پر اُس حکومت کے قوانین کی پیروی کرو اور ایک مذہبی گروپ کو اپنے افراد کو یہی تعلیم دینی ہوگی کہ تم جس ملک کے باشندے ہو اُس ملک کے وفادار رہو۔

پس یہ اخبار اِسی پالیسی کے ماتحت ہر ملک کے احمدیوں کو یہ تعلیم دے گا کہ وہ اپنی اپنی حکومت کے فرمانبردار اور مطیع رہیں اور اُس کے ساتھ سچا تعاون کریں۔

۲۔ اِس وقت سب سے بڑی مصیبت دُنیا پر یہ آئی ہوئی ہے کہ حکومتیں اپنے آپ کو اخلاقی نظام سے باہر سمجھتی ہیں۔ اخلاقی نظام کی پابندی صرف افراد کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں بہت سے فساد اور خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ "الرحمت" اِس مسئلہ کو بار بار سامنے لائے گا اور اپنی

اِس کمزور آواز کو بلند سے بلند کرتا چلا جائے گا کہ حکومتیں اور افراد دونوں ہی اخلاقی ذمّہ داریوں کو اپنے اُوپر حاکم تصوّر کریں اور اپنے آپ کو اخلاقِ حکومت سے بالا خیال نہ کریں ہم سمجھتے ہیں کہ سچائی، دیانت اور عدل کے قوانین کو اگر پُوری طرح مدِّنظر رکھا جائے تو بہت سی مشکلات جو اِس وقت ناقابلِ حل معلوم ہوتی ہیں آسانی سے حل ہو سکتی ہیں۔ ہر قوم کو دوسری قوم کا حق دینا چاہیئے اور ایک ملک میں رہنے والی سب قوموں کو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیئے۔ سیاسی اختلافات کی بنیاد ملک کی ترقی پر رکھنی چاہیئے نہ کہ قوموں کے اندر اختلاف اور انشقاق پیدا کرنے پر۔ ہماری یہ کوشش ہو گی کہ ہم سب سے پہلے جماعتِ احمدیہ کو اس کے اخلاقی فرائض کی طرف توجہ دلائیں جس میں اُن کے مذہبی پیشواؤں نے ہم سے اتفاق کیا ہے اور اُن کو اپنے پیشواؤں کی سچّی پیروی کی ہدایت کریں۔

۳۔ اِس وقت ایک عظیم الشان حادثہ کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور وہ حیران ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ اس اثر سے احمدی جماعت بھی آزاد نہیں۔ ہمارے نزدیک اِس انتشار کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ملک کی تقسیم کے بعد بھی مسلمان ہندوستان میں آزادی سے رہ سکتا ہے اگر وہ عقل سے کام لے سیاسی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم مذہبی اور اخلاقی پہلو جماعت اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے رکھتے رہیں گے جن کی روشنی میں وہ ہندوستان کی حکومت کا ایک مفید جُزو بن سکیں اور ہندوستان میں امن اور عزّت کی زندگی بسر کر سکیں۔ ہم ایسی ہی خدمت اُن ہندوؤں اور سکھّوں کی بھی کرنے کے لئے تیار رہیں گے جنہوں نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہؤا ہے یا جو آئندہ ایسا فیصلہ کریں۔

غرض اِس پرچہ کی بنیاد مذہب اور اخلاق پر ہو گی اور صُلح اور آشتی پر ہو گی۔ یہ پرچہ سیاسیات سے الگ رہے گا۔ اختلافات کو بڑھائے گا نہیں کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ جہاں تک عوامی تعلقات کا سوال ہے یہ پاکستان اور ہندوستان کے عوام کے جوش میں آئے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے گا اور ہر غدّاری کی رُوح کو خواہ وہ پاکستان میں سر اُٹھائے یا ہندوستان میں سر اُٹھائے دبانے کی کوشش کرے گا بلکہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں دُنیا کے ہر گوشہ کے لوگوں کے لئے "الرحمت" رحمت کا نشان بننے کی سعی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس ارادہ میں پُورا اُترنے کی

توفیق دے اور اس رستہ کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت بخشے اور اپنی مدد اور نصرت سے سچائی، عدل اور انصاف کے غلبہ کے سامان مہیا کرے۔

مَیں پھر اُسی آیت کو دُہراتے ہوئے جس کو مَیں اُوپر لکھ چکا ہوں اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا یعنی اے خدا! مَیں اِس کمزور کشتی کو ایک متلاطم سمندر میں پھینکتا ہوں تیرا ہی نام لیتے ہوئے اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہوئے تُو اپنے فضل سے اس متلاطم سمندر میں اس کشتی کو آرام سے چلنے میں مدد دے اور اپنی حفاظت میں اس کے منزلِ مقصود پر پہنچنے کے سامان پیدا فرما۔ آمین" [1]

فصل سوم

مسجد مبارک ربوہ کے سنگِ بنیاد کی مقدس تقریب

۳ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء کو دوشنبہ کا دن اور ۹ ذی الحج کی بابرکت تاریخ تھی جو سب مسلمانانِ عالم کے لئے عموماً اور دُنیائے احمدیت کے لئے خصوصاً دوہری خوشیوں اور مسرتوں کا موجب بنی کیونکہ اُس روز نمازِ عصر کے بعد ٹھیک اس وقت جبکہ دُنیا بھر سے عشاقِ رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں وقوف کرکے خدا تعالیٰ کے حضور متضرعانہ دعاؤں میں مصروف تھے خلیفۂ وقت امام ہمام سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تحریکِ احمدیت کے نئے مرکز "ربوہ" کی مسجد مبارک کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اِس مقدس تقریب میں رُوحانی اور معنوی اعتبار سے دُنیا کے دوسرے احمدیوں کو شامل کرنے کے لئے سیّدنا مصلح موعودؓ کی ہدایت پر پاک و ہند کی جماعتوں اور لنڈن مشن کو بذریعہ تار اطلاعات دی گئیں نیز "الفضل" میں بھی اعلان کر دیا گیا کہ ۳ اخاء کو ساڑھے پانچ بجے بعد دوپہر مسجد کا بنیادی پتھر رکھا جائے گا اور دعا ہوگی۔ احباب بھی اپنی اپنی جگہ دعا میں شریک ہوں۔ [2]

---

[1] "الرحمت" ۲ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳، ۴ ؛ [2] الفضل ۲ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے "الفضل" کا یہ اعلان پڑھتے ہی درویشانِ قادیان کو پہلے تار دیا پھر فون کرکے اِس بات کی تسلّی کر لی کہ آپ کا پیغام صحیح صورت میں درویشوں تک پہنچ گیا ہے۔

حضرت امیرالمومنین کی تشریف آوری

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ ۳/اخاء/اکتوبر کو لاہور سے ۹ بجکر چالیس منٹ پر بذریعہ کار روانہ ہوئے اور بارہ بجکر پینتالیس منٹ پر ربوہ پہنچے۔ حضور کے ہمراہ خاندانِ مسیح موعودؑ کی بیگمات کے علاوہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور مکرم میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھے۔

بیرونی مخلصین کی آمد

چونکہ الفضل میں اِس مسجد کے سنگِ بنیاد رکھے جانے کی خبر شائع ہو چکی تھی اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے بذریعہ تار بھی جماعتوں کو اطلاعات بھجوائی جا چکی تھیں اِس لئے لاہور، منٹگمری، سرگودہا شہر، چک ۴/۱۲ جنوبی سرگودھا، چک ۴۳، چک ۸۹، چک ۹۸، چک ۹۹، چک ۱۲۴ سرگودہا، لائل پور، چک ۶۸ لائل پور، جھنگ مگھیانہ، جڑانوالہ، سیالکوٹ شہر، میانوالی، بھکر، چنیوٹ، احمد نگر اور لالیاں وغیرہ کے بہت سے مخلص افراد اِس تاریخی تقریب میں شمولیت اور دعا کی غرض سے ربوہ پہنچ گئے۔ میانوالی سے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب P.A.S. ڈپٹی کمشنر بھی تشریف لائے۔ لاہور سے آنے والے دوستوں میں شیخ بشیر احمد صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ لاہور، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب، میاں غلام محمد صاحب اختر پرسنل آفیسر ریلوے، چوہدری عبدالحمید صاحب انجنیئر، اور چوہدری عبداللہ خاں صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جماعتِ احمدیہ ربوہ کے تمام مردوں اور بچوں کے علاوہ مقامی خواتین بھی دعا کی غرض سے موجود تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایاتِ خصوصی

بنیاد رکھے جانے کا وقت بعد نمازِ عصر مقرر تھا اور چونکہ یہ ایک مقدس تقریب تھی جس میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیاد رکھی جانے والی تھی اِس لئے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی ہدایت کے ماتحت نظارت عُلیا نے وہ دعائیں جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھاتے وقت فرمائی تھیں دستی پریس پر طبع کروا دی تھیں تا لوگ ان دعاؤں کو یاد رکھیں اور بنیاد رکھے جانے کے وقت اور اس سے قبل باآوازِ بلند دُہراتے رہیں چنانچہ نمازِ عصر کے وقت یہ طبع شدہ دعائیہ اوراق لوگوں میں تقسیم کئے گئے اور سب دوست ان دعاؤں کو دُہراتے رہے۔

عصر کی نماز سے قبل حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی مندرجہ ذیل ہدایات موصول ہوئیں جو

مولانا جلال الدین صاحب شمس قائمقام ناظر اعلیٰ نے پڑھ کر سنائیں:۔

"دعا کے وقت اینٹوں اور گارے تک تین صفیں ہوں گی۔

۱۔ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک صف۔

۲۔ دوسری صف خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نرینہ افراد کی۔

۳۔ تیسری صف، واقفین زندگی کی۔

یہ تینوں متوازی ہوں گی اور اینٹ گارا اس کی جگہ سے پکڑ کر وہاں تک پہنچائیں گی جہاں میں کھڑا ہوں گا۔ ایک ایک تغاری گارے یا چونے کی اور تین تین اینٹ ہر ایک صف کے لوگ مجھ تک پہنچائیں گے۔ اس وقت چند حفاظ ادعیہ رفع بیت اللہ بلند آواز سے دہرانے جائیں گے اور ساتھ ہی سب حاضرین دعائیں دُہرائیں گے۔ اس کے بعد نماز مغرب ہو گی۔ عصر کی نماز بنیاد رکھنے سے پہلے ہو گی۔ اس کے بعد بنیاد شروع ہو گی۔

والسلام خاکسار

مرزا محمود احمد"

بعد ازاں حضور کے ارشاد پر مزید یہ اعلان ہوا کہ ان کے علاوہ چوتھی صف امراء جماعتہائے احمدیہ اور ناظران سلسلہ کی اور پانچویں صف مہاجرین قادیان کی ہو گی۔ باقی دوست ایک طرف کھڑے ہو کر دعاؤں میں مشغول رہیں۔

اس کے بعد حضور نے اس مقام پر پہنچ کر خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی خواتین مبارکہ اور صحابیات و مہاجرات قادیان کی دو مزید صفوں کا بھی حکم دیا۔

نمازِ عصر اور بُنیاد کی تقریب

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے نمازِ عصر اسی جگہ پڑھائی جہاں بنیاد رکھی جانے والی تھی اور جہاں دھوپ سے بچاؤ کے لئے خیمہ کا انتظام کیا گیا تھا جب حضور نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تو اس کے معاً بعد تمام دوست اوپر کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق اپنی اپنی صفوں میں پہنچ گئے اور پھر دست بدست حضور کی خدمت میں اینٹیں اور سیمنٹ کی تغاریاں پہنچائی گئیں۔ تین اینٹیں خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نرینہ افراد نے تین اینٹیں صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین اینٹیں واقفین زندگی نے

تین اینٹیں امراءِ جماعتہائے احمدیہ اور ناظرانِ سلسلہ نے، تین اینٹیں مہاجرینِ قادیان نے، تین اینٹیں خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیگمات نے اور تین اینٹیں صحابیاتِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہاجرات نے پیش کیں۔ اسی طرح ہر دفعہ سیمنٹ کی تغاری بھی دست بدست حضور تک پہنچائی جاتی رہی۔ خاندانِ مسیح موعودؑ کی بیگمات اور صحابیات سے حضور بنفسِ نفیس آگے بڑھ کر تغاری لیتا اور بنیادوں تک لاکر استعمال فرماتے رہے۔

اِس جگہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بنیادی اینٹوں میں اوپر کی تعداد کے علاوہ دو اینٹیں مسجد مبارک (قادیان) کی اینٹوں میں سے بھی لگائی گئیں جو صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ۱۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کو قادیان سے لائے[1] گویا کل ۲۳ اینٹیں بنیاد میں لگائی گئیں۔ اِس دَوران میں حضرت امیرالمومنین بار بار بلند آواز سے دعائیں مانگتے چلے جاتے تھے اور تمام مجمع بھی رقّت اور سوز کے ساتھ اِن دعاؤں کو دُہراتا رہا۔ حضور کی آواز میں اُس وقت ایک خاص قسم کا درد اور سوز پایا جاتا تھا جب تمام اینٹیں رکھی جاچکیں تو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے کھڑے ہو کر نہایت خشوع و خضوع اور انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پھر یہ دعائیں کیں کہ:-

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○

(البقرہ: آیت ۱۲۸ تا ۱۲۹)

ایک ایک دُعا حضور نے کئی بار دُہرائی اور حضور کے ساتھ ہی تمام مجمع ان دعاؤں کو دُہراتا چلا گیا۔ مجمع پر ایک رقّت کا عالم طاری تھا اور سینکڑوں آنکھیں پُرآب تھیں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا اب میں خاموشی سے دعا کروں گا دوست بھی میرے ساتھ شریک ہوں چنانچہ حضور نے ہاتھ اُٹھا کر لمبی دُعا فرمائی اور دوسرے دوست بھی دُعا میں مشغول ہوگئے۔

---

[1] الفضل ۲۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء صہ۳ کالم ۳ ؎

حضرت امام ہمام کا ایمان افروز خطاب

دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود منبر پر رونق افروز ہوئے۔ حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور اس کے بعد فرمایا :-

" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام تھا کہ آپ کے ہمّ اور غم نے اسمٰعیل کا درخت اُگایا[1]۔ اِس میں یہ پیشگوئی تھی کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اُن کی رُوح کے لئے نہایت تکلیف دہ ہوگا ایسا تکلیف دہ کہ آپ کی رُوح تڑپ تڑپ کر اور زاری کر کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جھکے گی اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اسمٰعیلی درخت اُگائے گا۔ اسمٰعیل کا درخت کیا ہے؟ اسمٰعیل کا درخت خانہ کعبہ ہے۔ اِس الہام میں یہ پیشگوئی تھی کہ ایک زمانہ میں احمدیوں کو قادیان سے ایک حد تک ہاتھ دھونا پڑے گا اور ان کے ہاتھ دھونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک نئے مقدس مقام کی بنیاد رکھے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے اسی مقام کی بنیاد رکھ رہے ہیں اور چونکہ یہ ایک مرکزی مقام ہے اور ساری دُنیا کے لوگوں سے اس کا تعلق ہے اِس لئے ساری دنیا کے لوگوں کو ہمیں اس کی تعمیر میں حصہ دینا چاہیئے۔ پس مَیں اِس موقعہ پر تمام جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی توفیق کے مطابق اِس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیں۔ میرا خیال ہے کہ بیس پچیس ہزار روپیہ بلکہ تیس پینتیس ہزار تک اس پر خرچ ہو جائے گا۔ ربوہ کی جماعت کو چاہیئے تھا کہ وہ اِس میں پہل کرتی مگر غالباً یہاں کے کارکنوں کا ذہن اِدھر گیا نہیں۔ لائلپور کی جماعت کا ذہن اِدھر گیا اور وہ اپنا چندہ آج اپنے ساتھ لائی ہے جو ۷۳۳ روپیہ آٹھ آنہ ہے۔ آخر یہ مسجد تعمیر ہوگی یہ مرکزی مسجد ہوگی اِس وجہ سے اس میں ساری ہی جماعت کا حصہ بھی چاہیئے۔ ہماری جماعت تو مخلصین کی جماعت ہے۔ مومنین کی جماعت ہے۔ عارفین کی جماعت ہے۔ مکّہ کے لوگ جن میں شرک پایا جاتا تھا اور جو دین سے دُور چلے گئے تھے ان میں بھی خانہ کعبہ کی تعمیر میں حصہ لینے کا اتنا جذبہ پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ جب کہ خانہ کعبہ کی عمارت کمزور ہو گئی انہوں نے ارادہ کیا کہ چندہ کر کے وہ اس کی تعمیر نئے سرے سے کریں۔ تعمیر کرتے وقت جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں حجرِ اسود رکھا جانا تھا تو سارے قبائل میں

---

[1] " يُخْرِجُ هَمَّهٗ وَغَمَّهٗ دَوْحَةَ إِسْمٰعِيْلَ " (بدر ۱۶ ر فروری ۱۹۰۶ء صہ ۲ و الحکم ۱۰ ر فروری ۱۹۰۶ء صہ ۱۱)

لڑائی شروع ہوگئی کچھ کہتے تھے کہ اسے ہم اُٹھا کر رکھیں گے۔ یہ لڑائی اتنی بڑھی کہ نوجوانوں نے تلواریں کھینچ لیں اور اُنہوں نے کہا کہ ہم اپنے مخالف کے خون کی ندیاں بہا دیں گے مگر اپنے سوا کسی اَور کو یہ شرف حاصل نہیں ہونے دیں گے۔ آخر قوم کے بڈھوں نے کہا کہ یہ صورت تو خطرناک ہے چلو یہ فیصلہ کر لو کہ جو شخص اس وقت کے بعد سب سے پہلے اِدھر آئے اُس کے ہاتھ سے ہم بنیاد رکھوائیں اور اُس کے فیصلہ کو قبول کرلیں اور سب نے اس سے اتفاق کرلیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خانۂ کعبہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آنے والا تھا اِس لئے اِس فیصلہ کے بعد جو شخص سب سے پہلے نمودار ہوُا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کو دیکھ کر سب کے سب اِس بات پر متفق ہو گئے کہ ہم بنیاد کا معاملہ آپ کے ہی سپرد کرتے ہیں۔ آپؐ نے ایک چادر لی اور حجرِ اسود کو اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر اُس پر رکھ دیا اور پھر ہر قبیلہ کے سردار کو کہا کہ اِس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لو چنانچہ تمام قبائل کے سرداروں نے اُس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیا اور اُسے اُٹھا کر اُس مقام پر لے گئے جہاں اُسے رکھنا تھا جب وہاں پہنچ گئے تو آپؐ نے پھر اپنے ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اُٹھایا اور اس کے اصل مقام پر اُسے رکھ دیا۔ اِس طرح وہ سارے کے سارے خوش ہو گئے[1] مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی بھی کر وا دی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی آئندہ خانہ کعبہ کی تعمیر ہو گی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے ثواب میں شامل ہونے کے لئے اگر عرب کے مشرکین اتنا اصرار کرتے تھے تو مومنین کو تو بہرحال ان سے زیادہ ایمانی غیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ جہاں بھی قومی طور پر کسی کام کا سوال ہو زندہ قوم کے زندہ افراد اصرار کیا کرتے ہیں کہ ہمیں اس میں حصّہ دیا جائے۔ پس ربوہ کے مخلصین کو چاہیئے تھا کہ چاہے وہ غریب تھے اپنے ایمان کے لحاظ سے وہ اس میں دوسروں سے پہلے حصّہ لیتے۔ بہرحال جیسا کہ مَیں پہلے کہہ چکا ہوں باہر کی جماعتوں میں سے سب سے پہلے لائلپور کی جماعت نے ۳۲۷ روپے آٹھ آنے اِس غرض کے لئے پیش کئے ہیں اسکے علاوہ کچھ وعدے اور کچھ نقد روپیہ بھی اکٹھا ہوُا ہے۔

مَیں نے اپنی طرف سے ۲۱ روپے نقد دیئے ہیں اور پانچ سو روپے کا وعدہ کیا ہے۔ اِس کے علاوہ ہمارے خاندان کے افراد کے چندے کی فہرست یہ ہے:۔

صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب مع بیوی بچے	-/۲۱ روپے

---

[1] طبری، ابنِ ہشام، زرقانی، تاریخ خمیس۔

مہر آپا سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ	۱۰/-	روپے
مرزا مظفر احمد صاحب مع سیّدہ امۃ القیوم صاحبہ	۲۱/-	〃
حضرت اُمّ المومنین	۴۰/-	〃
(حضرت) سیّدہ اُمّ وسیم احمد صاحب	۵/-	〃
(حضرت) سیّدہ اُمّ ناصر احمد صاحب	۳۰/-	〃
سیّدہ امۃ النصیر صاحبہ	۱۰/-	〃

اِس موقع پر حضور نے فرمایا کہ بعض جو یہاں نہیں ان کے رشتہ داروں نے خود ان کی طرف سے چندہ لکھوا دیا ہے تا وہ پہلے دن کے چندہ میں شامل ہو جائیں ان کی فہرست یہ ہے :-

(حضرت) مرزا ناصر احمد صاحب	۲۱/-	روپے
مرزا مبارک احمد صاحب	۲۱/-	〃
مرزا حفیظ احمد صاحب	۵/-	〃
مرزا رفیع احمد صاحب	۵/-	〃
مرزا خلیل احمد صاحب	۵/-	〃
مرزا وسیم احمد صاحب	۲۱/-	〃
مرزا طاہر احمد صاحب	۵/-	〃
مرزا اظہر احمد صاحب	۵/-	〃
میاں عبدالرحیم احمد صاحب و سیّدہ امۃ الرشید صاحبہ و بچگان	۵/-	〃
سیّد داؤد احمد صاحب و سیّدہ امۃ الحکیم صاحبہ	۵/-	〃
میاں مسعود احمد خاں صاحب [1]	۳۱/-	〃
(حضرت) مرزا بشیر احمد صاحب مع بیگم صاحبہ	۲۱/-	〃
(حضرت) مرزا شریف احمد صاحب	۲۱/-	〃
(حضرت) سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ	۱۰/-	〃

[1] آپ نے جماعت لائل پور میں دس۱۰ روپے چندہ الگ بھی دیا۔

(حضرت) نواب میاں عبداللہ خاں صاحب و (حضرت) سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔	۱۱/-	روپے
مرزا حمید احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۵/-	"
مرزا منیر احمد صاحب	۵/-	"
مرزا مبشر احمد صاحب	۵/-	"
مرزا مجید احمد صاحب	۵/-	"
امۃ الحمید بیگم صاحبہ	۵/-	"
امۃ المجید بیگم صاحبہ	۵/-	"
(حضرت) مرزا عزیز احمد صاحب	۵/-	"
نصیرہ بیگم صاحبہ اہلیہ (حضرت) مرزا عزیز احمد صاحب	۵/-	"
(حضرت) سیدہ اُمّ داؤد صاحبہ اہلیہ (حضرت) میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۵/-	"
بشریٰ بیگم صاحبہ بنت (حضرت) میر محمد اسحٰق صاحبؓ	۵/-	"
مرزا انور احمد صاحب	۱۰/-	"
مرزا منصور احمد صاحب و سیّدہ ناصرہ بیگم صاحبہ	۱۱/-	"
مرزا رفیق احمد صاحب	۱۰/-	"
مرزا حنیف احمد صاحب	۵/-	"
مرزا محمد احمد صاحب	۵/-	"
مرزا ظفر احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۵/-	"
(حضرت) سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ (اُمِّ متین)	۱۱/-	"
اچھی اماں صاحبہ	۵/-	"
والدہ سیّد محمد احمد صاحب (امۃ اللطیف صاحبہ)	۵/-	"
سیّد محمد احمد صاحب	۵/-	"

پیر صلاح الدین صاحب و امۃ اللہ بیگم صاحبہ	-/۱۱	روپے
امۃ القدوس صاحبہ	-/۵	"
مرزا داؤد احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	-/۱۱	"
نوابزادہ میاں عباس احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	-/۵	"
بلے بی	-/۱	روپیہ
مرزا رشید احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ و بچگان	-/۱۱	روپے
مرزا نعیم احمد صاحب	-/۱۰	"
امۃ الحفیظ صاحبہ	-/۵	"

اس کے بعد حضور نے فرمایا :۔

بعض جماعتوں کی طرف سے مَیں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک سُنّت کی اتباع میں خود ان کا نام چندہ کی فہرست میں لکھ دیا ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکّہ میں تھے اور بیعتِ رضوان ہو رہی تھی تو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے[1] مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ یہاں ہوتا تو بیعت سے کبھی پیچھے نہ رہتا۔ باہر کی جماعتوں کو چونکہ یہ آواز دیر میں پہنچے گی اِس لئے مَیں نے ان کو ثواب میں شریک کرنے کے لئے ان کی طرف سے خود بخود چندہ تجویز کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا چندہ پہلے دن کے ثواب میں شمولیت کی وجہ سے مَیں نے لکھ دیا ہے۔ وہ زیادہ کر سکتے ہیں لیکن اگر کم کریں تو مَیں ادا کر دوں گا :۔

جماعتہائے مشرقی پاکستان	-/۱۰۰۰	روپیہ
جماعتہائے سندھ اسٹیٹس	-/۱۰۰۰	"
جماعتِ کوئٹہ	-/۵۰۰	"
جماعتِ لاہور	-/۱۰۱	"
جماعتِ شام	-/۱۰۱	"
جماعتِ انڈونیشیا	-/۱۰۱	"

[1] ابنِ سعد ؎

جماعتِ مارشیس	۱۰۱/-	روپیہ
جماعتِ فلسطین	۱۰۱/-	"
جماعتِ سوئٹزرلینڈ	۱۰۱/-	"
جماعتِ لنڈن	۱۱/-	"
جماعتِ ہالینڈ	۱۱/-	"
جماعتِ جرمنی	۱۱/-	"
جماعتِ سپین	۱۱/-	"
جماعتِ فرانس	۱۱/-	"
(حضرت) سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب	۱۰۱/-	"
خاندان (حضرت) سیٹھ محمد غوث صاحب	۵۱/-	"
جماعتِ قادیان	۳۱۳/-	"
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب	۱۰۱/-	"
آمنہ بیگم صاحبہ زوجہ چوہدری عبداللہ خاں صاحب (انہوں نے خود چندہ لکھوایا اور نقد ادا کر دیا)	۱۰۰/-	"
جماعتِ امریکہ	۱۰۰۰/-	"
جماعتِ مشرقی افریقہ	۱۰۰۰/-	"
جماعتِ مغربی افریقہ	۱۰۰۰/-	"

اس سے آگے وہ فہرست ہے جنہوں نے خود اس موقع پر چندہ لکھوایا:۔

میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری مع بچگان	۱۰۱/-	"
میاں غلام محمد صاحب اختر پرسنل آفیسر ریلوے مع اہل وعیال	۱۰۱/-	"
چوہدری اسداللہ خاں صاحب مع اہل وعیال	۵۲۱/-	"
کیپٹن مبارک احمد صاحب وامۃ المجیب صاحبہ اختر بنت اختر صاحب	۲۱/-	"
قریشی عبدالرشید صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۲۱/-	"

جماعتِ احمدیہ ناسنور (کشمیر)	۵۰/-	روپیہ (نقد ادا کیا)
(حضرت) چوہدری فتح محمد صاحب سیال	۱۰۱/-	″
چوہدری غلام محمد صاحب کڑیال شہید	۵۱/-	″
شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور (شیخ مشتاق حسین صاحبؓ کے خاندان کی طرف سے)	۱۰۰۰/-	″
جامعہ احمدیہ	۲۰۰/-	″
محمد شریف صاحب خالد کی پھوپھی صاحبہ کا ترکہ	۳۰۰/-	″

(حضور نے فرمایا محمد شریف صاحب خالد کی پھوپھی فوت ہوگئی ہیں ان کا ترکہ تین سَو روپے تھا جو انہوں نے اسی غرض کے لئے رکھا ہوا تھا کہ مسجد کے لئے دیں گے چنانچہ اب وہ یہ روپیہ پیش کرتے ہیں)

حضور کی طرف سے جب اِن وعدوں کے اعلانات ہوئے تو مجمع میں سے اکثر دوستوں نے اپنے اپنے وعدے پیش کرنے شروع کر دئے اس پر حضور نے فرمایا کہ افراد اپنے وعدے دفتر بیت المال میں لکھوائیں یہاں صرف جماعتوں کے وعدے لکھے جائیں گے چنانچہ اس پر جن جماعتوں نے اپنے وعدے لکھوائے وہ یہ ہیں:-

مدرسہ احمدیہ	۱۰۰/-	روپے
جماعتِ شیخوپورہ	۵۲۱/-	″
جماعت منٹگمری شہر	۳۰۱/-	″
جماعت چک نمبر ۹۹ شمالی ضلع سرگودھا	۵۱/-	″
جماعت رسالپور	۷۱/-	″
جماعت رشی نگر	۱۱/-	″
واقفین ربوہ	۱۰۱/-	″
جماعت چک نمبر ۶۸ لائل پور	۴۷/-	″
جماعت چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودھا	۱۰۱/-	″

سرگودھا شہر	۵۰۰/-	روپے
جماعت ڈسکہ	۲۰۰/-	″
جماعت ہموساں (کشمیر)	۳۰/-	″
جماعت سیالکوٹ	۷۰۰/-	″
جماعت کوٹلی ضلع میرپور آزاد کشمیر	۵۰/-	″
دفتر پرائیویٹ سیکرٹری	۱۰۱/-	″
تعلیم الاسلام ہائی سکول	۱۰۱/-	″
جماعت میانوالی	۱۱/-	″
چک ۸۶، ۸۷ شمالی سرگودھا	۱۰۰/-	″
جماعت کھوٹہ	۳۱/-	″
جماعت چنیوٹ	۲۰۰/-	″
جماعت سیالکوٹ چھاؤنی	۵۰/-	″
جماعت صریح چک ۹۶ تحصیل جڑانوالہ	۱۱/-	″
جماعت برلبط (آزاد کشمیر)	۱۱/-	″
جماعت لاہور چھاؤنی	۲۰۰/-	″
بزم محمود (احمد نگر)	۱۱/-	″
بزم احمد (احمد نگر)	۵/-	″
کارکنان صدر انجمن احمدیہ	۱۲۰/-	″
جماعت الہ آباد ریاست بہاولپور	۵/-	″
تاجران ربوہ	۱۰۱/-	″
جماعت کلکتہ	۵۰۰/-	″
جماعت چک ۲۷۶ گوکھووال	۵۰/-	″
جماعت بھکر	۲۵/-	″

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ	۵۲۱/-	روپے
جماعت فتح پور ضلع گجرات	۵/-	〃
جماعت پنڈی بھٹیاں	۱۰/-	〃
جماعت چک نمبر ۴۷ ریاست بہاولپور	۵/-	〃
جماعت احمدیہ احمد نگر	۵۱/-	〃
جماعت لالیاں	۵۰/-	〃
جماعت چک نمبر ۵ ضلع لائل پور	۳۰/-	〃
جماعتِ احمدیہ اُونچے مانگٹ	۲۱/-	〃
بہلول پور ضلع لائل پور	۱۰۱/-	〃
اطفال الاحمدیہ ربوہ	۲۱/-	〃
جماعت چک نمبر ۳۵ جنوبی سرگودھا	۵۰/-	〃
جماعت حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ	۵۰/-	〃
لجنہ اماء اللہ مرکزیہ	۵۱/-	〃
جماعت بدوملہی	۱۰۰/-	〃
جماعت پیر کوٹ ضلع گوجرانوالہ	۱۰/-	〃
جماعت بھیرہ	۲۱/-	〃
جماعت علی پور چک نمبر ۶ ضلع لاہور	۵۰/-	〃
جماعت چیچہ وطنی	۱۱/-	〃

اِن وعدوں کے علاوہ مختلف افراد نے دفتر بیت المال میں پہنچ کر جو وعدے لکھوائے یا نقد رقوم ادا کیں ان تمام کی مجموعی میزان سترہ ہزار سے اُوپر نکل گئی۔

نمازِ مغرب تقریر کے بعد حضور نے وہیں مغرب کی نماز پڑھائی جس کی آخری رکعت میں پھر ان دعاؤں کو دُہرایا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھیں اور اس طرح یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

دیگر کوائف اِس مبارک تقریب میں خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جن نرینہ افراد نے حصّہ لیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب، میر داؤد احمد صاحب، میاں مسعود احمد خاں صاحب، صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب (ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے صاحبزادے)، صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب (ابن حضرت مرزا عزیز احمد صاحب)، صاحبزادہ میاں محمود احمد خاں صاحب (میاں مسعود احمد خان صاحب کے صاحبزادے)۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدّس خاندان کی جن مبارک خواتین کو اس میں حصّہ لینے کا موقع ملا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

حضرت سیّدہ اُمِّ ناصر احمد صاحب، حضرت سیّدہ اُمِّ وسیم احمد صاحب، حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ، سیّدہ امۃ القیوم بیگم صاحبہ، سیّدہ امۃ الباسط صاحبہ، سیّدہ امۃ النصیر صاحبہ، سیّدہ امۃ الجمیل صاحبہ، سیّدہ محمودہ بیگم صاحبہ، بیگم صاحبہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، سیّدہ ریحانہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مرزا عزیز احمد صاحب[1]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جن صحابہ کو اِس مبارک تقریب میں شمولیت کا موقع ملا ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب
۲۔ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب
۳۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب
۴۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب
۵۔ مکرم سید محمود عالم صاحب
۶۔ مکرم چوہدری برکت علی خاں صاحب
۷۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری
۸۔ مکرم ڈاکٹر غلام غوث صاحب
۹۔ مکرم میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری
۱۰۔ مکرم سید محمود اللہ شاہ صاحب
۱۱۔ مکرم سید محمد اسمٰعیل صاحب
۱۲۔ مکرم شیخ فضل احمد صاحب
۱۳۔ مکرم منشی کظیم الرحمٰن صاحب ہیڈ کلرک نظارت امورِ عامہ
۱۴۔ مکرم منشی عبدالخالق صاحب

---

[1] الفضل ۸ اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳ ، صفحہ ۴ ، صفحہ ۵ +

۱۵ - مکرم منشی سربلند خاں صاحب
۱۶ - مکرم مرزا احمد بیگ صاحب
۱۷ - مکرم چوہدری محمد شریف صاحب منٹگمری
۱۸ - مکرم مولوی عبدالحق صاحب بدوملہی
۱۹ - مکرم خواجہ عبیداللہ صاحب ریٹائرڈ ایس ڈی او
۲۰ - مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی
۲۱ - مکرم بھائی محمود احمد صاحب
۲۲ - مکرم حکیم دین محمد صاحب
۲۳ - مکرم محمد عبداللہ صاحب جلد ساز
۲۴ - مکرم مولوی فضل دین صاحب وکیل
۲۵ - مکرم شیخ محمد حسین صاحب پنشنر
۲۶ - مکرم بابا حسن محمد صاحب
۲۷ - مکرم عبیداللہ صاحب رانجھا
۲۸ - مکرم ماسٹر نور الٰہی صاحب
۲۹ - مکرم بابو فقیر علی صاحب
۳۰ - مکرم بابو محمد اسمٰعیل صاحب معتبر
۳۱ - مکرم خدا بخش صاحب مومن
۳۲ - مکرم رسالدار کرم داد خان صاحب
۳۳ - حضرت چوہدری فتح محمد صاحب
۳۴ - مکرم خوشی محمد صاحب چک ۳۲ سرگودھا
۳۵ - مکرم خدا بخش صاحب ساکن ادرحمہ
۳۶ - مکرم فقیر محمد صاحب سیکھواں
۳۷ - مکرم عبداللہ صاحب بھاگووال
۳۸ - مکرم حکیم فضل الرحمٰن صاحب
۳۹ - مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس
۴۰ - مکرم صوفی غلام محمد صاحب
۴۱ - مکرم ماسٹر عطاء محمد صاحب
۴۲ - مکرم مولوی غلام احمد صاحب
۴۳ - مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر بی۔او
۴۴ - مکرم مستری محمد دین صاحب
۴۵ - مکرم احمد دین صاحب مؤذن
۴۶ - مکرم امیر بخش صاحب پہلوان
۴۷ - مکرم چوہدری فضل احمد صاحب
۴۸ - مکرم ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب
۴۹ - مکرم مرزا مولا بخش صاحب
۵۰ - مکرم محمد افضل صاحب
۵۱ - مکرم محمد اسمٰعیل صاحب
۵۲ - مکرم عطاء محمد صاحب
۵۳ - مکرم عبدالسلام خاں صاحب
۵۴ - مکرم رحمت خاں صاحب
۵۵ - مکرم عبدالمجید صاحب
۵۶ - مکرم رحیم بخش صاحب
۵۷ - مکرم عبدالرحیم صاحب عرف پولا
۵۸ - مکرم عنایت اللہ صاحب
م محمد دین صاحب
۶۰ - مکرم احمد دین صاحب

۶۱۔ مکرم محمد ظہور صاحب
۶۲۔ مکرم شیخ نذر محمد صاحب
۶۳۔ مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب
۶۴۔ مکرم چوہدری غلام محمد صاحب
۶۵۔ مکرم چوہدری غلام رسول صاحب
۶۶۔ مکرم شمشیر خاں صاحب
۶۷۔ مکرم علی احمد صاحب
۶۸۔ مکرم مالی صاحب ننگل باغباناں
۶۹۔ مکرم مستری عبدالکریم صاحب[1]

واقفینِ تحریکِ جدید جو اس تقریب میں شریک ہوئے ان کی تعداد ۸۸ تھی۔ امرائے جماعتہائے احمدیہ جو اس موقع پر تشریف لائے ان کے اسماء یہ ہیں:۔

شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور۔ مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت احمدیہ سرگودہا۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعتِ احمدیہ لائل پور۔ چوہدری محمد شریف صاحب امیر جماعتِ احمدیہ منٹگمری چوہدری عبداللہ خاں صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی۔ ملک غلام نبی صاحب امیر جماعتِ احمدیہ چک ۹۸ شمالی ضلع سرگودھا۔

تعمیر مسجد سے قبل صدقہ

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قبل ازیں ۱۹ تبوک ۱۳۲۸ھش / ستمبر ۱۹۴۹ء بروز پیر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ڈیڑھ بجے کے قریب ربوہ تشریف لائے تو اس وقت مسجد مجوّزہ کی نشاندہی ہو چکی تھی۔ حضور کے اس مجوّزہ مسجد کے اندر داخل ہونے کے بعد اہلِ ربوہ کی طرف سے تین بکرے مسجد کے تین کونوں پر ذبح کئے گئے ایک حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ نے، دوسرا صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے اور تیسرا حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب امیر مقامی نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ اسی طرح جب حضور اپنے گھر کے اندر داخل ہونے لگے تو اس وقت بھی دو بکرے مقامی انجمن احمدیہ ربوہ کے جنرل سیکرٹری مکرم شیخ محمد الدین صاحب مختار عام نے ذبح کئے۔[2]

مسجد مبارک کی تعمیر اور افتتاح

مسجد مبارک کا نقشہ مکرم حفیظ الرحمان صاحب واحد ہیڈ ڈرافٹس مین نے تیار

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۱۹ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صہ ۲۔

[2] روزنامہ الفضل لاہور ۸ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صہ ۵۔

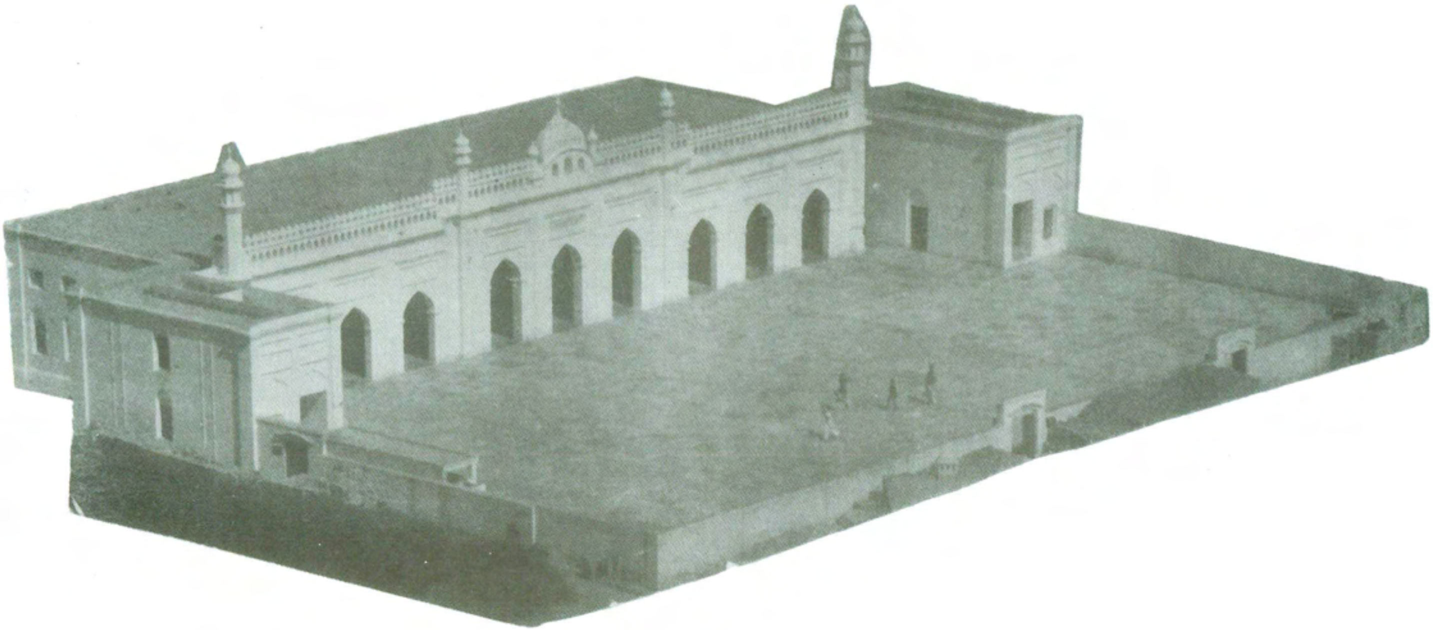

مسجد مبارک ربوہ کا ایک پرکیف منظر

کیا[1] اور اس کی تعمیر حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر صحابی حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب کی زیرِ نگرانی ماہِ ظہور ۱۳۳۰ہش / اگست ۱۹۵۱ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ مینار بعد میں بنے۔[2]

ربوہ کی یہ پہلی مستقل مسجد ہے جس کے بنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کو عطا فرمائی۔ مسجد کے ایک رنگ میں مکمل ہونے پر حضرت مصلح موعود نے ۲۳ ر امان ۱۳۳۰ہش / مارچ ۱۹۵۱ء کو اس میں پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور افتتاح سے قبل بطور شکرانہ ایک لمبا سجدۂ شکر کیا اور حضور کی اقتداء میں باقی تمام دوست بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

فصل چہارم

حضرت امیر المومنین کا رہائش ربوہ کے بعد پہلا روح پرور خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ربوہ میں مستقل رہائش کے بعد پہلا خطبہ جمعہ ۳۰[3] تبوک ۱۳۲۸ہش / ستمبر ۱۹۴۹ء کو ارشاد فرمایا۔ حضور نے

---

[1] حفیظ الرحمٰن صاحب ڈرافٹس مین آجکل انگلستان میں ہیں آپ لکھتے ہیں:۔ "میں ۱۴ر جولائی ۱۹۴۹ء کو ربوہ میں آیا میرے سپرد دفتر تعمیرات کی پلیننگ برانچ کی گئی یعنی صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کی تمام پختہ عمارات کے نقشہ جات کے ڈیزائن تیار کرنا میرے ذمہ لگایا گیا سب سے پہلا نقشہ مسجد مبارک ربوہ کا تیار کیا گیا۔ دفتر تعمیر کے ایک کچے کمرے میں رات کے وقت گیس کی روشنی کی گئی اور خاکسار نے محترم قاضی عبدالرحیم صاحبؓ بھٹی کی ہدایات کے مطابق نقشہ تیار کیا۔ چونکہ منظوری کے لئے نقشہ جلد کمیٹی میں پیش ہونا تھا اس لئے رات کے وقت کام کیا گیا۔ پھر یہ نقشہ کمیٹی کی منظوری کے لئے بھجوا دیا گیا اور ڈپٹی کمشنر مسٹر مُبرٹ نے اس پر منظوری کے دستخط کئے۔"

[2] اصحابِ احمد جلد ۶ صفحہ ۲۴، ۷۶ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ طبع اوّل جنوری ۱۹۵۹ء

[3] حضور اگرچہ ۱۹ تبوک ۱۳۲۸ہش / ستمبر ۱۹۴۹ء کو واردِ ربوہ ہوئے مگر جلد ہی حضرت سیّدہ امِ متین صاحبہ کی بیماری کی وجہ سے لاہور تشریف لے گئے جہاں ۲۳ تبوک کو مسجد احمدیہ دہلی دروازہ میں خطبہ دیا۔ اس کے بعد اگلا جمعہ حضور نے ربوہ میں پڑھایا جو رہائشِ ربوہ کا پہلا جمعہ تھا۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی مرکزی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲ پر)

یہ خطبہ قصرِ خلافت کی کچّی عمارت سے متّصل عارضی مسجد میں دیا جس میں احمدیت کے اِس نئے دینی مرکز کے قیام کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اِس پاک بستی میں صرف اُنہی مخلصین کو رہنا چاہیئے جو عملاً واقفِ زندگی ہوں ہمیشہ خدا تعالیٰ پر توکّل رکھیں اور ہر وقت خدمتِ دین کے لئے تیار رہیں۔ حضرت امیرالمومنین کے اِس رُوح پرور خطبہ کے بعض ضروری اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

"اب یہاں ہماری عمارتیں بننی شروع ہوگئی ہیں لوگ رہنے لگ گئے ہیں دکانیں کُھل گئی ہیں کچھ کارخانوں کی صورت بھی پیدا ہو رہی ہے کیونکہ چکّیاں وغیرہ لگ رہی ہیں۔ مزدور بھی آگئے ہیں پیشہ ور بھی آگئے ہیں اور دفتر بھی آگئے ہیں مگر یہ سب عارضی انتظام ہے مستقل انتظام کے لئے یہ شرط ہوگی کہ صرف ایسے ہی لوگوں کو ربوہ میں رہنے کی اجازت دی جائے گی جو اپنی زندگی عملی طور پر دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے والے ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ یہاں رہنے والا کوئی شخص دکان نہیں کرسکتا یا کوئی اَور پیشہ نہیں کرسکتا۔ وہ ایسا کرسکتا ہے مگر عملاً اُسے دین کی خدمت کے لئے وقف رہنا پڑے گا جب بھی سلسلہ کو ضرورت ہوگی وہ بلا چون وچرا اپنا کام بند کرکے سلسلہ کی خدمت کرنے کا پابند ہوگا مثلاً اگر تبلیغ کے لئے وفد جا رہے ہوں یا علاقہ میں کسی اَور کام کے لئے اُس کی خدمات کی ضرورت ہو تو اُس کا فرض ہوگا کہ وہ فوراً اپنا کام بند کرکے باہر چلا جائے انہی شرائط پر لوگوں کو زمین دی جائے گی اور جو لوگ اس کے پابند نہیں ہوں گے اُنہیں یہاں زمین نہیں دی جائے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ جگہ ایک مثالی جگہ ہو جس طرح ظاہر میں ہم اسے دین کا مرکز بنا رہے ہیں اس طرح حقیقی طور پر یہاں کے رہنے والے سب کے سب افراد دین کی خدمت کے لئے وقف ہوں وہ بقدرِ ضرورت دُنیا کا کام بھی کرتے ہوں لیکن ان کا اصل مقصد دین کی خدمت اور اس کی اشاعت ہو یُوں تو صحابہؓ بھی دُنیا کے کام کرتے تھے۔ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں کوئی ایک سپاہی بھی ایسا نہیں تھا جو تنخواہ دار ہو کوئی دکاندار تھا، کوئی زمیندار تھا، کوئی مزدور تھا، کوئی لوہار تھا، کوئی ترکھان تھا، غرض سارے کے سارے پیشہ ور تھے جس طرح آپ لوگوں کی دکانیں ہیں اسی طرح اُن کی بھی دکانیں تھیں جس طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سالانہ رپورٹ ۲۸-۱۳۲۹ ہش/ ۴۹-۱۹۵۰ء سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ تبوک تا ۷ نبوت ۱۳۲۸ ہش حضور لاہور میں قیام فرما رہے لیکن اس دوران خطبہ جمعہ کے لئے باقاعدگی سے ربوہ تشریف لاتے رہے۔ (صلا)

آپ لوگوں کی زمینداریاں ہیں اسی طرح اُن لوگوں کی بھی زمینداریاں تھیں۔ اگر آپ لوگ مختلف پیشوں سے کام لیتے ہیں مزدوری کرتے ہیں یا بڑھئی اور لوہار کا کام کرتے ہیں تو وہ بھی یہ سب کام کرتے تھے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب جنگ کے لئے نکلتے تو وہ سب کے سب آپ کے ساتھ چل پڑتے تھے اُس زمانہ میں جنگ تھی اِس زمانہ میں تبلیغ کا کام ہمارے سپرد ہے۔ آپؐ صحابہؓ سے فرماتے چلو تو وہ سب چل پڑتے تھے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہماری دکانیں بند ہو جائیں گی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اُن کے بیوی بچے نہیں تھے۔ آجکل لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ہم دین کی خدمت کے لئے جائیں تو ہمارے بیوی بچوں کو کون کھلائے گا۔ سوال یہ ہے کہ آیا صحابہؓ کے بیوی بچے تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو جنگ پر جانے کے بعد انہیں کون کھلاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی ترقی قربانی سے وابستہ ہے روپیہ ایک عارضی چیز ہے جیسے تحریکِ جدید کے ابتداء میں ہی مَیں نے کہہ دیا تھا کہ روپیہ ایک ضمنی چیز ہو گی تحریکِ جدید کی اصل بنیاد وقفِ زندگی پر ہو گی مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اب واقفین میں سے ایک حصہ کا رُجحان روپیہ کی طرف ہو رہا ہے اور وہ یہ سوال کر دیا کرتے ہیں کہ ہم کھائیں گے کہاں سے؟ حالانکہ وقف کی ابتدائی شرطوں میں ہی صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ زندگی وقف کرنے والا ہر قسم کی قربانی سے کام لیگا اور وہ کسی قسم کے مطالبہ کا حقدار نہیں ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص خدا کے لئے قربانی کرتا ہے خدا خود اُس کا مددگار ہو جاتا ہے۔ آخر ہمارے وقف کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو ہمیں ملے یا نہ ملے۔ مَیں "ہمارے" کا لفظ اِس لئے کہتا ہوں کہ مَیں بھی جوانی سے دین کی خدمت کے لئے وقف ہوں اور مَیں جب دین کی خدمت کے لئے آیا تھا اُس وقت مَیں نے خدا تعالیٰ سے یا خدا تعالیٰ کے نمائندوں سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ مَیں اور میرے بیوی بچے کہاں سے کھائیں گے مگر اَب تم میں سے کئی لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ میرے پاس روپیہ بھی ہے اور مَیں کھاتا پیتا بھی بافراغت ہوں مگر سوال یہ ہے کہ مَیں نے تو کوئی شرط نہیں کی تھی جو کچھ خدا نے مجھے دیا یہ اس کا احسان ہے میرا حق نہیں کہ مَیں اُس کی کسی نعمت کو رد کروں لیکن جب مَیں آیا تھا اُس وقت مَیں نے یہ نہیں کہا تھا کہ پہلے میرے اور میرے بیوی بچوں کے گذارہ کی کوئی صورت پیدا کی جائے اس کے بعد مَیں اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کروں گا یہ خدا کا سلوک ہے جس میں کسی بندے کو کوئی اختیار نہیں۔"

"غرض اللہ تعالیٰ پر توکّل ہی انسان کو حقیقی زندگی دیتا ہے اور توکّل ہی ہر قسم کی برکات کا انسان

کو مستحق بناتا ہے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے مکہ بنوایا تو اس وقت اس نے یہی کہا کہ یہاں توکّل سے رہنا اور خدا تعالیٰ سے روٹی مانگنا بندوں سے نہ مانگنا اسی نیّت اور ارادہ کے ساتھ ہمیں قادیان میں بھی رہنا چاہیئے تھا مگر وہ احمدیت سے پہلے کی بنی ہوئی بستی تھی اور بھی بہت سے لوگ اس سبق سے ناآشنا تھے لیکن یہ نئی بستی جہاں ایک طرف مدینہ سے مشابہت رکھتی ہے اِس لحاظ سے کہ ہم قادیان سے ہجرت کرنے کے بعد یہاں آئے وہاں دوسری طرف یہ مکّہ سے بھی مشابہت رکھتی ہے کیونکہ یہ نئے سرے سے بنائی جارہی ہے اور محض احمدیت کے ہاتھوں سے بنائی جارہی ہے جس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھ سے اللہ تعالےٰ نے مکّہ معظمہ بنوایا وہاں بھی خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل سے یہی کہا تھا کہ تم اپنی روٹی کا ذمّہ دار مجھے سمجھنا کسی بندے کو نہ سمجھنا پھر مَیں تم کو دوں گا اور اس طرح دوں گا کہ دُنیا کے لئے حیرت کا موجب ہوگا چنانچہ دیکھ لو ایسا ہی ہؤا مکّہ والے بے شک محنت مزدوری بھی کرنے لگ گئے ہیں لیکن مَیں سمجھتا ہوں اگر وہ محنت مزدوری چھوڑ دیتے تب بھی جس طرح بنی اسرائیل کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک جنگل میں مَنّ وسلویٰ نازل کیا تھا اسی طرح مکے والوں کے لئے مَنّ وسلویٰ اُترنے لگتے کیونکہ وہاں پر رہنے والوں کا رزق خدا تعالیٰ نے اپنے ذمّہ لیا ہؤا ہے اسی طرح ہم کو بھی اس جنگل میں جس جگہ کوئی آبادی نہیں تھی جس جگہ رزق کا کوئی سامان نہیں تھا جو مکّہ کی طرح ایک وادیٔ غیر ذی زرع تھی اور جہاں مکّہ کی طرح کھاری پانی ملتا ہے اور جو اِس لحاظ سے بھی مکّہ سے ایک مشابہت رکھتا ہے کہ مکّہ کی طرح یہاں کوئی سبزہ وغیرہ نہیں اور پھر مکّہ کے گِرد جس طرح پہاڑیاں ہیں اسی طرح اِس مقام کے اردگرد پہاڑیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے کہ ہم ایک نئی بستی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے بسائیں پس اِس موقع پر ہمیں بھی اور یہاں کے رہنے والے سب افراد کو بھی یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ انہوں نے خدا سے مانگنا ہے کسی بندے سے نہیں مانگنا تم اپنے دل میں ہنسو یا تمسخر کرو کچھ سمجھو حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں سب سے معزز روزی وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے مانگی جائے۔ وہ کوئی روزی نہیں جو انسان کو انسان سے مانگ کر ملتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے (مگر یہ اعلیٰ مقام کی بات ہے اور اعلیٰ درجہ کی رُوحانیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور شائد تم میں سے بہتوں کی سمجھ میں بھی نہ آئے) کہ وہ روزی بھی اتنی اچھی نہیں جو خدا تعالیٰ سے مانگ کر ملتی ہے بلکہ اعلیٰ روزی وہ ہے جو

خدا تعالیٰ خود دیتا ہے اور بے مانگے کے دیتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں ہمیشہ ہنسی آتی ہے اپنی ایک بات پر (مگر یہ ابتدائی مقام کی بات تھی اور اعلیٰ مقام ہمیشہ ابتدائی منازل کو طے کرنے کے بعد ملتا ہے اور ابتدائی مقام یہی ہوتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے مَیں نے خدا سے مانگنا ہے) کہ مَیں نے بھی خدا سے کچھ مانگا اور اپنے خیال میں انتہائی درجہ کا مانگا مگر مجھے ہمیشہ ہنسی آتی ہے اپنی بیوقوفی پر اور ہمیشہ لُطف آتا ہے خدا تعالیٰ کے انتقام پر کہ جو کچھ ساری عمر کے لئے مَیں نے مانگا تھا وہ بعض دفعہ اس نے مجھے ایک ایک ہفتہ میں دے دیا۔ مَیں زمین پر شرمندہ ہوں کہ مَیں نے کیا حماقت کی اور اس سے کیا مانگا اور وہ آسمان پر ہنستا ہے کہ اس کو ہم نے کیسا بدلہ دیا اور کیسا نادم اور شرمندہ کیا۔ پھر مَیں نے سمجھا کہ مانگنا بھی فضول ہے کیوں نہ ہم اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق پیدا کریں کہ وہ ہمیں بے مانگے ہی دیتا چلا جائے ایک شخص جو کسی بڑے آدمی کے گھر مہمان جاتا ہے وہ اگر اس سے جا کر کہے کہ صاحب، مَیں آپ کے گھر سے کھانا کھاؤں گا تو اس میں میزبان اپنی کتنی ہتک محسوس کرتا ہے جب وہ اس کے ہاں مہمان آیا ہے تو صاف بات یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں سے کھانا کھائے گا۔ اس کا یہ کہنا کہ مَیں آپ کے ہاں سے کھانا کھاؤں گا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ وہ میزبان کے متعلق اپنے دل میں یہ بدظنی محسوس کرتا ہے کہ شائد وہ کھانا نہ کھلائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جو مہمان ہو جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ خود کھلاتا اور پلاتا ہے اگر وہ اس سے مانگے تو اس میں اس کی اعلیٰ وارفع شان کی ہتک ہوتی ہے۔ مگر خدا کا سلوک ہر بندے سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ جو خدا کے لئے اپنی زندگی وقف نہیں کرتے ان کو بھی وہ روزی بہم پہنچاتا ہے اور جو اس کے لئے اپنی ساری زندگی کو وقف کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی روزی بہم پہنچاتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ ہم اس کے لئے بھی روزی کا انتظام کرتے ہیں جو ایمان سے خارج اور دہریّہ ہوتا ہے اور اس کے لئے بھی روزی کا انتظام کرتے ہیں جو ہم پر کامل ایمان رکھنے والا ہوتا ہے۔ یہ دو گروہ ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہمیں گالیاں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں خود کمائی کروں گا اور اپنی کوشش سے رزق حاصل کروں گا۔ ایک گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ کمائی لغو چیز ہے بلکہ مَیں نے تو خدا تعالیٰ سے بھی نہیں مانگنا اس کی مرضی ہے چاہے دے یا نہ دے۔ فرماتا ہے ہم اس گروہ کو بھی دیتے ہیں اور اُس گروہ کو بھی دیتے ہیں۔ ایک هٰٓؤُلَآءِ ان لوگوں کی طرف جاتا ہے جو بدترین خلائق ہوتے ہیں اور جو مادیات کے اتنے دلدادہ اور عاشق

ہوتے ہیں کہ سمجھتے ہیں سب نتائج کی بنیاد مادیات پر ہی ہے اور ایک ھُوَ الّذِی ان لوگوں کی طرف جاتا ہے جو مادیات سے بالکل بالا ہو کر اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ سمجھتے ہیں ہم نے خدا سے بھی نہیں مانگنا اور ایک درمیانی گروہ ہوتا ہے وہ اپنے اپنے درجہ کے مطابق ظاہر میں کچھ مادی کوششیں بھی کر لیتے ہیں اور پھر ساتھ اس کے اللہ تعالیٰ پر توکل بھی رکھتے ہیں کبھی مانگتے ہیں اور کبھی نہیں مانگتے یا اپنی زندگی میں سے کچھ عرصہ کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کوشش اور جدوجہد کو ترک کر دیتے ہیں۔ ظاہری تدبیر حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔ آپ طب کرتے تھے اور روپیہ کماتے تھے اور ظاہری تدبیر ہم نے بھی کی ہم بھی زمینداره کرتے ہیں اور بعض دفعہ تجارت بھی کر لیتے ہیں مگر اس نیت سے کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے اگر وہ کہے کہ میں نے تمہیں کچھ نہیں دینا تو ہمیں اس سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا ہمیں اس کے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا ہم پھر بھی یہی سمجھیں گے کہ وہ ہماری اتنی ہی حمد کا مستحق ہے جتنی حمد کا اب مستحق ہے بلکہ وہ ہماری اتنی حمد کا مستحق ہے جتنی حمد ہم کر بھی نہیں سکتے پس اس مقام کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ توکل سے کام لیں اور ہمیشہ اپنی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلند رکھیں۔ جو دیانتدار احمدی ہیں میں ان سے کہوں گا کہ اگر وہ کسی وقت یہ دیکھیں کہ وہ توکل کے مقام پر قائم نہیں رہے تو وہ خود بخود یہاں سے چلے جائیں اور اگر خود نہ جائیں تو جب ان سے کہا جائے کہ چلے جاؤ تو کم سے کم اس وقت ان کا فرض ہوگا کہ وہ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ کے ذکر کے بلند کرنے کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے یہ جگہ خدا تعالیٰ کے نام کے پھیلانے کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ کے دین کی تعلیم اور اس کا مرکز بننے کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ ہم میں سے ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے اعزہ اور اقارب کو اس رستہ پر چلانے کی کوشش کرے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو سکے۔ نوحؑ کی کوشش کے باوجود اس کا بیٹا اس کے خلاف رہا۔ لوطؑ کی کوشش کے باوجود اسکی بیوی اس کے خلاف رہی۔ اسی طرح اور کئی انبیاء اور اولیاء ایسے ہیں جن کی اولادیں اور بھائی اور رشتہ دار ان کے خلاف رہے۔ ہم میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے خاندان میں سے کتنوں کو دین کی طرف لا سکے گا مگر اس کی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ اس کی ساری اولاد اور اسکی ساری نسل دین کے پیچھے چلے اور اگر اس کی کوشش کے باوجود اس کا کوئی عزیز اس رستہ سے دُور

چلا جاتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ میری اولاد میں سے نہیں میری اولاد وہی ہے جو اس منشاء کو پورا کرنے والی ہے جو الٰہی منشاء ہے۔ جو شخص دین کی خدمت کے لئے تیار نہیں وہ ہماری اولاد میں سے نہیں ہم اپنی اولاد کو مجبور نہیں کرسکتے کہ وہ ضرور دین کے پیچھے چلیں۔ ہم ان کے دل میں ایمان پیدا نہیں کرسکتے خدا ہی ہے جو ان کے دلوں میں ایمان پیدا کرسکتا ہے لیکن ہم یہ ضرور کرسکتے ہیں کہ جو اولاد اس منشاء کو پورا کرنیوالی نہ ہو اسے ہم اپنے دل سے نکال دیں۔ بہرحال اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اعلیٰ مقام دے تو ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ صرف ہم ہی نہیں بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی اس مقام کو دین کا مرکز بنائے رکھیں اور ہمیشہ دین کی خدمت اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے وہ اپنی زندگیاں وقف کرتے چلے جائیں لیکن اگر ہماری کسی غلطی اور گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہ مقام ہمیں نصیب نہ کرے اور ہماری ساری اولادیں یا ہماری اولادوں کا کچھ حصہ دین کی خدمت کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل اسکے اندر نہ پایا جاتا ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف انابت کا مادہ اس کے اندر موجود نہ ہو تو پھر ہمیں اپنے آپ کو اس امر کے لئے تیار رکھنا چاہیئے کہ جس طرح ایک مُردہ جسم کو کاٹ کر الگ پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح ہم اس کو بھی کاٹ کر الگ کردیں اور اس جگہ کو دین کی خدمت کرنے والوں کے لئے ان سے خالی کروالیں۔"[1]

منافق طبع لوگوں کی اصلاح کرنے اور خلیفۂ وقت کو انکی اطلاع دینے کی تحریک

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ۱۸ ماہ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو بمقام ربوہ ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں تحریک فرمائی کہ منافق طبع لوگوں کی اصلاح کی جائے اور خلیفۂ وقت کو ایسے لوگوں کی اطلاع دی جائے۔ نیز اس امر پر تفصیل سے روشنی ڈالی کہ طبقہ منافقین کے پیدا ہونے کے بنیادی وجوہ اور اسباب کیا ہیں۔ چنانچہ فرمایا:-

"یہ طبقہ کہاں سے آتا ہے؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی موٹی موٹی جگہیں یہ ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ بعض لوگ دلائل سن کر ایمان لے آتے ہیں لیکن جب ان سے قربانیوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ ان کی برداشت نہیں کرسکتے مثلاً جب وہ نماز نہیں پڑھتے تو لوگ ان سے پوچھتے

[1] الفضل ۶ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳، ۴، ۵۔

ہیں کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ آخر اس سوال کا وہ کیا جواب دیں گے۔ کیا وہ یہ جواب دیں گے کہ بھئی ہم کمزور ہیں گنہگار ہیں۔ اِس جواب کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ مَیں نے تمہارے بڑے بڑے آدمیوں کو دیکھا ہوا ہے وہ بھی نمازیں نہیں پڑھتے۔ گویا وہ اپنا الزام دوسروں پر لگا دیں گے تا ان کا وہ عیب چھپ جاوے۔ یہ بات ان سے اگر کوئی کمزور ایمان شخص سُن لے گا تو وہ دوسری جگہ پر جائے گا اور کہے گا کہ مَیں نے ایک معتبر شخص سے سُنا ہے کہ فلاں فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا وہ معتبر شخص کون ہوگا وہ معتبر شخص وہی منافق ہوگا جس نے اپنا عیب چھپانے کے لئے اپنا الزام دوسروں پر لگا دیا۔ یا مثلاً چندہ ہے ایک شخص چندہ نہیں دیتا لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ بھئی تم چندہ کیوں نہیں دیتے۔ وہ اپنے عیب کو چھپانے کے لئے کہہ دیتا ہے کہ بھئی چندہ کیا دیں مرکز میں بیٹھے لوگ چندے کھا رہے ہیں۔ یہ تو کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مَیں بے ایمان ہوں، کمزور ہوں اِس لئے چندہ نہیں دیتا بجائے اس کے کہ وہ کہے بھئی مَیں بے ایمان ہوں، کمزور ہوں وہ کہہ دیتا ہے مرکز میں بڑے بڑے لوگ چندے کھا رہے ہیں اِس لئے مَیں چندہ نہیں دیتا۔ اس طرح وہ اپنی عزت کو بچانا چاہتا ہے۔ غرض بدعمل لوگ اپنے عیب اور کمزوری کو چھپانے کے لئے اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ دوسروں پر الزام لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کی بڑی پہچان یہ ہے کہ پہلے معترض کا اپنا عمل دیکھا جائے کہ وہ چندہ دیتا ہے یا دیانتداری میں خود مشہور ہے یا وہ خود تو کسی سے دھوکہ نہیں کرتا۔ اگر وہ خود چندہ دیتا ہے، وہ خود دیانتداری میں مشہور ہے تب تو ہم یہ شُبہ کر سکتے ہیں کہ شاید اس کی بات سچی ہو یا شاید اس نے کسی غلط فہمی کی بناء پر کوئی بات کہہ دی ہو لیکن جس کی دیانت خود مشتبہ ہے وہ خود چندہ نہیں دیتا اور پھر وہ دوسروں پر اعتراض کرتا ہے وہ منافق ہے پس ہر وہ شخص جو دوسروں پر خیانت اور بد دیانتی کا الزام لگائے پہلے اسے دیکھو کہ آیا وہ خود دیانتدار ہے خود چندوں میں چُست ہے۔ اگر وہ خود دیانتدار ہو تب تو بیشک اس کی بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ اس کی بات فی الواقع سچّی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے محض غلط فہمی کی بناء پر ہو۔ دوسری وجہ منافقت کی یہ ہوتی ہے کہ نئی نسل کی تربیت اچھی نہیں ہوتی پہلے لوگ تو سوچ سمجھ کر ایمان لاتے ہیں لیکن نئی نسل تو سوچ سمجھ کر ایمان نہیں لائی ہوتی۔ وہ تو پیدائشی احمدی ہوتے ہیں اِس لئے بُری تربیت کی وجہ سے وہ جلد منافقت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ جو

سوچ سمجھ کر ایمان لاتا ہے اس کا ایمان اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ ٹھوکر کھا جائے لیکن جو شخص سوچ سمجھ کر ایمان نہیں لایا بلکہ محض پیدائش کی وجہ سے وہ احمدی ہے اس کا ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوتا جتنا اس شخص کا جو خود سوچ سمجھ کر ایمان لایا ہو۔ غرض نئی پود میں بھی منافقت زیادہ گھر کر جاتی ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے کہ ہر احمدی کی تربیت اچھی نہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ منافقت احمدیوں میں بھی ہو سکتی ہے۔

منافقت کی تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ ایمان دار اور مخلص شخص بھی کمزوری دکھا جاتا ہے اور چونکہ ہر کمزوری معاف نہیں ہو سکتی اس لئے بعض دفعہ اسے سلسلہ کی طرف سے سزا دی جاتی ہے اور بعض اوقات اس سزا کی وجہ سے وہ ٹھوکر کھا جاتا ہے یا اس کے اندر بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے پس اگر کوئی شخص منافقت والی بات کر رہا ہو تو دیکھو کہ آیا وہ ایسا شخص تو نہیں جسے کسی جُرم کی بناء پر سلسلہ کی طرف سے سزا دی گئی ہو یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار یا دوست کو سزا دی گئی ہو اگر ایسا ہے تو یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ وہ اپنا بدلہ لے رہا ہے۔

جو لوگ مخلص نہیں وہ میرے مخاطب نہیں لیکن جو لوگ سچے مبائع اور مخلص ہیں میں انہیں ہدایت دیتا ہوں کہ ایسے لوگ جہاں کہیں بھی ہوں ان کی اطلاع مجھے دیں بعض اطلاعیں مجھے مل چکی ہیں اور ان کے متعلق میں قدم اُٹھانے والا ہوں لیکن اگر تم لوگ بھی مجھے اطلاع دیتے رہو گے تو مجھے اپنے کام میں مدد ملے گی مثلاً میرے پاس ایک روایت پہنچتی ہے کہ فلاں شخص منافق ہے لیکن ایک روایت کے ساتھ کسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا اور اگر ہم اس شخص کا نام پہلے ہی لے دیں تو اس کے خلاف غلط روایات جمع ہونی شروع ہو جائیں گی اس لئے ایسا کرنا اس پر ظلم ہوگا پس جماعت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہوں جو ایسے لوگوں کے سامنے باتیں کرتے ہوں جو اصلاح پر مقرر نہیں کئے گئے ان کی اطلاع مجھے دے۔ اصلاح پر مقرر خلیفہ ہے۔ صدر انجمن احمدیہ ہے مجلس شوریٰ ہے۔ ناظر ہیں اور بعض کاموں میں تحریکِ جدید اور تحریکِ جدید کی انجمن ہے اور ان کے بعد لوکل امیر اور لوکل امیر کی انجمن ہے میں کسی فرد کا نام نہیں لے رہا۔ اگر ان سات کے سامنے کوئی شخص کوئی بات کرتا ہے تو وہ منافق نہیں اس لئے کہ یہ اصلاح پر مقرر ہیں لیکن ان سات کے سوا اگر وہ کسی اور کے سامنے کوئی بات کرتا ہے تو ہم اسے منافق کہیں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ منافق ہو لیکن وہ اس

بات کا اہل ہے کہ اس کا جائزہ لیا جائے کہ آیا وہ احمق ہے یا منافق پس اگر کوئی شخص خلیفۂ وقت نظامِ جماعت یا افرادِ جماعت کے خلاف ان سات قسم کے لوگوں کے سوا کسی اور کے سامنے کوئی بات کرتا ہے تو ایسے شخص کی رپورٹ میرے پاس آنی چاہیئے تاکہ اگر وہ اصلاح کے قابل ہے تو اس کی اصلاح کی جائے ہمارے ہاتھ میں صرف یہی ہے کہ ہم اس کا مقاطعہ کر دیں یہ نہیں کہ اسے مار پیٹ کریں مار پیٹ کرنا گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔

بہرحال جماعت کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اِس قسم کے لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ مَیں پھر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ رحم کے یہ معنے نہیں کہ باغ میں گھاس اُگا ہو اور اسے کاٹا نہ جائے اگر کوئی باغبان اس گھاس پر رحم کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ درخت مر جائے گا۔ اگر کوئی شخص سانپ پر رحم کرتا ہے... تو اس کے یہ معنے ہیں کہ سانپ اس کے بچّہ کو کاٹ لے گا۔ باؤلے کتے پر اگر کوئی رحم کرتا ہے تو اچھے شہری مارے جائیں گے یہ رحم نہیں ظلم ہے۔ رحم کی مستحق سب سے اوّل جماعت ہے۔ رحم کا مستحق سب سے اوّل سلسلہ ہے۔ رحم کا مستحق سب سے اوّل نظامِ سلسلہ ہے۔ اور جو شخص ان کے خلاف باتیں کرتا ہے وہ اِس قابل نہیں کہ اسے جماعت میں رہنے دیا جائے" [1]

حضرت مصلح موعود نے اِس تحریک کی اہمیّت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"منافق لوگ جماعت کو یا مجھے اِس وقت تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ ہماری ترقی کا زمانہ ہے۔ اِس وقت ان کی حیثیت ایک مچھر کی بھی نہیں مچھر کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے مگر وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن پھر بھی انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر یہ بیج قائم رہا تو جب جماعت کمزور ہو جائے گی اس وقت اسے نقصان پہنچائے گا اِس لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ نہ صرف ہم اپنی اصلاح کریں بلکہ ایسے لوگوں کی بھی اصلاح کریں جو جماعت کے لئے آئندہ کسی وقت بھی مضر ہو سکتے ہیں۔ پس ان لوگوں کو کچلنا ہمارا فرض ہے خواہ ان کے ساتھ ان سے ہمدردی رکھنے والے بعض بڑے لوگ بھی کچلے جائیں اور ہر مخلص اور سچے مبائع کا یہ فرض ہے کہ وہ اِس بارہ میں میری مدد کرے اور ایسے لوگوں کے متعلق مجھے اطلاع دے۔ اور اگر کوئی احمدی میرے اِس اعلان کے بعد اِس کام میں کوتاہی کرے گا تو خدا تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں ہو گا بلکہ اُس کی بیعت ایک تمسخر بن جائے گی کیونکہ

---

[1] روزنامہ الفضل مورخہ یکم فتح ۱۳۲۸ھ / یکم دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵

اس نے جان و مال اور عزت کے قربان کرنے کا وعدہ کیا لیکن جب خلیفۂ وقت نے اسے آواز دی تو اس نے کسی کی دوستی کی وجہ سے اس آواز کا جواب نہیں دیا۔ پس ہر احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ منافقین کی اطلاع مجھے دے۔ تم اِس بات سے مت ڈرو کہ سَو میں سے پچاس احمدی نکل جائیں گے تم پچاس سے ہی سَو بنے ہو بلکہ تم ایک سے سَو بنے ہو پھر اگر سَو میں سے پچاس نکل جائیں گے تو کیا ہُوا۔ پس یہ مت خیال کرو کہ ان لوگوں کے نکل جانے سے جماعت کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ گھاس کاٹ دینے سے باغ سے سبزہ تو کم ہو جاتا ہے لیکن درخت نشوونما پاتا ہے اور باغ زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا لیکچر سرگودھا

جناب ملک صاحب خاں صاحب نون ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر نے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی خدمت میں سرگودہا تشریف لانے اور اپنے خطاب سے اہلِ سرگودھا کو نوازنے کی درخواست کی تھی جو حضور نے قبول فرمائی چنانچہ حضور ۱۱ ماہ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو سرگودھا تشریف لے گئے اور نمازِ جمعہ پڑھانے کے بعد کمپنی باغ کے وسیع احاطہ میں ایک نہایت پُر معارف اور مؤثر تقریر فرمائی جس میں پاکستانیوں کو بدلے ہوئے حالات میں ان کی نئی ذمہ داریوں کی طرف بڑے دلنشیں پیرایہ میں توجہ دلائی۔ یہ تقریر پونے چار بجے سہ پہر سے شروع ہو کر شام کے چھ بجے تک جاری رہی۔ حضور کا خطاب پبلک نے کمالِ ذوق و شوق اور دلجمعی سے سُنا اور مجمع پر سکتے کا سا عالم طاری رہا۔ رؤسائے شہر اور حکامِ ضلع کے علاوہ سرگودھا کے دیگر معززین اور غیر احمدی احباب ہزارہا کی تعداد میں تشریف لائے اور حضور کے رُوح پرور ارشادات سے مستفیض ہوئے۔ علاوہ ازیں سرگودھا کے علاوہ پنجاب کے دوسرے اضلاع کی احمدی جماعتوں کے دوست بھی کثیر تعداد میں شاملِ جلسہ ہوئے۔

ان دنوں جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ سرگودھا کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ آپ نے قریباً اڑھائی ہفتہ پیشتر بذریعہ الفضل حضور کے لیکچر کی خوشکن خبر شائع کرائی نیز اطلاع دی کہ احباب کے لئے دوپہر و شام کے کھانے اور قیام کا انتظام ملک صاحب خاں صاحب نون کی کوٹھی پر ہوگا۔ آپ نے یہ بھی اعلان کیا کہ ضلع سرگودھا کے احمدی نوجوان دس نومبر یعنی جمعرات کی دوپہر کو سرگودھا پہنچ جائیں تا بروقت انتظاماتِ جلسہ میں حصہ لے سکیں۔[2] اِس جلسہ کے

---

[1] روزنامہ الفضل یکم فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ؛ [2] روزنامہ الفضل ۲۵ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲

ناظم محمد اقبال صاحب پراچہ (جنرل مینیجر دی یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ سرگودھا) تھے جنہوں نے الفضل مورخہ ۱۷ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء میں عازمین جلسہ سرگودھا کے لئے ایک ضروری نوٹ لکھا اور مہمانوں سے انتظامات جلسہ کی مشترکہ ذمہ داری میں تعاون کی اپیل کی۔ محترم پراچہ صاحب نے لاہور سے سرگودھا جانے والے احباب کی سہولت کے پیش نظر سپیشل بسوں کا بھی انتظام کیا جیساکہ اخبار الفضل ۸ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲ سے پتہ چلتا ہے۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر صوبائی پنجاب اپنی سوانح میں اس عظیم الشان جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۱۹۴۹ء میں ہم نے سرگودھا میں ایک جلسۂ عام کمپنی باغ میں کروایا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر ہوئی جس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اس جلسہ کے سارے اخراجات محترم ملک صاحب خان صاحب نون رئیس سرگودھا نے ادا کئے۔ اس میں بہت وسیع پیمانے پر کھانے کی دعوت بھی دی گئی جس میں حکام اور رؤسا کو بھی شامل کیا گیا۔ مولویوں نے اس جلسہ کو منسوخ کروانا چاہا لیکن ڈپٹی کمشنر ہمیں پہلے اجازت دے چکے تھے انہوں نے منسوخ کرنے سے انکار کر دیا۔" [1]

فصل پنجم

احمدیہ مسلم مشن گلاسگو کا قیام

سکاٹ لینڈ برطانیہ کلاں کا ایک مُلک ہے جو ۱۷۰۷ء[2] سے انگلینڈ کے ساتھ قانوناً الحاق رکھتا ہے انگلینڈ کی طرح اس ملک کے پراٹسٹنٹ چرچ کو بھی بہت شہرت حاصل ہے جس کے مدارس الہیات ایڈنبرا (EDINBURGH) گلاسگو (GLASGOW) اور ایبرڈن (ABERDEEN) میں قائم ہیں۔ گلاسگو سکاٹ لینڈ کا سب سے بڑا اور برطانیہ میں لنڈن کے بعد دوسرے نمبر کا شہر ہے جہاں پاکستان،

---

[1] تابعین اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۷۷ طبع اول ماہ نومبر ۱۹۷۱ء۔ تقریر کا مکمل متن الفضل ۲۸ نومبر اور ۵ دسمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا [2] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا زیر لفظ سکاٹ لینڈ

ہندوستان اور مصر کے مسلمان بھی خاصی تعداد میں آباد ہیں کمیونٹی ریلیشنز کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق سکاٹ لینڈ میں مقیم پاکستانیوں کی تعداد چھ ہزار اور بھارتیوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی ہے۔[1]

مشن کی بنیاد

سکاٹ لینڈ میں اسلام و احمدیت کا بیج حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کے ذریعہ ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء کے قریب بویا گیا جبکہ سکاٹ لینڈ یونیورسٹی کی ایک طالبہ مس وائٹ لو (MISS. WHITE LOW) اور مسٹر فیرشاہ (MR. FARSHAH) نے قبولِ اسلام کیا۔[2] فروری ۱۹۴۹ء میں حضرت مصلح موعود کی خاص ہدایت پر مسٹر بشیر احمد آرچرڈ نے گلاسگو میں احمدیہ مسلم مشن کی بنیاد رکھی۔[3][4]

ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں

یہاں آپ کے سوا اور کوئی احمدی نہ تھا مگر دو ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ دو افراد حلقہ بگوشِ احمدیت ہو گئے جن میں سے ایک کا نام بشیر احمد اور دوسرے کا عبدالحق پنڈر[5] (PINDER) تھا۔ مقدم الذکر محمد ریلوے میں کام کرنے والے ایک پاکستانی تھے اور دوسرے سکاٹش مسلمان۔

۶ ماہ ہجرت ۱۳۲۸ھش/مئی ۱۹۴۹ء کو مسٹر بشیر آرچرڈ نے تبلیغ اسلام کے لئے پہلی پبلک میٹنگ منعقد کی[6] اور اس کے بعد باقاعدگی سے لیکچروں کے ذریعہ پیغام حق کا حلقہ وسیع کرنے لگے۔ چنانچہ گلاسگو کے بعد ۱۷ ظہور ۱۳۲۸ھش/اگست ۱۹۴۹ء کو ایڈنبرگ میں بھی اجلاس کرنے کا اہتمام کیا جو بہت کامیاب رہا۔ اسی طرح گلاسٹر میں بھی آپ نے لیکچر دیا۔

اس کے علاوہ آپ نے سکاٹ لینڈ میں اسلامی لٹریچر کے پھیلانے کی طرف بھی توجہ دینا شروع کردی

---

[1] مساوات لاہور ۱۳ جون ۱۹۷۳ء صفحہ ۶ ۔ [2] الفضل ۲۷ اخاء ۱۳۱۹ھش/اکتوبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ ۔

[3] رپورٹ مرسلہ بشیر آرچرڈ زیر عنوان "TABLIGH IN SCOTLAND" ۔ [4] الفضل ۲۰ امان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴ ۔ گلاسگو میں آپ ابتداءً 69 CASTLE MILK CRESCENT, CROFT FOOT میں رہتے تھے بعد ازاں دوسرے مقامات میں رہائش پذیر ہوئے مثلاً

(1) 279 LANGCIDE ROAD, GLASGOW S.2

(2) 36 MANSION HOUSE ROAD GLASGOW S.1

[5] الفضل ۱۹ ہجرت ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴ ۔ [6] الفضل ۱۲ احسان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵ ۔

اور اپنی سرگرمیوں کا آغاز مندرجہ ذیل پمفلٹوں سے کیا:۔

۱۔ قبرِ مسیح یسوع ہندوستان میں (THE TOMB OF JESUS-CHRIST IN INDIA)
مرتبہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ امام مسجد لنڈن۔

۲۔ کلیسیا کے نام کھلا چیلنج (AN OPEN CHALLENGE TO THE CHURCH)
از چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۳۔ ایک آسمانی پیغام (A DIVINE MESSAGE) [1]

مسلم ہیرلڈ کا اجراء

ماہِ ظہور ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء میں آپ نے سائیکلوسٹائل مشین سے ایک ماہوار رسالہ مسلم ہیرلڈ (MUSLIM HERALD) جاری کیا۔

ماہِ شہادت ۱۳۲۹ھش / اپریل ۱۹۵۰ء میں آپ کی جدوجہد سے گلاسگو میں پہلی بار یوم پیشوایان مذاہب منایا گیا جس میں تیس افراد شامل ہوئے۔ ماہِ احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء سے آپ نے تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور گھر گھر پہنچ کر اسلام و احمدیت کی منادی کی اور گلاسگو کے بڑے بڑے سماجی اور مذہبی لیڈروں کو اسلامی لٹریچر بھجوایا۔[2]

آرچ بشپ آف یارک اور پوپ کو دعوتِ مذاکرہ

ماہِ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء میں آپ نے آرچ بشپ آف یارک (ARCHBISHOP OF YARK) کو مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے اور آسمان پر چڑھ جانے کی نسبت چیلنج دیا مگر انہیں یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اگلے سال آپ نے ۱۳۳۰ھش / ۱۹۵۱ء کے شروع میں پوپ

---

[1] یہ پمفلٹ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی (حال کارکن نظارت امورِ عامہ) نے جماعتِ احمدیہ کوئٹہ سے چندہ جمع کر کے شائع کرایا تھا اور اس کے ڈاک خرچ کا ایک حصہ شیخ محمد اقبال صاحب (خلف الرشید حضرت شیخ کریم بخش صاحبؓ) نے ادا کیا۔ یہ پمفلٹ یک ورقہ اور ایک طرف چھپا ہوا تھا اور اس کی پہلی قسط جو دو ہزار پر مشتمل تھی ۱۸ وفا ۱۳۲۸ھش / جولائی ۱۹۴۹ء کو مسٹر بشیر آرچرڈ کے پاس پہنچی جیسا کہ اُن کی ایک تبلیغی رپورٹ میں درج ہے:

[2] بعنوان " A CHALLANGE TO THE POPE AND HIGH - DIGNITARIES "

اور کلیسا کے دوسرے مذہبی راہنماؤں کو بذریعہ اشتہار[1] دعوتِ مذاکرہ دی مگر پوپ کے سیکرٹری کی رسید کے سوا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

حلقہ اشاعتِ اسلام میں وسعت

۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء میں آپ نے اشاعتِ اسلام کے حلقہ کو وسیع کرنے کے لئے متعدد نئے اقدامات کئے مثلاً ہر اتوار کو اسلامی لٹریچر کا سٹال لگانا شروع کیا جس سے تبلیغ کی نئی راہیں کھلیں۔ گلاسگو کی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر رکھوایا۔ پہلے مکرم نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ اور پھر مکرم ملک عمر علی صاحب کے ہمراہ آپ نے تبلیغی دورہ کیا اور یہوواہ وٹنس (JEHOVA-WITNESSES) فرقہ کے لوگوں سے گفتگو کی۔ اس سال مسٹر بشیر آرچرڈ نے عرشہ جہاز کے مسلمان عملہ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے اسلام اینڈ پیس (ISLAM AND PEACE) کے دو[2] نسخے مشن کو بھجوائے تھے جو آپ نے غیر مسلموں تک پہنچائے۔ علاوہ ازیں اپنے بہت سے مضامین سائیکلوسٹائل کر کے کتابی صورت میں شائع کئے۔ اِن مضامین میں اسلام اینڈ پیس[2] اور کرسچین اویک[3] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر مضمون کا عربی ترجمہ "اِسْتَيْقِظُوْا اَيُّهَا الْمَسِيْحِيُّوْنَ" کے عنوان سے فلسطین کے رسالہ البشریٰ[4] میں بھی شائع ہؤا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں میں برکت ڈالی اور ماہِ فتح ۱۳۲۹ھش سے لے کر ماہِ شہادت ۱۳۳۰ھش تک تین سعید روحیں قبولِ اسلام سے مشرف ہوئیں بیعت کرنے والوں میں دو[5] پولینڈ کے باشندے اور ایک سکاٹش تھا۔

مبلّغِ اسلام کا ایثار

مجاہدِ گلاسگو مسٹر بشیر آرچرڈ شروع سے ہی نہایت قلیل رقم پر گذارہ کر رہے تھے۔ ۸ ظہور ۱۳۲۸ھش (مطابق ۸ اگست ۱۹۴۹ء) کو ایک نومسلم انگریز کے ہاں آپ کی شادی ہوئی جس سے آپ کے اخراجات میں اضافہ ہؤا تاہم آپ نے مرکز سے اپنے مشاہرہ

---

[1] بعنوان "A CHALLANGE TO THE POPE AND HIGH DIGNITARIES"

[2] ISLAM AND PEACE [3] CHRISTIAN AWAKE

[4] رسالہ البشریٰ فلسطین اخاء و نبوت ۱۳۳۲ھش صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۷۔ [5] ان میں سے مسٹر بی۔ ٹارزویکا (MR. B. TORZEVEKA) کو پہلے ایمان نصیب ہؤا۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود نے ۱۸ امان ۱۳۳۰ھش کو ان کی نسبت اپنے قلم مبارک سے لکھا "انعام اللہ نام رکھیں"۔

میں اضافہ کی کوئی درخواست نہ کی بلکہ ماہِ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء سے اپنا ماہانہ تبلیغی الاؤنس (۵ پونڈ)[1] بھی بند کرادیا اور خود پُرانے ٹکٹوں[2]، عطر اور سٹیشنری کی فروخت اور ٹائپ اور سائیکلوسٹائل کرکے مشن کے اخراجات چلانے لگے۔

ٹرینیڈاڈ کو روانگی مسٹر بشیر آرچرڈ نے جب اِس خطہ میں بغرض تبلیغ قدم رکھا تو حالات سراسر ناموافق تھے حتّٰی کہ ابتداء میں جب آپ نے اشتہارات کی تقسیم شروع کی تو کئی لوگ سخت برہم ہوئے اور اشتہار پھاڑ کر زمین پر پھینک ڈالے مگر آپ نے پوری بشاشت اور استقلال کے ساتھ اشاعتِ اسلام کی جدوجہد جاری رکھی اور قریباً ساڑھے تین سال تک نہایت محنت، اخلاص اور وفاشعاری سے پیغامِ حق پہنچاتے رہے اور ماہِ اخاء ۱۳۳۱ھش / اکتوبر ۱۹۵۲ء میں مبلغِ اسلام کی حیثیت سے ٹرینیڈاڈ تشریف لے گئے[3]۔

گلاسگو مشن دارالتبلیغ لنڈن کی براہِ راست نگرانی میں ماہِ اخاء ۱۳۳۱ھش / اکتوبر ۱۹۵۲ء سے لے کر ماہِ اخاء ۱۳۴۵ھش / اکتوبر ۱۹۶۶ء تک گلاسگو مشن براہِ راست لنڈن مشن کی نگرانی میں رہا۔ اِس دوران میں متعدد پاکستانی احمدی یہاں پہنچ گئے اور ایک خاصی جماعت قائم ہوگئی جس کی تنظیم کے لئے مبلغِ انگلستان بشیر احمد خاں صاحب رفیق[4] نے ۱۸ وفا ۱۳۳۸ھش / جولائی ۱۹۵۹ء کو سکاٹ لینڈ کا خصوصی سفر کیا۔ لنڈن مشن کے ایک مخلص احمدی چوہدری عبدالرحمٰن صاحب بھی آپ کے ہمسفر تھے۔ اِس سفر کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیہ گلاسگو میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی اور اُس نے لنڈن مشن سے باقاعدہ منسلک ہوکر ماہوار چندہ بھی ادا کرنا شروع کردیا جس

---

[1] یاد رہے ان ایام میں آپ کے مکان کا ہفتہ وار کرایہ ہی تین پونڈ تھا۔

[2] گلاسگو مشن کی ابتدائی فائل سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر ذرائع کے علاوہ احمدیہ ٹریڈنگ کمپنی (بازار گنڈا والا امرتسر) کی طرف سے بھی آپ کو پُرانی ٹکٹیں بھجوائی جاتی تھیں۔ ۲۶ شہادت ۱۳۳۰ھش کی رپورٹ میں آپ نے ٹکٹوں کی فروخت، مسلم ہیرلڈ کی اشاعت اور اپنی دیگر تبلیغی مساعی کا ذکر کیا جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا "رسالہ بھی مل گیا اللہ تعالیٰ برکت ڈالے"۔

[3] الفضل ۲۲ اخاء ۱۳۳۱ھش / اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

[4] اُن دنوں آپ نائب امام (انگلستان مشن) کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

سے لنڈن مشن کی آمد میں اضافہ ہوا۔[1] حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بشیر احمد خاں صاحب رفیقؔ کی رپورٹ (۲۴ تبوک ۱۳۳۸ ہش) پیش ہوئی تو حضور نے اس پر رقم فرمایا:۔

"سکاٹ لینڈ کا ایک احمدی میرے سفر میں مجھے ملنے کے لئے آیا تھا۔"

مکرم بشیر احمد خاں صاحب رفیقؔ سفرِ سکاٹ لینڈ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سکاٹ لینڈ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری چھوٹی سی جماعت موجود ہے۔ چونکہ یہ منظم نہیں تھی اسلئے مؤرخہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۹ء کو خاکسار نے سکاٹ لینڈ، نوٹنگھم، بریڈفورڈ، لیڈز وغیرہ کا تنظیمی و تربیتی دَورہ کیا۔ مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی کار اس مقصد کے لئے پیش کی۔ آپ نے اپنے وقت کی بھی قربانی کی اور اِس سارے دَورہ میں ساتھ رہے اور ہر ممکن تعاون کیا۔ مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب سلسلہ سے بیحد تعاون کرنے والے احباب میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گلاسگو میں خاکسار نے احمدی احباب کو مکرم منصور احمد صاحب کے مکان پر جمع کیا (مکرم منصور صاحب مکرم چوہدری علی محمد صاحب[2] بی۔اے، بی ٹی کے صاحبزادے ہیں اور مخلص نوجوان ہیں) اور تنظیم کی برکات اور چندوں کی باقاعدہ ادائیگی کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر کے بعد مکرم احمد صاحب کو متفقہ طور پر جماعتِ احمدیہ گلاسگو کا امیر و سیکرٹری مال منتخب کیا گیا چنانچہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے سکاٹ لینڈ کی جماعت منظم طور پر کام کر رہی ہے۔ واپسی پر خاکسار نے نوٹنگھم میں جماعت قائم کی۔ مکرم آزاد صاحب یہاں کے امیر و سیکرٹری مال مقرر ہوئے۔ چونکہ یہاں کے احمدی دوست قریب قریب رہتے ہیں اِس لئے خاکسار نے ان کو ایک دوست کے مکان پر جمع ہو کر کم از کم ایک نماز ضرور باجماعت پڑھنے کی تلقین کی۔ مکرم آزاد صاحب بہت مخلص اور نیک نوجوان ہیں۔

اِس دَورہ کے دَوران میں متعدد مسلم و غیر مسلم احباب کو تبلیغ بھی کی۔ ایک دوست کے ساتھ اسلام میں عورت کی حیثیت اور تعدد ازدواج کے موضوع پر مباحثہ کے رنگ میں بے حد دلچسپ گفتگو ہوئی اِس گفتگو میں مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے بھی حصّہ لیا۔"[3]

---

[1] ملخصاً از رپورٹ بشیر احمد خاں صاحب رفیقؔ ۲۷ تبوک ۱۳۳۸ ہش / ستمبر ۱۹۵۹ء (غیر مطبوعہ)۔ [2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی! ان دنوں آپ ریویو آف ریلیجنز میں قلمی خدمات بجا لا رہے ہیں۔ [3] الفضل ۱۶ امان ۱۳۳۹ ہش / ۱۶ مارچ ۱۹۶۰ء

مشن کے دَورِ ثانی کی خدمات پر ایک نظر

یکم اخاء ۱۳۴۵ہش / اکتوبر ۱۹۶۶ء کو مسٹر بشیر احمد آرچرڈ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم سے دوبارہ سکاٹ لینڈ میں مبلغِ اسلام کی حیثیت سے مقرر ہوئے جہاں آپ اَب تک اعلائے کلمۂ اسلام میں سرگرمِ عمل ہیں۔ یہ سکاٹ لینڈ مشن کے احیاء کا دَور ہے جس میں مشن کی تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے مبشرِ اسلام مختلف سکولوں، سوسائٹیوں، گرجوں اور کلبوں میں اسلام پر تقاریر کر چکے ہیں۔ گلاسگو کے علاوہ ملک کے دوسرے قصبات تک بھی پبلک تقاریر اور تبادلۂ خیالات کے ذریعہ حق و صداقت کی آواز بلند کی جا رہی ہے۔ دعوتِ اسلام (INVITATION TO ISLAM) کے نام سے ایک انگریزی پمفلٹ پانچ ہزار کی تعداد میں تقسیم کیا جا چکا ہے علاوہ ازیں احمدیہ گزٹ ہر ماہ سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا جاتا اور مشن کی مضبوطی کا موجب بنتا ہے سکاٹ لینڈ میں اشاعتِ اسلام کا ایک مؤثر ذریعہ مسلم ہیرلڈ رسالہ بھی ہے جو مکرم بشیر احمد خاں صاحب رفیق کی جدّوجہد سے براہِ راست لنڈن میں چھپتا ہے اور جس میں دیگر نہایت قیمتی اور معلومات افزا مقالوں کے علاوہ مسٹر بشیر احمد آرچرڈ کے مضامین بھی سپردِ اشاعت ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث کا سفر سکاٹ لینڈ

سکاٹ لینڈ مشن کے اِس دَورِ ثانی کا سب سے نمایاں اور ممتاز واقعہ سیدنا حضرت امیرالمومنین کا اس سرزمین میں ورودِ مسعود ہے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ۳۱ وفا ۱۳۴۶ہش / جولائی ۱۹۶۷ء کو اپنے مشہور سفرِ یورپ کے دَوران لنڈن سے مع قافلہ عازمِ سکاٹ لینڈ ہوئے[1]۔ راستہ میں حضور نے سکاچ کارنر[2] کے مقام پر رات بسر کی اور اگلے روز یکم ظہور بروز منگل گلاسگو رونق افروز ہوئے۔ سکاٹ لینڈ کی پوری جماعتِ احمدیہ حضور کی قیام گاہ (رائل سٹورڈ ہوٹل) کے سامنے نہایت بے تابی سے چشم براہ تھی۔ سب سے قبل مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب نے حضور کا استقبال کیا جس کے بعد حضور نے سب احباب کو شرفِ مصافحہ بخشا اور پھر مع خدام مشن ہاؤس تشریف لے گئے جہاں مغرب و

۱؎ اِس سفر میں کار چلانے کی سعادت مکرم بشیر احمد خاں صاحب رفیق کو حاصل ہوئی۔

۲؎ لبِ سڑک ایک عوامی قیام گاہ ہے جس کے ارد گرد کوئی آبادی نہیں گلاسگو جانے والے لوگ اکثر یہیں رات گذارتے ہیں۔

عشاء کی نمازیں پڑھائیں۔ بعد نماز احبابِ جماعت نے حضور اقدس کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بیعت کے بعد حضور نے لمبی دعا کی۔ ۲؍ظہور کو حضور نے ایک استقبالیہ تقریب میں شرکت فرمائی جو حضور کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ اِس موقع پر پریس کے نمائندے بھی موجود تھے جنہوں نے بکثرت سوال کئے اور حضور نے برجستہ اور مدلل جواب دئے۔ اسی روز سہ پہر کو حضور ایڈنبرا تشریف لے گئے جہاں احمدی احباب کو اپنے مقدس آقا کی زیارت سے فیضیاب ہونے کا موقع میسر آیا اِس سفر میں مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ، مکرم محمد ایوب صاحب (سابق صدر جماعتِ احمدیہ گلاسگو) مکرم ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور بعض دیگر مخلصینِ جماعت بھی حضور کے ہمراہ تھے۔ قیامِ گلاسگو کے دوران حضور نے وہاں مسجد کے لئے زمین خریدنے کی نسبت بھی ضروری ہدایات دیں۔ حضور گلاسگو کے بعد بریڈ فورڈ اور ہڈرزفیلڈ کا کامیاب دورہ فرمانے کے بعد ۹؍ظہور ۱۳۴۶ھش/اگست ۱۹۶۷ء کی شام کو واپس لنڈن تشریف لے آئے۔[۱]

خلاصہ

المختصر گلاسگو کا وہ اسلامی مشن جو ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی توجہ سے قائم ہوا تھا خلافتِ ثالثہ کے عہدِ مبارک میں اسلام کے علمی و روحانی انقلاب کے پیدا کرنے میں اہم رول ادا کر رہا ہے اور "مسلم سکاٹ لینڈ" کی رُوحانی تعمیر میں مصروف ہے جس سے اِس تثلیث کدہ میں اسلام کے پُرامید اور روشن مستقبل کی جھلک نمایاں نظر آرہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

فصل ششم

کوائفِ قادیان

اِس سال کی ایک بھاری خصوصیت یہ ہے کہ درویشانِ قادیان جو ۱۳۲۷ھش تک قادیان میں قیدیوں

۱؎ روزنامہ الفضل ۵ اور ۱۳؍ظہور/اگست ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء۔ حضور کے اِس تاریخی سفر کی مفصل روداد خلافتِ ثالثہ کی تاریخ میں آرہی ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۹؍ظہور ۱۳۴۶ھش صفحہ ۳)

کی سی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے حلقے سے باہر پولیس کی حفاظت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ نہ صرف قادیان کے محلوں میں بلا روک ٹوک جانے لگے بلکہ قادیان کے مضافات اور بعد ازاں بٹالہ میں بھی دو ایک دفعہ صرف مقامی پولیس کو اطلاع دے کر پہنچ گئے۔ ہندو سکھ اصحاب کے نزدیک مسلمانوں کا ان کے درمیان بلا خوف و خطر چلنا پھرنا ایک اچنبھے کی بات تھی اور وہ ایک ہجوم کی شکل میں اکٹھے ہو جاتے تھے ماہِ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کے پہلے ہفتہ میں کئی درویشوں نے نظامِ سلسلہ سے درخواست کی کہ انہیں کاروبار کی غرض سے بیرونی دیہات اور بٹالہ اور گورداسپور وغیرہ میں جانے کی اجازت دی جائے مگر حضرت مصلح موعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک اِس سے بچنا چاہیئے۔ اِس ہدایت کی روشنی میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مزید یہ نصیحت فرمائی کہ میری رائے میں قدم تدریجی اُٹھانا چاہیئے چنانچہ درویشانِ قادیان نے نہایت حزم و احتیاط سے آمد و رفت کا سلسلہ شروع کیا اور انہیں یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ غیر مسلم پبلک کے جذباتِ نفرت میں کافی کمی واقع ہو گئی ہے اور کم از کم بٹالہ اور گورداسپور میں ان کے جانے پر کسی قسم کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا البتہ حیرت و استعجاب کا اظہار ضرور کیا گیا جو ایک طبعی امر تھا۔ اِس صورتِ حال نے درویشوں کے حوصلے بہت بلند کر دئیے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ایک مطبوعہ نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خوشگوار تبدیلی جس سے درویشوں کا دَورِ محصوریت اللہ عزّوجلّ کی عنایت اور فضل و کرم کی بدولت دَورِ رابطہ میں بدل گیا، ماہِ شہادت و ہجرت ۱۳۲۸ھش کے دَوران ہوئی چنانچہ آپ نے الفضل ۱۰ ماہ ہجرت ۱۳۲۸ھش ص۲ میں لکھا:-

"آہستہ آہستہ نقل و حرکت کی سہولت پیدا ہو رہی ہے چنانچہ ہمارے بعض دوست بعض ضروری کاموں کے تعلق میں متعدد دفعہ بٹالہ جا چکے ہیں اور ایک دفعہ گورداسپور بھی ہو آئے ہیں اور واپسی پر راستہ میں دھاریوال بھی ٹھہرے تھے ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ احتیاطاً چار چار پانچ پانچ کی پارٹی میں جاتے ہیں اور جلد واپس آجاتے ہیں۔"

امیر المومنین سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے گذشتہ سالانہ جلسہ قادیان (۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء) کے موقع پر جو رُوح پرور پیغام[1] دیا اس میں خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "قادیان میں احمدیوں کے آنے اور

[1] اس پیغام کا متن "تاریخ احمدیت" جلد ۱۳ صفحہ ۸۵ تا ۹۰ میں درج ہے۔

قادیان کے احمدیوں کو ہندوستان یونین میں جانے کے متعلق آزاد کرانے کے لئے آپ لوگ باقاعدہ کوشش کریں اور کوشش کرتے چلے جائیں۔"

حضور کے اِس فرمانِ مبارک کی تعمیل میں ہندوستان بھر کی احمدی جماعتوں[1] نے بھارت کے گورنر جنرل، وزیرِ اعظم، ہوم منسٹر، گورنر مشرقی پنجاب اور ہوم منسٹر مشرقی پنجاب کو قرار دادیں پاس کر کے بھجوائیں کہ جماعتِ احمدیہ ایک پُرامن مذہبی جماعت ہے جس کا مذہبی مرکز قادیان ہے جس کی مرکزی تنظیم صدر انجمن احمدیہ ہے اور جسکے ذمہ ہندوستان کی تمام مقامی احمدی جماعتوں کی مذہبی، تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کا کام ہے۔ فسادات ۱۹۴۷ء کے باعث یہ تعلق منقطع ہو گیا اور مرکز سے عہدیدار، مبلغین اور انسپکٹر جماعتوں کی نگرانی کے لئے نہیں بھجوائے جا سکے اور نہ بیرونی مقامی جماعتوں کے افراد اور عہدیدار ہی قادیان پہنچ کر مذہبی اور اخلاقی امور میں مرکز سے ہدایات لے سکتے ہیں۔ اِس طرح بھارتی جماعتوں کی تنظیم اور تعلیم و تربیت کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے لہٰذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ حکومت ہمارے لئے اپنے مقدس مرکز قادیان میں بلا روک ٹوک کثرت سے جانے کے لئے سفر کی سہولت اور حفاظت کا انتظام فرمائے اور اِس طرح مرکزی عہدیداروں اور مبلغین وغیرہ کے لئے آسانیاں مہیا کرے۔ ہم یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ قادیان صرف مرکزی تنظیمی انجمن کا ہیڈ کوارٹر ہی نہیں بلکہ اس میں جماعتِ احمدیہ کے خصوصی اہمیت رکھنے والے مقاماتِ مقدسہ بھی ہیں۔ یہیں بانیٔ جماعتِ احمدیہ پیدا ہوئے اور منصبِ نبوت پر فائز ہوئے خدا کے بے شمار نشانات آپؑ کے ذریعہ ظاہر ہوئے اور آپؑ نے خود اس بستی کے متعلق فرمایا کہ قادیان خدا کے رسول کا تختگاہ ہے اور خدا نے اس کو برکت دی ہے۔ اندریں صورت قادیان کی زیارت ہمارا مذہبی فریضہ ہے اور ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ بھارتی احمدیوں کے لئے دہلی سے قادیان اور پھر واپسی تک کے لئے سفر کی حفاظتی تدابیر بروئے کار لائی جائیں جس کے لئے عملی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قادیان جانے والے احمدی جماعتِ احمدیہ دہلی کے مقامی مبلغ و امیر مولوی بشیر احمد صاحب (بلیماراں سٹریٹ) کی معرفت سرکاری افسروں کو مناسب وقت پہلے یہ اطلاع دیا کریں کہ فلاں تاریخ کو اتنے افراد قادیان جانا چاہتے ہیں یا مرکزی نمائندے اور دوسرے احمدی

---

[1] مثلاً بمبئی، شاہجہانپور، بنارس، دہلی، سہارنپور، کانپور، پٹنہ، جے پور شہر، کلکتہ، لکھنؤ، مظفر پور، کٹک، پولیکا، بھدرک مونگھیر، بھاگلپور، سکندر آباد دکن، میرٹھ، الہ آباد، بریلی، علی گڑھ، رانچی، ہوسٹی بنی مائنز، فیض آباد، میلسی (بہار)

فلاں تاریخ کو قادیان سے روانہ ہونا چاہتے ہیں ان ہر دو صورتوں میں سرکاری سطح پر حفاظتی انتظام فرمایا جائے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۵، ۱۶ ر نبوت ہش ۱۳۲۸ / نومبر ۱۹۴۹ء کو مولوی عبدالرحمن صاحب جٹ امیر جماعت احمدیہ قادیان کے نام حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا :۔

"جلسہ قریب آرہا ہے اب آپ کو پوری طرح کوشش کرنی چاہیئے کہ مختلف جگہوں سے پچیس ۲۵ تیس آدمی کم سے کم مستقل مہاجر ہو کر قادیان آجائیں اور پچیس ۲۵ تیس ۳۰ آدمیوں کو قادیان سے فارغ کر کے ادھر بھجوا دیا جائے کیونکہ غالباً اتنے لوگ وہاں ہیں جو ادھر آنا چاہتے ہیں۔ یا ان کے حالات ایسے ہیں کہ ان کو ادھر بھجوا دینا چاہیئے۔ اس طرح دس بارہ نوجوانوں کو بُلوا کر دیہاتی مبلغوں کی طرح تعلیم دینی چاہیئے۔ ملکانہ، مالا بار، بہار اور بنگال سے ایسے آدمی منگوانے چاہئیں اس طرح کے... اضلاع سے اور جو موجودہ دیہاتی مبلغ ہیں وہ تین سال سے پڑھ رہے ہیں ان کو باہر بھجوانا چاہیئے تا وہ کام کریں۔ پہلے موجودہ جماعتوں کو سنبھالنے اور ان کو بڑھانے کی کوشش ہونی چاہیئے اسکے بعد نئے نئے تبلیغی مرکز مختلف صوبوں میں کھولنے چاہئیں یہ وقت انتہائی کوشش کا ہے کوئی مشکل نہیں کہ اگر آپ لوگ توجہ کریں تو سال ڈیڑھ سال میں لاکھ دو لاکھ کی جماعت ہندوستان میں پیدا نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو چھ سات لاکھ سالانہ کی آمد آسانی سے قادیان میں ہوتی رہے گی جو زمانہ کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی اور آپ لوگ پھر مدرسہ احمدیہ، دینیات کالج، ہائی سکول اور تعلیم الاسلام کالج وہاں بنانے کی توفیق پالیں گے۔ جو زمانہ زندہ رہنے کی کوشش کا تھا اللہ تعالیٰ نے خیریت سے اس زمانہ کو گذار دیا ہے اب آپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔ نئے ماڈل سوچنے کا ابھی سوال نہیں قادیان میں جو کچھ پہلے تھا اسے دوبارہ قائم کرنے کے لئے کسی سکیم کے سوچنے کی ضرورت نہیں وہ سکیم تو سامنے ہی ہے اس کے لئے صرف ان باتوں کی ضرورت ہے :۔

اوّل :۔ قادیان میں عورتوں، بچوں کا مہیا کرنا۔ اڑیسہ، کانپور اور بہار میں بہت غریب عورتیں مل جاتی ہیں جو شادیاں کر سکتی ہیں اُن کی اِن علاقوں میں شادیاں کروائیے اور قادیان میں عورتیں بسوائیے۔

دوم :۔ ہزاروں ہزار مسلمان جو مارا گیا ہے ان کے بیوی بچے ابھی دہلی اور اس کے گرد و نواح

میں موجود ہیں ایسے پندرہ بیس بچے منگوائیے اور پرائمری سکول کھول دیجئے۔ دس بیس نوجوان باہر سے وقف کی تحریک کر کے دیہاتی مبلغ بنانے کے لئے منگوائیے اور مدرسہ احمدیہ قائم کر دیجئے۔ اگر پرانا پریس نہیں ملتا تو نئے پریس کی اجازت لیجئے۔ دستی پریس پتھروں والا ہو یہ سو دو سو میں آجاتا ہے بلکہ خود قادیان میں بنوایا جا سکتا ہے اس پر ایک پرچہ ہفتہ وار چھاپنا شروع کر دیجئے آپ لوگوں کے لئے کام اور شغل نکل آئے گا۔ کچھ لوگ کاتب بن جائیں گے کچھ کاغذ لگانے والے اور ہتھی چلانے والے بن جائیں گے اور کئی لوگوں کے لئے کام نکل آئے گا۔ آبادی بڑھے گی تو خالی جگہوں کو دیکھ کر لوگوں کو جو لالچ پیدا ہو جاتا ہے وہ جاتا رہے گا اور جو خالی ٹکڑے پڑے ہیں ان میں نئی عمارتیں بن جائیں گی۔

سوم :۔ حکیم خلیل احمد صاحب میرے خیال میں اگر وہاں آجائیں یا اور کوئی حکیم تو ایک مطب بھی کھول دیا جائے اور ایک طلبہ کلاس کھول دی جائے دیہاتی مبلغ بھی طب سیکھیں اور مرزا وسیم احمد صاحب بھی طب سیکھ لیں اور ایک بہت بڑا دواخانہ کھول دیا جائے جس کی دوائیں سارے ہندوستان میں جائیں خدا چاہے تو لاکھوں کی آمدنی اِس ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ خط تمام ممبران انجمن کو سُنا دیں تا سب لوگ اِس سکیم کو اپنے سامنے رکھیں اور جلد سے جلد اِس سکیم کو پُورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ "[1]

سیّدنا حضرت مصلح موعود نے ۲۸ شہادت ۱۳۲۸ھ ش / اپریل ۱۹۴۹ء کو بذریعہ مکتوب ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کی جماعتوں کو منظم کرنے کی جو میں نے ہدایت دی ہے اس کے بارے میں یاد رکھیں کہ سب سے اوّل یو پی، بمبئی، بہار اور مدراس کے چندے جمع کرنے پر زور دیں، نیز سب جگہوں پر سالانہ جلسے کرانے اور قادیان کے لئے زندگی وقف کرنے پر زور دیں جو اپنے بال بچوں سمیت رہیں۔ اِسی طرح ہندوستان کے احمدی نوجوانوں کو تبلیغ کے لئے وقف ہونے کی تحریک کریں۔ حضور نے اِس مکتوب میں یہ بھی حکم دیا کہ قادیان میں تبلیغی کالج کھول دیں تا ہندوستان میں تبلیغ وسیع ہو سکے۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان ہندوستانی جماعتوں کی تنظیم کے لئے اِس سال صرف یہ قدم اُٹھا سکی کہ نظارت بیت المال کی طرف سے مولوی غلام احمد صاحب ارشد کو یو پی بھجوا دیا جنہوں نے بڑی

---

[1] مثل ۲۶ دفتر خدمتِ درویشاں ربوہ۔

محنت اور جانفشانی سے اِس علاقہ کی جماعتوں کو ازسرِنو منظم کیا اور اُن کا باقاعدہ سروے کر کے احمدی افراد کی فہرستیں تیار کیں۔

قادیان کے متعلق حکومت کی پالیسی میں تبدیلی

بجائے اِس کے کہ بھارتی حکومت ہندوستانی احمدیوں کی درخواست پر ہمدردانہ غور کر کے حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی اُس نے اپنی پالیسی میں اَور زیادہ سخت گیری اور سختی پیدا کر دی اور براہِ راست درویشوں پر بعض نئی پابندیاں عائد کر دیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے انہی دنوں اس صورتِ حال کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے لکھا:۔

"قادیان میں اَب بظاہر نارمل حالات پیدا ہو رہے ہیں اور ہمارے دوستوں کو نقل و حرکت کی کافی سہولت مل گئی ہے لیکن حالات کے گہرے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تبدیلی ابھی تک کسی طرح تسلّی بخش نہیں سمجھی جا سکتی حقیقتاً یہ تبدیلی سکھ قوم کے اقتدار کی جگہ ہندو قوم کے اقتدار کا رنگ رکھتی ہے جبتک سکھ قوم اور سکھ پالیسی کا غلبہ رہا قادیان اور اس کے ماحول میں برملا ظلم و تشدد اور لُوٹ مار کا منظر نظر آتا رہا لیکن اَب آہستہ آہستہ اس منظر نے بدل کر ہندو اقتدار کی پالیسی کو جگہ دے دی ہے جس میں بظاہر نارمل حالات کا دَور دَورہ نظر آتا ہے اور ابتری کی بجائے تنظیم کے حالات دکھائی دیتے ہیں لیکن تنظیم کے اِس ظاہری پردہ کے پیچھے نقصان پہنچانے کی منظم پالیسی نظر آ رہی ہے چنانچہ نئے دَور میں حکومت کی پالیسی نے تین ایسی باتوں کو چُنا ہے جو اُوپر کی تبدیلی کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہیں۔

(۱) قادیان میں یا یُوں کہنا چاہیئے کہ مشرقی پنجاب میں الفضل کا داخلہ حکومتِ مشرقی پنجاب کے حکم کے ماتحت بند کر دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اَب ہمارے قادیان کے دوست حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ایدہٗ کے خطبات اور جماعتی تحریکات اور احمدیہ مشنوں کی رپورٹوں وغیرہ سے کلیۃً محروم ہو گئے ہیں یا بالفاظِ دیگر جماعت کی مذہبی تنظیم کے مرکزی نقطہ سے بالکل کاٹ دئے گئے ہیں۔ بظاہر اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ الفضل میں ایسی باتیں شائع ہوتی ہیں جو حکومتِ ہندوستان کے مفاد کے خلاف ہیں لیکن ظاہر ہے کہ الفضل کی پالیسی میں کوئی نئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ فسادات کے بعد سے ایک ہی پالیسی چلی آ رہی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اَب الفضل میں پہلے کی نسبت زیادہ مذہبی مضامین کی طرف

زیادہ توجہ ہوتی ہے کیونکہ یہی اس کی غرض و غایت ہے اور سیاسی نوعیّت کے مضامین بہت کم ہوتے ہیں باوجود ان حالات کے الفضل کا فسادات کے بعد تو جاری رہنا مگر اَب آ کر بند کیا جانا حکومت کی تبدیل شدہ پالیسی کی ایک واضح دلیل ہے۔

(۲) قادیان جماعتِ احمدیہ کا مقدّس مقام ہے اور دُنیا بھر کا مسلّمہ اُصول ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے مقدّس مقامات کی خدمت اور احترام کے لئے تحائف اور ہدایا اور مالی نذرانے بھجا کرتی ہے اور آج تک دنیا کی کسی مہذب حکومت نے اِس قسم کے مالی یا جنسی تحائف میں روک نہیں ڈالی اور اس وقت تک قادیان میں بھی اِس قسم کے تحائف جاتے رہے ہیں لیکن حال ہی میں بعض ان منی آرڈروں کو جو باہر سے قادیان بھجوائے گئے تھے ہندوستان کی حکومت نے روک لیا ہے حالانکہ جو احمدی قادیان میں بیٹھے ہیں اُن کے گذارہ کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ ان کی سب جائیدادیں ان کے ہاتھ سے چھینی جا چکی ہیں۔ پس اِن حالات میں بیرونی منی آرڈروں کو روکنا مقامی مسلمان آبادی کو بُھوکے مارنے کے مترادف ہے۔

(۳) قادیان میں سالہا سال سے یعنی تقسیمِ پنجاب سے بھی پہلے سے حکومت جماعتِ احمدیہ کو اس بات کی اجازت دیتی رہی ہے کہ وہ لنگر خانہ اور دوسرے احمدیہ اداروں کے لئے اکٹھی گندم خرید لیا کریں لیکن اِس سال حکومتِ مشرقی پنجاب نے اِس بات کی اجازت نہیں دی اور ہدایت جاری کی ہے کہ ہر احمدی اپنا الگ الگ راشن کارڈ حاصل کرے جس کی غرض سوائے اس کے کوئی نظر نہیں آتی کہ قادیان کے احمدیوں کی خوراک کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں محفوظ کر لیا جائے۔ ہمارے دوستوں کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ جو نظام سالہا سال سے چلا آیا ہے اسے اب بدلنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور انفرادی راشن کارڈوں میں یہ خطرہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اپنا علیحدہ علیحدہ راشن لینے کے لئے بازار جانا ہوگا جس میں ٹکراؤ کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اور پھر جب قادیان کی احمدی آبادی معیّن ہے اور اس میں حکومت کی اجازت کے بغیر کمی بیشی نہیں ہوسکتی تو پھر اکٹھی خرید کی اجازت دینے میں یہ خطرہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ضرورت سے زیادہ گندم خرید کی جائے گی یا کہ خرید کے بعد ضائع کر دی جائے گی۔ علاوہ ازیں گندم کا جو بھی ذخیرہ ہوگا وہ بہرحال قادیان میں ہی رہے گا اور حکومت کی نظروں کے سامنے ہوگا مگر باوجود اِن معقول دلیلوں کے گورنمنٹ نے اپنے حکم کو نہیں بدلا اور ابھی تک یہ اصرار کر رہی ہے کہ ہر احمدی انفرادی راشن کارڈ حاصل کرے۔

اُوپر کی باتوں سے واضح ہے کہ بر ملا ظلم وتشدّد اور لُوٹ مار کا دَور دَورہ تو اَب بظاہر گذر چکا ہے لیکن اس کی جگہ ایسی پالیسی نے لے لی ہے جسے مخفی مگر منظم تشدّد کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ہماری اصل اپیل خدا کے پاس ہے اور وہی انشاء اللہ اپنی جماعت کا حافظ و ناصر ہوگا اور درمیانی ابتلاء خواہ کوئی بھی صورت اختیار کریں آخری فتح وظفر یقیناً خدا کے نام کی ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت اسے ٹال نہیں سکتی وَلا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔[1]

دُشمنانِ اسلام واحمدیّت کا ایک تباہ کُن منصُوبہ اور اُس کی ناکامی

معاندینِ اسلام کا وہ طبقہ جو درویشوں کو اپنے محبوب و مقدّس مرکز سے بے دخل کرنے کی سازشوں میں مصروف چلا آرہا تھا ۱۹۴۹ء میں اللہ رکھا نامی ایک منافق کو احمدی آبادی کے خلاف کھڑا کر کے اپنے مذموم اور ناپاک منصوبہ کی کامیابی کے خواب دیکھنے لگا۔

اللہ رکھا گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کا باشندہ اور حضرت میر محمد اسحق صاحبؓ کے زمانہ میں دارالشیوخ قادیان میں رہا کرتا اور اس ادارہ کے لئے مختلف دیہات سے آٹا اکٹھا کر کے لایا کرتا تھا۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں یہ شخص قادیان سے اپنے گاؤں چلا آیا لیکن چند ماہ بعد جماعتی اجازت کے بغیر غیر آئینی صورت میں ہندو پاک سرحد پار کر کے قادیان پہنچ گیا۔ مقامی جماعت نے اُسے ہر طرح سمجھایا کہ وہ واپس چلا جائے اور باضابطہ اجازت لے کر آئے مگر وہ تو مخالفینِ احمدیت کا آلۂ کار تھا بھلا کیسے چلا جاتا۔ جہاں دشمنانِ احمدیت کی نگاہ میں دوسرے تمام درویش خار کی طرح کھٹکتے تھے اور ان کا قادیان میں رہنا انہیں گوارا نہیں تھا وہاں اس شخص کی غیر قانونی آمد پر کبھی اعتراض نہیں اُٹھایا بلکہ اُسے اُن کی ہمیشہ پُشت پناہی حاصل رہی۔

اللہ رکھا نے قادیان کے نظامِ احمدیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سب سے پہلے وہی حربہ جماعت کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا جو خلفائے راشدین اور خلافتِ راشدہ کے دشمنوں کا طُرۂ امتیاز رہا ہے یعنی اُس نے قادیان پہنچتے ہی صدر انجمن احمدیہ کی مرکزی شخصیتوں کو برسرِ عام اعتراضات کا نشانہ بنانے کی باقاعدہ مہم جاری کر دی جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے ایک تحریری پیغام کے ذریعہ اسے اپنی

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۰؍ ہجرت ۱۳۲۸ ہش/ مئی ۱۹۴۹ء صہ ۲۔

شرمناک روش بدلنے کی طرف توجہ دلائی مگر جب اس کی روش میں پہلے سے زیادہ اشتعال اور تیزی کا رنگ پیدا ہو گیا تو حضور نے اس فتنہ پرور سے مقاطعہ کرنے کا حکم دے دیا نیز ہدایت فرمائی کہ درویش اسے اپنے حلقہ میں داخل نہ ہونے دیں حضور نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اعلانِ مقاطعہ کیا جو الفضل ۹ ظہور ۱۳۲۸ھش/اگست ۱۹۴۹ء کے الفضل میں بھی شائع ہوا :-

"میاں اللہ رکھا سیالکوٹی حال قادیان چونکہ جماعت میں فتنہ پیدا کرتے ہیں اور جماعتی نظام میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے میں اِس اعلان کے ذریعہ انہیں اپنی جماعت سے خارج کرتا ہوں اور فتنہ سے بچنے کے لئے تمام احمدیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ان سے سلام کلام بند رکھیں اور اپنی مجالس میں آنے کی اجازت نہ دیں تاکہ وہ خواہ مخواہ جماعت کی بدنامی کی کوئی صورت پیدا نہ کر دیں۔ میں ان کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اندر اگر ذرہ بھی ایمان کا باقی ہے تو اس سے باز آجائیں اور اپنی حرکات کو چھوڑ دیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کا معاملہ خدا تعالیٰ سے ہو گا اور وہ اپنی عاقبت آپ خراب کریں گے۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی"

اگرچہ یہ شخص مبائعین کی طرف منسوب ہوتا تھا لیکن دِل سے خلافت کا ہی منکر تھا اِس لئے اُس نے حضور کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کے لئے علی الاعلان کہنا شروع کر دیا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خدا کا برحق خلیفہ مانتا ہے لیکن اِس ذاتی معاملے میں ان کی بات پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور ساتھ ہی اس نے اپنے مکان کی چھت پر درویشوں کے خلاف نہایت بدزبانی اور بدکلامی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا۔ چند دن بعد سلسلہ احمدیہ کے مخالفوں کی شہ پر ایک پھٹا ہوا مصلّٰی لے کر دارالمسیح کے بیرونی دروازے پر پہنچ جاتا اور زبردستی اندر گھسنے کی کوشش کرتا نیز کہتا وہ احمدی ہے اس کو کوئی خارج نہیں کر سکتا اور اس کا حق ہے کہ وہ بھی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرے اور مساجد میں عبادت بجا لائے۔ دارالمسیح کے اندر جانے میں جب کامیابی نہ ہوتی تو وہ دفتر تحریک جدید کے سامنے مصلّٰی بچھا لیتا جہاں نماز تو کم پڑھتا لیکن خدا کے درویش بندوں کو گالیاں زیادہ دیتا۔ درویش یہ المناک نظارہ دیکھ کر بے بس رہ جاتے اور سلسلہ کی روایات اور ہدایات کے مطابق صبر و تحمل کے دامن کو نہ چھوڑتے۔

معاندینِ احمدیت روزانہ اپنی آنکھوں سے یہ مظاہرے دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کرتے اور اسے

ہنگامہ آرائی کے نت نئے سے نئے ڈھنگ بتاتے۔ اِس سلسلہ میں انہوں نے اس شخص کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ درویشوں کی برسرِ عام بازاروں میں توہین و تحقیر کرے چنانچہ اس کے مطابق ماہِ جولائی ۱۹۴۹ء کے آخر میں اس نے یہ شرارت کی کہ بازار سے گذرتے ہوئے ایک احمدی درویش کو پکڑ لیا اور اسے نہایت درجہ فحش اور بازاری گالیاں دیں اور پھر رات کو ایک کوٹھے پر چڑھ گیا اور یہ مفتریانہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے گذشتہ فسادات میں غیر مسلموں کا قتلِ عام کیا ہے اور فلاں فلاں غیر مسلم کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔

اِن افتراپردازیوں نے جو سلسلہ کئی ماہ سے جاری تھیں ستمبر ۱۹۴۹ء میں ایک تکلیف دہ مقدمے کی شکل اختیار کر لی چنانچہ اللہ دکھا نے سردار اموک سنگھ سابق ریذیڈنٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مندرجہ ذیل پچیس ۲۵ درویشوں کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۷ مقدمہ دائر کر دیا:۔

۱۔ خان فضل الٰہی صاحب امورِ عامہ ۲۔ منشی محمد صادق صاحب مختارِ عام ۳۔ مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔اے ناظر امورِ عامہ ۴۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مؤلّف اصحابِ احمد ۵۔ مولوی برکت علی صاحب جنرل پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ قادیان ۶۔ چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی ۷۔ صوفی عبدالقدیر صاحب ۸۔ خواجہ عبدالکریم صاحب ۹۔ محمد اشرف صاحب گجراتی ۱۰۔ محمد یحییٰ صاحب سرساوی ۱۱۔ محمد رفیق صاحب سرساوی ۱۲۔ میر رفیع احمد صاحب ۱۳۔ محمد ابراہیم صاحب خادم ۱۴۔ محمود احمد صاحب سرگودھی ۱۵۔ عبدالحمید صاحب دکاندار ۱۶۔ شیار کت علی صاحب کمپونڈر ۱۷۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب ۱۸۔ سلطان احمد صاحب کھاریاں (یہ درویش مقدمہ کی کارروائی شروع ہونے سے قبل انتقال فرما گئے تھے) ۱۹۔ شیر محمد صاحب پٹھان ۲۰۔ چوہدری سعید احمد صاحب عمار ۲۱۔ کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ۲۲۔ مستری غلام قادر صاحب ۲۳۔ بدرالدین صاحب عامل ۲۴۔ افتخار احمد صاحب اشرف ۲۵۔ بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار بھٹہ۔

۱۸ ستمبر ۱۹۴۹ء کو مقدمہ کی باضابطہ کارروائی بٹالہ میں شروع ہوئی۔ عدالت نے ان درویشوں کو نوٹس جاری کیا کہ وجہ بیان کریں کہ کیوں آپ سے ایک سال کے لئے ہزار ہزار روپے کی ضمانت حفظِ امن نہ لی جائے۔ درویشوں نے ضمانت دینے سے انکار کیا جس پر اللہ رکھا کا بیان ہوا جو بے بنیاد اور

بے سروپا الزامات کا مجموعہ تھا۔ دورانِ بیان اس نے عدالت کو بھی بتایا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل کے لئے ہر وقت تیار رہے مگر اس ذاتی معاملہ میں ان کا کوئی حکم نہیں مان سکتا۔ اللہ رکھا کی طرف سے منوہر سنگھ، پریتم سنگھ (پناہ گیر) اور ماسٹر رام سنگھ اور ریشم سنگھ منشی چوکی پولیس قادیان نے گواہی دی۔ اور درویشوں کی طرف سے بٹالہ کے ۲ وکیل بخشی سائیں داس صاحب اور لالہ رام تن صاحب ایڈووکیٹ بطور وکیل پیش ہوئے مگر انہیں پہلے دن مدعی اور اس کے گواہوں پر جرح کرنے کا موقع نہیں ملا۔ درویشوں نے ۱۴۔ نومبر ۱۹۴۹ء کو شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور اور صدر بار ایسوسی ایشن لاہور کی لکھی ہوئی ایک مدلّل بحث بھی عدالت میں پیش کی مگر مجسٹریٹ صاحب نے اس پر کوئی توجہ دینے کی بجائے باقی بحث بند کرادی اور درویشوں کو ایک ایک ہزار کی ضمانتیں پیش کرنے یا انہیں ایک ایک سال قید کئے جانے کا فیصلہ سُنا دیا۔ غریب درویش بھلا چوبیس ہزار روپے کی رقم کہاں سے لاتے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس ضمانت کے لئے کوئی رقم نہیں ہاں وہ جائیداد ضرور ہے جس پر اس وقت حکومتِ مشرقی پنجاب کا قبضہ ہے چنانچہ مجسٹریٹ نے یہی ضمانت قبول کر لی۔ جو درویش اپنی جائیدادیں نہ رکھتے تھے ان کی طرف سے بھائی شیر محمد صاحب، میاں عبدالرحیم صاحب امانت سوڈا واٹر اور ڈاکٹر عطر دین صاحب نے اپنی جائیدادیں بغرض ضمانت پیش کر دیں مقدمہ کے فیصلہ کے ایک ماہ بعد یکم جنوری ۱۹۵۰ء کو اللہ رکھا قادیان چھوڑ کر پاکستان چلا آیا اور اس مقدس بستی کی فضا اس فتنہ سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو گئی۔

اللہ رکھا نے پاکستان پہنچ کر حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حسبِ ذیل خط لکھا:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین السلام علیکم

بندہ مظلومیت کی حالت میں حضور کی خدمت میں حضور کے ارشاد کے مطابق امیر صاحب قادیان کی اجازت سے آیا ہے اور حضور کے ارشاد کے مطابق قادیان رہتا تھا۔ قادیان سے کبھی بھی مُنہ پھر انہیں سکتا۔ قادیان میرا مقدس شہر۔ میرے پیارے حضرت مسیح موعودؑ کا مقدس شہر اور وہاں آپؑ کا مزار اور مذہبی یادگاریں ہیں جہاں ہم لوگ جاتے ہیں۔ مَیں احمدی ہوں حضرت مسیح موعودؑ کو مانتا ہوں اور خلیفۂ وقت کو مانتا ہوں اَب بھی اگر خدا نے چاہا تو حضور کے ارشاد سے ہی قادیان جاؤں گا حضور کی ناراضگی میں نہیں

جاؤں گا"۔ ؎۱

اِس خط پر حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ :۔

"معاف تو ہم نے کر دیا ہے مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا اور منافق نہیں ہے میری صحت اچھی ہونے پر مَیں مجلس میں بلوا کر پیش کروں گا کہ یہ جھوٹ بول کر قادیان کو تباہ کرنیکی کوشش کرتا رہا اور منافق ہے"۔ ؎۲

جلسۂ قادیان کے لئے پہلا پاکستانی قافلہ

اِس سال بھی سالانہ جلسہ قادیان حسبِ دستور ۲۶-۲۷-۲۸ر فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا جس میں علاوہ قادیان اور ہندوستان کی دیگر جماعتوں کے شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور کی قیادت میں پچپن پاکستانی احمدیوں کا ایک قافلہ بھی شامل ہوا اور اس مقدس و مبارک اجتماع کی برکات سے مستفید ہوا۔

اِس پہلے پاکستانی قافلہ کے مختصر حالات و کوائف حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے قلم سے درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

"قادیان جانے والے قافلہ کے لئے قریباً [illegible] درخواستیں موصول ہوئی تھیں جن میں سے حکومت کی مقرر کردہ حد بندی کے ماتحت صرف پچاس کا انتخاب کرنا تھا چنانچہ پچاس افراد کا انتخاب کر کے انہیں اطلاع دی گئی کہ ۲۴ر دسمبر کی شام تک سب لوگ لاہور پہنچ جائیں چنانچہ یہ جملہ پچاس افراد ۲۴ر دسمبر کی شام تک لاہور پہنچ گئے۔ ان میں تین بوڑھی دیہاتی عورتیں بھی شامل تھیں جو مقدس مقامات کی زیارت کے علاوہ اپنے بچوں کو ملنے کے لئے جا رہی تھیں جو اِس وقت قادیان میں درویشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حُسنِ اتفاق سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بھی ایک تقریب کے تعلق میں ۲۴ تاریخ کی شام کو لاہور تشریف لے آئے اور قافلہ کی روانگی کے خیال سے ۲۵ تاریخ کی صبح کو بھی لاہور میں ٹھہر گئے چنانچہ حضور کی نہایت دردمندانہ اور پُرسوز دعاؤں کے ساتھ یہ پچاس افراد کا

؎۱ اصل خط شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے ؛

؎۲ حضور کا یہ ارشاد بھی شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے نیز الفضل میں شائع شدہ ہے ؛

قافلہ ہریکے موٹر ٹرانسپورٹ کمپنی کی ۲ لاریوں میں لاہور سے روانہ ہوا۔ یہ قافلہ رتن باغ سے ۲۵ تاریخ کی صبح کو نو بجے روانہ ہوا اور قافلہ کی کُل تعداد ۵۴ تھی کیونکہ پچاس ممبرانِ قافلہ کے علاوہ ۲ ڈرائیور اور ۲ کلینر کنڈکٹر بھی اِس قافلہ میں شامل تھے۔ رستہ میں کچھ وقت رُکنے کے بعد قافلہ قریباً ساڑھے دس بجے بارڈر پر پہنچا جہاں مسٹر اے۔ جی چیمہ مجسٹریٹ درجہ اول اور مسٹر ایس۔ ایس جعفری ڈپٹی کمشنر لاہور انہیں رخصت کرنے کے لئے پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ قافلہ کو الوداع کہنے کے لئے بہت سے دوست بارڈر تک ساتھ گئے ان لوگوں میں یہ خاکسار بھی شامل تھا اور وہاں ہم سب نے روانگی کی آخری دعا کر کے اپنے بھائیوں کو رخصت کیا۔ میری گھڑی کے مطابق ہمارے قافلہ نے دس بج کر پینتیس منٹ پر پاکستان اور ہندوستان کی سرحد کو عبور کیا اور پھر ہم تھوڑی دیر تک ان کی لاریوں کو دیکھتے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے لاہور واپس آ گئے۔

جیسا کہ پہلے سے پروگرام مقرر تھا اِس قافلہ نے ۲۵ر دسمبر کو قادیان جاکر ۳۰ر دسمبر کو واپس آنا تھا چنانچہ یہ قافلہ ۲ بجے بعد دوپہر قادیان پہنچ گیا اور سب سے پہلے بہشتی مقبرہ میں جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر دعا کی جہاں قادیان کے بہت سے دوست قافلہ کے استقبال کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو بچھڑے ہوئے بھائیوں سے ملاقات دوسری طرف قادیان کا ماحول اور تیسری طرف بہشتی مقبرہ کا مقام ان سب باتوں نے مل کر اس دعا میں وہ سوز و گداز پیدا کر دیا جو اہلِ قافلہ کی رپورٹ کے مطابق صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بہرحال ہمارے یہ دوست تیس دسمبر کی صبح تک قادیان میں ٹھہرے اور جلسہ کی شرکت کے علاوہ جو حسبِ دستور ۲۶، ۲۷، ۲۸ تاریخوں میں مقرر تھا ان ایام کو مقاماتِ مقدسہ میں خاص دعاؤں اور عبادت میں گزارا۔ اور سب واپس آنے والے دوست بلا استثناء کہتے ہیں کہ قادیان کے جُملہ درویش اپنی جگہ نہایت قربانی اور للّٰہیت کے جذبہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے اوقات دعاؤں اور نوافل سے اِس طرح معمور ہیں جس طرح ایک عمدہ اسفنج کا ٹکڑا پانی سے بھر جاتا ہے۔ اور سب درویش یہ عزم رکھتے ہیں کہ خواہ موجودہ حالات میں اِن کا قادیان کا قیام کتنا ہی لمبا ہو جائے وہ انشاء اللہ پورے صبر اور استقلال اور قربانی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے بلکہ ان میں سے بعض نے اِس بات پر حیرت ظاہر کی کہ جب ہم خود انتہائی خوشی اور رضا اور عزم کے ساتھ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے بعض پاکستانی رشتہ داروں کو ہماری وجہ

سے کوئی گھبراہٹ ہو۔ قادیان کے قیام کے دوران میں ہمارے دوستوں کو اُن ہندوستانی احمدیوں کی ملاقات کا بھی موقع مِلا جو ہندوستان کے مختلف صُوبوں سے جلسہ کی شمولیت کے لئے قادیان آئے تھے اور ان میں محترمی شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی حیدر آباد دکن اور چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعتِ احمدیہ کلکتہ اور مولوی بشیر احمد صاحب امیر جماعت دہلی اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اور سیٹھ محمد اعظم صاحب تاجر حیدر آباد دکن اور سیّد ارشد علی صاحب ارشد تاجر لکھنؤ اور مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ مغربی بنگال بھی شامل تھے۔ اور تین دوست کشمیر سے بھی آئے تھے۔ ان ایام میں قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں نے پاکستانی اور ہندوستانی زائرین اور بعض درویشوں کو چائے کی دعوت دی اور اِس موقع پر ہمارے کئی دوستوں نے جن میں شیخ بشیر احمد صاحب امیر قافلہ پاکستان اور شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری شامل تھے دعوت دینے والوں کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ مناسب رنگ میں تبلیغ بھی کی۔ اور ہمارا جلسہ تو گویا مجسم تبلیغ ہی تھا کیونکہ اس میں بیشتر تعداد غیر مسلموں کی شامل ہوئی تھی اور وہ سب ہمارے مقررین کی تبلیغی تقریروں کو نہایت درجہ توجہ اور سکون سے سُنتے رہے۔ بلکہ وہ اِس بات کو سخت حیرت کے ساتھ دیکھتے تھے کہ یہ چند گنتی کے مسلمان اِس درجہ غیر اسلامی ماحول میں گھرے ہوئے ہیں اور پھر بھی کس جُرأت کے ساتھ ہمیں اسلام کا پیغام پہنچاتے اور اسلام زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ ہمارا قافلہ ۳۰ر دسمبر کو ۱۱ بجے کے قریب قادیان سے روانہ ہوکر ۴ بجے سہ پہر کے قریب رتن باغ لاہور میں پہنچ گیا اور بہت سے دوستوں نے دعا کے ساتھ اِس کا استقبال کیا اور پھر محترمی شیخ بشیر احمد صاحب امیر قافلہ اور محترمی میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ رپورٹ دینے کی غرض سے ربوہ بھی پہنچے۔ قافلہ میں شامل ہونے والے اصحاب کے نام درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور امیر قافلہ ۲۔ مولوی محمد صدیق صاحب مبلغ مغربی افریقہ حال لاہور ۳۔ شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ مشرقی افریقہ حال ربوہ ضلع جھنگ ۴۔ شیخ محمد عمر صاحب (مہاشہ) مبلغ ربوہ ۵۔ مرزا واحد حسین صاحب (گیانی) مبلغ ربوہ ۶۔ میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ ۷۔ چوہدری محمد احمد صاحب واقفِ زندگی کارکن تعلیم الاسلام کالج لاہور ۸۔ شکیل احمد صاحب مونگھیری لاہور ۹۔ منشی عبد الحق صاحب کاتب جودھامل بلڈنگ لاہور

۱۰۔ مولوی عطاء اللہ صاحب واقفِ زندگی ربوہ ۱۱۔ چوہدری نور احمد صاحب سابق خزانچی صدر انجمن حال ملتان ۱۲۔ چوہدری غلام محمد صاحب کوٹ رحمت خاں شیخوپورہ ۱۳۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم جھلیانوالہ لائلپور ۱۴۔ مرزا مہتاب بیگ صاحب آف قادیان حال سیالکوٹ ۱۵۔ مرزا محمد حیات صاحب مالک دواخانہ رفیقِ حیات، سیالکوٹ ۱۶۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب، عرف عبدل جہلم۔ ۱۷۔ خواجہ عبدالواحد صاحب گوجرانوالہ ۱۸۔ والدہ عثمان علی درویش بنگالی حال ربوہ ۱۹۔ چوہدری فضل احمد صاحب ہیڈ ماسٹر بھکر (میانوالی) ۲۰۔ محمد یعقوب صاحب کاتب الفضل لاہور ۲۱۔ مستری عبدالحمید صاحب گوجرہ لائل پور ۲۲۔ ملک نور الحق صاحب دوالمیال جہلم ۲۳۔ ملک محمد شفیع صاحب منٹگمری ۲۴۔ چوہدری لال خاں صاحب کھاریاں گجرات ۲۵۔ چوہدری فیض احمد صاحب گھٹیالیاں چیف انسپکٹر بیت المال ربوہ ۲۶۔ حاجی خدا بخش صاحب میانوالی مہاراں سیالکوٹ ۲۷۔ مبارک احمد صاحب اعجاز احمد نگر (جھنگ) ۲۸۔ عبدالغفار صاحب شادیوال (گجرات) ۲۹۔ ملک محمد ابراہیم صاحب لالہ موسیٰ (گجرات) ۳۰۔ محمد یوسف صاحب شادیوال (گجرات) ۳۱۔ ڈاکٹر برکت اللہ صاحب کوٹ فتح خاں (کیمبلپور) ۳۲۔ مرزا احسن بیگ صاحب ٹنڈو آدم سندھ ۳۳۔ میاں مولا بخش صاحب خانقاہ ڈوگراں (شیخوپورہ) ۳۴۔ ملک عبدالکریم صاحب ترگڑی (گوجرانوالہ) ۳۵۔ شیخ عبدالکریم صاحب چنیوٹ ۳۶۔ چوہدری نور محمد صاحب کوئٹہ۔ ۳۷۔ مسماۃ غلام فاطمہ صاحبہ پریم کوٹ (گوجرانوالہ) ۳۸۔ قاضی مبارک احمد صاحب احمد نگر (جھنگ) ۳۹۔ چوہدری محمد خاں صاحب بن باجوہ (سیالکوٹ) ۴۰۔ منور احمد صاحب پسر مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی چنیوٹ ۴۱۔ ملک نیاز محمد صاحب کسووال (منٹگمری) ۴۲۔ ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحب لاہور ۴۳۔ میاں مبارک احمد صاحب پنڈی چری (شیخوپورہ) ۴۴۔ سردار محمد صاحب بھوڑو چک نمبر ۱۸ (شیخوپورہ) ۴۵۔ مسماۃ جیوا رتن باغ لاہور ۴۶۔ ڈاکٹر محمد دین صاحب امین آباد (گوجرانوالہ) ۴۷۔ منیر احمد صاحب احمد نگر (جھنگ) ۴۸۔ مرزا عبدالمنان صاحب۔ واہ (کیمبلپور) ۴۹۔ منظور احمد صاحب شیخ پور (گجرات) ۵۰۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب حمیدیہ فارمیسی جڑانوالہ (لائل پور)

ان کے علاوہ دو مزید احمدی دوست یعنی مستری عبدالحکیم صاحب لاہور اور میاں نذیر احمد صاحب

ڈسکہ کنڈکٹر کی حیثیت میں شامل ہوئے"۔[1]

پاکستانی قافلہ کا خیر مقدم قادیان کی انوار و برکات سے فیضیاب پاکستانی قافلہ کے خیر مقدم کا منظر بڑا ہی پُر کیف تھا اس خوش نصیب قافلہ نے جو واہگہ کی پاکستانی حدود میں داخل ہوتے ہی پاکستان زندہ باد، احمدیت زندہ باد اور حضرت امیر المومنین زندہ باد کے نعرے بلند کئے جماعت احمدیہ لاہور کے بہت سے احباب نے آگے بڑھ کر زائرین کا استقبال کیا اور زیارتِ مرکز سے مشرف ہونے پر مبارکباد پیش کی۔ امیر قافلہ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے احبابِ لاہور کو درویشانِ قادیان کا ایک مختصر لیکن پیارا پیغام سُنایا جو السلام علیکم اور درخواستِ دعا کے دو مختصر جملوں پر مشتمل تھا۔ قافلہ دعائیں کرتا ہوا واہگہ سے روانہ ہو کر رتن باغ پہنچا جہاں مقامی جماعت کے بہت سے احباب جمع تھے قافلہ کے یہاں پہنچنے پر فضا دوبارہ نعروں سے گونج اُٹھی۔ زائرین نے رتن باغ کی مسجد میں نمازِ عصر ادا کی جس کے بعد امیرِ قافلہ نے ایک رِقّت آمیز دعا کرائی اور تمام زائرین کو جانے کی اجازت دی۔[2]

فصل ہفتم

قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسہ ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء

حسبِ سابق اِس سال بھی احمدیت کے دائمی مرکز قادیان کا سالانہ جلسہ ۲۶ تا ۲۸ ماہ فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو زنانہ جلسہ گاہ میں منعقد ہوا۔ اِس جلسہ میں قریباً ایک ہزار افراد نے شرکت کی۔ تقسیمِ ہند کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستانی احمدی شاملِ جلسہ ہوئے۔ زائرین میں پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر مقیم جالندھر میجر جنرل راجہ عبدالرحمٰن صاحب کا نام قابلِ ذکر ہے جلسہ میں ۳۸ ہندوستانی احمدی تشریف لائے جن میں چار مستورات اور پانچ بچے بھی شامل تھے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب بٹ امیر جماعت

---

[1] روزنامہ الفضل ۷ صلح ۱۳۲۹ھش / جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۔

[2] الفضل ۳۱ فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ و صفحہ ۸۔

قادیان نے اپنی افتتاحی تقریر میں بعض مقتدر احمدی اکابر کے پیغامات اور دنیا بھر کے احمدی مشنوں کے مُراسلات سُنائے۔ ازاں بعد پاکستانی قافلہ کے امیر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے صدارتی تقریر میں بتایا کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے دیگر بابرکت ارشادات کے علاوہ مجھے یہ پیغام پہنچانے کے لئے فرمایا تھا کہ ''اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ اس کی کامل اطاعت کرو۔ اس پر کامل یقین اور اس کی کامل اطاعت کے ساتھ دنیا میں امن قائم ہو سکے گا۔''

مندرجہ ذیل مقررین نے اِس جلسہ سے خطاب کیا:-

۱-مکرم عبدالحمید صاحب عاجزؔ (ہستی باری تعالیٰ)

۲-حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر (ذکرِ حبیبؑ)

۳-مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینیؔ (حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے)

۴-مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی (پیشگوئی مصلح موعودؓ)

۵-مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری (صداقت مسیح موعودؑ)

۶-مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مؤلف ''اصحابِ احمد'' (جماعتِ احمدیہ کا سلوک غیر مسلموں سے)

۷-مکرم مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ دہلی (صداقت مسیح موعودؑ ازرُوئے ہندو و سکھ مذہب)

۸-مکرم مولوی محمد سلیم صاحب مبلّغ کلکتہ (اسلام اور کمیونزم۔قادیان سے ہماری ہجرت)

۹-مکرم مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی (اسلام میں عورت کا درجہ)

۱۰-مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔اے (قادیان کی تاریخ)

۱۱-مکرم گیانی مرزا واحد حسین صاحب (سِکھ مسلم اتحاد)

۱۲-حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری (حکومت و رعایا کے تعلقات اسلام کے نقطہ نظر سے)

۱۳-مکرم مہاشہ محمد عمر صاحب (ہندو مسلم اتحاد)

۱۴-مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یادگیر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ)

۱۵-مکرم شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ

۱۶-مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلّغ سیرالیون

مؤخر الذکر مبلّغین نے افریقہ میں تبلیغِ اسلام کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا۔

اِس مبارک اجتماع پر بالاتفاق ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں بھارتی حکومت کوتوجہ دلائی گئی کہ:-

۱- قادیان میں مقیم درویشوں کو یہ اجازت ضرور ملنی چاہئے کہ اُن کے اہل وعیال اُن سے مِل سکیں۔

۲- قادیان میں قریباً پچاس ساٹھ ایسے احمدی زائر مقیم ہیں جو ایامِ فسادات میں یہاں آئے تھے اور اَب وہ واپس اپنے وطن- پاکستان- جانے کے لئے بے تاب ہیں۔ اِس کے علاوہ قادیان کے بعض ابتدائی باشندے یہاں ازسرِنو آباد ہونا چاہتے ہیں۔

۳- حکومت نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی قیمتی جائداد متروکہ قرار دے کر اپنے قبضہ میں لے رکھی ہے حالانکہ یہ انجمن اَب بھی قادیان میں قائم ہے۔

۴- قادیان کے بعض تعلیمی اداروں کو بہت جلد واگذار کر دیا جائے کیونکہ محض ان اداروں کے نہ ہونے کی وجہ ہی سے احمدی بچّوں کی تعلیم نظرانداز ہو رہی ہے۔

۵- جو ہندوستانی احمدی مذہبی اور دینی تعلیم سیکھنے کے لئے باہر جانا چاہیں انہیں ہر قِسم کی سہولتیں دی جائیں۔

۶- احمدیوں کی جو مسجدیں اور قبرستان مُلکی فسادات کے دَوران مسمار کئے جا چکے ہیں وہ واگذار کی جائیں اور انکی مرمّت وتعمیر کے لئے مناسب انتظامات کئے جائیں۔

۷- قادیان احمدیوں کا مذہبی مرکز ہے مگر حکومت نے شرنارتھیوں کو بعض حالات کے تقاضا کے تحت اس میں رہنے کی اجازت دے دی ہے نیز قادیان میونسپلٹی نے قادیان کے بعض ایسے محلّوں اور گلیوں کے اسلامی نام بدل دئے ہیں جن سے مذہبی تقدّس اور سلسلہ احمدیہ کی بعض قدیم روایات وابستہ ہیں۔ اِس اقدام سے احمدیوں کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچی ہے۔ قادیان کے محلّوں اور گلیوں کے پہلے اسلامی نام بحال کئے جائیں اور جماعتِ احمدیہ کے مذہبی حقوق کا تحفّظ کیا جائے۔

اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے خصوصی نامہ نگار نے اِس جلسہ کی مفصّل روداد لکھی جو اِس اخبار کی ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء (ص ۶) کی اشاعت میں شائع ہوئی۔[1]

جلسہ ربوہ

ٹھیک انہی تاریخوں میں جبکہ حضرت مہدی معہود علیہ السلام کی مقدّس بستی میں شمعِ احمدیت کے پروانے جمع ہوئے سرزمینِ ربوہ میں احمدیت کے نئے مرکز کا دوسرا سالانہ جلسہ

[1] خبر کا متن ضمیمہ میں ملاحظہ ہو۔

منعقد ہؤا جس میں دیگر علمائے سلسلہ کی تقاریر کے علاوہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اپنے رُوح پرور اور ایمان افروز خطابات سے نوازا۔

حضور نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا:۔

"ہماری موجودہ مثال ان کمزور پرندوں کی سی ہے جو دریا کے کسی خشک حصہ میں سستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور شکاری جو ان کی تاک میں لگا ہؤا ہوتا ہے ان پر فائر کر دیتا ہے اور وہ پرندے وہاں سے اُڑ کر ایک دوسری جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں ہم بھی آرام سے اور اطمینان سے دُنیا کی چالاکیوں اور ہوشیاریوں اور فریبوں سے بالکل غافل ہو کر، کیونکہ مومن چونکہ خود چالاک اور فریبی نہیں ہوتا وہ دوسروں کی چالاکیوں اور فریبوں کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اپنے آرام گاہ میں اطمینان اور آرام سے بیٹھے تھے اور ارادے کر رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی اُڑ کر امریکہ جائے گا، کوئی انگلستان جائے گا، کوئی جاپان جائے گا اور دینِ اسلام کی اشاعت ان جگہوں میں کرے گا لیکن چالاک شکاری اس تاک میں تھا کہ وہ ان غافل اور سادہ لوح پرندوں پر فائر کرے چنانچہ اس نے فائر کیا اور چاہا کہ وہ ہمیں منتشر کر دے مگر ہماری جماعت جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں پرندہی قرار دیا گیا ہے اپنے اندر ایک اجتماعی رُوح رکھتی تھی"۔

"مشرقی پنجاب سے بہت سی قومیں بہت سے گاؤں نکلے، بہت سے شہر نکلے، بہت سے علاقے نکلے لیکن انہوں نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ قومی رُوح اپنے اندر نہیں رکھتے تھے۔ وہ پراگندہ ہو گئے، وہ پھیل گئے، وہ منتشر ہو گئے یہاں تک کہ بعض جگہ پر بھائی کو بھائی کا، باپ کو بیٹے کا اور ماں کو اپنی لڑکی کا بھی حال معلوم نہیں۔ صرف وہ چھوٹی سی قوم، وہ تھوڑے سے افراد جو دشمن کے تیروں کا ہمیشہ سے نشانہ بنتے چلے آئے ہیں۔ اور جن کے متعلق کہنے والے کہتے تھے کہ دشمن کے حملہ کا ایک ریلا آنے دو پھر دیکھو گے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟ جونہی حملہ ہؤا یہ لوگ متفرق ہو جائیں گے منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گے وہی ہیں جو آج ایک مرکز پر جمع ہیں وہ کثیر التعداد آدمی جو وہاں سے نکلے تھے وہ پھیل گئے وہ بکھر گئے وہ پراگندہ ہو گئے مگر وہ چھوٹی سی جماعت جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ایک معمولی سا ریلا بھی آیا تو یہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جائے گی وہ مرغابیوں کی طرح اُٹھی تھوڑی دیر کے لئے اِدھر اُدھر اُڑی مگر پھر جمع ہوئی اور ربوہ میں آکر بیٹھ گئی چنانچہ جو نظارہ آج تم دیکھ رہے ہو یہ خواہ اتنا شاندار نہیں

جتنا قادیان میں ہوا کرتا تھا کیونکہ ابھی ہماری پراگندگی کا زمانہ ختم نہیں ہوا لیکن اور کونسی قوم ہے جس کی حالت تمہارے جیسی ہے۔ اور کونسی جماعت ہے جو آج اس طرح پھر جمع ہو کر ایک مقام پر بیٹھ گئی ہے یقیناً اور کوئی قوم ایسی نہیں پس تمہارے اس فعل نے بتا دیا کہ تمہارے اندر ایک حد تک قومی روح ضرور سرایت کر چکی ہے۔ تم اُڑے بھی، تم پراگندہ بھی ہوئے، تم منتشر بھی ہوئے مگر پھر جو تمہاری جبلّت ہے، جو تمہاری طینت ہے، جو چیز تمہاری فطرت بن چکی ہے کہ تم ایک قوم بن کر رہتے ہو اور ایک آواز پر اکٹھے ہو جاتے ہو یہ فطرت تمہاری ظاہر ہو گئی اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت تمہیں ہمیشہ کے لئے پراگندہ نہیں کر سکتی۔"

اس کے بعد حضور نے شعبان ۵ھ کے مشہور واقعہ غزوہ بنو مصطلق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:-

"مجھے اس وقت یاد تو کیا آ گیا ایک واقعہ تھا جس کا اس بات کے کہتے کہتے میری آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ گیا۔ ایک جنگ کے موقع پر انصار اور مہاجرین میں جھگڑا ہو گیا۔۔۔ اور یوں معلوم ہونے لگا جیسے آج مہاجر اور انصار آپس میں لڑ ہی پڑیں گے۔ اس وقت عبداللہ بن ابی ابن سلول دیرینہ منافق ۔۔۔ نے کہا اے انصار یہ تمہاری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ تم ان لوگوں کے مُنہ سے ایسی باتیں سُن رہے ہو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم ایسا قدم مت اُٹھاؤ مگر تم نہ مانے اب شکر ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے تم ذرا ٹھہرو اور مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ کمبخت (نعوذ باللہ) مدینہ کے سب سے زیادہ ذلیل آدمی یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا اور یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے گا۔ عبداللہ کا بیٹا مومن تھا وہ ایک سچا مسلمان تھا جب اس نے اپنے باپ کی یہ بات سُنی تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ نے جو بات کہی ہے اس کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہو سکتی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ یہی سزا اسے دیں گے لیکن میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اگر کسی اور مسلمان کو آپؐ نے کہا اور اس نے میرے باپ کو قتل کر دیا اور پھر کوئی کمزوری کا وقت مجھ پر آ گیا اور وہ مسلمان میرے سامنے آیا تو ممکن ہے میرے دِل میں خیال آ جائے کہ یہ میرے باپ کا

۱؎ سیرت خاتم النبیین حصہ دوم طبع اول صفحہ ۲۲۴ تا صفحہ ۲۳۰ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

قاتل ہے اور مَیں جوش میں آکر اس پر حملہ کر بیٹھوں اور اس طرح بے ایمان ہو جاؤں۔ یا رسول اللہ میری درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے ہی یہ حکم دیجئے کہ مَیں اپنے باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں تا کسی مسلمان کا کینہ میرے دِل میں پیدا نہ ہو۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ ہم تمہارے باپ کو قتل کریں اس نے بات کی اور اپنے اندرونہ کو ظاہر کر دیا ہماری طرف سے اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اب بات بظاہر ختم ہوگئی اور وہ آئی گئی ہوگئی۔ انصار اور مہاجر آپس میں پھر بغلگیر ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول پھر ذلیل اور شرمندہ ہو کر اپنے خیمہ میں جا گھسا۔ پھر انصار اور مہاجرین میں بھائیوں بھائیوں کا سا نظارہ نظر آنے لگا۔"

"پھر اس کی بات بھُول گئے رشتہ دار اس کی بات بھُول گئے، دوست اس کی بات بھُول گئے دشمن اس کی بات بھُول گئے لیکن اس کا بیٹا اس بات کو نہیں بھُولا اور بغیر اس واقعہ کے اسے اور کسی چیز کا خیال تک نہیں آیا جس وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری مدینہ منورہ میں داخل ہو چکی اور اسلامی لشکر اندر داخل ہونے لگا تو وہ لڑکا اپنی سواری سے کُود کر گلی کے کنارے پر کھڑا ہو گیا اور جب اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو دیکھا تو اس نے تلوار نکال کر اپنے باپ سے کہا تمہیں یاد ہے تم نے وہاں کیا الفاظ کہے تھے تم نے کہا تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے اور تم سب سے معزز انسان ہو۔ خدا کی قسم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو معاف کر دیا لیکن مَیں تمہیں معاف نہیں کروں گا اور تمہیں اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم تین دفعہ میرے سامنے یہ اقرار نہ کرو کہ مَیں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ باپ نے دیکھ لیا کہ آج اس بیٹے کی تلوار میرے پیٹ میں جائے بغیر نہیں رہے گی، آج اس کی تلوار میرے دل کو چیرے بغیر نہیں رہے گی اس نے اپنے سارے ہمنشینوں اور جلیسوں کے سامنے جن میں وہ اپنی بادشاہت کی لافیں مارا کرتا تھا اقرار کیا کہ ہاں مَیں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل شخص ہوں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ مجھے یہ واقعہ یاد آگیا اور مَیں نے کہا خدا کی رحمتیں ہوں عبداللہ کے بیٹے پر کہ اس نے اس طعنہ کو نہیں بھُلایا اور تب تک اس نے آرام نہیں کیا جب تک اپنے باپ کے مُنہ سے اس نے یہ نہ کہلوایا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب سے زیادہ معزز وجود ہیں اور

اس کا باپ سب سے زیادہ ذلیل آدمی ہے مگر خدا رحم کرے ہم پر بھی جن کے سامنے دنیا نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنی گالیاں دی ہیں کہ کسی ذلیل ترین انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی گئیں مگر ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ ہمارے دلوں میں یہ جوش پیدا نہیں ہوتا کہ ہم وہ بات غیر کے مُنہ سے کہلوا سکیں جو عبداللہ کے بیٹے نے عبداللہ کے مُنہ سے کہلوائی۔ کس طرح ہم کو چین آرہا ہے۔ کس طرح ہمارے دل اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہیں۔ اگر عبداللہ کے بیٹے جتنا ایمان ہی ہمارے دِلوں میں ہوتا حالانکہ چاہیئے تھا کہ اس سے بہت زیادہ ایمان ہوتا تو ہمارا فرض تھا کہ ہم اس وقت تک صبر نہ کرتے جب تک دُنیا کو گھُٹنے ٹیک کر یہ الفاظ کہنے پر مجبور نہ کر دیتے کہ دُنیا کا سب سے زیادہ معزّز وجود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اس کا دشمن سب سے زیادہ ذلیل ہے ہم ایک دفعہ پھر یہاں جمع ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کی عنایت اور اس کی مہربانی سے آؤ ہم سچے دِل سے یہ عہد کریں کہ ہم کم سے کم عبداللہ کے بیٹے جتنا ایمان دکھائیں گے اور جب تک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت کا اقرار دُنیا سے نہیں کروالیں گے اس وقت تک ہم اطمینان اور چین سے نہیں بیٹھیں گے۔“ [۱]

حضرت امیر المومنین کی دوسری تقریریں

حضور نے افتتاحی خطاب کے علاوہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ فتح دسمبر کو مفصّل تقاریر فرمائیں جن میں ان پیشگوئیوں پر تفصیلاً روشنی ڈالی جو اس زمانہ میں حضور کے بابرکت وجود سے پوری ہوئیں۔ ربوہ میں زمین خریدنے اور اس میں مکان بنانے کی نصیحت کی۔ غرباء کے مکانات کے لئے چندہ کی تحریک فرمائی۔ انگریزی ترجمہ قرآن کی ایک اَور جلد تیار ہونے کی خوشخبری دی۔ خدام الاحمدیہ کو پابندیٔ نماز، ذکرِ الٰہی، شعارِ اسلامی کے قیام خدمتِ خلق اور بہادری، جذبۂ قربانی اور ایثار کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا بہادری کا نمونہ دکھاؤ اور ماریں کھانے، گالیاں سُنکر برداشت کرنے کی عادت ڈالو لیکن بے غیرتی مت دکھاؤ کیونکہ بہادری بے غیرتی کا نام نہیں۔ زراعت کے تعلق میں اگلے سال احمدی زمینداروں اور ماہرینِ فن کی ایک مجلسِ شوریٰ بُلانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تجارت کے بارے میں بتایا کہ اس کے بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی نیز یہ کہ ہم نے ایک چیمبر آف کامرس قائم کیا ہے۔ چھوٹے بڑے سب تاجروں کو چاہیئے کہ وہ اِس میں شامل ہوں تا جماعت منظّم ہو سکے۔ حضور نے دَورانِ تقریر مہاجرین کو خوش رہنے کی بھی تلقین فرمائی۔ پھر اِس تجویز

---

[۱] الفضل ۱۳ فتح ۱۳۲۸ھ صفحہ ۲ ؛ [۲] مکمل متن الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۳ تا ۱۰ میں شائع ہوا

کا اعلان کیا کہ قاضیوں کا بورڈ قائم کیا جائے جو مشرقی پنجاب سے آنے والے مقروضوں کے تنازعات کا فیصلہ کرے جس شخص کا کسی دوسرے کے ذمّہ قرض ہو وہ محکمہ قضاء میں نالش کرے۔ البتہ اگر کسی کو رجسٹرڈ یا لمیٹڈ کمپنیوں کے بارہ میں شکایت ہو تو وہ سرکاری عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے کیونکہ معاملہ کو لٹکانا فساد پیدا کرتا ہے اور اس سے دِلوں پر زنگ لگتا اور فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ الغرض حضور نے پیش آمدہ حالات میں احبابِ جماعت کی راہنمائی فرمائی[1]

جلسۂ ربوہ کی بعض خصوصیّات

اس جلسہ میں گذشتہ جلسہ کے مقابل سامعین کی تعداد تیرہ ہزار سے بڑھ کر تیس[۳۰] ہزار تک پہنچ گئی جیسا کہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پاکستان ٹائمز (مورخہ ۳۱۔ دسمبر ۱۹۴۹ء) نے سٹار نیوز ایجنسی کے حوالہ سے خبر شائع کی۔

جلسہ میں مستورات کے لئے ایک الگ لنگر خانے کا انتظام کیا گیا۔ لجنہ اماء اللہ کی منتظمات اپنی ضرورت کے مطابق کھانا پکواتیں اور اپنے زیرِ نگرانی تقسیم کراتی تھیں۔ یہ پہلا تجربہ تھا جو بہت کامیاب رہا۔

اِس دفعہ مہمانوں کے قیام کے لئے دو سَو بیرکیں تیار کی گئیں جن میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایت کے مطابق کچّی اینٹوں کے علاوہ پانچ لاکھ پکّی اینٹیں بھی استعمال کی گئیں۔ یہ کام حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ناظرِ اعلیٰ کی مسلسل تگ و دَو اور شب و روز کی محنتِ شاقہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ بیرکوں کے علاوہ پانچ سو سینتیس خیموں اور چھولداریوں کا بھی بندوبست کیا گیا۔

ماہِ شہادت ۱۳۲۸ھش / اپریل ۱۹۴۹ء کے پہلے جلسۂ ربوہ میں تو مصارفِ کثیر کے باوجود پانی کی سخت دِقت رہی تھی اور ٹینکروں کے ذریعہ ساڑھے سات میل کے فاصلہ سے پانی منگوانا پڑا تھا مگر اس جلسہ پر زندہ خدا کا یہ زندہ نشان ظاہر ہوا کہ خدا تعالیٰ کی اس بشارت کے مطابق کہ ربوہ میں بافراط پانی میسّر آنے لگے گا[2] نہ صرف یہ کہ ربوہ کی بنجر اور کلر زدہ زمین میں سے میٹھا پانی نکلا بلکہ اس کثرت سے نکلا کہ جلسہ سالانہ پر آنے والے تیس ہزار مہمانوں کی ضروریات بآسانی پوری ہوتی رہیں۔ اور پھر نکلا بھی عین اس جگہ کے قریب جو پہلے سے پاس شدہ نقشہ کے مطابق حضرت مصلح موعود کے مکان کے لئے مخصوص تھی[3]

---

[1] الفضل ۱۰۔ صلح ۱۳۲۹ھش صفحہ ۳، ۴ ٭ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۱۳ صفحہ ۴۵، صفحہ ۴۶ ٭

[3] جلسہ سالانہ کے تفصیلی کوائف روزنامہ الفضل ۱۱، ۱۳، ۱۶ ؍ صلح ۱۳۲۹ھش میں شائع شدہ ہیں ٭

فصل ششم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اس سال متعدد جلیل القدر صحابہ نے انتقال کیا جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے :-

۱۔ حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی[1] :- (ولادت اندازاً ۱۸۶۹ء ۔ بیعت ۲۳ نومبر ۱۸۸۹ء ۔ وفات ۷ امان ۱۳۲۸ھش / مارچ ۱۹۴۹ء بعمر اسّی سال)

حضرت مسیح محمدی علیہ السلام کے اُن اوّلین صحابہ میں سے تھے جن کو بیعتِ اُولیٰ سے بھی قبل حضور ؑ سے تعلقِ عقیدت و ارادت تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے تین سو تیرہ اصحاب کبار میں آپ کا نام آئینۂ کمالاتِ اسلام میں ۱۹۸ نمبر پر اور ضمیمہ انجام آتھم میں ۲۳ نمبر پر درج فرمایا ہے۔

۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر ایک سہ رکنی وفد نصیبین کے آثارِ قدیمہ کی چھان بین اور سفر مسیح ناصری کی مزید تحقیقات کے لئے تیار کیا گیا ۔ اس موقع پر سیکھوانی برادران نے جو مالی قربانی پیش کی اس پر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے قلم مبارک سے اظہارِ خوشنودی کیا اور تحریر فرمایا :-

"اِن چاروں صاحبوں کے چندہ کا معاملہ نہایت عجیب اور قابلِ رشک ہے کہ وہ دُنیا کے مال سے نہایت ہی کم حصہ رکھتے ہیں گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے ہیں اور دین کو آخرت پر مقدّم کیا جیسا کہ بیعت میں شرط تھی ۔"[2]

۱۹۰۰ء میں جب حضور علیہ السلام نے منارۃ المسیح کے لئے اپنے خدام سے ایک ایک سو روپیہ چندہ کی تحریک فرمائی تو حضرت میاں صاحب ؓ اور ان کے بھائیوں نے مع اپنی والدہ ماجدہ کے درخواست پیش کی کہ ہم اِس چندہ میں شامل ہونا اپنی سعادت سمجھتے ہیں لیکن اِس قدر وسعت نہیں کہ ہم میں سے

---

[1] والد : جد مولوی قمر الدین صاحب ۔ [2] اشتہار "جلسۃ الوداع" مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۱۰

ہر ایک سو سو روپیہ دے سکے اِس لئے ہم چاروں ہی ایک سو روپیہ دیں گے اگر منظور فرمایا جاوے۔ حضور نے یہ درخواست منظور فرمالی اور جب خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک میں منارۃ المسیح کی تکمیل ہوئی تو اِن تینوں خوش نصیب بھائیوں اور ان کی والدہ کے نام منارۃ المسیح پر کندہ کئے گئے[1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام عموماً دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے لیکن بعض دفعہ آپؑ خود بھی نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت میاں خیر الدین صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے دو[2] بار حضورؑ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ ایک بار قبل از دعویٰ مسجد اقصیٰ میں شام کی نماز جس کی ایک رکعت میں حضورؑ نے سورۃ والتّین کی تلاوت فرمائی۔ دوسری دفعہ نمازِ ظہر حضورؑ کی اقتداء میں پڑھنے کا موقع ملا۔ حضورؑ مقدمہ کرم دین کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے جا رہے تھے اور حضورؑ نے یہ نماز بڑی نہر پر پڑھائی[2]

آپ نظامِ الوصیت سے بھی وابستہ تھے اور مجاہدینِ تحریکِ جدید میں بھی شامل تھے۔ پنجگانہ نماز بلکہ تہجد کا نہایت درجہ التزام رکھتے تھے۔ روزوں کی پابندی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے جہلم شہر میں فروکش ہو گئے تھے جہاں گاڑی کے ایک حادثہ سے انتقال فرما گئے[3]

۲۔ میاں خیر الدین صاحب متوطن قادرآباد متصل قادیان:۔ (ولادت[4] جنوری ۱۸۸۹ء بیعت[5] ۱۹۰۴ء، زیارت[6] ۱۹۰۴ء، وفات[7] ۴؍وفا ۱۳۲۸ھش مطابق ۴؍جولائی ۱۹۴۹ء بمقام احمد نگر ضلع جھنگ)

آپ کے والد میاں محمد بخش صاحب ابتداء میں ہی شاملِ احمدیت ہو گئے تھے۔ آپ کا گھرانہ گویا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زیرِ سایہ ہی رہتا تھا اور نہ صرف یہ کہ اِس مبارک خاندان کے دوسرے افراد قادرآباد (قادیان سے متصل ذیلی بستی) میں جاتے اور مستری صاحب کو شرفِ خدمت حاصل ہوتا بلکہ ایک بار خود حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام تشریف لے گئے۔ فرمایا کرتے تھے جب مَیں نجاری کا کام

---

[1] روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۱۳ صفحہ ۴۵۲ ٭ [2] روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۱۳ صفحہ ۴۴۰ تا صفحہ ۴۵۵ و جلد ۱۴ صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۴ میں آپ کی بیان فرمودہ روایات محفوظ ہیں ٭ [3] الفضل ۳۰؍امان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵ کالم ۲ ٭ [4] الفضل ۱۳؍وفا ۱۳۲۸ھش صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [5] و [6] رجسٹر روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۳ (غیر مطبوعہ) [7] الفضل ۱۷؍وفا ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴ کالم ۱ ٭

سیکھنے لگا تو حضورؑ کو دعا کے لئے عرض کیا تو حضورؑ نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے حد برکت دی۔

آپ حضرت اقدس علیہ السلام کی صداقت کے ایک عظیم نشان کے عینی شاہد بھی تھے جس کی تفصیل ان کے الفاظ میں یہ ہے :-

"جب ہمارے ملک میں طاعون پھوٹی تو ہمارے گاؤں قادر آباد میں بھی شروع ہو گئی اور بہت سے لوگ بیمار ہو گئے منجملہ ان میں سے میرے والد صاحب بھی تھے میں اور میری والدہ صاحبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس گئے آپ اُس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے میری والدہ صاحبہ نے سارا حال بیان کیا اور دعا کے لئے بھی عرض کی۔ آپؑ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اور اپنے میز کی دراز سے ایک زربسی (جدوار) کی گنڈی دی اور فرمایا کہ اس کو رگڑ کر پھوڑے پر لگاؤ اور چار پانچ آنے کے پیسے بھی دیئے اور آپ نے یہ حکم دیا کہ تم رَبِّ کُلُّ شَیْئٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ بہت پڑھو اور لوگوں کو بھی پڑھاؤ۔ میری والدہ صاحبہ نے عرض کیا کہ مجھے یہ دعا یاد نہیں رہے گی آپ اس کو کاغذ پر لکھ دیں تو آپؑ نے یہ دعا ایک کاغذ پر لکھ دی اور یہ بھی فرمایا کہ تم گھروں سے نکل جاؤ اور لوگوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی گھروں سے نکل جائیں تب ہم نے گھر آکر والد صاحب کی چارپائی گاؤں کے باہر درختوں کے نیچے بچھائی اور لوگوں کو بھی کہا کہ تم گھروں سے نکل جاؤ۔۔۔۔ جو اُن میں سے نکلے وہ بچ گئے اور باقی سب کے سب موت کا شکار ہوئے اور ہم نے حضورؑ کے حکم کے مطابق زربسی کی گنڈی پھوڑے پر لگائی اور دعا رَبِّ کُلُّ شَیْئٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ بکثرت پڑھی اور سب لوگوں کو یاد کرائی تب خداوند تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اور آپ کے بیان کردہ علاج سے ہمارے والد صاحب کو شفا بخشی اور ہمیں غموم وہموم سے نجات بخشی۔" [1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک کی بعض مرکزی تعمیرات میں آپ کو خدمت بجا لانے کا موقع ملا۔ تقسیم ملک سے پہلے جماعت احمدیہ قادر آباد کے پریذیڈنٹ تھے۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد اہل وعیال سمیت احمد نگر متصل ربوہ میں پناہ گزین ہوئے یہاں بھی ایک سال تک سیکرٹری ضیافت رہے۔ مہمانوں کی خدمت شوق سے کرتے تھے۔ طبیعت میں بہت فروتنی اور ملنساری تھی۔ بزرگان سلسلہ کی خدمت کو سعادت

---

[1] رجسٹر روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۳

سمجھتے تھے۔ اکثر وقت تلاوتِ قرآنِ عظیم میں گذارتے تھے۔ خود بھی نمازوں کے پابند تھے اور اپنے رشتہ داروں کو بھی پابندیٔ صلوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے۔ موصی اور صاحبِ رؤیا تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے حالات دردمند لہجے میں سُنایا کرتے تھے۔ المختصر ایک نیک سیرت سچے اور مخلص احمدی بزرگ تھے۔[1] [2]

۳۔ حضرت شیخ مُشتاق حسین صاحبؓ :- (ولادت[3] ۱۸۷۸ء، بیعت[4] ۱۹۰۰ء، وفات[5] ۲۳ ظہور ۱۳۲۸ھش مطابق ۲۳ اگست ۱۹۴۹ء)

حضرت شیخ مشتاق حسین صاحبؓ کے قبولِ احمدیت کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے دِلّی دروازہ لاہور کے باہر جماعتِ احمدیہ کی طرف سے دیواروں پر ایک پوسٹر لگا ہوا دیکھا جس میں دعویٰ حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر تھا۔ پوسٹر پڑھتے ہی آپ کے دِل میں حضور علیہ السلام کی محبت پیدا ہو گئی اور آپ نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ اِس کے بعد سلسلہ کے ساتھ جوں جوں واقفیت بڑھتی گئی آپ ایمان و عرفان میں ترقی کرتے چلے گئے حتّٰی کہ طاعون کی شدت کے زمانہ میں جبکہ عام موتا موتی لگ رہی تھی اور لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا آپ دیوانہ وار مصروفِ تبلیغ رہتے تھے۔ آپ کا قیام ان دنوں اندرون بھاٹی دروازہ لاہور محلہ پٹ رنگاں کے ایک چوبارے میں تھا نچلی منزل میں اَور لوگ رہتے تھے جو سب لقمۂ طاعون ہوئے جس پر لوگوں نے انہیں چوبارہ خالی کر کے کسی اَور مکان میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا مگر آپ نے فرمایا کہ طاعون کے کیڑے احمدیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کشتی نوح سے پیش کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم بھی طاعون سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو آؤ احمدیت قبول کر لو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں آپ کو سالانہ جلسہ قادیان میں شرکت کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مسلمانوں کے مشہور روشن خیال سیاسی لیڈر مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹر کی ملاقات ہوئی[6] جس کے دَوران آپ بھی موجود تھے جو

---

[1] الفضل ۱۷ وفا ۱۳۲۸ھش صفحہ ۶ ملخصاً از مضمون مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، ملاحظہ ہو الفضل ۵ ظہور ۱۳۲۸ھش صفحہ ۶ ۔ [2] مولوی صدرالدین صاحب فاضل (مجاہد ایران) اور مولوی عبدالمنان صاحب شاہد مربی اصلاح و ارشاد آپ ہی کے بیٹے ہیں ۔ [3] لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸۳ (مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب نومسلم) طبع اوّل فروری ۱۹۶۶ء [4] مؤلف کتاب لاہور تاریخ احمدیت اور اخبار الفضل (۲۳ ظہور ۱۳۲۸ھش) کے مطابق حضرت شیخ صاحب کا سن بیعت ۱۹۰۰ء ہی ہے [5] الفضل ۲۴ ظہور ۱۳۲۸ھش ۔ [6] ملاحظہ ہو بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ و تاریخ احمدیت جلد سوم طبع اوّل صفحہ ۵۳۷ ۔

رئیس دہلی حافظ عبدالکریم صاحب کو ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے[1]

حضرت شیخ صاحبؓ لاہور میں ریلوے کلرک تھے پھر عہدِ خلافتِ اُولیٰ میں سرکاری ملازمت ترک کرکے پشاور آگئے اور فوج میں گوشت کی سپلائی کرنے لگے ۱۹۱۳ء میں ان کا قیام سیٹھ رحمت اینڈ سنز کے احاطہ میں تھا[2] حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پشاور میں پہنچی تو آپ پہلے احمدی تھے جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فضلِ عمرؓ کی بیعت بذریعہ تار کی۔ شروع جون ۱۹۱۴ء میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ غیر مبائعین سے مباحثہ کے لئے پشاور تشریف لے گئے تو آپ ہی کے ہاں مقیم ہوئے[3]

پشاور میں کچھ عرصہ رہائش کے بعد آپ گوجرانوالہ آگئے ۱۹۲۲ء سے مجلسِ مشاورت میں گوجرانوالہ کی طرف سے نمائندگی کے فرائض انجام دینے لگے۔ قیامِ گوجرانوالہ کے دَوران آپ نے سیکرٹری تبلیغ کی حیثیت سے متعدد تبلیغی پمفلٹ لکھے[4]

آپ عاشقِ قرآن تھے اور اکثر پُرنم آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

بارہا فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ قرآن کریم کا طواف کروں۔

آپ سلسلہ کے سارے اخبارات منگوایا کرتے تھے۔ کتابیں بھی خاصی تعداد میں جمع کر رکھی تھیں بعض اوقات کتابوں کے کئی کئی نسخے خریدتے اور زیرِ تبلیغ افراد میں تقسیم کر دیتے تھے۔[5] [6]

حضرت شیخ صاحب پانچ ہزاری مجاہدینِ تحریکِ جدید میں شامل تھے۔

---

[1] لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸۵ (مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ) ٭ [2] تاریخ احمدیہ (سرحد) صفحہ ۱۸۷، صفحہ ۱۸۸ مولفہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعتِ احمدیہ سرحد ٭ [3] یہ مباحثہ ۷ رجون ۱۹۱۴ء کو حضرت مولوی غلام حسن صاحب کے مکان پر ہُوا تھا ٭ [4] لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸۴ (مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل نومسلم) ٭ [5] ایضاً ٭ [6] اولاد:- (۱) شیخ نذیر احمد صاحب مرحوم (۲) شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم سینئر ایڈووکیٹ و سابق جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان (۳) شیخ محمد اسلم صاحب مرحوم (۴) شیخ محمد اسحٰق صاحب (۵) ہاجرہ بیگم مرحومہ (۶) سلیمہ بیگم مرحومہ (۷) آمنہ بیگم صاحبہ (۸) محمودہ بیگم صاحبہ ٭

۴۔ حضرت مرزا غلام رسول صاحبؓ ریڈر جوڈیشل کمشنر پشاور (ولادت ؟ بیعت[1] ۱۹۰۷ء، وفات[2] ۵ اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق ۵۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء)

اصل وطن موضع پنڈی لالہ ضلع گجرات تھا[3]۔ بی۔ اے تک تعلیم اسلامیہ کالج لاہور میں پائی تھی۔ آپ بیعت سے قبل کالج کی تعلیم کے دوران بھی اکثر قادیان جاکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے چنانچہ آخر دسمبر ۱۹۰۵ء میں جبکہ حضورؑ نے رسالہ "الوصیت" تصنیف فرمایا آپ قادیان میں تھے۔ ایک روز نمازِ عصر سے قبل حضرت اقدس مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے کہ آپ مسجد میں پہنچے حضور اُس وقت رسالہ "الوصیت" کی وجہ تصنیف اور بہشتی مقبرہ کے قیام کے مقصد پر روشنی ڈال رہے تھے[4]۔

فرمایا کرتے تھے کہ مَیں حضرت مسیح موعودؑ کی پاکیزہ زندگی، دینی غیرت اور انتہائی درجہ کے تقویٰ و طہارت سے بہت متاثر ہوا

خلافتِ ثانیہ کے قیام پر اگرچہ آپ فوراً مبائعین میں شامل نہیں ہوئے مگر انہیں نورِ فراست سے جلد ہی معلوم ہوگیا کہ غیر مبائعین کی اصل جنگ حضرت سیدنا محمود کے خلاف نہیں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ہے تب آپ اُن سے بددل ہوگئے۔ پھر ایک روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکشاف ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اِس وقت قُربِ الٰہی کے سب سے بلند مقامات پر فائز ہیں اس پر آپ نظامِ خلافت سے وابستہ ہوگئے[5]۔

۷ مارچ ۱۹۲۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے علاقہ ملکانہ کی شدھی کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اس پر جن سرفروشوں نے لبیک کہا ان میں آپ بھی شامل تھے آپ تین ماہ کی رخصت لے کر اس تبلیغی جہاد میں شمولیت کے لئے تشریف لے گئے اور گرانقدر خدمات سر انجام دے کر حضور کی سندِ خوشنودی حاصل کی۔

---

[1] بروایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ سرحد (تاریخ احمدیہ سرحد صفحہ ۱۷۳)۔ [2] الفضل ۱۴ اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵، الرحمت لاہور ۵ فتح ۱۳۲۸ھش صفحہ ۲۔ [3] بروایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ (تاریخ احمدیہ سرحد صفحہ ۱۷۳)۔ [4] روایت مرزا غلام رسول صاحب (رجسٹر روایات صحابہ جلد ۱۲ صفحہ ۳۶۶)۔

[5] الفضل ۱۴ اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔

دورانِ جہاد کا واقعہ ہے کہ ۲۶ رجولائی ۱۹۲۳ء کو موضع اسپار ضلع متھرا میں ایک مسلمان راجپوت غیاثی نام نے مسجد کے باہر مسجد ہی کی زمین میں بکرے کی قربانی کی۔ مرتدین آئے اور خفیہ طور پر گوشت لے گئے قریباً تین بجے بعد دوپہر آریوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف اُکسایا اور کم و بیش چالیس پچاس کی تعداد میں مسلّح ہو کر آپ کی رہائش گاہ پر حملہ کر دیا مولوی صاحب کو گالیاں دیں۔ پھر ان کی جھونپڑی پر حملہ کر کے اُسے گرا دیا آپ نیچے دب گئے اور ایک شخص نے آپ کو بازوؤں سے کھینچ کر باہر نکالا پھر وہ لوگ آپ کو کھینچتے ہوئے گاؤں سے باہر لے گئے آپ اپنے بعض کاغذات لینے کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگے تو مسلّح لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بزور روکا اور آپ کو دھکّے دے کر گاؤں بدر کر دیا گیا[1] مگر آپ اسی گاؤں میں ڈٹے رہے۔ چنانچہ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع لائل پور اس واقعہ کی تفصیل میں فرماتے ہیں:۔

"۱۹۲۳ء میں مرحوم تین ماہ کی رخصت لے کر تبلیغی جہاد کے لئے آئے تو موضع اُسپار ضلع متھرا میں اُن کی تعیناتی بطور مبلغ ہوئی۔ گاؤں میں ایک کچا کوٹھا مسجد کے نام سے موسوم تھا اس کے ساتھ ایک چھپّر تلے انہوں نے تنہا ڈیرا جمایا اور کام شروع کیا اور اس خوشی اور حسنِ تدبیر سے کام کیا کہ قرب و جوار کے آریہ پرچارک اپنی چالبازیوں میں ناکام اور دیوبندی معاندین اپنی دراندازیوں میں خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔ دونوں قسم کے مخالفین کو ایک ایسے ذہین اور فطین حریف سے پالا پڑا تھا جو ہر جوڑ کا توڑ اور ہر زہر کا تریاق ان کے مقابلے میں اپنے پاس مہیا رکھتا تھا۔ اسی طرح یہ کام جاری تھا کہ عید الاضحیہ آ گئی مرزا صاحب مرحوم نے قربانی کا گوشت گاؤں میں تقسیم کیا تو شدھی قبول کرنے والوں کے کام و دہن بھی اس سے محروم نہ رہے۔ آریہ پرچارکوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ سٹرپٹا کر رہ گئے۔ آخر ایک بڑا مجمع کر کے انہوں نے اشتعال انگیز تقریریں کیں کہ اِس مولوی نے گوشت کی چند بوٹیوں سے تمہارا دھرم بھرشٹ کر دیا اور ہمارا صرفِ کثیر اور محنت سب اکارت گئے۔ نتیجہ یہ تھا کہ تین[3] چالیس[۴] بلوائیوں نے مولوی صاحب مرحوم پر ہلّہ بول دیا، انہیں زدوکوب کیا اور چھپّر ان کے اُوپر گرا دیا۔ پھر انہیں زمین پر گھسیٹا اور قتل پر آمادہ ہو گئے لیکن انہی میں سے چند ملکانے جو مولوی صاحب کے زیرِ بارِ احسان

---

[1] بیان عبد اللہ خان صاحب بھٹی بی۔ اے، بی ٹی نائب امیر وفد المجاہدین آگرہ (الفضل ۳ ر اگست ۱۹۲۳ء صہ کالم ۱ تا ۲) (بیان میں سہواً غیاثی کی بجائے غیاٹی چھپ گیا تھا جس کی تصحیح کر دی گئی ہے) ؎

تھے مانع آئے اور مولوی صاحب مرحوم کی جان سلامت رہی۔ پھر انہوں نے تقاضا کیا کہ ہمارے گاؤں سے نکل جاؤ۔ مرحوم نے مومنانہ عزم و استقلال سے جواب دیا کہ یہ گاؤں میرے امام نے میرے سپرد کیا ہے میں اپنا کام کسی صورت میں چھوڑ نہیں سکتا۔

تا سر نہ دہم پا نکشم از سرِ کوئش
نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

ایسے پُرخطر ماحول میں مرحوم برابر اپنے فرض پر جمے رہے۔ آگرہ ہمارا تبلیغی مرکز تھا وہاں بھی بعد میں اطلاع ہوئی۔ مرحوم کا یہ نمونہ ایسا اعلیٰ تھا کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور ہمارے دوستوں کے حوصلے بلند سے بلند تر ہو گئے۔

حالات کا تقاضا تھا کہ مجرموں کے خلاف مقدمہ چلایا جائے تاکہ دوسرے مبلغین کے خلاف اس قسم کی شرارتیں آریوں کی طرف سے برپا نہ ہوں اور اس کا قوی احتمال بھی تھا۔ پولیس نے بعد تفتیش ملزمان کا چالان نہ کیا تو مولوی صاحب مرحوم کی طرف سے استغاثہ دائر ہو گیا اور شہر متھرا میں بعدالت انگریز مجسٹریٹ مسٹر فرامپٹن سماعت شروع ہوئی۔ ان دنوں تبلیغی سفر دُور و نزدیک کرنے پڑتے تھے۔ ساتھ نہ سامان نہ بستر۔

سبکبار مردم سبک تر روند
حق ایں است صاحبدلاں بشنوند

بارہا ایسا اتفاق ہوُا کہ کچھ رات گئے گاڑی متھرا اسٹیشن پر پہنچی۔ کوئی ٹھکانہ تو تھا نہیں ہم پلیٹ فارم پر ہی ایک طرف کو ایک چادر بچھا کر پڑے رہتے تھے اور مرزا صاحب مرحوم کی زندہ دلی اور خوش طبعی سے باتوں باتوں میں وقت کٹ جاتا اور وہ خود ان کاموں میں ایسی لذت اور سرور محسوس کرتے تھے کہ گویا کوئی مشکل کوئی بات ہی نہیں۔ مرحوم اس وقت جوڈیشنل کمشنر پشاور کے ریڈر تھے اور اپنی قابلیت اور دیانت کی وجہ سے ممتاز اور معتمد علیہ۔ ناموافق حالات کے ماتحت مقدمہ کی کامیابی بظاہر مشکل نظر آتی تھی لیکن مرحوم کی ذہانتِ تدبیر اور خصوصاً شبانہ روز دعاؤں نے اس مہم کو آسان کر کے چھوڑا۔ مقدمہ کی پیشی کے دن مرحوم کا قاعدہ تھا کہ احاطہ عدالت میں ایک طرف جا کر عالمِ تنہائی میں گھنٹوں سربسجدہ اور دست بدعا رہتے اور جب مقدمہ کے لئے آواز پڑتی تو اکثر وہ جائے نماز سے اُٹھ کر ہی عدالت کے کمرے میں جاتے۔

یہی ان کا معمول اور وظیفہ تھا۔ اور بایں ہمہ ان کی خود اعتمادی، زندہ دلی اور بے تکلفی میں ذرا فرق نہ آتا تھا ہر وقت خوش نظر آتے تھے اور مَیں انہیں زندہ دل صوفی کہا کرتا تھا۔

اس زمانے کی ڈائری اتفاق سے میرے پاس محفوظ رہ گئی ہے جس کا ایک ورق مندرجہ بالا کیفیت کا آئینہ دار ہے اور یہ تاریخ فیصلہ مقدمہ سے متعلق ہے۔ وھو ھٰذا:۔

"۳ر اکتوبر ۱۹۲۳ء بروز بدھ ½ ۹ بجے کچہری پہنچے۔ ہم وہاں انتظار و دعا کرتے رہے۔ اتنے میں بارہ بج گئے۔ ہاں رات پیشکار صاحب کو خواب آیا کہ چلتے چلتے ان کی ایڑیاں زخمی ہو گئیں کسی نے مرہم لگایا اور اچھی ہو گئیں۔ اسی شب مجھے ۲ خواب آئے ایک میں مجسٹریٹ سے مَیں کہہ رہا ہوں کہ مقدمہ صاف ہے سزا کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ مستغیث کا بیان کچھ کمزور ہے۔ مَیں نے کہا حالات کے ماتحت ایسا ہی بیان ہونا چاہیئے تھا اس نے کہا اچھا مَیں سزا تجویز کرتا ہوں اور ایک ملزم تو خود مجھے آ کر کہہ گیا ہے کہ اس کے ۲ بید لگا دو اور فیصلہ لکھنا شروع کیا۔ اسی طرح پیشکار صاحب کو اسی شب خواب آیا کہ عبداللہ سقہ ساکن اُسپار نے ایک سانپ ایک سوٹی میں بند کر کے دیا اور چوہدری فتح محمد صاحب نے اُسے مار ڈالا۔ صبح ہم نے ایک دوسرے کو خوابیں سنائیں اور کچہری روانہ ہوئے۔ ایک بجے کے قریب آواز پڑی۔ ۱۶ ملزمان میں سے ۱۳ کو سزا ہوئی اور ایک ایک سال کے لئے حفظ امن کی ضمانتیں ملزمان سے لی گئیں اور جرمانہ میں سے یکصد روپیہ مستغیث کو جرمانہ دلایا گیا۔ ہمارے دل سجدے میں جھک گئے۔ لیک کر ڈاکخانہ گئے۔ تار بخدمت حضرت صاحب اور خطوط لکھے گئے۔ ملزمان اور ان کے آریہ مربی اور وکلاء مبہوت اور ہم اور ہمارے ملکانے ہمراہی مسرور تھے پیشکار صاحب اسی وقت اُسپار جانے کے لئے مشتاق۔ لیکن صلاح ٹھہری کہ اس رات پیشکار صاحب اُسپار کی بجائے مانا کے بنگلے ٹھہریں سردار خان آ کر اطلاع دے۔ خیال ہے کہ فوری رنج کا اثر زائل ہو کر صبح دیہہ میں امن ہو جائے گا۔" دوسرے دن سات اخبارات کے نام فیصلہ مقدمہ کی تاریں دے دی گئیں۔

مرحوم عجیب مستقیم الحال انسان تھے مقدمہ ختم ہوتے ہی پھر اپنے کام پر جا ڈٹے۔ پھر وہی مسجد کا کچا کوٹھا وہی چھپّر اور پھر وہی تبلیغ کا سلسلہ تھا اور پھر

حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

اس کے ایک ماہ بعد بہت سے ملکانے ضلع اسپار کے باشندے واپس اسلام میں داخل ہوئے اور

مولوی صاحب کی دعائیں مستجاب ہوئیں مضمون لمبا ہو گیا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

لیکن تین باتیں ابھی قابلِ ذکر ہیں۔ ایک دن مولوی صاحب مرحوم بڑے غمناک لہجے میں فرمانے لگے کہ بھئی مَیں نے تو ابھی وہ کام نہیں کیا جو کرنا چاہیئے تھا تین ماہ کی رخصت لے کر دوبارہ آؤں گا۔ اِس قدر احساس و ایثار کے باوجود ان کا یہ بے ساختہ انکسار بہت ہی درد انگیز تھا۔ انہی ایام میں اُسپار کے آریہ پرچارک نے کچھ حلوا پوری ایک تیوہار کی تقریب پر مولوی صاحب کے لئے بھیجا مرحوم فوراً اس کی چال کو بھانپ گئے اور لانے والے کو سختی سے ٹوکا کہ پنڈت جی سے جا کر کہہ دو کہ ع

عطائے تو بخشیدم بہ لقائے تو

یہ ناپاک کھانا ہم نہیں کھا سکتے۔ بات یہ تھی کہ آریوں کی عامیانہ اور چلتی ہوئی دلیل ان دنوں میں ایک یہ بھی تھی کہ مسلمان ادنیٰ ہوتے ہیں، اِس لئے ہندوؤں کے ہاتھ کا کھا لیتے ہیں اور ہندو اعلیٰ ہونے کی وجہ سے مسلمان کے ہاتھ کا نہیں کھاتے مبلّغین کو ان ایام میں خصوصیت سے ہدایت تھی کہ ہندوؤں کے ہاتھ کی کوئی چیز قطعاً نہ کھائیں۔

استغاثہ کے دو گواہ غیاثی اور سردار خان نامی موضع اُسپار کے دو ملکانے تھے جنہوں نے مولوی صاحب کے فیضِ صُحبت کی بدولت بڑی ہمت دکھائی اور اپنے دیہہ کے جتھے کے خلاف بحقِ استغاثہ شہادت دی تھی۔ اس کے بعد دیہہ میں ان کا رہنا آسان نہ تھا دونوں قادیان چلے گئے اور مجھے یہ معلوم ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کئی سال تک اپنے پاس سے ماہانہ وظیفہ انکو دیتے رہے۔"[۵]

حضرت مرزا غلام رسول صاحب دعا گو اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ تہجد کا بہت التزام کرتے تھے۔ آپ کی دعاؤں میں اتنا سوز اور اتنی شدّت والحاح ہوتا تھا کہ لیسا اوقات یوں معلوم ہوتا کہ آپ کے سینہ میں ایک ہنڈیا اُبل رہی ہے۔ آپ کو دعاؤں کی تاثیرات پر زبردست ایمان تھا۔ آپ نے ایبٹ آباد میں مکان بنانے کے لئے زمین خریدی تو صوبہ سرحد کے ایک بڑے اور معتقد شخص نے آپ پر مقدمہ دائر کر دیا اور کہا کہ مَیں یہاں مرزائیوں

---

[۵] روزنامہ الفضل ۲۶ اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۶

کے قدم نہیں جمنے دوں گا۔ قانونی طور پر اُس کا کیس بظاہر بہت مضبوط تھا مگر آپ نے جرأتِ ایمانی سے کہا کہ اب انشاء اللہ مجھے ضرور کامیابی ہو گی کیونکہ اب تمہارا مقابلہ غلام رسول سے نہیں بلکہ احمدیت سے ہے چنانچہ عجیب تصرّفِ الٰہی کے ماتحت اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔

تلاوتِ قرآن کریم نہایت ذوق و شوق سے کرتے تھے۔ فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔ بیکسوں، مظلوموں، مسکینوں اور غریبوں کی امداد کے لئے آپ کے اندر ایک خاص جوش تھا اور آپ اس میں رُوحانی لذّت و فرحت محسوس کرتے تھے بعض موقعوں پر آپ نے اپنی ملازمت تک کو خطرے میں ڈال کر صوبہ سرحد کی عظیم شخصیتوں کے مقابلے میں بعض غریب مظلوم اور بیکس لوگوں کی علی الاعلان مدد کی۔ آپ کے گھر میں مہمانوں کا عموماً تانتا بندھا رہتا تھا۔

آپ ۱۲-۱۹۱۱ء میں پشاور گورنمنٹ ہائی سکول کے استاد ہو کر آئے مگر جلد مدرسی ترک کر کے دفتر سیشن جج پشاور میں انگریزی مترجم مقرر ہوئے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے سیشن جج کے مثل خواں مقرر ہوئے۔ بالآخر جوڈیشنل کمشنر کے ریڈر (مثل خواں) بنا دئے گئے۔

آپ سرحد ہائیکورٹ کے نہایت کامیاب اور ماہر سینئر ریڈر تھے اور بڑے سے بڑے افسر بھی آپ کی قانونی باریک نظری اور تبحر معلومات کے قائل اور آپ کی محنت، دیانتداری اور پاکیزگی کے معترف تھے۔ صُوبہ سرحد کی ہائی کورٹ کے انگریز چیف جج اور جوڈیشنل کمشنر مسٹر فریزر نے بعض ناجائز تصرّفات یعنی رشوت لینے میں آپ سے مدد لینا چاہی مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور صاحب کی مخالفت کی نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ کی ملازمت تک خطرے میں پڑ گئی۔ آپ نے دعا کی تو آپ کو بتایا گیا کہ اِتنی دفعہ متواتر یہ بھی دعا کرو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور تہجد بھی پڑھو۔ چنانچہ آپ نے تہجد اور دُعاؤں کا خاص مجاہدہ کیا۔ چند دن بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی آنکھیں انگارے کی طرح سُرخ ہو گئی ہیں اور جس شخص کی طرف آپ دیکھتے ہیں وہ مر جاتا ہے۔ اِسی اثناء میں آپ نے دیکھا کہ انگریز چیف جج بھی آپ کے سامنے آیا اور مر گیا چند روز بعد اس کو سِل کے مرض کی تشخیص ہوئی اور وہ چھٹی لے کر ولایت چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔

آپ مالی قربانی کو خاندانی اور قومی ترقی کا ذریعہ سمجھتے اور سلسلہ احمدیہ کی مالی تحریکوں میں ضرور حصہ لیتے تھے چنانچہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعتِ احمدیہ سرحد کا بیان ہے کہ :-

"اپنے چندوں میں باقاعدہ تھے۔ موصی تھے۔ ہر مرکزی تحریک میں ضرور حصہ لیتے بلکہ مقامی چندوں میں بھی امداد کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ ایک دفعہ ۱۹۱۲ء میں خاکسار نے حقیقۃ المسیح نامی کتاب لکھی طباعت کے واسطے روپے کی ضرورت تھی۔ مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی سے ذکر کیا کہ میرے پاس اِس وقت کوئی پیسہ نہیں ہے۔ یہ کتاب تبلیغ کے لئے چھاپنی ضروری ہے۔ ان کی بیوی صاحبہ نیکی میں ان کے نقشِ قدم پر تھیں انہوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے۔" [۱]

خلیفۂ وقت سے عقیدت و شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ مرض الموت میں جب کہ آپ بسترِ مرگ پر تڑپ رہے تھے آپ نے اپنے فرزند مرزا عبداللہ جان صاحب سے کہا کہ کل حضور ربوہ میں مسجد مبارک کی بنیاد رکھیں گے اس موقع پر مسجد احمدیہ پشاور میں بھی اجتماعی دعا ہو گی تم نے اس میں ضرور شامل ہونا ہے۔

آپ آخر دم تک قرآنی آیات اور دعاؤں کا وِرد کرتے رہے "مومن اگر تقویٰ و طہارت سے کام لے تو کبھی نہیں مرتا" "صالح بنو، متقی بنو خدا تمہاری مدد کرے گا" آپ کے آخری الفاظ تھے۔ [۲]

آپ کا جنازہ آپ کے چھوٹے بھائی مرزا غلام حیدرؓ وکیل نوشہرہ نے پڑھایا اور آپ امانتاً احمدی قبرستان پشاور میں سپردِ خاک کئے گئے۔ [۳]

۵۔ حضرت منشی سید صادق حسین صاحب مختارؓ اٹاوہ (یوپی) ولد حکیم وارث علی صاحب:۔

(بیعت [۴] ۱۱ر اپریل ۱۸۸۹ء، وفات [۵] ۶ر اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۴۹ء بعمر نوّے سال)

۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۱۳۸ نمبر پر درج ہے۔ [۶]

داخلِ احمدیت ہونے سے قبل بھی آپ کا شمار یوپی کے کامیاب اور مشہور وکیلوں میں ہوتا تھا

---

[۱] "الرحمت" ۵ر فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء صـ۲ ؛ [۲] الفضل ۱۴ر اخاء ۱۳۲۸ھش صـ۶/۵ ؛

[۳] اولاد: مرزا عبدالحفیظ صاحب، مرزا عبداللہ جان صاحب، مرزا منصور احمد صاحب، مرزا منظور احمد صاحب، مرزا بشیر احمد صاحب۔ ان کے علاوہ تین بیٹیاں آپ کی یادگار ہیں ؛ [۴] رجسٹر بیعت ؛

[۵] الفضل ۱۳ر وفا ۱۳۲۸ھش صـ۲ کالم ۳ (نوٹ سید رضا حسین احمدی عرائض نویس کلکٹری اٹاوہ یوپی)

[۶] ضمیمہ انجام آتھم صـ۴۳، ملفوظات مسیح موعودؑ جلد ۸ صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹ میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے ؛

آپ اُردو، فارسی اور عربی زبانوں میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور علمی حلقوں میں آپ کا سکّہ بیٹھا ہوا تھا۔ شعروادب کا شوق ابتداء ہی سے تھا۔ ایامِ جوانی میں آپ نے "صبحِ صادق" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس میں سیاسی، ادبی و علمی مضامین کے علاوہ مشاعرہ کی چیدہ چیدہ نظمیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ یہ مشاعرہ آپ ہی کے زیرِ اہتمام ہوتا تھا اور اس میں نواب فصیح الملک داغ دہلوی اور ملک الشعراء حضرت امیر مینائی لکھنوی ہر ماہ مصرعہ طرح پر اپنا کلام بھیجتے جو اس رسالہ کی زینت ہوا کرتا تھا۔

حضرت منشی صاحبؓ اٹاوہ، مین پوری، آگرہ، کانپور وغیرہ اضلاع میں احمدیت کا ایک محکم ستون تھے، آپ کی دیانت اور انصاف پروری کا یہ عالم تھا کہ غیر احمدی دوست بھی اپنے تنازعات میں آپ کو بخوشی ثالث بناتے اور بلا چون وچرا آپ کا فیصلہ قبول کر لیتے تھے۔ اٹاوہ میں انجمن حمایتِ اسلام نے ایک مڈل سکول جاری کر رکھا تھا جس کا سال میں ایک مرتبہ ایک جلسہ بھی ہوتا تھا جس میں علماء مذہبی تقریریں کرتے تھے۔ ایک بار دورانِ جلسہ مسلمانوں اور آریوں کے مابین مباحثہ منعقد ہوا جس کی صدارت کے لئے مسلمانوں نے خاص طور پر آپ کا انتخاب کیا۔ آپ کے نیک نمونہ اور تبلیغ سے بیسیوں لوگ احمدی ہوئے۔[1]

آپ کی پوری عمر قلمی جہاد میں گذری۔ آپ کے زوردار معلومات افروز اور محققانہ مضامین رسالہ "تشحیذ الاذہان" "ریویو آف ریلیجنز" اور الفضل میں شائع ہوتے تھے۔ شیعہ لٹریچر پر آپ کو خاص دستگاہ تھی اور حضرت منشی خادم حسین صاحبؓ بھیروی کی طرح اس تحریک کے بہترین ناقد و مبصر تھے۔ لکھنؤ کے ایک مجتہد العصر سے آپ کا تحریری مناظرہ ہوا مگر آٹھ دس پرچوں کا جواب دینے کے بعد وہ میدان چھوڑ گئے۔

آپ کی مختصر لائبریری میں بعض لاجواب اور نایاب قلمی نسخے موجود تھے۔[2] رسالہ "صبحِ صادق" اور اخبار "اظہار الحق" کے علاوہ آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل تالیفات شائع ہوئیں:۔

صادق کلمات۔ ثنائی ہفوات۔ ازالۃ الشکوک (ردّ آریہ سماج) الحق دہلی۔ تصدیق کلام ربّانی (ردّ آریہ)۔ مثنوی پیامِ صادق۔ تبلیغی خط۔ تحفۃ الشیعہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴۔ سیف اللہ القہار علیٰ رؤس الاشرار

---

[1] مثلاً خانزادہ عبدالعلی خان آف اٹاوہ۔ حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی حال ربوہ۔ [2] الفضل ۱۱ نبوت ۱۳۲۸ھش

صمصام الحق (ردِّ شیعہ تحریک)۔ اٹاوہ میں شیعہ سُنّی تحریری مباحثہ۔ ترکیب بند صادق منظوم[1] کشف الاسرار[1] (قبرِ مسیح)۔

۶۔ حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ :- (ولادت[2] اندازاً ۱۸۷۹ء، بیعت و زیارت[3] دسمبر ۱۹۰۰ء، وفات[4] ۲۷، ۲۸ اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق اکتوبر ۱۹۴۹ء)

ملک صاحب نے حضرت مہدی معہودؑ کی پہلی زیارت مباحثہ آتھم کے دَوران ۱۸۹۳ء میں کی۔ ان دنوں حضورؑ امرتسر میں رونق افروز تھے۔ میاں نبی بخش صاحب رفوگر امرتسری نے حضورؑ کے اعزاز میں ایک دعوت دی میاں صاحب کے مکان کے ساتھ ہی ملک صاحب کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ یہ مکان کٹڑا اہلو والیہ کوچہ شیخ کمال الدین میں واقع تھا اور وسیع تھا اِس لئے اس کے صحن میں حضرت اقدسؑ کو بٹھایا گیا۔ ملک صاحب نے اس وقت اپنے کوٹھے پر سے حضورؑ کو دیکھا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ بیمار ہو گئے اور بغرض علاج حضرت مولانا نورالدینؓ کی خدمت میں قادیان پہنچے اور عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سِلّ کا مرض ہے جو لاعلاج ہے۔ اِس پر حضرت مولانا صاحبؓ نے بڑے جوش سے کہا حکیموں کے بادشاہ نے فرمایا ہے لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ہر بیماری کی دوا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے ایک دوا تجویز فرمائی جس کے استعمال سے آپ کوئی دو ہفتہ میں شفایاب ہو گئے سفرِ قادیان میں امرتسر کے ممتاز صحابی حضرت ڈاکٹر عباد اللہ صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اس تعلق کی وجہ سے ملک صاحب ڈاکٹر صاحب کے محلہ میں ہی مقیم ہو گئے اور ان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض کتب حاصل کر کے مطالعہ کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک دفعہ حضرت مولوی محمد احسن صاحبؓ امروہی نے مسجد احمدیہ امرتسر میں خطبہ جمعہ پڑھا اور سُورۃ نور کی آیتِ استخلاف سے حضرت اقدس علیہ السلام کی صداقت پر استدلال کیا۔ چند روز بعد آپکو "شہادۃ القرآن" کے مطالعہ کا موقع ملا اور آپ دِل سے احمدی ہو گئے اور دسمبر ۱۹۰۰ء کے سالانہ جلسہ پر حضرت

---

[1] بحوالہ فہرست بعنوان " و اذا الصحف نشرت " مرتبہ میاں عبد العظیم صاحب تاجر کتب قادیان صفحہ ۱۸
[2] اصحابِ احمد جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ (از ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان)۔ [3] الحکم ۱۰ر جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۶ کالم ۳ میں آپ کا نام فہرست مبائعین میں مرقوم ہے۔ [4] الفضل ۳۰ر اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۸۔

مسیح پاک علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

ملک صاحب موصوف کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے زمانۂ مبارک میں کئی بار قادیان جانے اور حضور سے روحانی فیض اُٹھانے کا موقع ملا۔

ماسٹر عبدالحق صاحب قصوری بی۔ اے سابق طالب علم مشن کالج لاہور نے جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے ۲۶ دسمبر ۱۹۰۱ء کو پانچ سوالات لکھ کر پیش کئے جس کے جواب میں حضورؑ نے مفصل تقریر فرمائی[۱]۔ ملک صاحب موصوف کو یہ تقریر سُننے کا شرف حاصل ہے۔ ماسٹر عبدالحق صاحب اس تقریر سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے[۲]۔

ملک صاحب فرماتے ہیں:۔

"(۱۹۰۳ء میں) صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے کابل میں سنگسار ہونے کے فوراً بعد ہم قادیان گئے تو مغرب کی مجلس کے بعد اس کا تذکرہ تھا۔ غالباً احمد نور صاحبؓ کابلی آئے تھے اور انہوں نے حالات سُنائے تھے۔ حضور کو سخت صدمہ تھا۔ حضورؑ نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ ہم اس کے متعلق ایک کتاب لکھیں گے۔ مجھے چونکہ حضورؑ کے فارسی اشعار سے بہت محبت ہے میں نے عرض کیا حضور کچھ فارسی اشعار بھی ہوں۔ حضورؑ نے جھٹ فرمایا نہیں ہمارا مضمون سادہ ہوگا۔ لیکن جب کتاب تذکرۃ الشہادتین شائع ہوئی تو اس میں ایک لمبی پُردرد فارسی نظم تھی۔ مجھے اُس وقت خیال آیا کہ کیسے پاک لوگ ہیں اپنے ارادہ سے نہیں بلکہ صحیح ربّانی تحریک کے ماتحت کام کرتے ہیں ورنہ ان کو شعر گوئی سے کوئی نسبت نہیں۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آخری سفرِ دہلی سے واپسی پر ۹ نومبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو رائے کنہیالال صاحب وکیل کے لیکچر ہال امرتسر میں تقریر فرمائی جس کے دوران ایک ہنگامہ عظیم برپا کر دیا گیا۔ ملک صاحب اس ہنگامہ کے وقت لیکچر ہال میں موجود تھے چنانچہ وہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"جب ہم نے دیکھ لیا کہ حضورؑ جا چکے تو ہم حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے ہمراہ .... باہر بازار میں نکلنے لگے کسی شخص نے حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور ٹھہر جاویں لوگ

[۱] الحکم ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء ؛ [۲] الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۲ء (رُوداد بیعت)

پتھر مار رہے ہیں حضرت مولوی صاحبؓ نے ایک درد بھرے دل سے کہا وہ گیا جس کو مارتے تھے مجھ کو کون مارتا ہے یہ ہر کسی کو نصیب نہیں۔"

ملک صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انتقال کی المناک اطلاع کیسے ملی؟ اس واقعہ پر آپ درج ذیل الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کی خبر میرے ایک چچا صاحب نے مجھے اُس وقت دی جب میں عدالتِ مطالبہ خفیفہ امرتسر میں ایک عرضی دعویٰ کا انگریزی ترجمہ کر رہا تھا۔ اُس وقت گو چند لمحوں کے لئے ہی ایسا ہؤا مگر میری نظر بالکل جاتی رہی اور سامنے پڑے ہوئے کاغذ کے حروف نظر نہ آتے تھے۔ دوسرے روز ہم معہ ڈاکٹر عباد اللہ صاحبؓ اور دوسرے دوستوں کے صبح کی گاڑی سے بٹالہ اور وہاں سے یکہ پر قادیان گئے۔ وہاں حضورؑ کے چہرہ کو جو اس وقت بھی نورانی تھا دیکھا۔ انتخاب خلافت (اولیٰ) ہؤا اور پہلے جن لوگوں نے بیعت کی ان میں مَیں نے بھی خلافتِ اولیٰ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔"[۱]

۱۹۳۴ء میں آپ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم پر نائب ناظر بیت المال مقرر کئے گئے۔ ازاں بعد حضور نے آپ کو اراضیاتِ سندھ کی نگرانی کے لئے بھجوایا جہاں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد آپ بیمار ہو گئے۔ طبیعت سنبھل جانے پر قادیان آ گئے تو حضرت امیر المومنین نے آپ کو ناظم جائیداد کی خدمت سپرد فرمائی جس پر آپ آخر عمر تک فائز رہے۔

بالفاظ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ "بہت زندہ دل خوش مزاج بزرگ تھے"۔ قرآنِ عظیم کے مطالعہ اور اس پر غور و تدبّر کرنے کا بہت شوق تھا۔ جب کسی آیت کی لطیف تفسیر ذہن میں آتی اسے نوٹ کر لیتے اور اپنے بچوں کو سُناتے تھے۔ "الفضل" اور "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی میں آپ کے کئی مضامین چھپے ہوئے ہیں۔ ہومیو پیتھی دوائیں ہمیشہ گھر میں رکھتے اور مُفت دیا کرتے تھے۔ آپ کے اخلاق میں تحمّل، ملنساری، جرأت، اصابت رائے اور موقع شناسی کے اوصاف بہت نمایاں تھے ماتحتوں سے عمدہ سلوک تھا۔ بہت اچھے دوست اور دوستوں کے لئے قربانی کا مادّہ رکھتے تھے۔ عرصہ تک عدالتوں میں کام کرنے کے باعث مروّجہ قانون سے خوب واقف تھے۔ ڈرافٹ تیار کرنے

---

[۱] یہ واقعات ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کی تالیف "اصحابِ احمد" جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۴۳ سے ماخوذ ہیں۔

اور خلاصہ نکالنے میں ماہر تھے اور اسی لئے حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں اپنے سامنے اپیلیں پیش کرنے کا فریضہ بھی سونپ رکھا تھا غیر احمدی اور ہندو وکیل بھی آپ کے مدّاح تھے۔ دورانِ ملازمت جہاں جہاں گئے سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ میں سرگرم رہے اور کئی لوگوں کی ہدایت کا موجب بنے نظامِ الوصیّت سے بھی وابستہ تھے اور تحریکِ جدید کے دفترِ اوّل کے مجاہدوں میں سے تھے۔

سیالکوٹ میں وفات پائی اور قبرستان سائیں مونگاولی میں بطور امانت دفن کئے گئے[۱]

۷۔ میاں نور محمد صاحبؓ کھوکھر امیر پور ضلع ملتان[۲]:۔ (ولادت ؟ بیعت[۳] ۱۵؍اگست ۱۹۰۷ء، وفات[۴] ۲۸؍اخاء ھ ۱۳۲۸ش لعمر ۴۷ سال)

میاں نور احمد صاحب مدرس مدرسہ امدادی بستی وریام کملانہ ڈاک خانہ ڈب کلاں تحصیل شور کوٹ ضلع جھنگ جن کا ذکر حضرت مہدی معہودؑ نے حقیقۃ الوحی کے نشان ۱۲۱ میں فرمایا ہے آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ میاں نور احمد صاحب نے آپ کو تبلیغ بھی کی اور حق پانے کے لئے استخارہ بھی بتایا اور ایک حمائل شریف مترجم حضرت شاہ رفیع الدینؒ بھی دی کہ اسے بلا ناغہ پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں۔ تلاوتِ قرآن مجید اور استخارہ کے نتیجہ میں آپ کو پروانہ وار بیعت اور حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا اور آپ مولوی محمد فاضل صاحب احمدی کو ساتھ لے کر قادیان پہنچے۔ چار پانچ روز مسجد مبارک میں حضرت اقدسؑ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ ۱۵؍اگست ۱۹۰۷ء کو بوقت عصر حضورؑ تشریف لائے تو آپ بیعت کے لئے آگے بڑھے بیعت کے بعد حضورؑ نے ان سے ملتان کے کوائف دریافت فرمائے اور پوچھا کہ اس طرف سلسلہ کی مخالفت کثرت سے نہیں۔

---

[۱] مفصّل حالات کے لئے ملاحظہ ہو اصحابِ احمد جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۷۵ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے
الیضاً الفضل ۲۰؍نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵،۴ ۔ الرحمت ۲۸؍نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲ ۔

[۲] والد ماجد مولوی غلام احمد صاحب ارشد سابق درویش قادیان ۔ [۳] الحکم ۲۴؍اگست ۱۹۰۷ء

[۴] روزنامہ الفضل یکم فتح ھ ۱۳۲۸ش ۔

آپ نے عرض کیا بہت لوگ مخالف ہیں۔ اِس پر حضرت اقدسؑ نے ایک رُوح پرور تقریر فرمائی جسکے آخری الفاظ یہ تھے:۔

”خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ جہاں ہماری مخالفت میں زیادہ شور اُٹھا ہے وہاں ہی زیادہ جماعت تیار ہوئی ہے۔ جہاں مخالفت کم ہے وہاں ہماری جماعت بھی کم ہے“

حضورؑ کی یہ تقریر مع کوائف ملتان الحکم ۲۴ر اگست ۱۹۰۷ء میں چھپ چکی ہے۔

میاں نور محمد صاحب غریبوں کے ہمدرد اور منکسر المزاج تھے۔ نمازِ تہجد کے باقاعدہ پابند تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے اکثر آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ سے بے انتہاء محبّت تھی۔ ترقیٔ احمدیت، درویشانِ قادیان اور مبلغینِ سلسلہ اور خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے دردِ دل سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ گنگا رام ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔ جنازہ حضرت مصلح موعودؓ نے پڑھایا اور تدفین قبرستانِ ربوہ میں ہوئی۔ [1]

۸۔ حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹیؓ:۔ (ولادت ۶۷-۱۸۶۶ء، زیارت ۱۸۹۳ء، بیعت ۱۹۰۰ء، وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ سیالکوٹ کے اکابر صحابہ حضرت میر حسام الدین صاحبؓ، حضرت میر حامد علی شاہ صاحبؓ، حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحبؓ آپ سے بوجہ تقویٰ اور پارسائی بہت محبت رکھتے تھے۔ تبلیغِ احمدیت کا خاص شغف تھا۔ خلافتِ اُولیٰ کے عہدِ مبارک میں آپ کو قادیان بُلا لیا گیا۔ آپ قادیان اور اس کے ماحول میں قرآن پڑھاتے اور پیغامِ احمدیت پہنچاتے رہے تھے۔ کئی لوگ آپ کے نیک نمونہ سے شاملِ احمدیت ہوئے۔ سلسلہ کی ہر تحریک پر لبیک کہتے تھے۔ آپ موصی تھے اور تحریکِ جدید کا چندہ اعلان ہوتے ہی ادا کر دیتے تھے۔ آپ نے چندہ مسجد لنڈن اور تراجم القرآن کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ حضرت منشی صاحبؓ کو ارتداد ملکانہ کے دَوران ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں دو بار علاقہ اجمیر میں بھیجا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے چار ماہ تک کیریاں اور مست پور ضلع ہوشیار پور میں تبلیغ کی ہمیشہ دُرِّثمین اردو اپنے پاس

---

[1] روزنامہ الفضل یکم فتح ۱۳۴۵ھ/۱۹۶۶ء صفحہ ۶ ۞

رکھتے اور بغرض تبلیغ تقسیم کیا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر فرمایا:۔

"منشی محمد اسمٰعیل صاحب نہایت سادہ طبع، نیک اور صاحبِ الہام آدمی تھے ان کو کثرت سے الہام ہوتے تھے۔ اور وہ کثرت سے دعائیں کرنے والے انسان تھے۔ نمازِ تہجد کے اتنے پابند تھے کہ بیماری کی حالت میں بھی تہجد نہیں چھوڑی۔ آپ حال میں ہی سیالکوٹ میں فوت ہوئے ہیں۔ آپ مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی بڑی بیوی (جن کو مولوی صاحب کی وجہ سے ہم مولویانی کہا کرتے تھے) کے بھائی تھے۔ نہایت مخلص اور اچھے نمونہ کے احمدی تھے اور تبلیغ میں اس طرح منہمک رہتے تھے کہ ایسا انہماک بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ سکول سے پنشن لی اور ریل اور ڈاکخانہ کے محکموں میں جو کوئی ہندو قادیان آجاتا اُس کو پکڑ لیتے اور اُسے قرآن کریم پڑھانا شروع کر دیتے۔ مَیں نے خود ایک ہندو کو دیکھا ہے جس نے اُن سے قریباً بیس۲۰ سپارے ترجمہ کے ساتھ پڑھ لئے تھے۔ وہ دِل سے مسلمان تھا۔ اب شاید پارٹیشن کے بعد وہ ہندوستان چلا گیا ہو کیونکہ اُس کا نام ہندوانہ ہی تھا لیکن دراصل وہ مسلمان تھا۔ نمازیں پڑھتا تھا۔ اسی طرح روزے بھی رکھتا تھا۔ وہ صرف انہی کے طفیل اور ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں مسلمان ہوا تھا۔" [1]

حضرت حافظ جمال احمد صاحبؓ مجاہد ماریشس:۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ممتاز صحابہ میں سے تھے جو عنفوانِ شباب سے حضورؑ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور مئی ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور حضرت اقدسؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"میرے والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بذریعہ خط حضور اقدسؑ کی بیعت کی تھی اور مَیں اُس وقت قریباً پندرہ سولہ برس کا تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری ایام میں لاہور میں قیام فرما تھے لاہور میں آیا اور مجھے حضورؑ کی زیارت نصیب ہوئی اور میری آمد سے پندرہ سولہ روز بعد حضورؑ اِس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔" [2]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۶ر تبلیغ ۱۳۲۹ھش مطابق ۱۶ر فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۔

[2] روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد ۷ صفحہ ۲۴۸۔

حضرت حافظ صاحب کو صحابہ حضرت مسیح موعودؑ میں منفرد خصوصیت حاصل ہے کہ آپ اکیس[۲۱] برس تک مارشیس میں جہادِ تبلیغ میں سرگرمِ عمل رہے۔ آپ ۲۷ جولائی ۱۹۲۸ء کو قادیان سے مارشیس پہنچے اور ۲۷ فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو مارشیس ہی میں انتقال فرما گئے اور سینٹ پیری میں سپردِ خاک کئے گئے۔[۱] آپ کی وفات کی اطلاع پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جو خطبہ دیا اس میں آپ کی وفات کو نشان قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

"حافظ جمال احمد صاحب کی وفات اپنے اندر ایک نشان رکھتی ہے اور وہ اِس طرح کہ جب وہ مارشیس بھیجے گئے تو اس وقت جماعت کی مالی حالت بہت کمزور تھی اتنی کمزور کہ ہم کسی مبلّغ کی آمد ورفت کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مَیں نے تحریک کی کہ کوئی دوست اس ملک میں جائیں۔ اس پر حافظ صاحب مرحوم نے خود اپنے آپ کو پیش کیا یا کسی اَور دوست نے تحریر کیا کہ حافظ جمال احمد صاحب کو وہاں بھیج دیا جائے۔ چونکہ پہلے وہاں صوفی غلام محمد صاحب مبلّغ تھے اور وہ حافظ تھے اِس لئے احبابِ جماعت نے وہاں ایک حافظ کے جانے کو ہی پسند کیا۔ گو صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے تھے اور ان کی عربی کی لیاقت بھی بہت زیادہ تھی اور حافظ جمال احمد صاحب غالباً مولوی فاضل نہیں تھے ہاں عربی تعلیم حاصل کی ہوئی تھی اور قرآن کریم حفظ کیا ہوا تھا لیکن بہرحال انہیں صوفی صاحب کی جگہ مبلّغ بنا کر مارشیس بھیج دیا گیا۔

حافظ صاحب مرحوم کی شادی مولوی فتح الدین صاحب کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی جنہوں نے شروع شروع میں پنجابی میں کامن لکھے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے سے پہلے کے تعلق رکھنے والے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے سُسرال کے حالات کچھ ایسے تھے کہ انکے بعد ان کے بیوی بچوں کا انتظام مشکل تھا اِس لئے انہوں نے مجھے تحریک کی کہ انہیں بیوی بچّے ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ اس وقت سلسلہ کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ پیسے پیسے کا خرچ بوجھل معلوم ہوتا تھا اور ادھر حافظ صاحب مرحوم کی حالت ایسی تھی کہ انہیں اپنے بیوی بچّے اپنے پیچھے رکھنے مشکل تھے مَیں نے کہا کہ مَیں آپ کو بیوی بچّے ساتھ لے جانے کی اجازت دیتا ہوں مگر اِس

---

[۱] حضرت حافظ صاحبؓ کی آخری رپورٹ (جس میں مخالفتِ احمدیت کے لئے تائیدی نشانات اور اپنی بیماری کا ذکر ہے) الفضل ۱۱ امان ۱۳۲۹ھش / مارچ ۱۹۵۰ء میں درج شدہ ہے۔

شرط پر کہ آپ کو ساری عمر کے لئے وہاں رہنا ہوگا۔ اُس وقت کے حالات کے ماتحت انہوں نے یہ بات مان لی اور سلسلہ اور ان کے درمیان یہ معاہدہ ہؤا کہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ایک لمبے عرصہ کے بعد جب ان کے لڑکے جوان ہوئے اور لڑکی بھی جوان ہوئی انہوں نے مجھے تحریک کی کہ میرے بچے جوان ہو گئے ہیں اِس لئے ان کی شادی کا سوال درپیش ہے آپ مجھے واپس آنے کی اجازت دیں تا بچوں کی شادی کا انتظام کر سکوں لیکن میری طبیعت پر چونکہ یہ اثر تھا کہ وہ یہ عہد کر کے وہاں گئے تھے کہ ہمیشہ وہیں رہیں گے اِس لئے مَیں نے انہیں لکھا کہ آپ کو اپنے عہد کے مطابق عمل کرنا چاہیئے انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنا عہد یاد ہے لیکن میری لڑکی جوان ہو گئی تھی جس کی وجہ سے مجھے واپس آنے کی ضرورت پیش آئی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مَیں یہیں رہوں تو مَیں اپنی درخواست واپس لے لیتا ہوں بعد میں محکمہ کی طرف سے بھی کئی دفعہ تحریک کی گئی کہ انہیں واپس بُلا لیا جائے لیکن مَیں نے ہمیشہ یہی کہا کہ انہوں نے عہد کیا ہؤا ہے اور اس عہد کے مطابق انہیں وہیں کا ہو رہنا چاہیئے۔ ابھی کوئی دو ماہ ہوئے مَیں نے سمجھا کہ چونکہ اب حالات بدل چکے ہیں اور اب نیا مرکز بنا ہے اِس لئے ان کو بھی نئے مرکز سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دینا چاہیئے مَیں نے انہیں یہاں آنے کی اجازت دے دی اور محکمہ نے انہیں واپس بلوا بھیجا لیکن خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں۔ جب تک ان کی اپنی خواہش واپس آنے کی تھی وہ زندہ رہے۔ چونکہ وہ آخری اختیار رکھنے والے نہیں تھے اِسلئے اپنی خواہش کے مطابق وہ واپس نہیں آ سکتے تھے لیکن جب مَیں نے اجازت دے دی تو خدا تعالیٰ نے کہا اب ہم اپنا اختیار استعمال کرتے ہیں اور انہیں وہیں وفات دے دی۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ سارے واقعات اپنے اندر ایک نشان رکھتے ہیں۔ ایک شخص عہد کرتا ہے اور سالہا سال تک اس پر پابند رہتا ہے اس کے بعد وہ اسے توڑتا نہیں مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے واپس آنے کی اجازت مانگتا ہے لیکن مَیں اصرار کے ساتھ ان کی درخواستیں ردّ کرتا چلا جاتا ہوں اور وہ چُپ کر جاتا ہے۔ پھر محکمہ بھی اس کے بُلانے پر اصرار کرتا ہے لیکن مَیں اسے واپس بُلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بھی نہیں کہ حافظ صاحب کوئی بڑی عمر کے تھے۔ شاید وہ مجھ سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے جب خود واپس آنا چاہا تو مَیں نے ان کی درخواستیں ردّ کر دیں جب محکمہ نے ان کے واپس بُلانے پر اصرار کیا تب بھی مَیں نے اصرار کیا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں۔ لڑکوں کے متعلق انہوں نے اصرار

کیا کہ ان کی تعلیم کا حرج ہو رہا ہے تو میں نے کہا اچھا انہیں یہاں بھیج دو چنانچہ ان کا ایک لڑکا لاہور پڑھتا ہے اور سلسلہ کی طرف سے اسے امداد دی جاتی ہے لیکن قادیان سے نکلنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ انہوں نے نیا ماحول تو دیکھا نہیں اس لئے انہیں واپس بُلا لیا جائے اور اس نئے ماحول سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا جائے میں نے انہیں واپس آنے کی اجازت دی۔ لیکن جب اس حکم پر عمل کرنے کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ نے انہیں واپس بُلا لیا تا وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے بنیں اور مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اس آیتِ قرآنیہ میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کچھ تو ایسے صحابہؓ ہیں جنہوں نے موت تک اپنے عہد کو نبا ہا ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اور کچھ ایسے ہیں کہ وہ اِس انتظار میں ہیں کہ انہیں موقع ملے تو وہ اپنے عہد کو پُورا کریں۔"

اِسی تسلسل میں فرمایا:-

"ہماری جماعت میں بھی خدا تعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ حافظ جمال احمد صاحب بھی انہی میں سے تھے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ وہ یہاں سے عہد کر کے گئے تھے کہ وہ وہیں کے ہو رہیں گے جب ہم نے چاہا کہ وہ آجائیں تو خدا تعالیٰ نے کہا نہیں میں ان کا عہد پُورا کروں گا۔ ماریشس ایک ایسا ملک ہے جہاں بہت ابتداء سے ہمارے مشن جا رہے ہیں[1] میری خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال سے وہاں مشن جا رہے ہیں۔ ایسے پُرانے ملک کا بھی یہ حق تھا کہ وہ کسی صحابی یا تابعی کی قبر اپنے اندر رکھتا ہو۔ ہم شرک نہیں کرتے ہم قبروں پر سے مٹّیاں لینے والے نہیں۔ ہم قبروں پر پھول چڑھانے والے نہیں۔ ہمیں تو یہ بھی سُنکر تعجب آتا ہے کہ ابنِ سعود کے نمائندے بھی قبروں پر پھول چڑھانے لگ گئے ہیں۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ اگر کوئی پھول چڑھانے کی مستحق قبر تھی تو وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر تھی۔ کیا حضرت ابو بکرؓ کو پھول نہ ملتے کہ وہ آپ کی قبرِ مبارک پر پھول چڑھاتے۔ کیا حضرت عمرؓ کو پھول نہ ملتے کہ وہ آپؐ کے مزار پر پھول چڑھاتے۔ اگر آپ کے مزار پر ان بزرگوں نے پھول چڑھائے ہوتے تو ہم اپنے خون سے پھولوں کے پودوں کو سینچتے تا آپ کے مزار پر پھول چڑھائیں مگر افسوس زمانے بدل گئے

[1] نقل مطابق اصل۔

اور ان کی قدریں بدل گئیں لیکن ہم موحّد ہیں مُشرک نہیں بلکہ ہمیں تو ان موحّدوں پر افسوس آتا ہے جو توحید پر عمل کرتے تھے لیکن اب ان کے نمائندے قبروں پر جاتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ دنیا میں جو لوگ اچھے کام کر جاتے ہیں ان کی قبروں پر جانا اور ان کے لئے دعائیں کرنا ہی ان کے لئے پھول ہیں گلاب کے پھول اُن کے کام نہیں آتے عقیدت کے پھول ان کے کام آتے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے ہیں ان کے مزاروں پر دعا کرنا بسا اوقات بہت بڑی برکتوں کا موجب ہو جاتا ہے۔ ان سے مانگنا جائز نہیں ہاں ان کی قربانی یاد دلا کر خدا تعالیٰ سے مانگنا چاہئے جیسے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم آپ کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے اب وہ تو ہمارے پاس نہیں ہیں ان کے چچا عباسؓ کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ اِس قحط کو دُور فرما۔ جیسے لوگ کہتے ہیں بچوں کا صدقہ اسی طرح خدا تعالیٰ سے بھی اس کے پیاروں کا واسطہ دے کر مانگنا جائز ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ماریشس اِس بات کا مستحق تھا کہ اس میں کسی صحابی یا کسی ایسے تابعی کی جس کا زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچتا ہو قبر ہوتا وہ اس کے مزار پر خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں مَیں نے صحابی یا تابعی اِس لئے کہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ حافظ صاحب مرحوم صحابی تھے یا نہیں جب سے مَیں انہیں دیکھتا رہا ہوں وہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کا زمانہ تھا۔ اور اگر میرے دیکھنے پر اس کی بنیاد ہو تو وہ تابعی تھے۔"

"مَیں دوسرے نوجوانوں کو بھی اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ احمدیت کی ترقی بغیر قربانی اور بغیر وقف کے نہیں ہو سکتی۔ انہیں بھی اِس چیز کا احساس ہونا چاہئے سینکڑوں ہیں جنہوں نے اپنے آپکو خدمتِ دین کے لئے وقف کیا مگر سینکڑوں انتظار کرنے والے بھی آگے آئیں تا ان کے نام خدا تعالیٰ کے رجسٹر میں لکھے جائیں۔" [1]

اِن جلیل القدر صحابہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ بھی انتقال کر گئے:۔

۱۔ شیخ عمر بخش صاحب بنگوی (بیعت ۱۹۰۳ء، وفات ۱۷ تبلیغ ۱۳۲۸ھش بعمر ۹۲ سال) [2]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۲ تبلیغ ۱۳۲۹ھش / ۱۲ فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۔

[2] روزنامہ الفضل ۲۳ تبلیغ ۱۳۲۸ھش / ۲۳ فروری ۱۹۴۹ء۔

۲۔ میاں محمد دین صاحب ساکن بھڈیار ضلع امرتسر (بیعت ۱۸۹۵ء، وفات ۱۶ اخاء ۱۳۲۸ھش)[1]
۳۔ منشی غلام حیدر صاحب سب انسپکٹر اشتمال اراضی گوجرانوالہ (بیعت ۱۹۰۸ء، وفات ۲ نبوت ۱۳۲۸ھش)[2]

بزرگ صحابیات میں سے اِس سال محترمہ کریم بی بی صاحبہ[3] (اہلیہ حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری) اور محترمہ عزیز بیگم صاحبہ[4] (اہلیہ حضرت خان صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی) بالترتیب ۷ اخاء اور ۲۱ فتح کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔

فصل نہم

۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

اب ہم ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

خاندانِ مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت اِس سال بھی ربِّ جلیل کے پاک وعدوں کے مطابق حضرت مسیح محمدیؑ کے خاندان میں اضافہ ہوا۔
چنانچہ ۲۲ صلح کو صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب کے ہاں[5] اور ۴ امان کو میاں عباس احمد خان صاحب[6] کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور ۲۷ - ۲۸ ماہِ تبلیغ[7] کی درمیانی شب کو صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب کے ہاں اور ۲۳ ماہِ نبوت[8] کو صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کے ہاں لڑکی تولد ہوئی۔

نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ میں نصرت گرلز ہائی سکول جو ہجرت کے بعد اخاء ۱۳۲۶ھش سے لے کر امان ۱۳۲۸ھش تک رتن باغ میں جاری رہا اِس سال

---

[1] الفضل ۲۸ اخاء ۱۳۲۸ھش ٭ [2] الفضل ۸ صلح ۱۳۲۹ھش ٭ [3] اصحابِ احمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ صفحہ ۱۱۵ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) ٭ [4] الفضل ۱۴ صلح ۱۳۲۹ھش ٭
[5] تا [8] الفضل ۲۶ صلح، ۵ امان، ۲۴ نبوت ۱۳۲۸ھش ٭

ماہِ شہادت/اپریل میں ربوہ منتقل کر دیا گیا سلسلہ احمدیہ کا یہ پہلا مرکزی تعلیمی ادارہ تھا جو دار الہجرت میں قائم ہوا[1]

حضرت امیر المومنینؓ کی مسلمانانِ عالم کو نصیحت

۲۔ صلح (جنوری) کو بیگم سلمہ تصدق حسین نے مفتی فلسطین کے ذاتی نمائندہ الشیخ عبد اللہ غوشیہ اور سید سلیم الحسینی کے اعزاز میں ایک دعوت کا انتظام کیا تھا جس میں حضور نے نصیحت فرمائی کہ اگر ہم فی الحقیقت کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر کام سوچ سمجھ کر اور ایک خاص سکیم کے ماتحت کرنا چاہئے۔[2]

جرمن نومسلم کو حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی ارشاد

۱۹۔ ماہِ صلح/جنوری کو رتن باغ لاہور میں جرمن نو مسلم ہر عبد الشکور کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی جس میں اکابر جماعت کے علاوہ مغربی پنجاب کے اعلیٰ حکام، پولیس اور فوج کے اعلیٰ افسر، پروفیسر، سکالرز، مؤقر جریدہ نگار کے علاوہ متعدد بااثر شخصیتوں نے شرکت کی جن میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر جعفری، سابق ڈپٹی کمشنر لاہور مسٹر ظفر الاحسن، بیگم سلمہ تصدق حسین صاحبہ ایم۔ ایل۔ اے، چوہدری نصر اللہ خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے اور جناب علاؤ الدین صاحب صدیقی کے اسماء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اِس تقریبِ سعید پر ایک نہایت روح پرور تقریر کی جس کی ابتداء میں فرمایا کہ میرے آقا و مولا کے ارشاد کے مطابق اسلام اور اس کے سچے متبع ہی کونے کے پتھر ہیں وہ جس پر بھی گریں گے اسے پاش پاش کر دیں گے اور جو اُن پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا۔ اِس کے بعد حضور نے فرمایا ہر کنز سے اس سے پہلے جس مذہب سے وابستہ تھے اُس میں شریعت کو لعنت قرار دیا گیا تھا لیکن اسلام شریعت کو برکاتِ خداوندی سے معمور گردانتا ہے۔ لہٰذا میں ہر عبد الشکور

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۳۰-۱۳۲۹ہش/۵۱-۱۹۵۰ء صفحہ ۲۸ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ لجنہ اماء اللہ حصہ دوم صفحہ ۱۲۴-۱۲۶ (از حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ حرم سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

[2] الفضل ۴ صلح ۱۳۲۸ہش صفحہ ۱۔

کو نصیحت کروں گا کہ وہ جو اب اپنے تمام اعزہ و اقرباء کو چھوڑ کر خدا کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں شریعت کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کرنے کی کوشش کریں۔ اور جس طرح وہ پہلے ہٹلر کے سپاہی تھے آج میرے آقا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے جاں نثار سپاہی بنیں کہ خدا ان کے ہاتھ پر فتوحات کی بارشیں کرے اور پیدائشی مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ایمان و اعتقاد پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔[1] [2]

حضرت مصلح موعودؓ اخبار نویسوں کے قافلہ سمیت محاذِ کشمیر پر

۲۷ تبلیغ ۱۳۲۸ھش / فروری ۱۹۴۹ء کو سیدنا حضرت فضلِ عمر المصلح الموعودؓ فرقان فورس کے مجاہدوں کا جائزہ لینے کے لئے بھمبر سے ہوتے ہوئے محاذِ کشمیر پر تشریف لے گئے۔ اس سفر میں مندرجہ ذیل صحافیوں کو حضور کی بابرکت معیّت کا مبارک اور زرّیں موقع میسّر آیا:۔

۱ ۔ ثاقب صاحب زیروی (نامہ نگار خصوصی "الفضل" لاہور)

۲ ۔ میاں محمد شفیع صاحب (چیف رپورٹر روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور)

۳ ۔ سردار فضلی صاحب (چیف رپورٹر روزنامہ "احسان" لاہور)

۴ ۔ پروفیسر محمد سرور صاحب (مدیر "آفاق" لاہور)

حضور بذریعہ جیپ کار قصبہ بھمبر سے ہوتے ہوئے نوشہرہ کے جنوب میں بھمبر کے اس مشہور قلعے کے قریب پہنچے جس کی پیشانی پر احمد شاہ ابدالی کی سطوت و شوکت کا نشان عیاں تھا اور جس کی مستحکم دیواروں سے ٹکرا کر دشمن کی دور مار توپوں کے گولوں کو بیسیوں ہی نہیں سینکڑوں بار منہ کی کھانا پڑی تھی اور جس کے قرب و جوار میں خدا کے فضل سے احمدیت کے شیر دل اور جاں نثار نوجوان اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے اس مقدس سرزمین کے چپہ چپہ کی پاسبانی اور حفاظت کر رہے تھے ۔[3]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اس مبارک سفر کے دوران محاذ پر ایک واقعہ نے یکایک قادیان کی

---

[1] الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵ ۔ [2] کنزے صاحب کیا ہی بدقسمت انسان ہیں کہ انہوں نے یہ نصیحتیں خلیفہ موعود کی زبان مبارک سے سنیں اور بجائے صدق و اخلاص میں قدم آگے بڑھانے کے اسلام ہی سے پلٹ گئے ہیں ۔ [3] الفضل ۲ امان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۲ ۔

ایسی یاد دلادی کہ آپ بے چین ہو کر تڑپ اُٹھے مگر آپ نے اپنے قلبی غم واندوہ کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور کمال ضبطِ نفس کا ثبوت دیتے ہوئے چند منٹ تک بالکل خاموشی اختیار کئے رکھی چنانچہ فرماتے ہیں :-

"مَیں تھوڑے دن ہوئے کشمیر کے محاذ پر فرقان فورس دیکھنے گیا۔ فرقان فورس والوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا ہوُا تھا مَیں جب وہاں گیا تو ایک جگہ پر ہاتھ دُھلانے کے لئے دو چھوٹے لڑکے کھڑے تھے۔ مجھے بڑا تعجب تھا کہ جس جگہ جاتے ہوئے بڑی عمر والے اور پختہ کار لوگ ہچکچاتے ہیں وہاں پر یہ چھوٹی عمر کے دونوں بچے آئے ہوئے ہیں اور خوشی سے اپنی ڈیوٹی کو نبھا رہے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ دُھلانے کے لئے وہاں کھڑے تھے۔ چھوٹی عمر میں اتنی بڑی قربانی کرنے کی وجہ سے مجھے ان کا یہ فعل پیارا لگا اور نادانی اور غفلت میں مَیں نے سوال کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ مَیں نے خیال کیا کہ وہ کہیں گے کہ ہم گجرات سے آئے ہیں، جہلم سے آئے ہیں، راولپنڈی سے آئے ہیں یا سیالکوٹ سے آئے ہیں۔ مَیں ان سے کوئی دوسرا جواب سُننے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن مَیں نے جب یہ سوال کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو ان دونوں لڑکوں نے بے اختیار کہا ہم قادیان سے آئے ہیں۔ مجھے یہ جواب سُننے کی امید نہ تھی اِس لئے مجھے اپنی حالت کو سنبھالنے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کی ضرورت پڑی میرے ساتھ اس وقت اخباروں کے نمائندے بھی تھے اور بعض دوسرے افسر بھی۔ مَیں نے زور سے اپنی زبان دانتوں میں دبالی مَیں نے ایسا محسوس کیا کہ اگر مَیں اپنے آپ کو نہیں روکوں گا تو میری چیخیں نکل جائیں گی۔ کئی غیر احمدی بھی اس وقت مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے مَیں نے ان سے کوئی بات نہیں کی اور مَیں بات کر ہی نہیں سکا تھا۔ انہوں نے شاید یہ سمجھا ہوگا کہ مَیں بہت مغرور ہوں اور ان کے ساتھ بات کرنا نہیں چاہتا لیکن مَیں مختصر جواب دے کر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جا کر کہیں میری طبیعت سنبھلی اور مَیں بات کرنے کے قابل ہوُا۔ غرض مَیں نے یہ عہد کیا ہوُا ہے کہ مَیں قادیان کے چھوٹ جانے پر غم نہیں کروں گا اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہمارا گذارہ نہیں۔ آپ لوگ بھی اپنے تمام جوشوں کو دباتے چلے جائیں خدا تعالیٰ وہ وقت جلد لے آئے گا جب تمہارے دبائے ہوئے جذبات ایک طوفان کی شکل اختیار کریں گے اور وہ طوفان ہر قسم کے خس وخاشاک کو اُڑا کے پرے پھینک دے گا لیکن جب تک وہ مرکز جماعت کو نہیں ملتا سب جماعت کو ایک دوسرے مرکز کی طرف مُنہ کرنا ہوگا کیونکہ مرکز کے بغیر کوئی جماعت نہیں رہ سکتی"۔[1]

---

[1] الفضل ۵ احسان ۱۳۲۸ھ ش صفحہ ۵

انجمن حمایتِ اسلام کے مشاعرہ میں احمدی شاعر کے کلام کی مقبولیت

۲۶ر امان ۱۳۲۸ھش کو انجمن حمایتِ اسلام لاہور کا ایک مشاعرہ ہؤا جس میں جناب ثاقب زیروی صاحب نے ایک نظم پڑھی جو حاصل مشاعرہ سمجھی گئی۔ گورنر جنرل الحاج خواجہ ناظم الدین صاحب نے مشاعرہ میں اِس نظم کو دوبارہ سننے کی فرمائش کی اور یہ اعزاز اس نشست میں کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوسکا۔ دوسرے دن لاہور کے تقریباً تمام اخبارات میں اس نظم کا چرچا تھا چنانچہ اخبار "انقلاب" نے ۲۸ مارچ ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ کالم ۱ پر "ثاقب نے سب کو مات دی" کے عنوان سے حسبِ ذیل خبر شائع کی:-

"لاہور ۲۶ مارچ۔ انجمن حمایتِ اسلام کے مشاعرے میں ایک انیس سالہ نوجوان شاعر صدیق ثاقب زیروی کو یہ اعزاز حاصل ہؤا کہ ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل پاکستان نے اُس سے فرمائش کی کہ وہ تیسری بار اپنا کلام سنائے۔

اِس مشاعرے میں بڑے بڑے شعراء نے حصہ لیا لیکن عوام اور خواص سب نے ثاقب کے کلام کو اتنا پسند کیا کہ اُسے تین بار سٹیج پر بلایا گیا۔ یہ سعادت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ ثاقب کی نظم کا عنوان تھا "میرا جواب" جو ایک اخبار نویس کی طرف سے شراب کی پیشکش پر لکھی گئی تھی۔ یہی نظم خواجہ ناظم الدین کو خاص طور پر پسند آئی اور انہوں نے اسی کو دوبارہ پڑھوایا۔"

جماعتِ احمدیہ اور حکومتِ مجاز کی وفاداری

سکھوں کے اخبار "شیرِ پنجاب" نے ایک مضمون میں یہ اعتراض اٹھایا کہ ہندوستان یا پاکستان کے احمدی اس وقت تک اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار رہیں گے جب تک ان کے امام جماعت کی طرف سے ایسا حکم ہوگا جب اُن کا حکم نہیں رہے گا اُن کی وفاداری بھی ختم ہو جائے گی۔

اِس اعتراض کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے "جماعتِ احمدیہ اور حکومتِ مجاز کی وفاداری" کے عنوان پر حسبِ ذیل مضمون سپردِ قلم فرمایا:-

"..... ہماری جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام کے رُو سے جس حکومت میں بھی کوئی شخص رہے اس حکومت کا اسے وفادار رہنا چاہیئے۔ اگر کبھی حالات خلاف ہو جائیں اور وہ وفادار نہ رہ سکے تو اُسے اس ملک سے ہجرت کر جانی چاہیئے۔ انگریزوں کے زمانہ میں اس عقیدہ کی وجہ سے ہندوؤں، سکھوں اور

مسلمانوں نے ہماری مخالفت بھی کی لیکن ہم نے یہ عقیدہ نہیں بدلا کیونکہ عقائد کو بدل دینا کسی انسان کے اختیار میں نہیں عقائد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اور ان کو خدا ہی بدل سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک قرآن کریم کی تعلیم کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ ہم بانی سلسلہ احمدیہ کو بھی قرآن کریم کی تعلیم کا بدلنے والا نہیں مانتے بلکہ اِس کا خادم مانتے ہیں۔ ہمارے عقیدہ کی رُو سے وہ اسلام کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی تبدیل نہیں کر سکتے تھے جب بانیٔ سلسلہ احمدیہ بھی کسی حکم کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے تو پھر ان کا کوئی خلیفہ خواہ کتنا بڑا ہو کسی حکم کو کس طرح تبدیل کر سکتا ہے پس یہ خیال کر لینا کہ ہندوستان یا پاکستان کے احمدیوں کی اپنی حکومتوں سے وفاداری اسی وقت تک ہو گی جب تک امامِ جماعتِ احمدیہ ان کو ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے اوّل درجہ کی حماقت اور بیوقوفی ہے اِس معاملہ میں امام جماعت احمدیہ کوئی حق ہی نہیں رکھتا۔ اسلامی تعلیم کو دوہرانا اس کا کام ہے اُسے بدل نہیں سکتا۔ اگر کسی وقت جماعتِ احمدیہ کا امام کسی ملک کی جماعت کو یہ حکم دے کہ تم اپنی حکومت کے وفادار نہ رہو تو اس کے معنی یہی نہیں ہوں گے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ تم اپنی حکومت کے وفادار نہ رہو بلکہ احمدیہ جماعت کے مذہبی مسلّمات کے رُو سے اس کے یہ معنے ہوں گے کہ تم نعوذ باللہ من ذٰلك قرآن کریم اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار نہ رہو۔ اور کیا کوئی نائب اپنے افسر کے حکموں کو بدل سکتا ہے خلیفہ بے شک جماعت کا امام ہے لیکن وہ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تابع ہے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تابع ہے۔ قرآن کریم کا تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تابع ہے، اسے اپنے بالا افسروں کے احکام کے بدل دینے کا حق ہی کہاں ہے۔ پس یہ کہنا کہ جماعتِ احمدیہ قادیان کی وفاداری چونکہ امام جماعتِ احمدیہ کے حکم کے ساتھ وابستہ ہے جو پاکستان میں رہتا ہے اِس لئے ان کی وفاداری پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک خلافِ عقل قول ہے حکومت کی وفاداری کا حکم ہمارے نزدیک قرآن کریم کا حکم ہے اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کی جس حکومت میں بھی کوئی احمدی رہتا ہے اس حکومت کا اس کو وفادار رہنا چاہیئے۔ کوئی خلیفہ یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس حکم کو بدل دے کیونکہ خلیفہ ڈکٹیٹر نہیں ہے وہ نائب ہے اور نائب اپنے سے بالا حکام کے احکام کا ویسا ہی فرمانبردار ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے لوگ ۔[1]

---

[1] الفضل ۵ شہادت ۱۳۲۸ھش ۱۹۴۹ء صـ۳ ۔

پاکستانی سائنسدانوں کو نصیحت

۱۱ ماہ شہادت ۱۳۲۸ھش کو فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مصلح موعودؓ نے پاکستانی سائنسدانوں کو نصیحت فرمائی کہ انہیں استقلال کے ساتھ اپنی جدّوجہد جاری رکھنی چاہیئے۔

اخبار انقلاب ۱۴ اپریل ۱۹۴۹ء میں اس تقریب کا خلاصہ درج ذیل لفظوں میں چھپا:۔

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے کہا پاکستان کے سائنسدانوں کو اِس بات پر حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے کہ ان کے پاس نہ مناسب تعداد میں آلات ہیں نہ سکالر۔ اگر تم میں رسولِ اکرم صلعم کے پیروؤں کا جوش موجود ہے تو جس طرح اسلام ایک چھوٹی سی جگہ سے نکلا اور دُنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا اسی طرح تمہارے لئے یہ بات مشکل نہیں ہونی چاہیئے کہ سائنس کی دنیا میں اسی طرح کامیابی حاصل کرو۔"[1]

جماعتِ احمدیہ لاہور کی تبلیغی و تعلیمی ذمہ داریاں

حضرت مصلح موعودؓ نے ۶ ہجرت ۱۳۲۸ھش کو بذریعہ خطبہ جمعہ جماعتِ احمدیہ لاہور کی تبلیغی و تعلیمی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اگر لاہور کی جماعت کمزور ہو گی، اگر لاہور کی جماعت اپنے مقام کو جو اس کا جائز حق ہے حاصل نہ کرے گی تو اُس کا اثر صوبہ کی دوسری جماعتوں پر بھی ضرور پڑے گا۔ اور وہ تبلیغ جس کے رستے اب خدا تعالیٰ نے کھول دئیے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے جو مواقع ہمیں میسّر آچکے ہیں انہیں زبردست دھکا لگے گا جس کا ازالہ آسانی سے نہیں ہو سکے گا لیکن لاہور کی جماعت اگر اخلاص سے کام لے گی اور اپنے فرضِ منصبی کو سمجھے گی تو ہماری تبلیغ اور بھی وسیع ہو جائے گی اور جماعت یَوْمًا فَیَوْمًا بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر لاہور کی جماعت لاہور میں اپنے اثر کو اتنا نمایاں اور ظاہر کر دے کہ دشمن کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے کہ جماعتِ احمدیہ نے اپنا ایک نقش قائم کر دیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبہ کے باقی اضلاع، شہروں اور دیہات میں احمدیت اِس سے زیادہ سُرعت کے ساتھ پھیلنے لگ جائے گی جس سُرعت سے وہ اب پھیل رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق تین چار ماہ تک ہم ربوہ میں جا بسے اور ایسی سہولتیں ہمیں حاصل ہو گئیں کہ اسے ہم مرکز بنا لیں تو پھر جماعت کا تنظیمی مرکز تو بے شک ربوہ ہی ہوگا لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اِس کا سیاسی مرکز ایک

---

[1] انقلاب ۱۴ اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۱

رنگ میں لاہور ہی ہوگا کیونکہ جماعت کا تنظیمی مرکز جس جگہ ہو ضروری نہیں کہ دوسرے لوگ جو جماعت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ بھی اپنی توجہ کا مرکز اُسے بنا لیں۔ لوگ قدرتی طور پر سہل ترین طریق کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنہیں اپنے ذاتی کاموں کے لئے لاہور آنا پڑتا ہے جب وہ لاہور آتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کی توجہ ان اداروں اور تحریکوں کی طرف بھی ہوتی ہے جن کے مرکز یا مرکزوں کے ظِلّ لاہور میں موجود ہیں۔ گویا وہ ایک تیر سے دو شکار کر لیتے ہیں۔ وہ یہاں آکر اپنے ضروری کام بھی کرتے ہیں اور ایسے ادارے اور تحریک سے واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں جو اُن کی توجہ کا مرکز بن رہا ہو۔ پس جہاں تک لاہور کو سیاسی حیثیت حاصل ہے ہم اِس جماعت کو بعد میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر لاہور میں جو مشکلات ہمیں پیش آرہی ہیں وہ دُور ہو جائیں اور ہمیں ایسی جگہیں مِل جائیں جہاں ہم مرکز کا ایک حصّہ رکھ سکیں تو مرکز بھی مقامی جماعت کے ان کاموں میں مِمد ثابت ہوگا جس کے کرنے کی ذمّہ داری اس پر ڈال دی گئی ہے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان کشمیر میں استصواب رائے کے سلسلہ میں

۱۰ مئی ۱۹۴۹ء کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے کشمیر میں استصواب رائے کے لئے تین سب کمیٹیوں کی تشکیل کا اعلان کیا گیا:۔

۱۔ "پبلیسائٹ اڈوائزری کمیٹی" (PUBLICITE ADVISORY COMMITTEE)

۲۔ "ریفیوجی ری ہیبلیٹیشن اڈوائزری کمیٹی" (REFUGEE RE-HABLITATION ADVISORY COMMITTEE)

۳۔ "پبلسٹی پالیسی کمیٹی" (PUBLICITY POLICY COMMITTEE)

سرکاری اعلامیہ میں وضاحت کی گئی کہ ہر ایک کمیٹی میں پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں اور عوام کے نمائندہ ممبر کتنی تعداد میں ہوں گے۔ چونکہ یہ نئی جدّوجہد بھی تحریک آزادیٔ کشمیر کے اسی سلسلہ کی لازمی کڑی تھی جس کا آغاز ۱۹۳۱ء میں سیدنا المصلح الموعودؓ کی صدارت و قیادت میں ہُوا تھا اِس لئے حضور کو قدرتاً اس اعلان پر بے انتہاء خوشی ہوئی اور آپ نے اس کا نہایت دلچسپی سے مطالعہ کرنے کے بعد ایک اہم بیان دیا جس کا متن اخبار "انقلاب" میں حسبِ ذیل الفاظ میں شائع ہُوا:۔

---

[1] الفضل ۲۱ ظہور ۱۳۲۸ھش صفحہ ۳، ۴۔

"میرے دِل میں تڑپ ہے کہ کشمیر آزاد ہو"

مرزا البشیر الدین کا بیان

لاہور ۱۶ ر مئی۔ جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا البشیر الدین محمود نے حسبِ ذیل بیان لغرض اشاعت جاری کیا ہے:۔

"حکومتِ پاکستان کے محکمہ لغیر پورٹ فولیو نے ۱۰ ر مئی ۱۹۴۹ء کو ایک اعلان شائع کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں استصواب رائے کے لڑنے کے لئے ایک پالیسی طے کر لی ہے اور اس کے اصول انہوں نے شائع کر دئے ہیں اور مختلف کاموں کے لئے سب کمیٹیاں بنا دی ہیں۔ چنانچہ اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سب کمیٹی پبلیسائٹ اڈوائزری کمیٹی کے نام سے مقرر کی گئی ہے۔ دوسری رلیفیوجی ری ہیبلی ٹیشن اڈوائمزری کمیٹی اور تیسری پبلیسٹی پالیسی کمیٹی کے نام سے۔ ان تینوں کمیٹیوں کی ساخت اس طرح کی گئی ہے کہ پہلی کمیٹی میں چار ممبر پاکستان پبلک کے نمائندے یا آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نمائندے ہیں اور تین مسلم کانفرنس کے نمائندے ہیں۔ دوسری میں نو ممبر ہیں جن میں سے دو آزاد کشمیر گورنمنٹ کی طرف سے ہیں اور مسلم کانفرنس کے نمائندے ہیں اور پانچ پاکستانی حکومت یا پاکستان پبلک کے نمائندے ہیں۔ تیسری سب کمیٹی یعنی پروپیگنڈا کی کمیٹی میں سات ممبر ہوں گے جن میں سے چھ پاکستانی حکومت کے نمائندے ہوں گے اور ایک مسلم کانفرنس کا نمائندہ ہوگا۔ اِس اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کشمیر کی جدّوجہد کے خاتمہ کا زمانہ اب قریب آرہا ہے اور یہ جدّوجہد اپنے آخری دَور میں داخل ہونیوالی ہے۔ مجھے چونکہ قدرتاً اِس نئی جدّوجہد سے دلچسپی ہے جو اس سابقہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا مَیں صدر رہا ہوں۔ مجھے خصوصیت سے یہ تڑپ ہے کہ کشمیر کے مسلمان آزاد ہوں اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں سے مل کر اسلام کی ترقی کی جدّوجہد میں نمایاں کام کریں۔ اِس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے مَیں تمام ان لوگوں سے جو کشمیر کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اپیل کرتا ہوں کہ اب جبکہ یہ آزادی کی تحریک آخری ادوار سے گذر رہی ہے اپنی سب طاقتیں اس کی کامیابی کے حصول کے لئے لگا دیں اور ایسی باتوں کو ترک کر دیں جو اس مقصد کے حصول میں روک ثابت ہو سکتی ہوں۔ یہ صاف اور سیدھی بات ہے کہ جو اہمیت مقصد کو حاصل ہوتی ہے ذریعہ کو حاصل نہیں ہوتی۔ ہم خیال لوگوں کے ذرائع مختلف ہو سکتے ہیں مگر مقصد الگ نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی ظاہر امر ہے کہ ایک متحد خیال کو مختلف تدابیر پر قربان نہیں

کیا جا سکتا۔ مختلف تدابیر ہی میں سے بعض کو مقصدِ وحید کے لئے قربان کیا جائے گا۔ پس پاکستان کے ارباب حلّ و عقد کو یہ موقع دینے کے لئے کہ وہ ایسی پالیسی کو جسے وہ صحیح سمجھتے ہیں اچھی طرح چلا سکیں تمام مہاجرینِ کشمیر اور پاکستانی مسلمانوں کو سہولتیں بہم پہنچانی چاہئیں تاکہ پاکستانی حکومت دلجمعی سے کام کر سکے اور ان نتائج کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکے جو وہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یہ مَیں نہیں کہتا کہ کوئی شخص اپنے اختلاف رائے کو ان لوگوں کے سامنے بھی پیش نہ کرے جو حکام مجاز ہیں ان کے سامنے اپنے خیالات کو بغیر جوش اور تعصب کے رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسا رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ اصل کام کی جگہ لڑائی جھگڑوں کے تصفیہ میں لگے رہیں اور اصل کام کا حرج ہو جائے۔ پس تمام مختلف الخیال کشمیری مہاجرین کو اس کام کے لئے اکٹھے ہو جانا چاہیئے اور حکومتِ پاکستان کے مقرر کردہ اداروں سے مل کر اِس طرح زور لگانا چاہیئے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہو جائے اور یہ عظیم الشان خطرہ جو ہر وقت پاکستان کے سامنے رہتا ہے کُلّی طور پر دُور ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اوّل تو اعلان میں کشمیر کے نمائندوں کا نام نہیں ہے۔ اگر اہلِ کشمیر میں سے بعض کو بعض سے اختلاف بھی ہو تو یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر نمائندہ ضرور اُن سے اختلافِ خیال رکھتا ہو گا۔ لیکن اگر فرض کرو ایسا ہو بھی تو کیا چند دنوں کے لئے ایک مخصوص کام کے لئے جس پر کشمیر کے مسلمانوں کی زندگی اور موت کا انحصار ہے وہ صبر سے کام نہیں لے سکتے۔ مَیں تمام اہلِ کشمیر سے جن پر میرا پہلی جنگِ آزادی کی وجہ سے یقیناً حق ہے کہتا ہوں کہ پاکستانی حکومت کی مذکورہ بالا تجاویز کو کامیاب کرنے کے لئے وہ پوری طرح تعاون کی رُوح کا مظاہرہ کریں۔ کشمیر اگر پاکستان سے ملا تو دوسروں کا ہی نہیں ان کا بھی فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور ان اسباب کو دُور کر دے جو تفرقہ اور شقاق کا موجب ہوتے ہیں۔"[1]

نائیجیریا، انگلستان اور امریکہ میں کامیاب سالانہ جلسے

۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سال نائیجیریا اور انگلستان کی احمدی جماعتوں نے سالانہ جلسوں کا سلسلہ شروع کیا اور امریکہ کی دوسری کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ سب اجتماعات خدا کے فضل و کرم سے بہت کامیاب رہے۔ چنانچہ

[1] "انقلاب" لاہور ۱۸ مئی ۱۹۴۹ء

۱۔ ۱۳، ۱۴، ۱۵ ظہور ۱۳۲۸ھش مطابق ۱۳، ۱۴، ۱۵ اگست ۱۹۴۹ء کو جماعتِ احمدیہ نائیجیریا کا پہلا سالانہ جلسہ مسجد احمدیہ لیگوس میں انعقاد پذیر ہوا جس میں مقامی احباب کے علاوہ الارد، کوٹہ، رجب واڈے، ابینے، ایبے، اجڈے، اودین، اونڈو، اکیٹی لوپا، اولیو، اومو، اووو، آڈو اکیتی، زاریا، آگے ڈنگبی کی احمدی جماعتوں کے احباب شامل ہوئے۔ جلسہ کے چار اجلاس ہوئے جن میں مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی امیر و انچارج نائیجیریا، قریشی محمد افضل صاحب اور مولوی سید احمد شاہ صاحب (پاکستانی مجاہدین) کے علاوہ مندرجہ ذیل نائیجیرین احمدیوں نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا:۔

الفا بیض صالح آف اوٹا، مسٹر اے بی ابالوگون، آئی ڈی اولوکوڈانا، الحاج اے اے اٹولا آف الارو، الحاج عبدالوحید فلا دیو آف زاریا، ایچ اوسنیالو، بی۔بی بالوگون، الفا اے۔بی ڈیمالا آف اجڈے۔

جلسہ کے اختتام پر ایک مقامی غیر احمدی عالم الحاج عبداللہ آدم فارغ التحصیل الازہر یونیورسٹی مصر نے جماعتِ احمدیہ کی یورپ میں اسلامی خدمات کو سراہا۔ جلسہ کے ایام میں سالانہ مجلس مشاورت کے اجلاس بھی ہوئے جن میں فضلِ عمر احمدیہ سکول کے قیام اور احمدیہ اخبار "دی ٹروتھ" کے اجراء کے لئے اخراجات کی تحریک کی گئی۔ نائیجیریا کے پریس نے اِس کامیاب جلسے کی رپورٹیں شائع کیں چنانچہ اخبار افریقن ایکسپریس نے ۲۳ اگست ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں صفحہ اوّل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شبیہہ مبارک اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر بانیٔ نائیجیریا مشن کی تصویر شائع کی اور لکھا:۔

"صدر انجمن احمدیہ قادیان کی شاخ نائیجیریا مشن نے اپنی پہلی سالانہ کانفرنس کے اجلاسوں میں نہایت اہم اُمور پر بحث کی ہے جو جماعتِ احمدیہ اور تمام مسلمانان نائیجیریا کے مفاد سے وابستہ ہیں۔ اِس پہلی سالانہ کانفرنس میں صوبہ جات کے ساٹھ نمائندے شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں معززینِ شہر اور جملہ مذاہب کے علماء نے شرکت کی۔ احمدیہ سکول کھولنے کے لئے خاص تجاویز زیرِ غور آئیں۔ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہ سکول وسط تبوک ۱۳۲۸ھش / ستمبر ۱۹۴۹ء میں مسجد احمدیہ واقع اجوگیو اسٹریٹ میں جاری کیا جاوے۔ اِس سکول میں تمام طلباء کو بلا امتیاز مذہب و ملّت داخلہ کی اجازت ہوگی۔ کوٹہ

اور اسی میں دار التبلیغ کی تعمیر کے ریزولیوشن بھی پاس ہوئے۔ اس کے علاوہ اخبار ٹروتھ جاری کرنیکا بھی فیصلہ کیا گیا جس کا مقصد مسلمانانِ نائیجیریا کے حقوق کی حفاظت ہوگا۔[1]

۲۔ جماعتِ احمدیہ انگلستان کا پہلا سالانہ جلسہ ۲۹، ۳۰ ماہ اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا۔ جلسہ کا پہلا دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے مخصوص تھا۔ جس میں مختلف مذاہب کے درج ذیل نمائندوں نے دربارِ رسالتؐ میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا:-

۱۔ پروفیسر پر فرسٹ صدر شعبہ مذہب و فلسفہ گریگری پیرسن کالج۔
۲۔ مسٹر ڈسمنڈ مشہور برطانوی مصنف۔
۳۔ سوامی اویکانندن صدر لنڈن ویدانتا سوسائٹی۔
۴۔ آلڈرمن ایڈیٹر ساؤتھ ویسٹ ہیرلڈ۔
۵۔ چینی ڈاکٹر جی پی ایچ ڈی۔
۶۔ مسٹر لوثینگ ایڈیٹر ایسٹرن ورلڈ۔

اسی روز نمازِ مغرب و عشاء کے بعد بشیر احمد صاحب آرچرڈ مبلغ سکاٹ لینڈ نے مناظر قادیان کی فلم دکھائی۔ دوسرے دن مسٹر بلال نٹل کی صدارت میں صبح گیارہ بجے سے لے کر نماز ظہر تک جلسہ ہوا جس میں سب سے پہلے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کی تحریک پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور جماعتِ احمدیہ انگلستان کی طرف سے اظہارِ عقیدت و محبت کا متفقہ ریزولیوشن پاس کیا گیا جس کے بعد انگریز نومسلموں میں سے مسٹر فرید احمد کلیٹن، مسٹر جمال الدین ڈائر، مسٹر بشارت احمد گریک، مسٹر عبدالکریم ہربرٹ اور مسٹر بشیر احمد آرچرڈ نے "میں نے اسلام کیوں قبول کیا" کے موضوع پر تقریریں کیں۔ ان تقریروں کے معاً بعد یورپ کے مبلغین نے "میرے مشن کے کام" کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ آخر میں میر عبدالسلام صاحب نے بائبل کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حقانیت ثابت کی۔ آخری اجلاس میں جو بعد نماز ظہر و عصر شروع ہو کر سات بجے شام تک جاری رہا جماعتِ انگلستان کے تبلیغی اور تربیتی نظام کو وسیع کرنے کے لئے آٹھ اہم قراردادیں پاس کی گئیں۔[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۰ تبوک ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴۔
[2] روزنامہ الفضل ۲۵ فتح ۱۳۲۸ھش صفحہ ۱۱، صفحہ ۱۲۔

۳۔ گذشتہ سال (۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء) میں جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کی پہلی یک روزہ سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس سال پٹس برگ میں ۱۷، ۱۸ تبوک ۱۳۲۸ھش (ستمبر ۱۹۴۹ء) کو دوسری کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اِس کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ایک خاص پیغام اس کے لئے ارسال فرمایا جس میں حضور نے "میرے پیارے دوستو اور روحانی بچو" کے پُرمحبت خطاب کے بعد جماعتِ امریکہ کو فرمایا:۔

"مجھ سے خلیل احمد صاحب ناصر مبلغ انچارج امریکہ نے اِس بات کی خواہش کی کہ مَیں آپ کو آپکی دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر ایک پیغام بھیجوں۔" آج سے ۲۹ سال پہلے مَیں نے مفتی محمد صادق صاحب کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابیوں میں سے ہیں، آپ کے ملک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کے سامنے خدا تعالیٰ اور ہدایت کے راستہ کو پیش کریں۔ اس وقت شاید ان کی باتوں کو ایک بوڑھے مجذوب کی بڑ سمجھا گیا مگر آخر اسی آواز کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے وہ لوگ پیدا کئے جو امریکہ میں سچائی اور صداقت کے علمبردار ہوئے۔"

آگے چل کر حضور رضنے رقم فرمایا:۔

"احمدیت خدائے ذوالجلال کا پیغام ہے یہ کسی انسان کا کام نہیں۔ پس آپ ہمیشہ اِس بات کی کوشش کریں کہ آپ کو اسلام اور احمدیت کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہو تاکہ آپ کے اعمال خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ ایک مکمل شریعت آپ کو دی اور اس پر عمل کرنا آپ کے ہی فائدہ کے لئے ہے۔"

حضور نے جماعت کو نصیحت فرمائی کہ

"آپ اِس عظیم الشان موقع کو جو کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا پیغام شروع میں ماننے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی خدمت میں لگا دیں۔ اگر کسی میں کوئی کمزوریاں ہوں تو ان کی نقل نہ کریں بلکہ آپ خدا تعالیٰ کے کلام کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔"

آخر میں حضور نے دعا کی کہ

"خدا تعالیٰ آپ کی اور ان مبلّغین کی جو آپکے ملک میں ہیں اور آپ کے ملک کی مدد فرمائے اور آپکی کوششوں کے نتیجہ میں آپ کا ملک، اسلام کے لئے ایک قلعہ ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں

آپ پر نازل ہوں ۔" (مکمل پیغام متن میں درج ہے)

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی اور دو دفعہ خطاب فرمایا۔

اِس کانفرنس کا افتتاح چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر مبلغ انچارج امریکہ نے کیا۔ کانفرنس میں رشید احمد صاحب شکاگو، محترمہ علیہ علی صاحبہ، احمد شہید صاحب، محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ نے بالترتیب تبلیغ، مال، تعلیم اور تمدن و معاشرت سے متعلق رپورٹیں سنائیں جن پر مختلف احباب نے اپنے مشورے پیش کئے اور غور و تمحیص کے بعد آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل تجویز کیا گیا جسے بروئے کار لانے کے لئے ایک سیکرٹری کا انتخاب عمل میں آیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے پیغام نے خصوصاً امریکن احمدی خواتین میں ایسا زبردست جوش و خروش پیدا کر دیا کہ جونہی حضور کا پیغام پڑھا جا چکا محترمہ علیہ علی صاحبہ نے تقریر کی کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ نہایت ہی پیارا پیغام سننے کے بعد ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم مزید قربانی کریں۔ اِس امر کے اظہار کے لئے کہ احمدی نومسلم عورتیں حضور کے ارشاد پر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ ہم لجنات امریکہ مشن فوری طور پر ۵۲۵ ڈالر نقد حضور کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔ یہ اخلاص کا منظر نہایت ہی رُوح پرور اور ایمان افزا تھا کہ ان نومسلم مستورات نے جو بظاہر اسلام میں ابھی تک حدیث العہد تھیں قربانی کا شاندار نمونہ دکھایا۔

کانفرنس میں مندرجہ ذیل جماعتوں کے نمائندے شامل ہوئے :۔

پٹس برگ، بالٹی مور، نیویارک، ڈوکین، بریڈک، ہوم سٹرٹ، ڈیٹن، سینٹ لوئیس، ایسٹ سینٹ لوئیس، کینن سٹی، آئی یوواسٹی، شکاگو، کلیولینڈ، میکس ٹاؤن، ڈی ٹرائٹ، انڈیاناپولس۔

حضرت امیر المومنین کے فوری ارشاد کے مطابق مولوی عبد القادر صاحب ضیغم بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان سے پٹس برگ پہنچے اور کانفرنس میں شرکت کی۔ عبد القادر صاحب ضیغم کے ورود پر جماعتِ احمدیہ امریکہ نے اپنے پیارے امام ہمام کا بہت شکریہ ادا کیا کہ پچھلے سال ۷ ار ستمبر کو جو موجودہ کنونشن کا پہلا دن ہے مجاہدِ امریکہ مرزا منور احمد صاحب دفن ہوئے اور اس پر ایک سال نہیں گزرا تھا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں ایک نیا مبلغ عطا فرما دیا۔ [1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲، ۶ اخاء ۱۳۳۵ھش ۔

لبنانی پریس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا تذکرہ

بیروت کے اخبار "الیوم" نے ۲۲ کانون الاول ۱۹۴۹ء کے پرچے میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی عظیم شخصیت کے بارے میں مندرجہ ذیل تعارفی نوٹ شائع کیا:-

" یتمتع الخلیفة میرزا بشیر الدین محمود احمد بمکانةٍ دینیة کبیرةٍ في باکستان، وھو من لاھور عاصمة البنجاب، ویبلغ من العمر ٦٠ عامًا ویعتبر ثقة فی امور الاسلام ویتولی رئاسة الجماعة الاحمدیین؛ الذین ینتشرون فی کلّ بقعة من بقاع العالم مبشّرین بتعالیم الدّین الاسلامی الحنیف، ویرجع الیه الفضل الاوّل فی انشاء مراکز التبشیر فی اکثر بلدان العالم، وقد لعب ھذا الزعیم الدینی المسلم دورًا ھامًا فی کشمیر وفی تأسیس دولة باکستان لجماعته نظام خاص من الفقیر الی الوزیر، وھو أي السیّد میرزا بشیر الدین تقی ورع ومستجاب الدعوات وقد کتب عن حیاته السید محمّد ظفر الله خان وزیر خارجیة باکستان باللغتین الانکلیزیة والاردیة. ولھذا الزعیم الدیني الکبیر مؤلفات متعددة في الاسلام وفی تفسیر تعالیمه باللغتین الأردیة والانکلیزیة، وقد سبق لهٗ أن تولی رئاسة لجنة کشمیر کما مثل مسلمي الھند فی مؤتمر الادیان الذي انعقد فی عام ١٩٢٤ في لندن ....." [1]

خلیفہ میرزا بشیر الدین محمود احمد کو پاکستان میں مذہبی اعتبار سے بڑی عظمت و اہمیت حاصل ہے آپ کی عمر اس وقت ساٹھ سال ہے اور آپ کا تعلق پنجاب کے دار الحکومت لاہور[2] سے ہے۔ آپ اسلامی مسائل میں ثقہ سمجھے جاتے ہیں اور جماعتِ احمدیہ کے امام ہیں جو اکنافِ عالم تک پھیلی ہوئی ہے اور اسلامی عقائد کی تبلیغ کر رہی ہے اور دُنیا کے اکثر ممالک میں تبلیغی مراکز کے قیام میں اس کا نمایاں

---

[1] الیوم (البیروت) ۲۲ کانون الاول بحواله البشرٰی المجلد ١٦- ربیع الاوّل ١٣٧٠ هجریة دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۳۷ ؛ [2] یاد رہے کہ حضور ان دنوں لاہور میں فروکش تھے ؛

دخل ہے۔ اِس مسلمان مذہبی لیڈر نے پاکستان کی تاسیس اور مسئلہ کشمیر میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کے افراد فقیر سے لے کر وزیر تک ایک خاص نظام سے وابستہ ہیں۔

میرزا البشیر الدین متقی، پارسا اور مستجاب الدعوات ہیں۔ محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے انگریزی اور اُردو زبانوں میں آپ کی سیرت لکھی ہے۔ اِس عظیم مذہبی لیڈر نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی تفسیریں اُردو اور انگریزی میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کشمیر کمیٹی کے صدر بھی رہے ہیں۔ اسیطرح آپ نے مسلمانانِ ہند کی طرف سے مذاہبِ عالم کانفرنس میں بھی نمائندگی کی جو ۱۹۲۴ئہ میں بمقام لنڈن منعقد ہوئی تھی۔

مبلّغین کی بیرونی ممالک سے آمد اور روانگی

اِس سال حسبِ ذیل مجاہدینِ احمدیت بیرونی ممالک میں فریضۂ تبلیغ بجالانے کے بعد پاکستان تشریف لائے:۔

۱۔ مولوی محمد صدیق صاحب انچارج مشن سیرالیون (آمد لاہور ۳ راحسان ھ ۱۳۲۸ئہ)[1]

۲۔ ملک محمد شریف صاحب مبلّغ اٹلی (آمد لاہور یکم تبوک ھ ۱۳۲۸ئہ)[2]

۳۔ شیخ نور احمد صاحب منیر مبشّرِ اسلامی بلادِ عربیہ (آمد ربوہ ۱۷ ر فتح ھ ۱۳۲۸ئہ)

شیخ نور احمد صاحب منیر کے استقبال کے لئے دوسرے مخلصین کے علاوہ سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود بھی ربوہ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔[3]

اِسی طرح شیخ صاحب کی آمد سے دو روز قبل (۱۵ ر فتح کو) مولانا محمد صادق صاحب مجاہد انڈونیشیا سنگاپور کے لئے روانہ ہوئے تو اس موقع پر بھی حضور پُر نور اسٹیشن پر رونق افروز تھے اور حضور نے آپ کو دعاؤں سے الوداع کیا۔[4]

نئی مطبوعات

اِس سال مندرجہ ذیل کتابیں مصنفینِ سلسلہ کی طرف سے شائع ہوئیں جن سے جماعتی لٹریچر میں بے بہا اور مفید اضافہ ہوُا:۔

لائف آف احمد (مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ) مقامات النساء (مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری) البیان فی اسلوب القرآن۔ اعجاز القرآن ما یُثبت بالقرآن

---

[1] [2] [3] الفضل ۶ روفا، ۲ تبوک، ۲۱ ر فتح ھ ۱۳۲۸ئہ۔

[4] الفضل ۳۱ فتح ھ ۱۳۲۸ئہ ص۸۔

(حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) ۔ تلخیص العربیہ یا خلاصۃ المنجد (حکیم عبداللطیف صاحب شاہد) انذار و البشارات (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب) فقہ احمدیہ حصہ دوم (مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری) سیرت خاتم النبیینؐ حصہ سوم (مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے)[1]

---

[1] اخبار انقلاب نے اپنے ۳ ؍جون ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں سیرت خاتم النبیینؐ حصہ سوم پر حسبِ ذیل تبصرہ کیا:۔

"سیرت خاتم النبیینؐ

(حصہ سوم جزء اوّل)

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کی کتاب "سیرت خاتم النبیینؐ" کے ۲ حصے شائع ہو چکے ہیں اور تمام حلقوں نے ان کی تعریف کی ہے۔ اب اِس کتاب کا تیسرا حصہ شائع ہوا ہے جس میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد سے آنحضرتؐ کے تبلیغی خطوط تک کے واقعات درج کئے گئے ہیں اور یہ حصہ کوئی سوا دو سو صفحے پر ختم ہوا ہے۔ مرزا بشیر احمد صاحب کا علم و فضل کسی تعریف و تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا اندازِ تحریر بے حد سادہ، سلیس اور دلنشیں ہے۔ چونکہ سیرت پر آپ کی نظر بہت وسیع ہے اِس لئے آپ کی کتاب میں بے شمار ایسے واقعات بھی ملیں گے جو سیرت کی عام کتابوں میں حذف کر دئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب اِس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں کہ جب کوئی مُسلمان مولّف آنحضرت صلعم کی سیرت پر کتاب لکھتا ہے تو اس کا مقصد محض تاریخی واقعات بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے تمام شعبوں کو اجاگر کرنا اور حضورؐ کی تعلیمات کی طرف پڑھنے والوں کو متوجہ کرنا مقصودِ حقیقی ہے چنانچہ کتاب زیرِ تبصرہ میں فاضل مؤلف نے جابجا اس مقصد کو مدِّنظر رکھا ہے اور بیان سوانح کے ساتھ ساتھ ازدواج، مساواتِ اسلامی، تعلقات آقا و خادم، تقسیم دولت، مساوات اقتصادی، فلسفہ دعا، معجزات، دین و سیاست اور بعض دوسرے مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ سے اور سیرتِ مقدّسہ کی روشنی میں بحث بھی کر دی ہے گویا پڑھنے والے کو نہ صرف حضورؐ کی سیرتِ مقدّسہ کے واقعات معلوم ہو جاتے ہیں بلکہ اُسوۂ حسنہ کی پیروی کا راستہ بھی مل جاتا ہے۔۔۔۔"

فصل دہم

کتاب "اسلام اور ملکیتِ زمین" کی اشاعت۔ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء کا انعقاد۔ دفاعِ وطن کی تیاری میں حصہ لینے اور جدید لٹریچر تیار کرنے کی تحریک۔ حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ کوئٹہ و سندھ۔ اوکاڑہ اور راولپنڈی میں دو احمدیوں کی المناک شہادت

(خلافتِ ثانیہ کا چھتیسواں سال ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء)

"اسلام اور ملکیتِ زمین" کی اشاعت

پاکستان میں کمیونسٹ تحریک نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر یہ آواز بلند کرنا شروع کی کہ ملکیتِ زمین کے بارے میں ہمارے ملک میں اصلاح کی ضرورت ہے مگر جو اصلاح تجویز کی اگرچہ وہ تفصیلاً وہی تھی جو کمیونزم نے تجویز کی ہے لیکن اس کا نام "اسلامی اصلاح" رکھ دیا۔ بعض حلقوں نے اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر ایسی شکل دینے کی کوشش کی کہ لوگ اس تحریک کو اسلامی ہی سمجھیں۔ بعض نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے تعامل کو نظر انداز کر کے کچھ نئے معنی اُن آیات اور احادیث کو دے دیئے جن سے اُن کے نظریہ کی تصدیق ہوتی تھی۔

برسرِ اقتدار مسلم لیگ پارٹی نے اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر زمیندارہ سسٹم کی اصلاح کے لئے پنجاب، سندھ، سرحد اور مشرقی بنگال میں کمیٹیاں مقرر کر دیں جن کی رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی مسلم لیگ نے ایک رپورٹ تیار کی جس پر مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے زمیندارہ اصلاح سے متعلق کچھ

اصول وضع کئے اور فیصلہ کیا کہ بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیرداری بہرحال جلد ختم کر دی جائے۔ اور صوبجاتی حکومتوں کو توجہ دلائی کہ وضع کردہ اصولوں کو جاری کرنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک حکومتِ وقت کے نمائندوں کے فیصلوں کا تعلق تھا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو اس پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کا یہ قطعی مسلک تھا کہ سیاسی امور سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دینے چاہئیں لیکن ایک بین الاقوامی مذہبی جماعت کے دینی راہ نما کی حیثیت سے آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اسلام کے نام پر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اسلام سے ثابت نہ ہو چنانچہ آپ نے اسی اہم مذہبی فرض کی بجا آوری کے لئے "اسلام اور ملکیتِ زمین" کے نام سے ایک پُراز معلومات کتاب سپردِ قلم فرمائی جو صلح ۱۳۲۹ھش / جنوری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بارہ ۱۲ ابواب پر مشتمل تھی اور اس میں آپ نے ملکیتِ اشیاء کے قانون، ملکیتِ زمین کے اصول، جاگیرداری، وسیع رقبہ اراضی کی ملکیت، لگان اور بٹائی پر زمین دینے اور حکومت کا عوام کی جائیداد پر جبراً قبضہ کرنے کے مسائل پر خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی۔ نیز سندھ زمیندارہ کمیٹی اور مسلم لیگ کی زمیندارہ کمیٹیوں کی بعض خامیوں پر بھی عقلی بحث کی۔ اور آخر میں کسانوں اور کاشتکاروں کی حالتِ زار کی اصلاح کے لئے ایسی مفید تجاویز بتائیں جن سے ملک میں رائج شدہ فرسودہ زمیندارہ نظام کی کایا پلٹ سکتی تھی۔ ان تجاویز کا خلاصہ یہ تھا:۔

۱۔ زمیندار ان تمام طریقوں کو استعمال کریں جن کے ذریعہ مغربی ممالک کے زمیندار آمدن پیدا کرتے ہیں مثلاً غیر ملکی کاشتکار اپنی مملوکہ جائداد کے ہر حصہ کو ہر طریق سے آمدن پیدا کرنے میں لگاتا ہے اور اپنے فارم میں باغ لگا کر، شہد کی مکھیاں، مرغیاں اور گائے پال کر اور علاوہ غلّہ کے سبزی ترکاری پیدا کر کے زمین کے چپّہ چپّہ کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ زمین سونا اُگلنے لگتی ہے۔

۲۔ حکومت دیہات میں سوختنی اور تعمیری لکڑی کے ذخائر قائم کرنے کا انتظام کرے تا کسانوں، کاشتکاروں اور زمینداروں کا کھاد ایندھن کی بجائے پیداوار بڑھانے کے کام آسکے۔

۳۔ ہمیں اپنے زمیندارہ نظام کی اصلاح کے لئے امریکہ اور روس کی بجائے (جہاں وسیع اور کھلی زمینیں پڑی ہوئی ہیں یا آبادی کے وسیع مواقع موجود ہیں) اٹلی، جنوبی انگلستان اور

وسطی جرمنی میں جانا چاہیئے ممکن ہے فرانس ، سپین ، شام اور لبنان سے بھی اِس بارہ میں ہم کو کچھ مدد مل سکے ۔ جو وفد ان ملکوں کے دَورہ کے لئے جائیں ان کو عملی طور پر ایسے کھیتوں میں کام کرنے کی ہدایت ہو جن کی کُل زمین دس پندرہ ۱۵ ایکڑ سے زیادہ نہ ہو ۔ وہ عملی طور پر معلوم کریں کہ اُنکے مالکوں کی کیا حالت ہے ؟ اگر ہمارے ملک سے اچھی حالت ہے تو وہ کس ذریعہ سے بنائی جاتی ہے اور کہاں سے اس کے لئے آمد پیدا کی جاتی ہے ؟

۴ ۔ ملکی صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے اور اسے صرف بڑے بڑے شہروں میں محدود کرنے کی بجائے پورے ملک میں ایسے طریق پر پھیلایا جائے کہ زمیندارہ آبادی اپنے کاموں کو چھوڑے بغیر صنعت و حرفت میں ترقی کر سکے اور اس کی دلچسپیاں اپنی زراعت کے ساتھ بھی باقی رہیں ۔

۵ ۔ کاشت کار کو یہ بتانے کے لئے پراپیگنڈا کی مہم چلائی جائے کہ مزدوری سے ہرگز نفرت نہیں کی جانی چاہیئے ۔

۶ ۔ زمین کے مالک کاشت کاروں سے جو جابرانہ اور ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہیں اس کی روک تھام کے لئے قانون بنایا جائے ۔ بیگار بند کرانے کے لئے سزائیں مقرر کی جائیں ۔ حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مزارعین اور زمین کے مالکوں سے مشورہ کر کے یہ قانون بھی پاس کرا دے کہ ہر زمین کا مقاطعہ تین سے چھ سال تک کے لئے ہوگا ۔ اِس مقررہ عرصہ سے پہلے کسی مزارع کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکے گا ۔

۷ ۔ ابتداءً جب پنجاب اور سندھ میں نہریں کھودی گئیں تو ماہرینِ سائنس نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ اتنے اتنے سال میں یہاں سیم شروع ہو جائے گی لیکن باوجود اس کے حکومت کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنے کی تیاری وقت پر نہ کی گئی ۔ اوّل تو نہریں بناتے وقت ایسی احتیاطیں اختیار کی جانی چاہئیں کہ سیم یا تو پیدا نہ ہو یا کم سے کم پیدا ہو لیکن اگر اس کے لئے بھاری اخراجات درکار ہوں تو کم سے کم معالجاتی تدابیر تو فوراً ہی شروع ہو جانی چاہئیں ۔

۸ ۔ حکومت کو کاشت کے متعلق صحیح اور بروقت راہنمائی کرنی چاہیئے ۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام طور پر ایک ہی جگہ کا بیج استعمال کرتے رہنا فصل کو نقصان پہنچاتا ہے ۔ اچھی فصلوں کے لئے ضروری ہے کہ مختلف دوسری جگہوں سے بیج منگوا کر ڈالا جائے ۔ پھر اِس معاملہ پر بھی

غور کیا جائے کہ کلّر اور سیم یا پانی کے بغیر کونسی اجناس پرورش پا سکتی ہیں۔ اور ہمیں وہ بیج نکالنے پڑیں گے جو کلّر اور سیم میں یا بغیر پانی کے بھی پرورش پا سکیں اور نہروں کو محدود کیا جائے تاکہ ہمارا ملک دلدل بن جانے سے بچ جائے ورنہ جس رنگ میں ہمارے ملک میں سیم بڑھ رہی ہے تیس یا پینتیس سال میں اس رفتار کے ساتھ اس کی حالت ایسی خطرناک ہو جائے گی کہ ملک کے لئے خوراک مہیا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

۹۔ افتادہ زمینوں کے صحیح استعمال کی طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ غیر مسلموں کی متروکہ زمین کا بھی بہت سا حصہ نکلوانے کے قابل ہے۔

۱۰۔ اگر گورنمنٹ تحقیقات کرائے تو اُسے معلوم ہوگا کہ سندھ میں کئی لاکھ غیر پاکستانی زمیندارہ یا غیر زمیندارہ مزدوری کر رہا ہے۔ یہ لوگ بیکانیر، جیسلمیر، جودھ پور، جے پور، کچھ اور تھل کے علاقہ سے آتے ہیں اور مقاطعہ پر زمینیں لے کر کاشت کرتے ہیں یا زمیندارہ مزدوری کرتے ہیں۔ یہ لوگ جو اُدھر سے آتے ہیں بعض صورتوں میں بڑے منظم ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں کانگرس کے مقرر کردہ افسر اُن کے ساتھ آتے ہیں۔ خطرہ کے وقت میں یہ لاکھوں کی آبادی نہایت ہی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اپنے ملک کی آبادی کے لئے گذارہ کی صورت نہ پیدا کی جائے اور غیر ملک کے لوگوں کو یہ موقع دیا جائے۔

۱۱۔ کاشت کار کی آمدن کا ایک کافی حصہ خود حکّام کے پیٹوں میں جاتا ہے اگر اس کو بچایا جائے تو اس سے بھی زمیندار کی حالت بہتر ہو جائے گی۔

۱۲۔ کاشت کار فخر و مباہات اور شادی بیاہ پر بہت خرچ کر دیتا ہے جس سے اسے بچنا چاہیئے۔

۱۳۔ حکومت کو ایسے ذرائع سوچنے چاہئیں جن سے کاشت کاروں کو مقدمہ بازی کی لعنت سے نجات ملے۔ صحیح طور پر عوام کی تربیت کی جائے تو مقدمات کم ہوں گے اور گورنمنٹ اور کاشتکار دونوں کا روپیہ بچے گا۔

۱۴۔ اگر تعاونِ باہمی کی انجمنیں بنائی جائیں اور ان کو سُودی اُصول کی بجائے تجارتی بنیاد پر چلایا جائے اور گورنمنٹ ایک حد تک روپے یا اجناس کی وصولی میں مدد کرے تو کاشت کار کی کئی فوری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔

اِس کتاب میں حضور نے ایک طرف مسلم لیگی حکومت کو بھی زبردست انتباہ کیا کہ اگر اُس نے غیر طبعی یا غیر شرعی تجاویز کی طرف توجہ کی تو وہ کمیونزم کے حملہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت کھو بیٹھے گی دوسری طرف بڑے زمینداروں کو بھی توجہ دلائی کہ:۔

" اسلام کی بنیاد اخوت اور رحم پر ہے۔ اُن کو اپنے بھائیوں کی مشکلات کے حل کرنے میں سیاسی لیڈروں سے زیادہ کوشاں ہونا چاہیئے۔ اگر وہ غریب زمیندار کی مدد خود خوشی سے کریں گے اور ایسے قوانین کے بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں گے جن سے ظلم دُور ہو جائے اور اُن کا غریب بھائی آرام سے زندگی بسر کرے تو یہ بات دین اور دنیا دونوں میں ان کے لئے عزت اور آرام کا موجب ہوگی اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے سُرخرو ہو جاسکیں گے ورنہ وہ سمجھ لیں کہ اگر حکومت اسلامی احکام کے ادب سے کوئی جابرانہ قانون نہ بھی بنائے تو بھی خدائی عذاب سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا اور کوئی چیز بھی اُن کو نہ بچا سکے گی۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی اِس معرکۃ الآراء تصنیف کی بھاری خصوصیت یہ بھی کہ اس میں آپ نے مسلمانانِ عالم کو اِس حقیقت کی طرف متوجہ کر کے اتمامِ حُجّت کر دی کہ:۔

"اِس وقت کمیونزم کا خوف دُنیا پر طاری ہو رہا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ بڑی بڑی حکومتیں بھی جو اِس وقت کمیونزم کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ کر رہی ہیں اُن کے دل اندر سے کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اُردو زبان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو یعنی جب دنیا میں لوگ کثرت سے ایک آواز اُٹھانے لگتے ہیں تو قلوب مرعوب ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ الٰہی فیصلہ ہے اور اسی طرح ہو کر رہے گا حالانکہ وہ آواز محض ایک رَو ہوتی ہے جیسے بہاؤ کی طرف پانی بہتا ہے لیکن ہمیشہ بہاؤ کی طرف پانی بہنے دینا کوئی عقلمندی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ پانی بہاؤ کی طرف بہا کرتا ہے اُن کے ملک اُجڑتے رہے لیکن جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک پانی بہاؤ کی طرف بہتا ہے۔ لیکن بہاؤ کا بنانا بھی خدا تعالیٰ نے انسان کے اختیار میں رکھا ہے آؤ ہم نئے بہاؤ بنائیں انہوں نے نہریں بنائیں اور نالے بنائے اور ویران ملکوں کو آباد کر دیا پس کوئی شخص میری بات سُنے یا نہ سُنے مَیں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کمیونزم کے خوف کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہنی چاہیئے۔ اگر

[1] اسلام اور ملکیتِ زمین صفحہ ۲۶۲، صفحہ ۲۶۳

کمیونزم اچھی چیز ہے تو اس سے خوف کے کوئی معنی نہیں ہمیں شوق سے اس کو قبول کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف سب باتوں کو چھوڑ دینا چاہیئے خواہ مذہب کے نام پر کہی جاتی ہوں یا کسی اور نام پر۔ جو بات ٹھیک ہے وہ بہرحال ٹھیک ہے لیکن اگر کمیونزم غلط ہے تو پھر محض اِس وجہ سے کہ وہ ایک ایسی تعلیم پیش کر رہی ہے جس کی وجہ سے عوام النّاس اُس کی طرف بھاگے جا رہے ہیں ہمارا اُس کو قبول کر لینا خودکشی کے مترادف ہوگا اور ہمیں بہادروں کی صف میں نہیں بلکہ بُزدلوں کی صف میں کھڑا کرے گا۔" [1]

مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء کا انعقاد

اِس سال جماعتِ احمدیہ کی اکتیسویں مجلس مشاورت مورخہ ۷، ۸، ۹ شہادت کو منعقد ہوئی جس میں علاوہ دیگر اہم فیصلوں کے ۱۷۶۵۴۲۱ روپے کا بجٹ آمد و خرچ منظور کیا گیا۔ مشاورت کا انتظام نصرت گرلز ہائی سکول کے صحن میں کیا گیا۔ کُل ۳۷۷ نمائندگان نے شرکت کی جن میں مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، امریکہ، سپین، شام، مصر اور ہالینڈ وغیرہ کی احمدی جماعتوں کے ۱۳ نمائندے بھی تھے۔ [2]

ہجرت کے بعد سے اب تک نمائندگانِ مشاورت زمین پر ہی بیٹھتے تھے اور اُن کے لئے کرسیوں کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا مگر اِس دفعہ حضور نے کارکنوں کو اوّل نمبر پر یہ ہدایت فرمائی کہ:۔

" وہ مجلسِ شوریٰ کی اہمیّت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آئندہ اس کے لئے سامان جمع کریں۔ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ رہے گی اور مجلسِ شوریٰ بھی ہمیشہ ہوتی رہے گی بلکہ یہ زیادہ سے زیادہ منظّم ہوتی چلی جائے گی اِس لئے ضروری ہے کہ نمائندگان اور زائرین کے بیٹھنے کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔" [3]

اِس ضمن میں حضورؓ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجلس میں ہر ضلع کے نمائندوں کو اکٹھا بٹھایا جائے زائرین کو بھی الگ ایک ترتیب سے بٹھانے کا انتظام کیا جائے اور خدام الاحمدیہ کی طرح شوریٰ کے کارکن بھی مشاورت کے دَوران بیج لگائیں تاکہ نمائندگان سے ان کا امتیاز ہو سکے۔ قبل ازیں تحریکِ جدید

---

[1] "اسلام اور ملکیّت زمین" صفحہ ۲۰۲، صفحہ ۲۰۶ (اس کتاب کا ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء میں سندھی ایڈیشن بھی چھپ گیا)

[2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۲۰۱ و الفضل ۱۱ شہادت ۱۳۲۹ھش صفحہ ۲ ۔ [3] رپورٹ صفحہ ۶ ۔

انجمن احمدیہ کا بجٹ ممبران مجلس تحریکِ جدید باہمی مشورہ سے بنا لیتے تھے اور پھر حضور سے منظوری لے لیتے تھے مگر اِس مشاورت پر حضور نے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ آئندہ تحریکِ جدید کا بجٹ بھی مجلس شوریٰ میں پیش ہوا کرے۔

دفاعِ وطن کی تیاری میں حصہ لینے کی پُرزور تحریک

قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینے کے باعث جماعتِ احمدیہ پاکستان پر یہ دوہری ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ دوسرے مُحبِّ وطن پاکستانی شہریوں سے بڑھ کر اس نوزائیدہ مملکت کے استحکام میں کوشاں رہے اور اس کے دفاع اور تحفظ کی خاطر فوجی ٹریننگ سیکھے تا جب اسلام، پاکستان اور ملّتِ اسلامیہ کے لئے جانی قربانیاں پیش کرنے کا موقع آئے تو جماعتِ احمدیہ کے مجاہد صفِ اوّل میں کھڑے ہو کر مثالی نمونہ قائم کر سکیں۔

اِسی پاک مقصد کے پیشِ نظر فرقان بٹالین کا قیام عمل میں لایا جا چکا تھا اور حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر بہت سے احمدی نوجوان محاذِ کشمیر پر شاندار خدمات انجام دے رہے تھے مگر ایک طبقہ مجرمانہ غفلت اور کوتاہی کا ثبوت دے رہا تھا جس پر حضرت امیر المومنین نے مشاورت ۱۳۲۹ھش میں انتہائی خفگی کا اظہار کیا اور جماعت کو آزادیٔ ملک کے نتیجہ میں عائد ہونے والے قومی اور ملکی فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا:-

"قادیان میں رہتے ہوئے ہمارے لئے ایک مشکل تھی ورنہ ان دنوں بھی ہم یہی پسند کرتے کہ دشمن سے لڑ کر مر جائیں اور وہ مشکل یہ تھی کہ ہمیں حکومت سے لڑنا پڑتا تھا اور حکومت سے لڑنا ہمارے مذہب میں جائز نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قادیان سے ہمارا پیچھے ہٹنا حرام اور قطعی حرام ہوتا اگر حکومت سے مقابلہ نہ ہوتا...... مگر چونکہ خدا کا حکم تھا کہ حکومت سے نہیں لڑنا اِس لئے ہم پیچھے ہٹ گئے جیسے مکّہ میں رہتے ہوئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دشمن سے جنگ کرنا جائز نہیں تھا مگر جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی آپ کے لئے جائز ہو گئی۔ غرض اب حالات بالکل مختلف ہیں اب اگر پاکستان سے کسی ملک کی لڑائی ہو گئی تو حکومت کے ساتھ ہو کر ہمیں لڑنا پڑے گا اور حکومت کی تائید میں ہمیں جنگ کرنی پڑے گی اِس لئے اب پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔" ؎

؎ رپورٹ مشاورت ۱۳۲۹ھش صفحہ ۱۲ ۔

حضورؓ نے یہ بنیادی نکتہ ذہن نشین کرانے کے بعد بڑے مؤثر پیرایہ میں تحریک فرمائی کہ احمدیوں کو ملکی قانون کے تحت فوجی ٹریننگ کے ہر ممکن موقع سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاد اور جنگ کی تیاری تو چندہ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ جیسے نماز فرض ہے اسی طرح دین کی خاطر ضرورت پیش آنے پر لڑائی کرنا بھی فرض ہے[1] چنانچہ فرمایا:۔

"جن اُمور کو اسلام نے ایمان کا اہم ترین حصّہ قرار دیا ہے ان میں سے ایک جہاد بھی ہے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص جہاد کے موقع پر پیٹھ دکھاتا ہے۔ وہ جہنمی ہو جاتا ہے اور جہاد میں کوئی شخص حصّہ ہی کس طرح لے سکتا ہے جب تک وہ فوجی فنون کو سیکھنے کے لئے نہیں جاتا۔ کشمیر کی جنگ کا شروع ہونا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اہم موقع تھا جس سے ہماری جماعت بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتی تھی بلکہ اب بھی اُٹھا سکتی ہے۔ لیکن اگر کشمیر کی جنگ نہ ہوتی تب بھی ہماری جماعت کا فرض تھا کہ وہ فوجی فنون کو سیکھنے کے لئے اپنے نوجوانوں کو پیش کرتی تاکہ اگر براہِ راست پاکستان پر ہی حملہ ہو جاتا تو وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کا کام سرانجام دے سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ فوجی خدمت سے جی چُراتے ہیں اِس وجہ سے جی چُراتے ہیں کہ ان کی اس کام سے جان نکلتی ہے حالانکہ دنیا میں جب بھی کوئی قیمتی چیز کسی کو ملے گی لوگ اسے اس سے چھیننے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری عمر یہ کہتے رہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر تھپّڑ مارے تو تم اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دو لیکن دشمنوں نے اس شخص کی قوم پر بھی تلوار چلائی اور خود حفاظتی پر مجبور کر دیا۔ اسلام کتنا صلح کُن مذہب ہے مگر مسلمانوں کو حکومت ملی تو ان کے ملک کو تباہ کرنے کے لئے چاروں طرف سے دشمن کُود پڑے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دِل میں بنی نوع انسان کی محبّت اِس قدر استوار تھی کہ گو لڑائی میں سب سے زیادہ بہادر آپ سمجھے جاتے تھے مگر آپ دشمن کو اپنے ہاتھ سے مارتے نہیں تھے صرف لوگوں کو ہدائتیں دیتے تھے کہ اِس اِس طرح لڑائی کرو گویا آپؐ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ لڑائی کریں لیکن چونکہ دشمن نے آپ کو لڑنے پر مجبور کر دیا اِس لئے آپؐ کو بھی اس کے مقابلہ میں نکلنا پڑا۔ صرف ایک دفعہ ایک دشمن نے اصرار کیا کہ آپ اس سے لڑائی کریں اور آپ اس کے مجبور کرنے پر اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے مگر بعض دفعہ ایمان کے ساتھ محبّت مِل کر ایک عجیب مضحکہ خیز مثال پیدا کر دیتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی

[1] رپورٹ مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۱۳ ؎

بہادری اور جرأت کا حال سب کو معلوم تھا مگر ایک لڑائی میں جب کفّار کا ایک جرنیل مقابلہ کے لئے نکلا اور اس نے چیلنج کیا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے مقابلہ کے لئے نکلیں تو صحابہؓ آپؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے کہ آپؐ کی حفاظت کریں حالانکہ آپ ان سے زیادہ بہادر تھے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا رستہ چھوڑ دو اور اسے آنے دو۔ جب وہ آگے بڑھا اور اس نے حملہ کر دیا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے وار کو روک کر اپنا نیزہ لمبا کر کے محض اس کے جسم کو چھُوا اور وہ اسی وقت واپس لَوٹ گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تو اتنے بہادر تھے مگر آج تم نے کیا کیا کہ نیزہ اُدھر تمہارے جسم سے چھوا اور اِدھر تم واپس لَوٹ آئے۔ اس نے کہا تمہیں حقیقت نہیں معلوم تمہیں یہی نظر آ رہا ہے کہ وہ نیزہ میرے جسم سے چھُوا ہے تم مجھ سے پُوچھو جس کے نیزہ لگا ہے مجھے تو یُوں معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا جہان کی ساری آگ میرے جسم میں بھر دی گئی ہے۔ یہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا مگر بہر حال اس سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی سے نفرت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کو لڑنا پڑا۔ پس یہ خیال کرنا کہ ہم محبّت اور پیار سے تبلیغ کرنے والے ہیں ہمارے ساتھ کسی نے کیا لڑنا ہے یا یہ کہ ہمارا ملک صلح پسند ہے اس پر کسی نے کیا حملہ کرنا ہے محض جہالت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھیں اور فوجی ٹریننگ حاصل کریں تا وقت پر اپنے ملک کی حفاظت کر سکیں۔ پس جماعت کو اب یہ فیصلہ کر کے یہاں سے جانا چاہیئے کہ وہ اپنے سارے نوجوانوں کو نکال کر فوجی ٹریننگ کے لئے بھجوائے گی ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ جب کبھی جہاد کا موقع آئے یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ " مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ " ہمیں اپنے ملک، اپنے اموال اور اپنی عزّتوں کی حفاظت کے لئے قربانی کرنی پڑے تو ہم اس میدان میں بھی سب سے بہتر نمونہ دکھانے والے ہوں اور دوسرے مسلمان ہمیں یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ مولوی ملک کی حفاظت کے وقت کچے ثابت ہوئے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ کافر بھی بڑی بڑی قربانیاں کیا کرتے ہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک لڑائی کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص کفّار پر حملہ آور ہُوا اور اس نے ایسی بے جگری کے ساتھ لڑائی کی اور اس طرح کفّار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا کہ مسلمان اس کو دیکھ دیکھ کر بے اختیار کہتے کہ خدا اس شخص کو جزائے خیر دے یہ اسلام کی کتنی بڑی خدمت سر انجام دے رہا ہے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے اِس دنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اِس شخص کو دیکھ لے۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہؓ سخت

حیران ہوئے کہ اتنی بڑی قربانی کرنے والے اور آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کس طرح فرما دیا کہ اگر کسی نے اس دنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اسے دیکھ لے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں مَیں نے کئی لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے سُنا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا فرما دیا اور مَیں نے سمجھا کہ ممکن ہے اِس سے بعض لوگوں کو ٹھوکر لگے چنانچہ مَیں نے قسم کھائی کہ مَیں اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک مَیں اِس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں مَیں اس کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے زخمی ہوا اور اسے لوگوں نے اُٹھا کر ایک طرف لِٹا دیا۔ وہ درد کی شدت کی وجہ سے کراہتا تھا اور چیخیں مارتا تھا۔ صحابہؓ اس کے پاس پہنچتے اور کہتے کہ "اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ" تجھے جنّت کی خوشخبری ہو۔ اس پر وہ انہیں جواب میں کہتا "اَبْشِرُوْنِي بِالنَّارِ" مجھے جنّت کی نہیں دوزخ کی خبر دو۔ اور پھر اُس نے بتایا کہ مَیں آج اسلام کی خاطر نہیں لڑا بلکہ اِسلئے لڑا تھا کہ میرا اِن لوگوں کے ساتھ کوئی پُرانا بُغض تھا۔ آخر وہ صحابیؓ کہتے ہیں اس نے زمین میں اپنا نیزہ گاڑا اور پیٹ کا دباؤ ڈال کر خودکشی کر لی۔ جب وہ مر گیا تو وہ صحابیؓ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ نے بھی جواب میں فرمایا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ مَیں اس کا رسول ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ آپؐ نے فلاں شخص کے متعلق یہ بات کہی تھی اِس پر بعض صحابہؓ کے دِل میں شُبہ پیدا ہوا کہ اتنے بڑے نیک انسان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہہ دیا ہے مگر مَیں نے کہا خدا کے رسول کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی اور مَیں نے قسم کھائی کہ مَیں اسے چھوڑوں گا نہیں جب تک مَیں اس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ مَیں اس کے ساتھ رہا اور آخر وہ خودکشی کر کے مَر گیا۔ تو بے دین لوگ بھی ملک کی خاطر اور حمیّت کی خاطر اور جاہلیّت کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کیا کرتے ہیں۔ پس جان اتنی قیمتی چیز نہیں کہ اسے اِس طرح سنبھال سنبھال کر رکھا جائے لیکن جب سینکڑوں سال کی غلامی کے بعد کسی کو آزادی ملے اور سینکڑوں سال کے بعد کسی کو اِس بات کے آثار نظر آنے لگیں کہ خدا تعالیٰ پھر اسلام کی سربلندی کے مواقع بہم پہنچا رہا ہے تو اس وقت بھی اپنے حالات میں تغیّر پیدا نہ کرنا اور غلامی کے احساسات کو قائم رکھنا بڑی

خطرناک بات ہے۔ ہم تو انگریزوں کے زمانہ میں بھی یہ کہا کرتے تھے کہ غلامی اَور چیز ہے اور اطاعت اَور چیز۔ جب گاندھی کہتا کہ ہم کب تک انگریزوں کے غلام رہیں گے تو مَیں ہمیشہ اس کے جواب میں یہ کہا کرتا تھا کہ مَیں تو انگریزوں کا غلام نہیں میری ضمیر خدا تعالیٰ کے فضل سے اب بھی آزاد ہے اور اگر مجھے جائز رنگ میں ان کا مقابلہ کرنا پڑے تو مَیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ غرض غلامی کے غلط اور گندے احساسات اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے اندر نہیں تھے لیکن دوسرے لوگ اگر ان ہی احساسات کو اب بھی لئے چلے جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ ان پر کیا ذمہ داری آنے والی ہے تو یہ بالکل تباہی والی بات ہوگی۔ بہرحال جماعت کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اب ان باتوں کو قطعی طور پر برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

نیز فرمایا:-

"تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اب تمہاری وطنی حکومت ہے اور وطنی حکومت اور غیر حکومت میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے۔ ہمارے اصول کے مطابق تو غیر حکومت جو امن دے رہی ہو اس کی مدد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور وطنی حکومت کی مدد کرنا تو اس حدیث کے ماتحت آتا ہے کہ "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ" جو شخص اپنے مال اور اپنی عزت کا بچاؤ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے۔ یہ شہادت چاہے اتنی شاندار نہ ہو جتنی دینی جہاد میں جان دینے والے کی شہادت ہوتی ہے لیکن بہرحال یہ ایک رنگ کی شہادت ضرور ہے اور انسان جتنا بھی ثواب حاصل کر سکے اس کے ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"ایک کرنل نے سُنایا کہ کشمیر میں ایک بڑا سخت مورچہ تھا، مہاراجہ کشمیر کا اس کے متعلق یہ اعلان تھا کہ یہ مورچہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا۔ یہ ان کی ایک خاندانی جگہ تھی جسے انہوں نے بڑا مضبوط بنایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ ہمیں حکم ہوا کہ پٹھانوں کو آگے بھیجو۔ اس وقت کابل کی طرف سے پاوندے آئے ہوئے تھے فوجی افسر نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور نقشوں سے بتانا شروع کیا کہ فلاں جگہ سے رستہ گذرتا ہے فلاں جگہ نالہ ہے، فلاں رستہ بڑا خطرناک ہے کیونکہ وہاں دشمن نے مائنز بچھائی ہوئی ہیں پہلے اِس طرف سے جانا پھر پہاڑی کے اس طرف چلے جانا پھر اس نالے کو عبور کرنا۔ وہ گھبرائیں کہ یہ اپنی بات کو ختم کیوں نہیں کرتا اور یہ بتاتا کیوں نہیں کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔ جب وہ بات کر چکا تو انہوں نے

کہا کہ تم صرف اتنا بتاؤ کہ ہم نے کرنا کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں قلعہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے کہا بس اتنی بات تھی تم نے خواہ مخواہ ہمارا اتنا وقت ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ سیدھے اس قلعہ کی طرف چل پڑے، پندرہ بیس گز گئے تھے کہ دشمن کو علم ہو گیا اور اس نے فائرنگ شروع کر دی۔ ان کے چالیس پچاس آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس پر انہوں نے ان لاشوں کی اوٹ میں آگے بڑھنا شروع کر دیا پھر کچھ مرے تو انہوں نے ان کی لاشوں کو آگے رکھ لیا اس طرح وہ اپنی لاشوں کو پناہ بناتے ہوئے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور جس قلعہ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا اس قلعہ پر شام کے وقت ہمارا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس کرنل نے بتایا کہ وہ اتنی دلیری سے آگے بڑھے کہ ہمیں دیکھ کر حیرت آتی تھی۔ ہم ان سے کہتے کہ دشمن سے چھپو اور وہ ناچنے لگ جاتے اور کہتے کہ ہم تو حملہ سے پہلے ناچا کرتے ہیں۔ یہ دنیوی چیزیں ہیں جو ایمان کے نہ ہوتے ہوئے بھی مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ پہلی چیزیں ہی ہمارے اندر نہیں پائی جاتیں تو اگلی خوبیاں ہم میں کہاں ہو سکتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ دنیادار لوگ جتنی قربانیاں کرتے ہیں وہ ایک چھوٹا پیمانہ ہوتا ہے جس کو دیکھتے ہوئے مومن اپنی آئندہ ترقی کی عمارت تیار کرتا ہے۔ اگر نئی عمارت بنانے کی بجائے ہم اس پیمانہ کی قربانیاں بھی نہ کریں جس پیمانہ کی قربانیاں عام دنیادار لوگ کیا کرتے ہیں تو ہم سے زیادہ اپنے دعووں میں جھوٹا اور کون ہو سکتا ہے۔

پس آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اب یہ غفلت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کی جا سکتی۔ دنیا میں کبھی بھی مذہب نے قربانی کے رستوں کے بغیر ترقی نہیں کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو وہ تکلیفیں نہیں پہنچیں گی جو پہلے لوگوں کو پہنچی ہیں۔ اگر تم ایسا خیال کرتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو تم یہ سمجھو کہ قرآن نعوذ باللہ جھوٹا ہے اس نے یُوں ہی ایک گپ ہانک دی ہے اور یا تم یہ سمجھو کہ احمدیت جھوٹی ہے اس نے ترقی ہی نہیں کرنی پھر اس کے لئے جان کی قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر قرآن نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے اور اگر احمدیت بھی سچی ہے تو لازماً اپنے ملک کی عزت کی حفاظت کے لئے اس وقت جو موقع پیدا ہوا ہے اس میں تمہیں حصہ لینا پڑے گا کیونکہ یہ تغیر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے لئے پیدا کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی آئندہ ترقی کے لئے زیادہ قربانیاں ہم کو ہندوستان میں دینی ہوں گی یا افریقہ میں لیکن فرض کرو افریقہ میں پیش آتی ہیں تو وہاں کے احمدی ہمارا نمونہ دیکھیں گے اگر ہم اس وقت اپنی جانوں کو قربان کرنے

کے لئے آگے بڑھیں گے تو ہم ان سے کہہ سکیں گے کہ پاکستان میں ہم کو دینی جہاد کا موقع تو نہیں ملا لیکن ہماری دنیوی حکومت پر یا ہمارے ملک اور ہماری قوم پر جب حملہ ہوا تو ہم نے اس کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا ہے۔ یہ نمونہ ہے جس سے وہ سبق سیکھیں گے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔" ؎۱

تبلیغ اسلام کیلئے جدید لٹریچر تیار کرنیکی تحریک

چونکہ دُنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں تحریکِ احمدیت کا اثر و نفوذ تیزی سے بڑھ رہا تھا اِس لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی نے اِسی مجلسِ شوریٰ میں نئی ضروریات اور حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جدید لٹریچر تیار کرنے کے لئے ایک مفصل سکیم جماعت کے سامنے رکھی جو یہ تھی۔ فرمایا:-

"ہمارا سلسلہ اِس وقت مختلف ممالک میں پھیل رہا ہے اور لوگ ہم سے لٹریچر کا مطالبہ کرتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی لٹریچر ایسا نہیں ہوتا جو اُن کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو۔ ابتدائی زمانہ میں احمدیت صرف ہندوستان میں محدود تھی اور یہاں زیادہ تر اِن مسائل کا چرچا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں، دجّال کسے کہتے ہیں، یاجوج ماجوج سے کیا مُراد ہے، آنیوالے مسیح اور مہدی کی علامات کیا ہیں، جہاد کا کیا مسئلہ ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے مسائل پر جماعت نے لٹریچر شائع کیا۔ اس کے بعد احمدیت انگلستان میں پھیلی تو عیسائیوں کے مخصوص مسائل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے انگریزی لٹریچر شائع کیا گیا لیکن اب ہماری جماعت ایسے ملکوں میں پھیل رہی ہے جن میں اُردو تو نہیں بولی جاتی لیکن وہاں مسائل وہی ہیں جو ابتدائی زمانۂ احمدیت میں ہمیں پیش آئے یعنی دجّال سے کیا مُراد ہے، مسیح ناصریؑ نے آنا ہے یا نہیں، جہاد کی کیا حقیقت ہے، مسیح اور مہدی کی پیشگوئیاں کِس طرح پوری ہوئی ہیں۔ ایسٹ افریقہ، ویسٹ افریقہ، انڈونیشیا، ماریشس، مڈغاسکر اور عرب ممالک میں یہی مسائل پوچھے جاتے ہیں۔ اور جب وہ ہم سے کہتے ہیں کہ لاؤ اپنا لٹریچر تو ہم ان کے سامنے اپنا لٹریچر پیش کر دیتے ہیں جن میں ان مسائل کا تفصیلی طور پر کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ پس جہاں ہمیں جدید لٹریچر کی ضرورت ہے وہاں ہم نے اپنے پُرانے لٹریچر کو کہیں عربی زبان میں بدلنا ہے، کہیں

؎۱ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۱۴، صفحہ ۲۰۔

انڈونیشین میں بدلنا ہے، کہیں افریقن میں بدلنا ہے اور اس کے لئے بڑی بھاری جدوجہد اور کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا علمی کام ہے جو ہماری جماعت نے سرانجام دینا ہے۔"

" اگر تم صحیح معنوں میں کام کرنا چاہتے ہو تو پہلے تم یہ فیصلہ کرو کہ تم نے کرنا کیا ہے؟ اور جماعت کو اس وقت کن مسائل پر قلم اُٹھانے کی ضرورت ہے مگر یہ تو کبھی فیصلہ ہی نہیں ہوتا اور جو جی میں آجائے اس کے متعلق اشتہار ہو جاتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جس کا ازالہ ہونا چاہیئے اور مَیں صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ فوراً اس غرض کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے اس کمیٹی کے نصف ممبر تحریکِ جدید کے ہوں اور نصف ممبر صدر انجمن احمدیہ کے ہوں، اِس کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنے کام کی ہفتہ وار رپورٹ میرے سامنے پیش کرے۔ اِس کمیٹی کا یہ کام ہوگا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کا قدیم اور جدید لٹریچر شائع کرنے کے لئے ایک مفصّل سکیم تیار کرے جو میرے سامنے پیش کی جائے اور پھر منظور شدہ لائنوں پر جماعت کے لئے لٹریچر مہیا کرے۔ اِس غرض کے لئے کمیٹی کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ تمام ممالک کی ایک لسٹ تیار کرے اور پھر ان زبانوں کی ایک لسٹ تیار کرے جو ان ممالک میں بولی جاتی ہیں۔ اور پھر یہ جائزہ لے کہ ہر ملک کے لوگوں کے لئے کِس قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہے اور کون کون سے مسائلِ مخصوصہ ہیں جن کے لئے وہ لوگ ہم سے لٹریچر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا جن مسائل میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی راہنمائی کریں۔ اِس طرح یہ بھی غور کیا جاوے کہ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے لوگ کِن کِن مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ آیا اس مقصد کے لئے ہمارے پاس کوئی سابق لٹریچر موجود ہے یا نہیں، اگر ہے تو کون کون سا ہے پھر اِس امر پر بھی غور ہونا چاہیئے کہ ہمارے پہلے لٹریچر میں کون کون سے مسائل پر زیادہ تفصیلی موادّ موجود ہے جس کا خلاصہ شائع کرنے کی ضرورت ہے اور کن مسائل پر ہمارے پاس کم موادّ ہے جن پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ تمام اُمور پر غور کرنے کے بعد عملی کام شروع کیا جائے اور نہ صرف جماعت کو بلکہ غیر ممالک کے لوگوں کو بھی ان کی زبانوں میں لٹریچر مہیا کیا جائے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ کوئٹہ و سندھ اور بعض خاص علمی تقریبات

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اِس

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۴۳ تا صفحہ ۴۵۔

سال بھی دینی وجماعتی اغراض کے لئے کوئٹہ اور سندھ کا سفر کیا حضور معہ افرادِ قافلہ ۵ر احسان (جون) کو لاہور سے عازمِ کوئٹہ ہوئے[۵] جہاں آپ دو ماہ قیام فرما رہے۔ پھر ۹ر ظہور (اگست) کو سندھ روانہ ہوئے[۶] اور ۱۳ر ظہور (اگست) کو سندھ اسٹیٹس کا دَورہ ختم کرکے یکم تبوک (ستمبر) کو حیدرآباد اور ۲ر تبوک (ستمبر) کو کراچی میں رونق افروز ہوئے[۷] اور مسیح موعودؑ کے دِلی محبّوں اور دیگر بے شمار بندگانِ الٰہی کو اپنے علومِ ظاہری وباطنی سے فیضیاب کرکے ۱۲ر تبوک (ستمبر) کو لاہور تشریف لائے[۸]

یُوں تو اِس للّٰہی اور مبارک سفر کا ایک ایک دن برکاتِ سماوی کے نزول کا باعث تھا مگر اسکے دَوران بعض ایسی خاص علمی تقریبات کا انعقاد بھی ہؤا جس نے اس سفر کی افادیت کو مستقل اور دائمی حیثیت دے دی جن کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جاتا ہے۔

کوئٹہ میں درس القرآن

حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ کوئٹہ[۵] کی بڑی غرض یہ تھی کہ ایک تو آپ رمضان کے روزے زیادہ سہولت سے رکھ سکیں۔ دوسرے قرآن کریم کے چند پاروں کے نوٹ مجلس میں بیٹھ کر لکھوا دیں تاکہ احبابِ جماعت بھی فائدہ اُٹھالیں اور پھر یہ نوٹ صاف ہونے کے بعد ان دوستوں کو بھجوا دیئے جائیں جو انگریزی ترجمہ قرآن کو ایڈٹ کر رہے تھے کیونکہ پچھلا درس ختم ہوچکا تھا۔ پندرہ پارے انگریزی تفسیر قرآن کے شائع ہوچکے تھے اور مزید مضمون کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ یکم رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۷ر جون ۱۹۵۰ء کو ایک لمبی دعا کے بعد سورہ مریم سے درس قرآن کریم کا آغاز کیا جو وجع المفاصل اور درد نقرس کے شدید حملہ کے باوجود بارہ روز تک مسلسل جاری رہا اور رمضان المبارک کے اختتام پر بھی درس دیا[۶]

جلسۂ عام سے حقیقت افروز خطاب

درس کے علاوہ حضور نے سات خطبات دیئے اور مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ اور لجنہ اماء اللہ کوئٹہ کے اجتماعات میں بھی تقریر کی نیز یکم ظہور (اگست) کو ایک جلسۂ عام سے بھی خطاب فرمایا جس میں سول

---

[۱] تا [۴] الفضل ۶ر احسان، ۲۷ر ظہور، ۱۳ر تبوک، ۲۲ر تبوک ھ ۱۳۲۹ھش ÷ [۵] سفرِ کوئٹہ کے ضروری کوائف مولانا محمد یعقوب صاحب طاہرؓ نے الفضل ۲۷ر ظہور ھ ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء میں شائع کر دئے تھے جن سے مخلصینِ جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کی اپنے امام ہمام سے والہانہ عقیدت والفت کا بھی پتہ چلتا ہے ÷

[۶] الفضل ۲۴ر احسان ھ ۱۳۲۹ھش صہ ÷ [۷] الفضل ۲۷ر ظہور ھ ۱۳۲۹ھش ÷

اور ملٹری کے اعلیٰ افسر بھی شامل تھے۔

حضورؓ نے اپنے خطاب میں درج ذیل دو سوالات کے نہایت شرح وبسط سے جواب دیئے:۔

۱ ۔ احمدی مسلمان دوسروں کے ساتھ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے ؟

۲ ۔ احمدیت مسلمانوں کے لئے کیا مستقبل پیش کرتی ہے ؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے حضور نے مذہبی، عقلی، واقعاتی اور عملی پہلوؤں کے اعتبار سے اس کے مدلّل اور عارفانہ جواب دئے۔

چنانچہ حضور نے فرمایا یہ سوال اپنے اندر کئی پہلو رکھتا ہے جن میں سے ایک اس کا مذہبی پہلو ہے ہمارا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں جو مسیح و مہدی کی آمد کے متعلق اسلام میں پائی جاتی تھیں۔ یہ سوال الگ ہے کہ ان کا دعویٰ صحیح تھا یا غلط بہرحال جب ہم انہیں مسیح و مہدی تسلیم کرتے ہیں تو لازماً ہم سے انہی باتوں کی امید کی جائے گی جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ اور جب ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ان میں ہمیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نظر آتا ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ تم اس وقت کیسے اچھے حال میں ہوگے جب مسیح تم میں نازل ہوگا اور اس وقت تمہیں نمازیں پڑھانے والا تم ہی میں سے ہوگا۔ دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ تمہاری نماز کی امامت ایسا شخص کرے گا جو تم میں سے ہوگا۔ اب اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کو اس وقت مسلمان ہی نماز پڑھایا کریں گے اور دوسرے یہ کہ مسیح کی جماعت کو مسیح کے پیرو ہی نمازیں پڑھایا کریں گے۔ پہلے معنی ایسے ہیں جو یہاں چسپاں نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ کہنا کہ مسلمانوں کو مسلمان ہی نمازیں پڑھایا کریں گے اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا پہلے عیسائی اور یہودی اور زرتشتی بھی ان کے امام ہوا کرتے تھے مگر مسیح کے آنے کے بعد صرف مسلمان ہی نمازیں پڑھایا کریں گے۔ پس یہ معنی تو بالبداہت باطل ہیں لازماً اس کے دوسرے معنی ہی ہو سکتے ہیں کہ مسیح کو ماننے والوں کا امام انہی میں سے ہوگا۔ پس یہ تو سوال ہو سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ مسیح موعود ہیں تو ان کی جماعت دوسروں کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتی یا پھر یہ بحث ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث غلط ہے یا یہ کہ اس کا کچھ اَور مطلب ہے مگر نماز کا مطالبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ تم

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کیوں مانتے ہو۔ دوم، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام وہ ہو جو اَتقی ہو۔ اِس حکم کی موجودگی میں بھی یہ مطالبہ خلافِ عقل ہے کیونکہ جماعتِ احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک مامور پر ایمان رکھتی ہے اور جب اس کا یہ عقیدہ ہے تو لازمی طور پر اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ دوسروں سے تقویٰ میں، طہارت میں اور پاکیزگی میں افضل ہے اور جب جماعتِ احمدیہ کے لوگ دوسروں سے اَتقی ہوئے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ امام وہ ہونا چاہیئے جو اَتقی ہو تو یہ کس طرح مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ اَتقی شخص دوسروں کے پیچھے نماز پڑھے۔ آخر وہ اپنے عقیدہ کے مطابق مسیح و مہدی پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا مسیح و مہدی کو ماننے والے کا اتنا بھی حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اَتقی سمجھے۔"

حضورؓ نے فرمایا:۔

"اِس مسئلہ کا ایک عقلی پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ الف:۔ ہر مامور کو ماننے والے ابتداء میں تھوڑے ہوتے ہیں، تھوڑے ماننے والے کثرت سے ملیں تو اپنا جوہر کھو بیٹھتے ہیں۔ پس ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے الگ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ تم ہمیشہ سچوں کے ساتھ بیٹھا کرو کیونکہ انسان اپنے ہم جلیس کے اخلاق اور اس کی عادات کو اختیار کر لیتا ہے۔

ب:۔ پھر مامور کا سوال بھی جانے دو کم از کم اتنا تو ہر ایک شخص تسلیم کرتا ہے کہ احمدی جماعت دُنیا بھر میں تبلیغ کرتی ہے اور اس میں وہ دوسروں سے ہزاروں گُنے زیادہ ہے اگر وہ دوسروں میں جذب ہو جائے تو یہ خدمتِ اسلام ختم ہو جائے گی اور جس طرح اَور لوگ اپنی طاقتوں اور اپنے روپیہ کو دنیوی کاموں میں صرف کر رہے ہیں وہ بھی دنیوی کاموں پر روپیہ وغیرہ صرف کرنے لگ جائے گی۔ پس اِس نیکی اور خدمتِ اسلام کا بھی تقاضا ہے کہ احمدی دوسروں سے الگ رہیں۔

ج:۔ یہ تو احمدی جماعت سے اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹا کہے وہ بہرحال اپنے آپ کو سچا کہے گی اور وہ اپنے آپ کو سچا کہتی ہے تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اس سچ کو ہر ایک تک پہنچائے۔ اب اس کے لئے کوئی طبعی ذرائع ہونے چاہیئے تھے تاکہ لوگوں کو احمدیت کے بارے میں سُننے کا شوق پیدا ہو۔ نماز وغیرہ مسائل ہی ہیں جو لوگوں کو ادھر توجہ دلاتے ہیں۔ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ

ہمارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تو ہر ایک کے دِل میں خیال پیدا ہوتا ہے میں ان کو سمجھاتا ہوں اور جب وہ ہمارے پاس آتے ہیں تو ہماری تبلیغ کا رستہ کھُل جاتا ہے اور اِس طرح سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگوں کو احمدیت کی واقفیت ہو جاتی ہے۔"

تقریر جاری رکھتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:۔

"اِس مسئلہ کا ایک واقعاتی پہلو بھی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علماء کے فتویٰ کفر کے کئی سال بعد تک نماز کو منع نہیں کیا بلکہ خود بھی ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے مگر علماء اپنے فتویٰ کی شدت میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی مسجدوں پر لکھ کر لگا دیا کہ "اِس مسجد میں کُتے مرزائی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں" جس جگہ احمدیوں کا پَیر پڑ جاتا اسے ناپاک سمجھا جاتا اور پانی سے دھویا جاتا۔ کئی جگہ مسجدوں کی صفیں اِس لئے جلا دی گئیں کہ ان پر کسی احمدی نے نماز پڑھ لی تھی۔ جب انہوں نے اس معاملہ کو انتہا تک پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا کہ اب ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکّہ میں بیت المقدّس کی طرف مُنہ کرکے نمازیں پڑھتے رہے پھر مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سترہ مہینے تک آپ نے بیت المقدّس کی طرف مُنہ کرکے نمازیں پڑھیں مگر یہودی اور عیسائی ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ہم سے ڈر کر اس طرف نمازیں پڑھی جاتی ہیں آخر خدا نے بیت اللہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس پر یہود نے شور مچا دیا کہ دیکھو کتنا بڑا ظلم ہے اتنا پُرانا قبلہ تھا مگر اسے چھوڑ دیا گیا۔ گویا جب تک بیت المقدّس کی طرف مُنہ کرکے نمازیں پڑھتے رہے نعوذ باللہ ڈرپوک کہلائے اور جب چھوڑا تو ظالم بن گئے۔ یہی حالت علماء کی ہے کئی سال تک ہماری جماعت انکے پیچھے نمازیں پڑھتی رہی مگر یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ احمدی اتنے ناپاک ہیں کہ اگر یہ مسجد میں بھی داخل ہو جائیں تو مسجد کو صاف کرنا چاہیئے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھنے سے حکماً منع کر دیا۔ پس جب خود علماء نے ہمارے خلاف فتوے دئے ہیں اور اب تک انہوں نے اپنے فتووں کو واپس نہیں لیا تو احمدیوں پر کیا الزام ہے۔

۲۔ حضور نے فرمایا علماء کی طرف سے جو سلوک احمدی جماعت سے ہوتا رہا ہے وہ بھی اس مطالبہ کو جائز نہیں کرتا۔ نماز علماء پڑھاتے ہیں اور ان کا یہ حال ہے کہ شروع سے ہمیں دُکھ دیتے چلے آئے ہیں سب سے پہلے احمدیوں کے واجب القتل ہونے کا انہوں نے فتویٰ دیا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام پر دہلی اور امرتسر میں پتھراؤ کیا گیا۔ لاہور میں آپ کی وفات پر بدترین نمونہ دکھایا گیا اور مصنوعی لاش بنا کر اس پر پاخانہ پھینکا گیا، جوتیاں ماری گئیں اور احمدیوں کی شدید دل آزاری کی گئی۔ ہم اس سلوک کی پرواہ نہیں کرتے لیکن جب ہم سے اس قسم کے سوالات کئے جاتے ہیں تو ہمیں یہ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ پھر مجھ پر سیالکوٹ میں پتھر برسائے گئے، میرے قتل کی تدبیریں کی گئیں، کابل میں ہمارے احمدیوں کو سنگسار کیا گیا، مصر میں ہمارے ایک احمدی کو شہید کیا گیا۔ گذشتہ سال اسی کوئٹہ میں ڈاکٹر میجر محمود کو خنجر مار کر شہید کر دیا گیا۔ کیا اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے۔ کیا یہ سلوک نماز پڑھانے کی ہی تمہید ہے؟

اس کے بعد حضور نے فرمایا اس مسئلہ کا ایک عملی پہلو بھی ہے۔ کوئی بتائے کہ کیا مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت آئی ہے جس پر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو یا احمدی قومی کاموں میں دوسروں سے پیچھے رہے ہوں۔ ملکانہ میں ارتداد ہوا تو ہم پہنچے، بہار کے فسادات میں ہم نے مسلمانوں کی مدد کی، پنجاب کے فسادات میں ہم نے مسلمانوں کی مدد کی، مسلم لیگ کی ہم نے مدد کی، مشرقی پنجاب کے فسادات کے دوران ہم نے مسلمانوں کی مدد کی۔ ان حالات میں نماز پڑھ لینے سے کیا فرق پڑ جائے گا اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ آخر غرض تو یہی ہے کہ اختلافِ عقائد کے باوجود مسلمان سیاسی اتحاد رکھیں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم ہمیشہ اس میں حصہ لیتے رہے ہیں پھر کونسی نئی تبدیلی ہے جو اس مسئلہ سے پیدا ہو جائے گی۔

حضور نے فرمایا:۔ اس مسئلہ کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے۔ قومی کام ایک ایک فرد یا جماعت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ فوج سے فوجی بات کر سکتے ہیں، پولیس سے پولیس والے اور مجسٹریٹ سے مجسٹریٹ۔ نماز ایک مذہبی عقیدہ ہے اور اس کی امامت علماء کے سپرد ہے پس وہی حق رکھتے ہیں کہ اس کا تصفیہ کریں۔ تعجب ہے کہ ایک فوجی افسر سے اگر فوجی امور کے تصفیہ کے لئے کوئی دوسرا بات کرے تو وہ کہیں گے یہ فوجی امر ہے۔ بالمقابل فوجی افسر بات کرے لیکن نماز کا تصفیہ ایک فوجی افسر جسے قوم کی طرف سے بولنے کا حق نہیں، ایک سیاسی لیڈر جسے قوم کی طرف سے مذہبی فیصلہ کا اختیار نہیں وہ تصفیہ چاہتا ہے حالانکہ یہ امر دونوں فریق کے علماء میں طے ہو سکتا ہے۔ پس آپ اپنے علماء میں تحریک کریں کہ وہ احمدیوں سے کہیں کہ ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں آپ ہمارے پیچھے نماز پڑھیں۔ ان کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا جائے تو جماعت کے علماء ان سے بات کر سکتے ہیں ورنہ تعلیم یافتہ طبقہ میں سے کونسا شخص

ہے جو یہ کہے کہ میں تمام پاکستان کی مساجد کا ذمہ دار ہوں کہ وہاں کے علماء احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے احمدی ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ نہ وہ ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں نہ ان کی بات علماء مانیں گے۔ پھر ایسا مطالبہ جو وہ خود اپنے علماء سے نہیں منوا سکتے کس طرح تقویٰ کے مطابق ہو سکتا ہے۔ آخر قومی کام قوم کے نمائندے کرتے ہیں اور نمائندے بھی اس محکمہ کے جس سے وہ سوال تعلق رکھتا ہو پس جو نمائندہ نہیں اور دین کے بارہ میں علماء کا نمائندہ نہیں اسے ایسی باتیں ہی نہیں کرنی چاہئیں منصف مزاج آدمی کو اگر کوئی بات غلط معلوم ہوتی ہے تو پہلے وہ اپنی قوم سے غلطی منواتا ہے پھر دوسرے فرقہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔

اپنی معرکۃ الآرا تقریر کے دوسرے حصہ میں حضور نے فرمایا:۔

دوسرا سوال یہ کیا گیا ہے کہ احمدیت مسلمانوں کے لئے کیا مستقبل پیش کر سکتی ہے میرے نزدیک یہ سوال صحیح الفاظ میں پیش نہیں کیا گیا۔ احمدیت کوئی نیا دین نہیں کہ اس نے کوئی نیا پروگرام بنانا ہے احمدیت تو اسلام کی ترقی کی ایک کڑی ہے۔ فوجی محکمہ بالا ایک سکیم بناتا ہے اس کے حصے وہ مختلف افسروں کے سپرد کرتا ہے ہر افسر اپنے اپنے حصہ اور اپنے وقت کو پورا کرتا ہے، اجزاء بدلتے جاتے ہیں مگر سکیم ایک ہی رہتی ہے کیونکہ ہر نیا جزو پرانی سکیم کا ایک حصہ ہوتا ہے نئی شے نہیں ہوتی پس سوال یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کا کیا مستقبل اس زمانہ کے بارہ میں تجویز کیا ہے جسے پورا کرنے کے لئے احمدیت کھڑی ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا مستقبل خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مقرر کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب ایک نائب کمانڈر ہیں ان کا اور ان کی جماعت کا کام یہ ہے کہ کمانڈر کی مقرر کی ہوئی سکیم کو جاری کریں اور کامیابی تک پہنچائیں۔ فوجی یہ سمجھ لیں کہ خدا تعالیٰ بادشاہ ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چیف آف دی جنرل سٹاف ہیں اور مرزا صاحب لوکل کمانڈر ہیں مگر چونکہ یہ کمان جگہ کی بجائے وقت میں پھیلی ہوئی ہے۔ لوکل کمانڈر کو اصولی پلین چیف آف دی جنرل سٹاف سے آتی ہے تفصیلات ان کے مطابق وہ خود طے کرتا ہے۔ حضور نے فرمایا:۔ دعائے ابراہیمی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ کام بتایا گیا ہے کہ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ[1] گویا تعلیم آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ (یعنی پاک کرنا اور اسلام کو پھیلانا) یہ تعلیم ہے جو مختلف زمانوں کے لحاظ سے تفصیلات میں تو بدلے گی لیکن اصول وہی رہیں گے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ جو کمانڈر آئے ان کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام پر قائم رکھیں یا دوسرے

[1] البقرہ: ۱۲۹

لفظوں میں یُوں کہو کہ ملک کی حفاظت کریں لیکن پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ ہٹ گئی اور اس کے نتیجہ میں انہیں دنیوی شکست بھی پہنچی، دشمن غالب آگیا اور چھا گیا۔ اب اس زمانہ کے مامور کا پروگرام یہ ہے کہ تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ پھر سے کرے اور اسلام کی ترقی کے لئے پھر سے سکیم بنائے سو اس نے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کی اور اس کی جماعت ایسا کر رہی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔ قومیں ہمیشہ آئیڈیز سے ترقی کرتی ہیں حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کے سامنے آئیڈیز رکھ دیئے ہیں جن سے مسلمانوں کے لئے ترقی کرنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے مثلاً حضرت مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل عظیم الشان اُصول پیش کئے ہیں جن کو مان کر مسلمان دشمن کے رُوحانی حملہ سے بچ جاتا ہے اور دشمن اس کے آگے آگے بھاگتا ہے:۔

۱ - قرآن کریم کا کوئی حصّہ منسوخ نہیں۔
۲ - قرآن کریم اپنے اندر شاندار ترتیب رکھتا ہے۔
۳ - الہامِ الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کُھلا ہے۔
۴ - مسلمان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور اتباع میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے حاصل کر سکتا ہے۔
۵ - نبی معصوم ہوتے ہیں خصوصاً نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بالکل معصوم تھے اور آپ پر دشمن کے ہر قسم کے اعتراضات باطل ہیں۔
۶ - مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔
۷ - مسیح علیہ السلام کی طرف خدائی صفات منسوب کرنا غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے معجزات ہرگز نہیں دکھائے جاتے جو صفاتِ الٰہیہ کے خلاف ہوں۔

اِن تمام پہلوؤں پر حضور نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا اِس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے حضرت مرزا صاحبؑ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمان اپنی اپنی جگہ اپنے بچاؤ کی تو بے شک کوشش کریں لیکن چونکہ اس وقت ان کے خلاف مذہبی جنگ نہیں کی جاتی اِس لئے غیر ادیان سے اس وقت تبلیغی جنگ کی جائے گی اور تبلیغ سے ہی اسلام کو سب دنیا میں پھیلایا جائے گا۔ پس اِس وقت مسلمان اگر دنیا پر

غالب آسکتے ہیں تو تبلیغ کے ذریعہ ہی مگر افسوس مسلمان اس چیز کو بھول گئے ہیں جو اُن کے غلبہ کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ یہ سنقبل ہے جو مرزا صاحب نے پیش کیا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی وہ حربہ ہے جس سے اسلام اِس وقت ساری دُنیا میں غالب آسکتا ہے۔[1]

کوئٹہ کے غیر متعصب اور متین غیر احمدی طبقہ نے یہ پُر معارف اور مدلّل لیکچر بہت پسند کیا اور تسلیم کیا کہ امام جماعتِ احمدیہ نے اپنی جماعت کا موقف نہایت خوش اسلوبی سے صحیح ثابت کر دکھایا ہے چنانچہ شیخ کریم بخش صاحبؓ نائب امیر جماعتِ احمدیہ[2] کوئٹہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں لکھا کہ :-

"حضور کی کل کی تقریر سے پبلک پر بہت اچھا اثر ہؤا ہے اور مَیں نے کئی غیر احمدیوں سے سُنا ہے کہ آج ہمیں احمدیت کے متعلق پورا علم ہؤا ہے۔ ہمارے ایک غیر احمدی مہمان شیخ عبد الرحمٰن صاحب نے بھی جلسہ میں کہہ دیا تھا کہ حضرت صاحب بہت ذہین اور عالم بزرگ ہیں اور ان پر بفضلِ خدا بہت اچھا اثر ہؤا ہے۔ لوگوں نے بہت دلچسپی سے حضور کے لیکچر کو سُنا حالانکہ مجلس میں بہت سے کٹر شیعہ سُنی اور اہلِ حدیث موجود تھے۔ بندہ کا تو یہ خیال ہے کہ احمدیت کے متعلق کوئٹہ میں پہلا مؤثر لیکچر ہے جو حضور نے فرمایا اور عام پبلک میں بخوبی مقبولِ عام ہؤا۔"[3]

اِسی ضمن میں بعض غیر از جماعت معززین کے تاثرات ملاحظہ ہوں :-

۱۔ کیپٹن محمد اظہر حسن انصاری صاحب :-

"نہایت بصیرت افروز لیکچر تھا۔ مجھے ان لوگوں پر جو دَورانِ لیکچر میں اُٹھ رہے تھے (گو وہ نمازِ عصر کے لئے اُٹھے تھے) سخت غصّہ آرہا تھا۔ مَیں اس سے بہت محظوظ ہؤا۔

۲۔ لیفٹیننٹ سیّد احمد شجاع زیدی (فرید آبادی) :-

"اِس لیکچر کا خوب لطف آیا"

۳۔ جمعدار محمد ہاشم صاحب :-

"شرافت کا تقاضا ہے کہ خواہ ہم انکار کریں صداقت صداقت ہی ہے۔ MESS میں جاکر کئی ایک

---

[1] (ملخص) الفضل لاہور ۹ ظہور ۱۳۲۹ھش صـ۳ تا صـ۵ ؛ [2] ان دنوں میاں بشیر احمد صاحب پاسپورٹ آفیسر امیر جماعت کے فرائض انجام دے رہے تھے ؛ [3] مکتوب محررہ ۲ ظہور ۱۳۲۹ھش ؛

جمعدار صوبیدار صاحب رات بارہ بجے تک خوب اس لیکچر پر بحث کرتے رہے سوائے ایک دو کے جو مخالف تھے باقی بہت مداح تھے۔ نماز الگ پڑھنے کے دلائل ہر طرح سے نہایت مسکت تھے۔ مجھے لیکچر سے نہایت ہی روحانی خوشی حاصل ہوئی"۔

۴۔ مسٹر غلام احمد منشی (سویلین آفیسر اصل وطن پونا) :۔

"یہ لیکچر سُن کر میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جو محض دشمنی کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ کی مخالفت کرتے اور گالیاں بکتے ہیں۔ لیکچر نہایت عمدہ تھا اور میں نے بہت پسند کیا"۔

۵۔ مسٹر محمد صادق صاحب پراچہ (سویلین آفیسر۔ اصل وطن میانی ضلع شاہ پور) :۔

"لیکچر بہت عمدہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں میں آپ کی جماعت کی تنظیم بہترین ہے"۔

۶۔ مسٹر نصیر الدین حیدر (سویلین آفیسر۔ اصل وطن یوپی) :۔

"مضمون بہت اچھا تھا حضور کے علم کی وسعت اور قابلیت میں ذرا بھر کلام نہیں"۔ [1]

حیدر آباد میں اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر لیکچر

یکم تبوک ۱۳۲۹ھش / ستمبر ۱۹۵۰ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے حیدر آباد کے تھیوسافیکل ہال میں اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر ایک حقیقت افروز لیکچر دیا جو قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔

صدرِ جلسہ مکرم محمد حافظ صاحب بار ایٹ لاء ریٹائرڈ اے۔ ڈی۔ ایم و ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حضور نے اسلام اور کمیونزم کے اختلاف پر تفصیلی طور پر روشنی ڈالتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات بیان فرمائے :۔

اوّل :۔ اسلام کی بنیاد ایک ایسے خدا کی ذات پر ہے جو زندہ اور فعال ہے لیکن کمیونزم کے بانی اپنی کتب میں واضح طور پر کہتے ہیں دُنیا کا کوئی خدا نہیں بلکہ وہ خدا تعالیٰ سے تمسخر کرتے ہیں اور اس کی ذات پر ایمان لانے والوں کو بیوقوف قرار دیتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں روس میں ایسے تماشے بھی دکھائے جاتے تھے جن میں خدا تعالیٰ کو ایک مُجرم کی حیثیت میں... پیش کیا جاتا تھا اور پھر اس مجسمہ کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا جاتا تھا ایسی صورت میں ایک مسلم کہلانے والے کا کمیونزم کے ساتھ جوڑ ہی کیا ہو سکتا ہے؟

دوم :۔ کمیونزم مذہب کا مخالف ہے اور اس کا سارا سسٹم ایسا ہے جو مذہب کو تباہ کرنے والا

---

[1] ماخوذ از ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ۳؍ ظہور ۱۳۲۹ھش۔

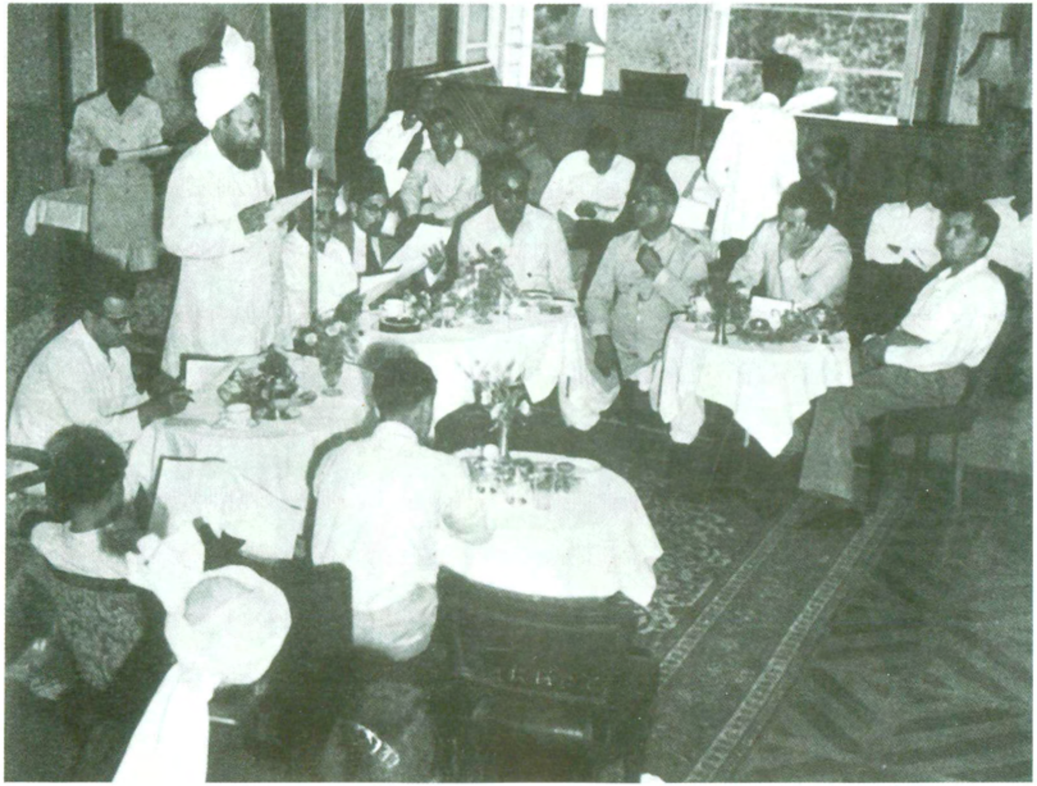

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کراچی پریس کانفرنس کو خطاب فرما رہے ہیں

ہے۔ ہمارے مشن اس وقت قریباً تمام ممالک میں ہیں لیکن روس میں ہم نے ایک دفعہ اپنا مبلغ بھیجا تو اسے سخت دُکھ دئے گئے اور آخر انہوں نے اپنے ملک سے باہر نکال دیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کمیونزم میں مذہب کی کوئی جگہ نہیں۔

سوم:۔ اسلام کی بنیاد روحانی صفائی پر ہے لیکن کمیونزم یہ کہتی ہے کہ رُوح کوئی چیز نہیں اور یہ کہ دنیوی مسائل کو کُلّی طور پر مادیات کے ساتھ حل کیا جا سکتا ہے اس کا خیال ہے روحانیت کو پیش کرنے سے غرباء کو نقصان پہنچتا ہے اور ان کے حقوق تلف ہوتے ہیں۔

چہارم:۔ اسلام کی بنیاد نبوّت پر ہے لیکن کمیونزم کے نزدیک سارے نبی نعوذ باللہ جھوٹے اور مُفتری تھے بلکہ مذہب کے بانی ان کے نزدیک ... امراء کے ایجنٹ تھے تاکہ امراء ترقی کرتے جائیں اور غرباء ہلاک ہوتے جائیں۔

پنجم:۔ اسلام کی بنیاد کلامِ الٰہی پر ہے لیکن کمیونزم کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں۔

ششم:۔ اسلام کی بنیاد بعث بعد الموت پر ہے لیکن کمیونزم اس کے بالکل خلاف ہے گویا کمیونزم ہمارے پنج ارکانِ اسلام کے ہی خلاف ہے۔

اور جب اس کا اسلام کے ساتھ اس قدر بنیادی اختلاف ہے تو ایک باغیرت اور سمجھدار مسلمان کس طرح کہہ سکتا ہے کہ میں مسلمان بھی ہوں اور کمیونسٹ بھی۔

جماعت کے دوستوں کے علاوہ جلسہ میں تین سَو کے قریب غیر احمدی معزّزین بھی موجود تھے جو بے حد متاثر ہوئے اور صدرِ جلسہ نے بھی اپنے صدارتی ریمارکس میں تقریر کی بہت تعریف کی۔[1]

کراچی میں ایک خاص خطبہ جمعہ

جماعتِ احمدیہ کراچی نے انہی دنوں وکٹوریہ روڈ میگزین لین میں ایک شاندار دو منزلہ مسجد قریباً ایک لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کی تیاری اور تعمیر کے انچارج شیخ عبد الحق صاحب ایس ڈی او تھے جنہوں نے نہایت محنت اور اخلاص کے ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔[2]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۸ تبوک ہش ۱۳۲۹ / ستمبر ۱۹۵۰ء کو اس مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس کے آغاز میں حضور نے کراچی کی مخلص جماعت کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ:۔

---

[1] الفضل ۱۳ تبوک ہش ۱۳۲۹ صفحہ ۲ ۔ [2] الفضل ۲۲ تبوک ہش ۱۳۲۹

" سب سے پہلے تو مَیں جماعت کے دوستوں کو اس بات کی مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کو خدا تعالیٰ نے یہاں مسجد بنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ مَیں نے دو دفعہ یہاں تقریر کی ہے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ دونوں دفعہ ایک ہی ہال میں تقریر ہوئی تھی یا الگ الگ ہال تھے بہرحال اُوپر کے برآمدوں اور نیچے کے برآمدوں کو ملا کر یہ مسجد اُن ہالوں سے بڑی نظر آتی ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی جگہ بناتا ہے تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اس کی ترقی کے سامان بھی پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وقتاً فوقتاً اِس قِسم کے الہام ہوتے رہتے تھے کہ آپ اپنے مکانات کو وسیع کریں تاکہ آنے والے لوگ وہاں آکر رہیں۔ چنانچہ ان الہامات میں سے ایک یہ بھی الہام تھا کہ وَسِّعْ مَكَانَكَ اپنے مکان کو وسیع کر۔ مَیں ہمیشہ ہی جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ اپنی حیثیت کے مطابق ان کو مسجدیں بناتے رہنا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ جماعت ہمیشہ ہی اپنی توفیق سے زیادہ بڑی جگہ کی تلاش میں رہتی ہے۔ یہ مسجد بھی غالباً نہ بنتی اگر آج سے آٹھ دس سال پہلے مجھے متواتر یہاں آنے کا موقع نہ ملتا اور جماعت پر یہ زور دینے کا موقع نہ ملتا کہ جس طرح بھی ہو زمین خرید لو چنانچہ میرے ایک ایسے ہی سفر کے زمانہ میں یہ زمین دیکھی گئی اس وقت بھی بعض مقامی دوستوں کی تجویز تھی کہ اِس سے بڑی جگہ لینی چاہیئے مگر مَیں نے کہا کہ زمین جو بھی ملتی ہے لے لو اور بڑی کا انتظار نہ کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بھی ہاتھ سے جاتی رہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ جگہ آباد ہے اور یہاں ایک شاندار مسجد بنی ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جماعت کا ایک حصّہ اس کی تائید میں تھا اور دوسرا حصّہ اِس بات کی تائید میں تھا کہ کوئی اَور بڑی جگہ تلاش کی جائے مگر اللہ تعالیٰ نے جماعت پر فضل کیا اور ان کو ہدایت دی کہ وہ چھوٹی چیز پر قناعت کریں تاکہ اللہ تعالےٰ اس کے بعد ان کے لئے بڑی چیز کے سامان پیدا کرے۔ دُنیا میں کوئی مسجد ایسی نہیں بن سکتی جس میں زیادہ سے زیادہ افراد جو ممکن ہوں آسکیں۔ خانہ کعبہ کی مسجد کے برابر شاید کوئی مسجد نہیں لیکن کچھ دن ایسے بھی آتے ہیں جب خانہ کعبہ میں بھی نمازی سما نہیں سکتے اور بازاروں اور دُکانوں پر کھڑے ہو کر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ مسجدِ نبوی جو مدینہ منورہ کی ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں بھی بعض اوقات نمازی پوری طرح سما نہیں سکتے۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ ہم آئندہ کی تمام ضرورتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کوئی مسجد بنائیں اور جب تک ان ضرورتوں کے مطابق مسجد نہ بن سکے ہم اپنی نماز کے لئے کوئی انتظام نہ کریں۔ مَیں تو سمجھتا ہوں یہ اسی مسجد کی برکت ہے کہ آج سے چار سال پہلے موجودہ نمازیوں سے پانچواں حصّہ بھی

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ورود کراچی میں (۱۹۵۰ء)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کراچی ۱۹۵۰ء کا ایک منظر

جماعت نہیں تھی بلکہ جو لوگ مجھے اس وقت نظر آرہے ہیں ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دسواں حصّہ بھی جماعت نہیں تھی صرف ایک کمرہ جماعت نے کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے جب مَیں جمعہ کے لئے جاتا تو زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں تین صفیں ہوا کرتی تھیں بلکہ ایسے جمعے بھی گذرے ہیں جب دو صفیں بھی نہیں ملتی تھیں اور وہ کمرہ اس مسجد کے برآمدہ کے کوئی تیسرے حصّہ کے برابر ہوگا بعد سے حد نصف ہوگا جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے گھر بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گھر کی آبادی کے بھی سامان پیدا کیا کرتا ہے اب اِس خیال میں نہ رہو کہ یہ مسجد ہم نے بنالی ہے اور ہمارا فرض پورا ہوگیا ہے جیسا کہ اِس وقت نظر آرہا ہے اِس مسجد کے بنتے ہی یہ مسجد بھر بھی گئی ہے۔"[1]

پھر حضور رضؓ نے یہ قیمتی نصیحت فرمائی کہ:-

"جماعت نے جب یہ جگہ بنائی ہے تو اسے اب یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ کراچی میں جہاں جہاں احمدی زیادہ ہیں اور وہ اِس مسجد سے دُور رہتے ہیں وہاں بھی چھوٹی چھوٹی مساجد بنادے کیونکہ دوسروں کے گھروں میں جاکر نماز پڑھنا بعض دفعہ فتنہ کا موجب ہو جاتا ہے مَیں نے دیکھا ہے جس شخص کے گھر پر نماز پڑھی جاتی ہے بعض دفعہ جب اس سے نماز پڑھنے والا کسی بات میں اختلاف کرتا ہے تو وہ غصہ میں آکر کہہ دیتا ہے کہ تم میرے گھر پر نہ آیا کرو حالانکہ وہ اس کے گھر پر نہیں جاتا بلکہ مسجد میں جاتا ہے۔ اگر وہ اسے اپنا گھر قرار دیتا تو یہ اس کے مکان پر نہ جاتا۔ اِس رنگ میں دین کی بھی ہتک ہوتی ہے اور آنے والے شخص کی بھی ہتک ہوتی ہے پس پہلے تو مجبوری کی حالت میں یُوں کرنا چاہیئے کہ جہاں جہاں جماعت کے دوست اکٹھے ہو سکیں وہاں کسی دوست کے مکان پر اکٹھے ہو کر نمازیں پڑھ لیا کریں۔ پھر اس کے بعد کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر محلہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی جائے چاہے وہ ایک مرلہ کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ اگر میونسپل قانون میں اجازت ہو تو معمولی کچّی اینٹوں کی ہی مسجد بنالی جائے۔"[2]

حضرت اقدس نے ان تمہیدی کلمات کے بعد بتایا کہ:-

"کچھ عرصہ سے میرے کانوں میں (یہ امر[3]) پڑ رہا ہے اور یہاں آکر بھی متفرق صورتوں اور متفرق جہات سے میرے کانوں میں پڑا ہے کہ کراچی میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے مال یا دولت کی وجہ سے مغرور

---

[1] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳ ٭ [2] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴

[3] واوین کے درمیان وضاحتی الفاظ ناقل کے ہیں ٭

ہوکر سلسلہ کے لئے بدنامی اور فتنہ کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ان کے متعلق کئی قسم کی رائیں ہیں لیکن جو مجھ پر اثر ہے وہ یہ ہے کہ کافی حصہ جماعت کا ایسا ہے جو ان کی دولت یا مال کی وجہ سے یہ خیال کرتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ ہم سے الگ ہوگئے ہیں یہ سلسلہ کا بڑا نقصان ہوا ہے۔"[1]

ازاں بعد حضور نے زبردست قوت و شوکت سے بھرے ہوئے الفاظ میں اس خیال کی لغویت اور بطلان پر تفصیلی روشنی ڈالی چنانچہ فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کا قائم کردہ خلیفہ اور یہ دو دو چار چار یا پانچ پانچ ہزار روپیہ کمانے والے آپس میں نسبت ہی کیا رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی تو اتنی بھی حیثیت نہیں جتنی ہاتھی کے مقابلہ میں ایک مچھر کی ہوتی ہے۔ شاید تم میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہوں کہ خلیفہ بیمار رہتا ہے اور وہ بڈھا بھی ہوگیا ہے اب شاید وہ جلد ہی مر جائے گا پھر ان لوگوں کے مقابل پر ہمارا کیا حال ہوگا میں ایسے لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ اُردو کا محاورہ ہے کہ "ہاتھی زندہ لاکھ کا اور مُردہ سوا لاکھ کا"۔ ہم وہ لوگ ہیں جو مر کر زیادہ طاقتور ہوا کرتے ہیں۔ ہماری زندگی میں خدا تعالیٰ ہمارے دشمن کو بالعموم محفوظ رکھتا ہے کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے لیکن ہماری موت کے بعد وہ ہمارے لئے اپنی غیرت دکھاتا ہے جس کے مقابلہ میں کسی قریب ترین عزیز یا عاشق کی غیرت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ پس ان لوگوں کی کوئی ہستی نہیں بلکہ مجھے تعجب آتا ہے کہ تم ان کی طرف کیوں توجہ کرتے ہو۔ ان کے افعال اور ان کی باتیں محض ایک نشان دکھانے کے لئے زندہ رکھی جاتی ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عجائب گھروں میں مرے ہوئے سانپ رکھے جاتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عجائب گھروں میں مُردہ بچھو رکھے جاتے ہیں جس طرح عجائب گھروں میں مُردہ سانپ اور مُردہ بچھو رکھے جاتے ہیں اسی طرح خدائی سلسلہ میں ایسے لوگ رکھے جاتے ہیں تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں۔ وہ اِس لئے نہیں رکھے جاتے کہ ان کو کوئی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اِس لئے نہیں رکھے جاتے کہ خدا تعالیٰ کے سلسلے کے مقابلہ میں ان کو کوئی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اسلئے رکھے جاتے ہیں تا کہ لوگ انہیں دیکھ کر ہوشیار رہیں اور وہ اِس حقیقت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں کہ بعض لوگ چند قدم چل کر ایسے خطرناک گڑھے میں گر جاتے ہیں۔"[2]

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جو پوزیشن ۱۹۰۸ء میں تھی اس سے اب سینکڑوں گنے زیادہ ہے

---

[1] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ ۔ [2] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۶،۵ ۔

اور دنیا کے بہت سے ایسے ممالک میں اب احمدیت قائم ہے جن ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بھی احمدی نہیں تھا۔ تو بات وہی ہے کہ ہاتھی زندہ لاکھ کا اور مُردہ سوا لاکھ کا بلکہ سوا لاکھ بھی انسانی نقطہ نگاہ کے لحاظ سے کہا گیا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے لحاظ سے تو کروڑوں کروڑ بھی کہا جائے تو کم ہے پس شاید تم میں سے کسی کے دِل میں یہ خیال ہو کہ اگر مَیں مَر گیا تو کیا ہوگا؟ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ آخر ہر انسان نے مرنا ہے اور میری صحت تو شروع ہی سے کمزور چلی آرہی ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات سے چند دِن پہلے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بلایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ڈاکٹر صاحب آپ کچھ اس کی طرف بھی توجہ کریں مجھے تو اس کی صحت کا سخت فکر رہتا ہے ایسی صحت کے ساتھ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کچھ عرصہ بھی زندہ رہے گا یا نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے چند دنوں بعد وفات پاگئے اور مَیں جو ہر وقت بیمار رہتا تھا اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہوں۔ مجھ سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط انسان مجھ سے پہلے گذر گئے۔ حافظ روشن علی صاحبؓ مجھ سے بہت زیادہ قوی تھے اور ان کی عمر بھی میرے قریب قریب تھی وہ بڑے مضبوط اور طاقتور تھے مگر ۱۹۲۹ء میں میرے دیکھتے ہی دیکھتے فوت ہوگئے۔ میر محمد اسحٰق صاحبؓ مجھ سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط تھے اور دو سال مجھ سے چھوٹے تھے مگر ۱۹۴۴ء میں وہ بھی فوت ہوگئے اور مَیں جس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ اب مرا کہ اب مرا اب اپنی عمر کے باسٹھویں سال میں سے گذر رہا ہوں بہت سے تندرست اور سکول میں میرے ساتھ پڑھنے والے نوجوان جو بچپن میں ہر میدان میں مجھے شکست دیا کرتے تھے اور جو مجھ سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط تھے وہ قریباً سارے کے سارے فوت ہو چکے ہیں شاید ان میں سے کوئی ایک دو ہی اب زندہ ہوں پس یہ امر تو خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے اور جب یہ اس کا قائم کردہ سلسلہ ہے تو یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میری موت کا وقت آجائے اور دُنیا یہ کہے کہ مجھے اپنے کام میں کامیابی نہیں ہوئی میری وفات خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اُس دن ہوگی جس دن مَیں خدا تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کے ساتھ اپنے کام کو ختم کرلوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوجائیں گی جو میں میرے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے۔ اور وہ شخص بالکل عدمِ علم اور جہالت کا شکار ہے جو ڈرتا ہے کہ میرے مرنے سے کیا ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مَیں تو جاتا ہوں لیکن خدا تمہارے لئے قدرتِ ثانیہ

بھیج دے گا مگر ہمارے خدا کے پاس قدرتِ ثانیہ ہی نہیں اس کے پاس قدرتِ ثالثہ بھی ہے اور اسکے پاس قدرتِ ثالثہ ہی نہیں اس کے پاس قدرتِ رابعہ بھی ہے۔ قدرتِ اولیٰ کے بعد قدرتِ ثانیہ ظاہر ہوئی اور جب تک خدا اس سلسلہ کو ساری دنیا میں نہیں پھیلا دیتا اس وقت تک قدرتِ ثانیہ کے بعد قدرتِ ثالثہ آئے گی اور قدرتِ ثالثہ کے بعد قدرتِ رابعہ آئے گی اور قدرتِ رابعہ کے بعد قدرتِ خامسہ آئے گی اور قدرتِ خامسہ کے بعد قدرتِ سادسہ آئے گی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ لوگوں کو معجزہ دکھاتا چلا جائے گا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اور زبردست سے زبردست بادشاہ بھی اس سکیم اور مقصد کے راستہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا جس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلی اینٹ بنایا اور مجھے اُس نے دوسری اینٹ بنایا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ دین جب خطرہ میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے اہلِ فارس میں سے کچھ افراد کھڑا کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان میں سے ایک فرد تھے اور ایک فرد میں ہوں لیکن رِجَالٌ کے ماتحت ممکن ہے کہ اہلِ فارس میں سے کچھ اَور لوگ بھی ایسے ہوں جو دینِ اسلام کی عظمت قائم رکھنے اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے کھڑے ہوں پس ہمارا مقابلہ کرنے والا ہمارا مقابلہ نہیں کرتا خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے۔" ؎۱

آخر میں منصبِ خلافت کی حقیقی اور بلند شان ایک نہایت لطیف مثال سے واضح کی چنانچہ فرمایا:۔

"کیا تمہیں دنیا میں کوئی شخص ایسا نظر آتا ہے خواہ وہ کروڑپتی ہو، حاکم ہو، وزیر ہو، بادشاہ ہو جو خدا تعالیٰ کو مار سکے پھر یہ کس طرح خیال بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اب تو ہم نے سینما دیکھنے سے روکا ہوا ہے اِس سے پہلے تم بھی دیکھتے تھے اور مَیں نے بھی سینما دیکھا ہے۔ اگر تم سینما کی تصویر پر گولی مارو تو کیا وہ اُس ایکٹر کو جا لگے گی جس نے اس میں کام کیا ہے وہ تو اُس وقت ہالی وڈ یا بمبئی یا کراچی میں زندہ پھر رہا ہوتا ہے اگر تم دس ہزار گولی بھی مارو تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اسی طرح ہم بھی تصویریں ہیں اور ہم پر حملہ کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم دو لاکھ توپیں چلا دو اور اگر تم تصویر کی دھجیاں بھی اُڑا دو تب بھی تم اُس شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ جو چیز تمہارے سامنے ہے وہ محض ایک نشان اور تصویر ہے اصل چیز تو آسمان پر ہے اور وہ

؎۱ الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

تمہارے قبضہ وتصرف سے باہر ہے۔ پس تمہیں اصل حقیقت کو دیکھنا چاہیئے اور اس پر غور کرنا چاہیئے ہم اصل نہیں ہیں اور اگر ہم اصل ہوتے تو دُنیا ہمیں کبھی کی فنا کر چکی ہوتی۔ ہم تصویریں ہیں اس لئے دُنیا ہمیں جتنا بھی نقصان پہنچاتی ہے دین کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تصویروں میں بعض دفعہ بادشاہ کا جلوس بھی دکھایا جاتا ہے اب اگر کوئی شخص بادشاہ کے جلوس پر گولیاں برسائے تو کیا بادشاہ مرجائے گا؟ اس طرح ہم بھی تصویریں ہیں۔ ہم کو خدا تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے تاکہ اس کی حکومت دُنیا میں قائم ہو۔ جس طرح تصویر پر گولی چلانے والا اصل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح اگر کوئی شخص ہم پر گولی چلاتا ہے تو گو ہم مرجاتے ہیں ہم ختم ہوجاتے ہیں لیکن اس مشن کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا جس کو قائم کرنے کے لئے اس نے ہمیں کھڑا کیا ہے۔ بلکہ اگر کوئی بادشاہ کے جلوس پر گولی چلاتا ہے تو بادشاہ کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ لوگ میرے مخالف ہیں اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تدابیر اختیار کرتا ہے۔ پس اپنے اندر خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ان کے خلفاء بے شک بوجہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کے ادب کے قابل ہیں لیکن وہ مقصود نہیں ان کے لئے اس نے یہ سکیم نہیں بنائی بلکہ اپنے لئے بنائی ہے۔ پس یہ سمجھ لو کہ تم جس کام کے لئے کھڑے ہو وہ خدا تعالیٰ کا ہے اور اس کے نام کو تم نے روشن کرنا ہے باقی ساری چیزیں اظلال کے طور پر ہیں اور اظلال آتے بھی ہیں اور جاتے بھی ہیں ہاں خدا تعالیٰ یہ ضرور کرتا ہے کہ جب ظل کی کوئی شخص ہتک کرتا ہے تو وہ اسے اپنی ہتک قرار دیتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ تم کسی کے دوست کی تصویر کو جوتیاں مارو اور وہ اسے برداشت کرے۔ اسی طرح ہم ہیں تو انسان لیکن خدا کہتا ہے کہ مَیں نے اس کو اپنی شکل پر بھیجا ہے مَیں نے اس کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے اس لئے تُو نے اس کو جُوتی نہیں ماری بلکہ مجھ کو جُوتی ماری ہے، تُو نے اس کو گالی نہیں دی بلکہ مجھ کو گالی دی ہے، تُو نے اس کو ذلیل نہیں کیا بلکہ مجھ کو ذلیل کیا ہے۔ اِس لئے ایسا آدمی بچتا نہیں آدم سے لے کر اب تک ایسا آدمی نہیں بچا اور قیامت تک نہیں بچ سکتا۔" ؎۱

کراچی پریس کانفرنس

قیامِ کراچی کے دَوران دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ حضورؓ نے ۱۲ ستمبر کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں مسلمانانِ عالم کو اِس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ ان کا مستقبل فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی سے وابستہ ہے۔

؎۱ الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۰

حضور کا بیان انگریزی میں تھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

اسلامی دُنیا میں اِن دنوں بیداری اور نئی زندگی پیدا ہونے کے آثار نمودار ہیں۔ ہر جگہ کے مسلمانوں میں بیداری نظر آرہی ہے اور وہ اِس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ وہ ان خطرات کو جن کے بوجھ کے نیچے وہ کچھ عرصہ سے دبے ہوئے ہیں اپنے اُوپر سے اتار پھینکیں۔ البتہ یہ بیداری جو ان میں پیدا ہوئی ہے وہ فی الحال قومی بیداری ہے۔ بے شک چند مسلمان ایسے پائے جاتے ہیں جو ایک متحد اسلامی دنیا کا خواب دیکھ رہے ہیں مگر ان کے خیالات اس وقت تک محض سطحی ہیں جن کو وہ تاحال کسی مستقل شکل میں نہیں ڈھال سکے۔ اِس وجہ سے ان خیالات کے پسِ پُشت قربانی کی رُوح موجود نہیں ہے۔ یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ محض خواہشات بغیر ضروری عزم کے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتیں۔ ادھر حالات یہ ہیں کہ کوئی مسلم حکومت نہ اِس بات کے لئے تیار ہے اور نہ ہی خواہشمند ہے کہ وہ اسلامی دُنیا کے اتحاد کے لئے اپنے قومی فوائد کو خیرباد کہہ سکے۔ ہاں اسلامی تحریک کے پیچھے بعینہٖ وہی خیالات کام کر رہے ہیں جن کو جمہوریت کے لدادہ ممالک یعنی یورپ اور امریکہ ایک متحد سیاسی محاذ قائم کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن بعض یورپین مصنّفین اسلام کے خلاف اِس قدر زہر اُگل چکے ہیں کہ پان اسلامک کا محض تصوّر ہی یورپ اور امریکہ کے مُلک کے باشندے کو کپکپا دینے کے لئے کافی ہے۔ اسلام جو فی الواقع اسلامی دنیا کے لئے ایک قوّتِ متحرکہ ہے یا کم از کم ہونی چاہیئے اس کو مغربی اقوام تحقیر اور بے اعتمادی کی نظر سے دیکھتے ہیں ان حالات میں میرا پیغام مسلمان نوجوانوں کے لئے اور خصوصیّت سے صحافت نویس احباب کے لئے یہ ہو گا کہ وہ اسلام کو نظرِ عمیق کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس کی تعلیم کو اپنے اندر ایسے رنگ میں جذب کریں کہ جس کا اثر ان کی تحریروں میں نمایاں ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ غیر مسلم اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو سکیں گے ان کو یہ بھی چاہیئے کہ اپنے غیر مسلم ہم پیشہ لوگوں سے اسلام کی تعلیم کے متعلق اور خصوصیّت سے اس پہلو کے متعلق کہ اسلام غیر مذاہب کے ساتھ کس رویّہ کو اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے کُھلے اور آزادانہ طور پر تبادلہ خیالات کریں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ چند سالوں میں ہی اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی اور اُن لوگوں کو جو اسلام کو اپنی لاعلمی کی وجہ سے شُبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یقین ہو جائے گا کہ اتحاد المسلمین کی تحریک بھی ایسی ہی بے لوث اور پاکیزہ ہے جیسا کہ مختلف عیسائی اقوام کو متحد کرنے کی تحریکیں۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی یورپین ممالک میں تحریک کی بنیاد سیاسی اُصولوں پر ہے لیکن پان اسلامک کی تحریک کی بنیاد محض مذہبی اُصولوں پر ہے مگر اس کے اسباب اس رویّہ میں پائے جا سکتے ہیں جو یورپین اقوام خود اسلام کے متعلق رکھتی ہیں۔ گذشتہ سات سَو سالوں کی تاریخ اِس امر پر شاہد ناطق ہے کہ یورپین اقوام نے جو مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا اس کی وجہ نہ کوئی سیاسی اختلاف تھا اور نہ یہ کہ ان کے ساتھ بے انصافیاں کی گئی تھیں بلکہ اس کی وجہ صرف مذہبی تعصب تھا۔

اسلامی سلطنت کے خلاف جو بغاوت جنوبی اٹلی اور سسلی میں کھڑی کی گئی ممکن ہے وہ اپنے اندر سیاسی پہلو رکھتی ہو مگر جو صلیبی جنگ اور لڑائیاں سپین والوں نے جنوبی سپین کی اسلامی سلطنت کے خلاف کیں ان کو سیاست کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ان فتوحات کے متعلق کہا جا سکتا ہے جو عیسائیوں نے مراکو، الجیریا، ٹریپولی، لیبیا، آذربائیجان، بخارا اور ایسے ہی اَور ملکوں میں حاصل کیں۔

بے شک برطانیہ اور چند دیگر یورپین سلطنتوں نے جو فتوحات بعد کی صدیوں میں حاصل کیں وہ محض سیاسی فتوحات تھیں لیکن جو لڑائیاں تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں صدی میں لڑی گئیں ان کی وجوہات ہرگز ہرگز سیاسی نہ تھیں۔

پان اسلامک تحریک یقیناً ان عیسائی ادیبوں اور سیاستدانوں کی تحریروں اور ریشہ دوانیوں کا ردِّ عمل ہے جنہوں نے سات سو سال متواتر نہ صرف اسلام کے خلاف سخت زہر اُگلا بلکہ ان کی انتہائی کوشش رہی کہ وہ مختلف اسلامی سلطنتوں کے درمیان نسلی اور تاریخی وجوہ پر اختلاف کے بیج بوئیں اِس لئے پان اسلامک تحریک کے موجد اور بانی مبانی ہرگز قابلِ ملامت نہیں قرار دئے جا سکتے۔

اِس جگہ اِس حقیقت کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ آخری صدی کے دَوران میں عیسائیوں کی آپس کی لڑائیوں میں جہاں کہیں بھی وہ لڑی گئی ہوں ہمیشہ ہی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ "عیسائی تمدّن کے محافظ بنو!" یہاں تک کہ دوسری عالمگیر جنگ کے دَوران میں ایک ہندوستانی نمائندہ نے (جو اَب کٹر مسلم لیگی اور مشہور پاکستانی ہے) اپنی تقریر میں یورپ میں کہا کہ عیسائی تمدّن خطرہ میں ہے اور ہندوستان اس کی حفاظت میں ضرور لڑے گا۔ پس اگر یورپ اور امریکہ یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ آپس میں متحد رہیں اور عیسائی تمدّن کی حفاظت میں جنگیں کریں اور دوسروں کو اس میں شمولیت کی دعوت دیں تو پھر مسلمانوں کو آپس میں متحد رہنے اور اسلامی تمدّن کی حفاظت کے لئے جنگیں کرنے کا کیوں حق حاصل نہیں؟

اگر عیسائی تمدن کی چیخ و پکار کو ایک سیاسی تحریک قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ صلیبی جنگ۔ اور جس کا مدعا اور مقصد یہ قرار دیا جاتا ہے کہ نا انصافیوں اور حقوق تلفیوں کو دور کیا جائے تو پھر پان اسلامک تحریک کو کیوں ایک مذہبی جہاد سمجھا جاتا ہے اور اسے بھی کیوں ایک سیاسی جد و جہد نہیں تصور کیا جاتا؟

اس سوال کے علمی پہلو کی طرف بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف اسلامی ممالک کا وجود یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر ملک اپنے اپنے فوائد اور جدا جدا خواہشات رکھتا ہے بس جب تک ہر اسلامی ملک مختلف نام سے پکارا جاتا ہے تب تک ان کے فوائد بھی جدا جدا رہیں گے۔ اگر تمام اسلامی ممالک سیاسی معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی لحاظ سے ایک مرکز پر جمع ہو جائیں تو اس وقت مختلف حکومتوں کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اسلامی ممالک مثلاً پاکستان، افغانستان، ایران، سیریا، سعودی عرب، عراق، مصر اور انڈونیشیا باوجود وسعت آبادی کے لحاظ سے چھوٹے ہونے اور اپنی اپنی خود مختارانہ سلطنت رکھنے کے اس امر کے اقراری ہیں کہ وہ اس نقطہ پر تا حال نہیں پہنچے کہ جہاں پر سب کا کامل اتحاد ہو سکے۔ ان حالات میں اتحاد تبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سب کی خاطر قربانی کر سکے۔

ہمیں اس معاملہ میں آہستہ آہستہ مگر احتیاط سے قدم اُٹھانا چاہیئے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عزم بالجزم سے کام لینا چاہیئے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو وہ دن دور نہیں کہ جب "اسلامی تمدن" ایک اصلیت ہوگی جو ہر مسلمان کے اندر ایک ایسا جوش و خروش پیدا کر دے گی جو "عیسائی تمدن" کے نعرے کے پیدا کردہ جوش سے بہت زیادہ ہو گا۔ پہلا قدم جو ہمیں اس بارے میں اُٹھانا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو "پان اسلامک" کے حامی اور پکے مسلمان کہلانے سے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے۔ سیاسی دنیا میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی سعی کرنا ہمارا پیدائشی حق ہے اور اس کو ہرگز مذہبی جنون نہیں کہا جا سکتا۔ یہ مجنونانہ حالت تب ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ جب کہ دنیا میں انصاف اور حُسنِ معاملگی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا ہے۔ ہر ہاتھ دوسروں کے حق غصب کرنے میں کوشاں ہوتا ہے۔

دوسرا قدم یہ اٹھانا چاہیئے کہ ہم ان خیالات کو مسلم اور غیر مسلم ممالک میں کثرت سے پھیلائیں تا کہ مسلمان پورے طور پر اس زمانے کی ضروریات کو سمجھ سکیں اور غیر مسلم مسلمانوں کی جائز خواہشات کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔ اس کے پہلو بہ پہلو اسلامی تعلیمات کی اشاعت غیر مسلم ممالک اور غیر مسلموں میں از بس ضروری ہے جیسا کہ آپ لوگوں کو علم ہے کہ احمدیہ جماعت جس کے امام ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے گذشتہ چالیس

سال سے اشاعتِ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ ہمارے مشن اس وقت تمام عیسائی ممالک مثلاً امریکہ، انگلستان، فرانس، ہالینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور بہت سے مغربی افریقہ کے ممالک میں ہیں اور اس وقت تک عیسائیوں میں سے تقریباً تیس ہزار افراد مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ ان نومسلموں میں سے بعض نے اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر دی ہیں۔ امریکہ کے ایک نومسلم اور جرمنی کے ایک نومسلم اس وقت پاکستان میں اسلامی تعلیم کا اِس نظریہ سے مطالعہ کر رہے ہیں کہ حصولِ علم سے فراغت کے بعد اپنے اپنے ملک میں تبلیغِ اسلام کے فرائض سرانجام دیں۔ نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور انشاء اللہ چند سالوں میں یہ سلسلہ عروج تک پہنچ جائے گا۔ مادیات کا یہ زمانہ ہم سے یہ حقیقت فراموش نہیں کرا سکتا کہ جب کبھی بھی ظاہری طاقت کا مقابلہ سچائی سے پڑا ہے سچائی ہی ہمیشہ غالب رہی ہے۔

مجھے کئی مغربی سیاستدانوں سے گذشتہ ۲ دو سالوں میں ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اُن کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ جہاں کہیں بھی کمیونزم کا مقابلہ مغربی تمدن سے ہوا ہے تو کمیونزم دنیا میں سے نو جگہ کامیاب ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی ممالک قوّتِ بازو سے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں برخلاف کمیونزم کے کہ وہ مزعومہ اُصول کو پیش کرتے ہیں۔ اِسی وجہ سے مغربی اقوام کے ساز و سامان طاقتیں انحطاط پر ہیں مگر رُوس روز افزوں ترقی پر ہے۔

مغربی اقوام جب تک اِس نصیحت پر عمل پیرا نہ ہوں گی ان کا قدم تنزّل کی طرف جاتا رہے گا۔ مسلمانوں کا بھی یہی حشر ہوگا اگر انہوں نے اسلام اور اس کے زرّیں اُصولوں کی اشاعت کا کام غیرمسلم ممالک میں اپنے ہاتھوں میں فوری طور پر نہ لیا کیونکہ ان کا مستقبل اسی سے وابستہ ہے۔ وہ جو اِس کارِ خیر میں حصّہ نہیں لے سکتے اُن کے راستہ میں تو روک نہ بنیں جو اِس کام کو کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔[۱]

مسلم لیگی حکومت کا معاندانہ رویّہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی راہ نمائی

پنجاب میں احرار اور اُن کے ہمنوا علماء ۱۹۴۸ء سے جو آگ احمدیوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے وہ ۱۹۵۰ء میں اور بھی شدّت اختیار کر گئی حتیٰ کہ مسلم لیگی حکومت کے بعض افسروں نے بھی مخالفینِ پاکستان سے گٹھ جوڑ کر کے درپردہ ایک مخالفانہ

---

[۱] الفضل ۸ اخاء ۱۳۲۹ہش / ۸ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴، صفحہ ۷۔

تحریک چلائی شروع کر دی جس پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو بھی اپنے خطبات کے ذریعہ جماعت کو اصل صورتِ حال سے بار بار آگاہ کر کے پُر زور طور پر یہ تلقین کرنا پڑی کہ اس کا فرض اوّلین ہے کہ وہ اپنے خلاف جھوٹے پراپیگنڈا کی قلعی کھولنے کے لئے عوام کو احمدیت کے صحیح اسلامی عقائد سے باخبر کرے۔ کیونکہ پاکستان کی سالمیت، قیامِ امن اور جماعت احمدیہ کی ترقی کا اس کے سوا کوئی اَور حل ممکن نہیں تھا اُن دنوں سرکاری افسران کس طرح معاندانہ روش اختیار کئے ہوئے تھے اس کی تفصیل حضور ہی کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

(۱) "گذشتہ دنوں بعض افسروں نے سرکلر جاری کیا تھا کہ ان کے محکمہ کے تمام ملازم یہ فارم پُر کر کے بھجوائیں کہ وہ کس کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور احمدی ہونے کی صورت میں یہ بھی لکھیں کہ قادیانی احمدی یا لاہوری احمدی۔ اِس سرکلر کی عبارت ظاہر کرتی ہے کہ اس سے کوئی نیا فتنہ کھڑا کرنا مقصود تھا بعض غیر احمدی اخباروں نے بھی اس پر نوٹس لیا اور لکھا کہ اِس تجویز سے صاف پتہ لگتا ہے کہ بعض فرقوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مقصود ہے کسی فرد کے خلاف بے شک کارروائی کی جائے اس میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر کسی فرد کے خلاف کارروائی کرنا مقصود ہے تو پھر اس کے فرقہ سے کیا مطلب؟ وہ خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ مجرم ہے تو آپ اس کے خلاف کارروائی کریں لیکن پہلے یہ دریافت کرنا کہ تمہارا فرقہ کونسا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کسی فرد کی شرارت کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی کرنا مقصود نہیں بلکہ کسی خاص فرقہ میں ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف کوئی شرارت کرنا مقصود ہے۔ اِن واقعات کو دیکھتے ہوئے ہماری جماعت کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنے اندر ایک بیداری پیدا کر لیتی اور اس آدمی کی مانند جو آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوتا ہے اپنے آپ کو تیار کر لیتی خواہ کوئی دوبارہ غلط ڈائری لکھے اور گورنمنٹ کے پاس جھوٹی رپورٹ کر دے واقعہ یہی ہے کہ تبلیغ کے بغیر ہمیں چارہ نہیں (مگر اپنے رسوخ سے کام لے کر تبلیغ کرنا یا جبر کرنا یہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں)۔ پس ایک طرف تبلیغ کرنی چاہیئے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں تبھی ہم کامیاب ہو سکتے ہیں اور اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں تبلیغ تمہاری تعداد کو بڑھائے گی اور دعائیں خدا تعالےٰ کے فضل کو کھینچیں گی۔ تبلیغ سے ہر درجہ اور حلقہ کے لوگ احمدی ہوں گے یا پھر انہیں کم ازکم یہ پتہ

لگ جائے گا کہ احمدی کیسے ہوتے ہیں۔ بے شک وہ احمدی نہ ہوں لیکن انہیں یہ تو پتہ لگ جائے گا کہ احمدیت کی تعلیم کیا ہے۔ اور جب انہیں احمدیت کی تعلیم کا پتہ لگ جائے گا تو پھر اگر کوئی شخص احمدیوں کے خلاف ان کے کان بھرنے کی کوشش کرے گا تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ ہم جانتے ہیں کہ احمدی ایسے نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ احمدیت کی تعلیم سے واقف نہیں تو جس طرح کوئی ان کے کان بھرے گا اُن کے پیچھے لگ جائیں گے۔ گویا تبلیغ کے ذریعہ ہمیں دو فائدے حاصل ہونگے اوّل جو لوگ صداقت کو قبول کرنے کی جرأت رکھتے ہیں وہ صداقت کو قبول کر لیں گے اور جو صداقت کو قبول کرنے کی جرأت نہیں رکھتے وہ ہمارے حالات سے واقفیت کی بناء پر کلمۂ خیر کہا کریں گے ۔۔۔۔ دعاؤں سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔" [1]

(۲) "پاکستان میں ہمارے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور مجلسوں میں لوگوں کو اُکسایا جاتا ہے کہ وہ ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیں، ہماری جائدادوں کو لُوٹ لیں اور دوسرے لوگوں کو یہ تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مکانات پر نشان لگالیں تا قتلِ عام کے وقت انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ہمارے پاکستان میں ایسا ہو رہا ہے۔۔۔۔ گورنمنٹ کا کام امن قائم کرنا ہے گورنمنٹ کا کام اس قسم کے فتنوں کو دبانا ہے مگر وہ دیکھ رہی ہے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی۔ پولیس کے آدمی جاتے ہیں اور وہ ان مجالس میں جا کر ڈائریاں لیتے ہیں لیکن وہ اِس قسم کی باتوں کا ڈائریوں میں ذکر نہیں کرتے بعض جگہوں میں تو ڈائریاں لی ہی نہیں جاتیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقامی پولیس دل سے ان کے ساتھ ہے اور بعض جگہ پولیس نے ڈائریاں لی ہیں لیکن ضلع حکام نے حکومت تک ان باتوں کو پہنچایا نہیں۔ ایک جلسہ میں ایک شخص نے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو احمدیوں کو قتل کرے۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا میں حاضر ہوں۔ پولیس نے ڈائری نہیں لکھی لیکن ایک مجسٹریٹ نے جو وہاں موجود تھا اپنی ڈائری میں یہ بات لکھ دی کہ میرے سامنے مقرر نے یہ سوال کیا کہ تم میں سے کون کون فلاں فلاں احمدیوں کو قتل کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں اِس کام کے لئے حاضر ہوں اور اپنا نام پیش کرتا ہوں جب پولیس کے افسروں سے پوچھا گیا کہ کیوں پولیس کی ڈائری میں یہ بات نہیں آئی تو انہوں نے

---

[1] الفضل ۵؍جولائی ۱۹۵۰ء صہ۔

جواب دیا کہ وہ آدمی پاگل تھا اِس لئے اس واقعہ کو نہیں لکھا گیا یعنی جب شرارت کا پتہ لگ گیا تو یہ کہہ دیا گیا کہ وہ پاگل تھا حالانکہ اگر کھڑا ہونے والا پاگل تھا تو کیا تقریر کر کے اشتعال دلانے والا بھی پاگل تھا مگر ہم نے اپنے طور پر تحقیق کی ہے وہ شخص ہرگز پاگل نہیں ایک کام کاج کرنیوالا آدمی ہے۔"

(۳) "اور جگہوں کو تو جانے دو اسی جگہ پر جب مَیں نے تقریر میں کہا کہ اگر تم تبلیغ کرو تو بلوچستان جیسے چھوٹے سے صوبے کو احمدی بنا لینا کوئی مشکل امر نہیں تو پولیس کے بعض نمائندوں نے کتنا جھوٹ بولا انہوں نے گورنمنٹ کے پاس ڈائریاں بھیجیں اور ان کی نقل دوسرے صوبجات میں بھی بھجوائی گئی کہ امام جماعت احمدیہ نے تقریر کی ہے کہ گورنمنٹ کے محکموں میں جو بڑے بڑے احمدی افسر ہیں وہ اپنے ماتحتوں کو مجبور کر کے احمدی بنائیں اور اگر وہ احمدی نہ ہوں تو انہیں دِق کر کے محکمہ سے نکال دیں۔ اِس قسم کی ڈائریوں تک ہی بس نہیں کی گئی فوجی حکّام کو بھی ورغلانے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے کیا کارروائی احمدی افسروں کے خلاف کی ہے مگر جس طرح سول میں اچھے افسر بھی ہیں اسی طرح فوج میں بھی شریف افسر ہیں ان افسروں نے ان رپورٹوں پر کوئی توجہ نہ دی اور کہہ دیا فوج میں امن ہے ہم ایسی تحریروں پر کارروائی کر کے خود فساد پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہمارے دشمن جب اِس کارروائی میں ناکام رہے تو انہوں نے پہلے افسروں پر جو بالا افسر تھے ان کے پاس رپورٹیں کروائیں مگر ان کی طرف سے بھی یہ جواب دیا گیا کہ کوئی فساد بھی نظر آئے تو کسی کے خلاف کارروائی کی جائے جب فساد ہے ہی نہیں تو ہم خود فساد کیوں پیدا کریں۔ ہاں اگر فساد پیدا کروانا ہے تو اَور بات ہے۔ مجھے ایک احمدی افسر نے بتایا کہ جب یہ ڈائری میرے پاس پہنچی کہ خطبہ جمعہ میں امام جماعتِ احمدیہ نے یُوں کہا ہے تو مَیں نے کہا مَیں خود احمدی ہوں اور مَیں خود وہاں موجود تھا مَیں نے وہ خطبہ جمعہ سُنا ہے وہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اِس پر وہ پولیس کا نمائندہ فوراً بات بدل گیا اور کہنے لگا مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ غرض جہاں پاکستان میں ایک شریف عنصر ہے وہاں ایسا متعصّب عنصر بھی ہے جسے پاکستان کے بھلے سے غرض نہیں اسے صرف اپنے دِلی بُغض اور کینہ کے نکالنے سے غرض ہے اور وہ پاکستان کو تباہ کرنا زیادہ پسند کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے کوئی احمدی

زندہ نظر آئے اور ایسا عنصر جھوٹ، دھوکے اور فریب سے ہرگز پرہیز نہیں کرتا۔ جو افسر شرافت اور انصاف اور پاکستان کی محبت سے معاملہ کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ایسے موقع پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ خواہ ایسی رپورٹوں پر کارروائی نہ کریں مگر ایسے جھوٹوں کو کوئی سزا بھی نہ دیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ سوال انتظامی نہیں رہے گا بلکہ سیاسی ہو جائے گا اور انہیں اپنا دامن چھڑوانا مشکل ہو جائے گا پس ان کا انصاف نصف راستہ تک چل کر کھڑا ہو جاتا ہے۔" لہ

اوکاڑہ اور اس کے ماحول کی آتشیں فضا

مسلم لیگی حکومت کی طرف سے ملک دشمن عناصر کی پشت پناہی کے خوفناک نتائج ماہِ اخاء ۱۳۲۹ھش/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کے شروع میں رونما ہونے شروع ہو گئے جبکہ مغربی پاکستان میں ہر طرف جماعتِ احمدیہ کی مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا اور خصوصاً اوکاڑہ اور اس کے گردونواح میں احمدیوں کے قتلِ عام کے کھُلم کھُلا وعظ کئے جانے لگے چنانچہ الفضل کے نامہ نگار نے مرکزِ احمدیت میں یہ اطلاع دی کہ

"یکم اکتوبر کو احراریوں نے بعض احمدیوں کا جب کہ وہ کسی چک کی طرف جا رہے تھے جلوس بنا کر ان کا تعاقب کیا۔ سات افراد کے مُنہ پر سیاہی ملی، ان پر مٹی اور کیچڑ پھینکا اور انہیں دھکے دیتے ہوئے اوکاڑہ ریلوے سٹیشن پر لے آئے۔ چند پولیس والوں نے ان کو بچانا چاہا تو شر پسند عنصر نے ان تانگوں پر بھی حملہ کر دیا جن میں احمدی اور پولیس کانسٹیبل سوار تھے۔ اس کے بعد احراریوں نے شہر بھر میں جلوس نکالا۔ احمدیوں کو گالیاں دیں اور پولیس والوں پر احمدیوں کی پاسداری کا الزام لگا کر انہیں کوسا۔ یہ جلوس دیر تک مسجد کے سامنے ناچتا رہا۔ اسی شام کو چوہدری غلام قادر صاحب نمبردار پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ اوکاڑہ اور شیخ غلام قادر صاحب پر احراریوں نے حملہ کیا اور ریلوے لائن کے نزدیک سخت پتھراؤ کیا جن سے دونوں احمدی مجروح ہو گئے۔" ؎۲

اِس فتنہ انگیزی نے چند دنوں میں ہی کیا صورت پکڑلی؟ اس کا نقشہ اوکاڑہ کے ایک غیر احمدی دوست جناب محمد عابد صاحب جالندھری نے انہی دنوں درج ذیل الفاظ میں کھینچا:-

---

لہ الفضل ۵ر جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳، ۴ ؎۲ الفضل ۶ر اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱

"ہفتہ عشرہ کے عرصہ تک بعض ناعاقبت اندیش اور خود غرض لیڈروں کی غلط لیڈرشپ کی بناء پر ایک طوفانِ بدتمیزی برپا رہا۔ اور احراری غنڈوں نے اسلام کے نام پر اخلاق سوز ۔ نہیں نہیں ۔ بلکہ اسلام سوز حرکات کا ارتکاب کیا۔ مگر ان کے متعلق کچھ تحریر کرنے سے قبل مَیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مَیں نہ مرزائی ہوں اور نہ ہی مرزائیت سے مجھے کوئی لگاؤ ہے بلکہ ایک حقیقت نگار کی حیثیت سے جو کچھ میری اِن آنکھوں نے اس غنڈہ گردی کے دَوران میں دیکھا مَیں بقول کسے "قلم کی عصمت کو ماں بہن کی عصمت سے کم نہ سمجھتے ہوئے" اُس کا تفصیلی جائزہ لوں گا۔"

اِن ابتدائی الفاظ کے بعد لکھا:۔

"یکم اکتوبر حقیقت یہ ہے کہ اکتوبر کی یکم کو جبکہ چند مرزائی مبلغ اوکاڑہ سے دو اڑھائی میل دُور واقع ایک دیہہ چک ۵۰ میں بغرض تبلیغ روانہ ہوئے تو شہر سے ۲۰، ۲۵ غنڈے ان کے پیچھے ہو لئے اور وہاں ان کی تمام مساعی کو ناکام بناتے رہے اور واپسی پر راستہ میں کوٹ نہال سنگھ کے قریب ان بیچاروں کے مُنہ سیاہ کر کے ان کا تمسخر اُڑاتے ہوئے شہر کی طرف لے آئے جہاں اسٹیشن کے قریب شہر کے امن کو خاک میں ملانے والے بعض دیگر افراد نے بھی "مرزائیت مُردہ باد" اور "مرزائے قادیان مُردہ باد" و دیگر اسی قسم کے ہتک آمیز نعرے لگائے اور مرزائی مبلّغین پر پتھراؤ کیا۔

اِس شور و غوغا کو سُن کر پولیس وہاں پہنچ گئی اور مرزائی مُبلّغین کو اپنی حفاظت میں لے لیا مگر جب پولیس کے تانگہ پر غنڈہ عنصر نے حملہ کر دیا تو مجبوراً پولیس نے آٹھ نو حملہ آوروں کو زیر دفعہ $\frac{۱۰۷}{۱۵۱}$ گرفتار کر لیا۔

اِن گرفتاریوں کے فوراً ہی بعد شہر میں زبردستی ہڑتال کروا دی گئی مگر حکّامِ بالا نے نہایت ہوشمندی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا اور اس طرح شہر میں فرقہ واریت کی سُلگتی ہوئی آگ کو کسی حد تک ٹھنڈا کر دیا۔

۲۔ اکتوبر:۔ یہ دوسرا دن بخیر و عافیت گذر گیا اور اگرچہ اِس دن بظاہر امن رہا اور کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا مگر اِس حقیقت کو کسی صورت جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ کشیدگی اور کھچاؤ اِس دن بھی کسی حد تک پایا جاتا تھا۔

۳۔ اکتوبر:۔ ۳۔ اکتوبر کا دن بھی ۲ بجے تک امن و امان کے ساتھ گذر گیا مگر ½۲ بجے کے قریب

جبکہ پولیس نے نقضِ امن کے اندیشہ میں حافظ فضل الٰہی سابق صدر مومن کانفرنس کو گرفتار کر لیا تو شہر کی فضا پھر سے مکدّر ہو گئی اور کوئی تین چار بجے کے قریب ۴ر اکتوبر کو عام ہڑتال اور رات کو رضوی چوک اوکاڑہ میں ایک جلسۂ عام کا اعلان کر دیا۔

جلسہ میں مقررین نے نہایت اشتعال انگیز اور تہدید آمیز تقریریں کر کے عوام کے جذبات کو کافی حد تک اُکسایا اور یہی اکساہٹ دوسرے دن یعنی ۴ر اکتوبر کو ایک مرزائی کے قتل پر منتج ہوئی۔

۴ر اکتوبر:۔ اِس دن کے لئے عام ہڑتال کا اعلان کیا گیا تھا چنانچہ صبح سے ہی غنڈوں اور نافہم چھوٹے چھوٹے بچّوں کے گروہ در گروہ بازاروں کا چکّر کاٹنے لگے اور اگر کسی غریب خوانچہ فروش نے غلطی سے یا پھر اپنے بچّوں کی بھوک اور افلاس سے تنگ آ کر کوئی شئے فروخت کرنا چاہی تو اِن غنڈوں نے اِس غریب کی ساری پُونجی کو لُوٹ لیا اور جو کسی کے ہاتھ لگا لے کر چلتا بنا۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ سارا دن یہ لوگ بازاروں اور گلیوں میں چھوٹے چھوٹے جلوسوں کی شکل میں آوارہ گردی کرتے رہے اور مرزائیوں کے خلاف نہایت اشتعال انگیز نعرے لگاتے رہے یہاں تک کہ مسجد احمدیہ کے دروازے پر جا کر ان لوگوں نے نہایت تہدید آمیز الفاظ استعمال کئے اور مسجد کے صحن میں گندگی تک پھینکنے سے گریز نہ کیا۔

شام کے تین بجے ایک جلوسِ عام کا اعلان کیا گیا تھا مگر جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کی بروقت مداخلت اور چک ۴۸ میں ایک مرزائی کے قتل نے جلوس نکالنے کی جرأت نہ ہونے دی۔ اسی دن شام کو منٹگمری سے سپیشل پولیس فورس منگوائی گئی اور شہر کے تمام اہم ناکوں پر پولیس کی چوکیاں بٹھا دی گئیں۔"[1]

ماسٹر غلام محمد صاحب کا واقعہ شہادت

اِس رپورٹ میں جس شہیدِ احمدیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ماسٹر غلام محمد صاحب تھے جو چک ۴۸/۳-آر میں دیہاتی سکول کے ٹیچر تھے اور تقسیمِ ملک سے قبل جماعت احمدیہ پھمبیاں ضلع ہوشیار پور میں سیکرٹری مال تھے[2]

رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء میں آپ کے واقعہ شہادت کے حالات میں لکھا

---

[1] الفضل ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۰ء صٓ ۔ [2] الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۰ء ص۱ ۔

ہے :-

"یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک احمدی مولوی نور دین سات دوسرے احمدیوں کے ساتھ تبلیغی مہم پر چک ۵ میں گیا۔ یہاں کے غیر احمدیوں نے ان مبلغوں کو گھیر لیا پھر ان پر کیچڑ پھینکی۔ ان کے چہروں پر کالک ملی اور گندے پانی میں سے انہیں ہنکا کر ریلوے سٹیشن اوکاڑہ تک پہنچایا۔ پولیس میں اس واقعہ کی رپورٹ لکھائی گئی جس پر ایک شخص مولوی فضل الٰہی زیر دفعات ۱۴۷، ۳۴۲ زیر حراست لے لیا گیا۔ اس گرفتاری کے خلاف احتجاج کے طور پر اوکاڑہ میں دکانیں بند ہو گئیں اور ۳ ر اکتوبر کی رات کو ایک جلسۂ عام ہوا جس میں ہزاروں اشخاص شامل ہوئے بہت سے مقررین نے تقریریں کیں جو بے انتہا اشتعال انگیز تھیں۔ ایک مقرر نے جلسے کے نوجوان حاضرین سے اپیل کی کہ مرزائی فتنہ سے قوم کو نجات دلاؤ۔ دوسرے دن محمد اشرف نے جو تقریریں سُن چکا تھا ایک چھرے سے مسلح ہو کر غلام محمد کا تعاقب کیا جبکہ وہ اوکاڑہ جا رہا تھا محمد اشرف نے غلام محمد کو ایک نہر کے قریب جا لیا اور اس کے چھرا گھونپ دیا۔ غلام محمد کا زخم کاری تھا چنانچہ وہ تھانے کو لے جانے سے پہلے ہی مر گیا۔ محمد اشرف ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اس نے یہ بیان دیا:-

"پہلے یہ کہا کہ ستمبر میں پھر کہا کہ اکتوبر کی تیسری تاریخ کو اوکاڑہ میں ایک جلسہ ہوا جس میں رضوان بشیر احمد، مولوی ضیاء الدین، قاضی عبدالرحمٰن، چوہدری محبوب عالم اور صدر جلسہ نے جو غالباً قاضی تھے پُرجوش تقریریں کیں جن میں بتایا کہ مرزائی نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتے ہیں ہم حضورؐ کی عظمت کے لئے اپنی جانیں دے دیں گے۔ تقریر میں یہ کہا گیا کہ جو لوگ ان کو (احمدیوں کو) پہچان کر نابود کرنے پر آمادہ ہیں وہ اپنے ہاتھ اُٹھائیں۔ جلسے میں علم دین غازی کا ذکر بھی کیا گیا اور اس کی سرگذشت سُنائی گئی میں نے اس سے پہلے بھی علم دین غازی کی سرگذشت پڑھی تھی اور ایک دفعہ اس کے مقبرے پر بھی گیا تھا۔ اس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا میں گھر واپس آ گیا۔ تقریروں کے الفاظ رات بھر میرے دماغ میں گونجتے رہے صبح اُٹھ کر میں سائیکل پر چک ۵۔۴ گیا جہاں ماسٹر تفریحی چھٹی پر اپنے گھر گیا ہوا تھا۔ میں چک میں ٹھہرا رہا تاوقتیکہ وہ سکول میں نہ آ گیا۔ گاؤں کے چوک کی ایک دکان پر میں نے ایک سگریٹ پیا جب میں باہر نکلا ماسٹر سکول میں نہ تھا مجھے یقین تھا کہ ماسٹر مرزائی ہے۔ اور میں اسی نیت سے آیا تھا۔ چک میں میں نے ایک سنار سے پوچھا کہ آیا حضور نبی کریمؐ کے زمانے میں ہمارے بچوں کو پڑھانے پر کوئی کافر مقرر تھا؟ اس ماسٹر کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارے چک میں مقیم ہے۔ زمین الاٹ کرا رکھی ہے اور بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک لڑکے سے

پوچھا کہ ماسٹر کہاں گیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ چک ۱۴/۲-R کو گیا ہے۔ میں نے پوچھا سائیکل پر یا پیدل؟ جواب ملا سائیکل پر۔ میرے پاس اُس وقت ایک چھرا تھا میں نے اس کو ڈو میل کے فاصلے پر جا لیا۔ وہاں میں نے اپنے سائیکل سے اُتر کر اس کے سائیکل کو دھکا دیا اور اسے گرا لیا۔ میں نے ماسٹر کو چھرے سے ایک ضرب لگائی اور وہ بھاگ کر چھوٹی نہر کے پانی میں گھس گیا۔ چھرا ٹھیک نہ رہا میں نے اسے درست کیا اور پھر پانی میں اُور ضربیں لگائیں۔ میں اس کو مار ہی رہا تھا کہ اِدھر اُدھر سے کچھ لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے مجھے روکا میں نے ان سے کہا کہ مجھے نہ روکو میں ایک کافر کو قتل کر رہا ہوں۔ ایک اَور اجنبی شخص نے مجھ سے سوالات کئے میں نے اس کو بھی یہی بتایا کہ میں نے ایک کافر کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر میں اوکاڑہ چلا گیا۔" [1]

پنجاب پریس کا جانبدارانہ رویّہ اور "تسنیم" کی معذرت

"ناعاقبت اندیش" اور "خود غرض لیڈروں" کے اس ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی بجائے پنجاب پریس خصوصاً "آزاد" [2] اور "تسنیم" [3] لاہور نے اصل حقائق کو مسخ شدہ صورت میں نہایت درجہ رنگ آمیزی سے شائع کیا جس پر اخبار "الفضل" نے سختی سے نوٹس لیا اور بالآخر ادارہ "تسنیم" کو حسبِ ذیل الفاظ میں معذرت شائع کرنا پڑی:۔

"لاہور ۱۰ ؍ اکتوبر۔ قیم جماعتِ اسلامی ضلع منٹگمری اطلاع دیتے ہیں کہ تسنیم کے نامہ نگار اوکاڑہ نے قادیانیوں کے متعلق جو خبریں بھیجی ہیں وہ جذباتی اور خلافِ واقعہ ہیں اِس لئے نامہ نگار مذکور کو تسنیم کی نامہ نگاری سے علیحدہ کر دیا۔ ادارہ کو ان خبروں پر افسوس ہے جو نامہ نگار مذکور نے قادیانیوں کی "اشتعال انگیزی" کے متعلق بھیجی ہیں تسنیم جس دعوت اور مسلک کا داعی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہمارے کالموں میں دانستہ کوئی ایسی چیز شائع نہ ہو جو خلافِ واقعہ ہو۔" [4]

افسوس "تسنیم" کے علاوہ کسی اَور اخبار کو اس اخلاقی جرأت کی توفیق نہ ہو سکی حالانکہ محمد عابد صاحب جالندھری کے الفاظ میں "ان اخبارات نے یا پھر ان کے نامہ نگاروں نے حق وصداقت کا منہ چڑانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔" [5]

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۴، ۲۵ ۔ [2] مجلس احرار کا ہفت روزہ ترجمان ۔
[3] جماعتِ اسلامی کا روزنامہ ۔ [4] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۱ ؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۱ ۔
[5] الفضل ۷ ؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۸ ۔

اخبار "تنظیم" (پشاور) کا پُرزور نوٹ اور حکومت سے مطالبہ

جہاں تک صوبہ سرحد کا تعلق ہے اس کے اخبارات نے انتہائی غیر جانبدارانہ روش اختیار کی بلکہ پشاور کے ہفت روزہ "تنظیم" نے اپنی ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں "احرار کی پاکستان دشمن سرگرمیاں" کے زیرِ عنوان مندرجہ ذیل پُرزور نوٹ سپردِ اشاعت کیا :۔

"کسے معلوم نہیں کہ مجلسِ احرار بھی کانگرس کی طرح مسلمانوں کے محبوب مطالبہ پاکستان کی روزِ اوّل سے شدید مخالفت کرتی رہی ہے۔ پاکستان کو پلیدستان اور قائدِ اعظم کو اوّل درجہ کا فرقہ پرست کہنے والی اِس نام نہاد اور پاکستان دشمن جماعت نے قیامِ پاکستان کے بعد ملک کے قومی اتحاد کے شیرازہ کو بکھیرنے کے لئے پنجاب میں مذہبی تبلیغ کے نام سے گذشتہ عرصہ میں جو کانفرنسیں اور جلسے کئے ان احرار مبلّغوں نے نہ صرف شیعہ سُنّی مناقشات کو ہوا دی بلکہ جماعت احمدیہ کے خلاف ہلاکت آفرین زہر اُگلا۔ اس کی تفصیل ہم کسی گذشتہ اشاعت میں دے چکے ہیں۔ احرار نے اپنے یہ تبلیغی جلسے پنجاب کے ان اہم مرکزی مقامات اور دیہات میں کئے جہاں کے نوجوان پاکستانی افواج میں ملک وملّت کی خدمت کر رہے ہیں اور آئندہ بھی یہی علاقے ملک کی خدمت کے لئے نوجوانوں کی بھرتی دے سکتے ہیں پنجاب کے سادہ لوح دیہاتیوں میں پاکستان کی فوجی قوت اور قومی اتحاد کو کمزور کرنے کے لئے مرزائیت اور احمدیت کو کافر اور خارج از اسلام بے دین فرقہ ظاہر کر کے عوام سے کہا گیا کہ تمہیں یہ کیا معلوم ہے کہ اِس وقت پاکستان کے جتنے اہم سرکاری شعبے ہیں ان میں شیعوں اور احمدیوں کی حکمرانی ہے اور خاص کر پاکستان کی طرف سے سر ظفر اللہ کا بطور وزیرِ خارجہ تقرر مسلمانوں کے لئے مذہبی اور ملکی نقطۂ نظر سے شدید خطرہ و نقصان کا باعث ہے۔ اسلام کسی حالت اور کسی صورت میں احمدیوں سے اشتراکِ عمل کی اجازت نہیں دیتا۔

لہٰذا مسلمانو! احمدیوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں اور سر ظفر اللہ کے ہندوؤں سے کشمیر کے سودا کے سازباز وغیرہ مسلم دشمن حرکات سے بروقت خبردار رہو۔ اگر سر ظفر اللہ اسی طرح وزارتِ خارجہ کے اہم عہدہ پر فائز رہا تو بس یہی سمجھو کہ تمہارا اسلام اور کلچر وغیرہ سب مٹ جائیں گے حالانکہ سر ظفر اللہ کی سلامتی کو نسل میں نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک کے مسائل سے گہری، بے لوث اور ٹھوس ترجمانی کے باعث تمام عرب ممالک سر ظفر اللہ پر اپنے اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں اور مسلم ممالک کے حقوق

کی نگہداشت کے لئے اقوامِ متحدہ کے ادارہ میں سر ظفر اللہ کی موجودگی کو اسلامی ممالک کی خوش قسمتی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ نیز پاکستان کے قیام اور بعد میں پاکستان کے استحکام کے لئے مسلم جماعتِ احمدیہ کو جو بے مثال اور نا قابلِ فراموش قربانی ادا کرنی پڑی ہے اس کے پیشِ نظر چاہیئے تو یہ تھا کہ اس جماعت کی جو اپنا ناموس اور گھر بار اور کروڑوں روپیہ کی جائداد اور اپنا مرکز چھوڑ کر پاکستان پہنچی تھی .... قدر کی جاتی .... یقیناً پاکستان کے لئے اس جماعت کی قربانیاں باقی مسلمانانِ ہند کے مقابلہ میں اگر زیادہ قابلِ قدر نہیں تو اس درجہ حقیر اور خلافِ انسانیت سلوک کے قابل نہیں کہ احرار کی فتنہ انگیز تقاریر سے متاثر ہو کر اوکاڑہ میں وہاں کے غنڈوں کے ہاتھوں نہ صرف کہ چند احمدیوں کے مُنہ کالے کئے گئے بلکہ مسجد احمدیہ میں گندگی تک پھینکی گئی اور غنڈوں کا انتقامی جوش ایک بے گناہ احمدی مسلمان کی شہادت کا باعث بھی بنا۔ ابھی اوکاڑہ کی فضا احمدیوں کے مزید کشت و خون کے لئے مکدر بیان کی جاتی ہے۔ گو عارضی طور پر وہاں پولیس کی چوکیاں بٹھا کر امن قائم کر دیا گیا ہے۔

ضرورت ہے کہ آنریبل ڈاکٹر لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان اپنی اولین توجہ اوکاڑہ کے تازہ سانحہ پر دیں اور وہابیوں، شیعوں اور احمدیوں کو کفر و الحاد کی سندیں دینے والی پاکستان دشمن احرار جماعت کی اِس قسم کی فتنہ انگیز تقریروں پر کڑی پابندی عائد کی جائے اور سانحہ اوکاڑہ کا اصل پس منظر معلوم کیا جائے کہ آیا وہ کونسے اسباب تھے کہ پورے چار دن اوکاڑہ کے غنڈوں نے امن و قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر وہاں کے احمدیوں پر عرصہ حیات تنگ کئے رکھا۔ چونکہ پاکستان کا قیام ایک جمہوری اور قومی ریاست کی بنیاد پر عمل میں لایا گیا ہے اِس لحاظ سے ہمارا مطالبہ ہے کہ ہر پاکستانی کو ملکی قانون کے اندر رہتے ہوئے پوری مذہبی آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ سانحۂ اوکاڑہ کے اصل محرک جو لوگ ہیں انہوں نے اسلامی اصولوں کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی پاکستان دشمنی کا ثبوت دیا ہے اور ان کے اِس فعل سے پاکستان کے قومی اتحاد کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ ایسی مجرمانہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکات کا آئندہ کے لئے مکمل سدِّ باب کرے اور پاکستان میں رہنے والی تمام ایسی نام نہاد مذہبی جماعتوں کی تقریر و تحریر پر پابندی عائد کی جانی ضروری ہے جو فرقہ وارانہ جذبات کی انگیخت کا باعث ہوں۔"

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنے اندر روحانی انقلاب برپا کرنے کی تلقین

شہیدِ احمدیت ماسٹر غلام محمد صاحب کے المناک واقعہ شہادت پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۶ / اخاء ۱۳۲۹ھ کو ایک عارفانہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضور نے جماعت پر واضح کیا کہ نبیوں کی جماعتوں کو پتھر، کنکر اور کانٹوں پر سے ہی گذرنا پڑتا ہے مگر یاد رکھو جب تم خدا کے لئے اپنے آپ کو بدل دو گے تو خدا تمہارے لئے ساری دُنیا کو بدل دے گا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"آج مَیں اختصار کے ساتھ اِس امر کی طرف جماعت کو خصوصاً جماعت کے نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ جماعتِ احمدیہ کی مخالفت بہت سخت ہوتی جاتی ہے۔ وہ لوگ جو کل تک ہماری جماعت کی تعریف میں رطب اللسان تھے آج ان کے خون کے پیاسے نظر آرہے ہیں۔ آپ لوگوں نے اخبار میں اوکاڑہ کے واقعات پڑھے ہوں گے کہ وہاں ہمارے ایک دوست کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اب پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہا جارہا ہے کہ قتل کرنے والے کی مخالفت کی بناء کوئی لین دین کا جھگڑا تھا مگر ساتھ ہی یہ تسلیم کیا جارہا ہے کہ وہ جھگڑا دو سال کا پرانا تھا۔ حالانکہ اگر یہ بات درست بھی تسلیم کرلی جائے کہ دو سال پہلے کا کوئی جھگڑا تھا تب بھی اِس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت اس کا قتل کرنا درحقیقت اُن مولویوں کی انگیخت کا نتیجہ تھا جنہوں نے ہماری جماعت کے خلاف تقریریں کیں۔ ورنہ اگر صرف یہی جھگڑا اختلاف کا باعث تھا تو اس نے گذشتہ دو سال میں یہ فعل کیوں نہ کیا۔ اگر ایک شخص دیکھے کہ کوئی اُس کے بچّہ کو پیٹ رہا ہے اور وہ اُس وقت خاموش رہے لیکن دو سال کے بعد مارنے والے کو پیٹنے لگے اور کہے کہ مَیں اِس لئے پیٹ رہا ہوں کہ اس نے آج سے دو سال پہلے میرے بچّہ کو مارا تھا تو کون شخص اس کی بات کو تسلیم کریگا یہ شخص کہے گا کہ اب اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد تمہارا پیٹنا اگر اشتعال کی وجہ سے ہے تب بھی اس اشتعال کو کسی اَور چیز نے تازہ کر دیا ہے۔ اِسی طرح اس اشتعال کو تازہ کرنے والا، اس اشتعال کو تازہ کرنے والا اور اس اشتعال کو اُبھارنے والا مولویوں کا لوگوں کو جوش دلانا اور ان کا احمدیوں کے خلاف تقریریں کرنا تھا۔ اور یہ ایک جگہ کا سوال نہیں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ اِن حالات میں پہلی نصیحت تو مَیں جماعت کے دوستوں کو یہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اِن امور کو ابتلاء نہ سمجھیں بلکہ دینی ترقی کا ذریعہ سمجھیں۔ یہ بزدلوں اور بے ایمانوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ مصائب کے آنے پر گھبرا جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کے ابتداء میں ہی منافق کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور جب آرام اور راحت کا وقت آتا ہے تو چل پڑتا ہے۔ مومن وہ ہوتا ہے جو مصائب کے وقت اَور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ احزاب کے موقع پر جب مسلمانوں سے کہا گیا کہ لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہ تمہیں مارنے کی فکر میں ہیں تو انہوں نے کہا یہ تو ہمارے ایمانوں کو بڑھانے والی بات ہے کیونکہ ہمارے خدا نے پہلے سے ان واقعات کی خبر دے رکھی تھی۔ اس سے ہمارے ایمان متزلزل کیوں ہوں گے وہ تو اَور بھی بڑھیں گے اور ترقی کریں گے۔ پس ایسے اُمور سے مومنوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارج کو بلند کرنے کے سامان پیدا کر رہا ہے ہم میں سے کون ہے جس نے ایک دن مرنا نہیں مگر ایک موت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ طبعی موت ہوتی ہے اور دوسری موت کے متعلق فرماتا ہے کہ ایسے مرنے والے ہمیشہ سے زندہ ہیں بلکہ فرماتا ہے کہ تم ان کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو رزق مل رہا ہے یعنی اُن کی رُوحانی ترقیات کے سامان متواتر ہوتے چلے جائیں گے۔ دشمن تو یہی دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ تم کو مٹا دے اور وہ تم کو غمگین بنا دے مگر جب وہ دیکھتا ہے کہ تمہیں مارا جاتا ہے تو تم اَور بھی زیادہ دلیر ہو جاتے ہو، تم اَور بھی زیادہ خوش ہو جاتے ہو اور کہتے ہو کہ خدا نے ہماری ترقی کے کیسے سامان پیدا کئے ہیں تو اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔"

نیز فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلے ایک تھے پھر ایک سے دو ہوئے، دو سے چار ہوئے، چار سے آٹھ ہوئے، آٹھ سے سولہ ہوئے، سولہ سے بتیس ہوئے، بتیس سے چونسٹھ ہوئے، چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس ہوئے اور اسی طرح ہم بڑھتے چلے گئے۔ کب وہ وقت آیا کہ ہمارا دشمن کمزور تھا اور ہم طاقتور تھے۔ ہماری تاریخ میں کوئی وقت ہم پر ایسا نہیں آیا کہ دشمن کمزور ہو اور ہم طاقتور ہوں یا کب وہ وقت آیا کہ ہمارے پاس سامان تھے اور دشمن کے پاس سامان نہیں تھے۔ ہمیشہ ہمارے دشمن کے پاس ہی سامان تھے اور ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھے یا کب وہ وقت آیا کہ دشمن نے ہمیں امن دینے کا ارادہ کیا ہو اور اس کے اس ارادہ کی وجہ سے ہم بچے ہوں۔ ہمیشہ ہی دشمن نے ہمارے قتل کے فتوے دیئے لیکن ہمیشہ ہی خدا نے ہم کو بچایا اور خدا تعالیٰ نے ہم کو بڑھایا۔ پس وہ کونسی نئی چیز ہے جس سے تم گھبراتے ہو

یا کونسی نئی بات ہے جو تمہیں تشویش میں ڈالتی ہے۔ کیا کوئی نبی دنیا میں ایسا آیا ہے جس کی جماعت نے پھولوں کی سیج سے گزر کر کامیابی حاصل کی ہو۔ پتھر اور کنکر اور کانٹے ہی ہیں جن پر سے نبیوں کی جماعتوں کو گزرنا پڑا اور انہی پر سے تم کو بھی گزرنا پڑے گا۔ جس طرح ایک بکری کے بچہ کے پَیر میں جب کانٹا چُبھ جاتا ہے تو گلہ بان اس کو اپنی گود میں اُٹھا لیتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے ہوئے اگر تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی چُبھے گا تو ایک غریب آجڑی نہیں، ایک کمزور گلہ بان نہیں بلکہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا خدا تم کو اپنی گود میں اُٹھا لے گا۔ لیکن اگر تم ڈرتے ہو تو تم اپنے ایمان میں کمزور ہو اور ان نتائج کے دیکھنے کے اہل نہیں جو انبیاء کی جماعتیں دیکھتی چلی آئی ہیں۔ تم اپنی سُستیوں اور غفلتوں کو دُور کرو۔ مایوسیوں کو اپنے قریب بھی نہ آنے دو۔ تمہیں خدا تعالیٰ نے شیر بنایا ہے تم کیوں یہ سمجھتے ہو کہ تم بکریاں ہو۔ جدھر تمہاری باگیں اُٹھیں گی ادھر سے ہی اسلام کے دشمن بھاگنے شروع ہو جائیں گے اور جدھر تمہاری نظریں اُٹھیں گی ادھر ہی صداقت کے دشمن گرنے شروع ہو جائیں گے۔ بے شک خدا تعالیٰ کے دین کے قیام کے لئے تم ماریں بھی کھاؤ گے۔ تم قتل بھی کئے جاؤ گے تمہارے گھر بھی جلائے جائیں گے مگر تمہارا قدم ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا اور کوئی طاقت تمہاری ترقی کو روک نہیں سکے گی۔ الٰہی سُنّت یہی ہے کہ اس کی جماعتیں مرتی بھی ہیں، اس کی جماعتیں کُچلی بھی جاتی ہیں۔ اور اس کی جماعتیں بظاہر دنیوی نقصان بھی اُٹھاتی ہیں مگر ان کا قدم ہمیشہ ترقی کی طرف بڑھتا ہے۔ اور یہی وہ مُعجزہ ہوتا ہے جو سنگدل سے سنگدل دشمن کو بھی ان کے آگے جُھکا دیتا ہے اور انہیں فتح اور کامیابی حاصل ہو جاتی ہے پس اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو۔ نمازوں پر زور دو۔ دعاؤں پر زور دو۔ شب بیداری پر زور دو۔ صدقہ و خیرات پر زور دو۔ دین کی خدمت پر زور دو۔ تبلیغ پر زور دو اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو جب تم خدا کے لئے اپنے آپ کو بدل لو گے تو خدا تمہارے لئے ساری دنیا کو بدل دے گا۔“ [1]

راولپنڈی میں چوہدری بدرالدین صاحب کی شہادت

ماسٹر غلام محمد صاحبؓ کی دردناک شہادت کا زخم بالکل تازہ ہی تھا کہ صرف چند روز بعد جماعتِ احمدیہ راولپنڈی کے ایک سادہ مزاج اور خاموش طبع بزرگ اور صحابی چوہدری بدرالدین صاحبؓ لدھیانوی گولی مار کر شہید کر دیئے گئے۔

---

[1] الفضل ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۵

چوہدری صاحب موصوف ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں پائی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۱۸۹۹ء کے لگ بھگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ عرصہ دراز تک جماعت احمدیہ لدھیانہ کے سیکرٹری مال اور سیکرٹری امور عامہ رہے۔ آپ کو یہ بھی فخر حاصل تھا کہ ایک بار حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اور حضرت ام المومنینؓ مالیر کوٹلہ تشریف لے جاتے ہوئے آپ کے مکان واقع سرائے نواب متصل اسٹیشن لدھیانہ میں قیام فرما ہوئے تھے۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں آپ گوالمنڈی راولپنڈی میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ راولپنڈی میں احرار کانفرنسوں نے سخت اشتعال پھیلا دیا تھا۔ ۱۱ر اخاء ۱۳۲۹ھش/۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ساڑھے چھ بجے شام گوالمنڈی کے باغیچہ میں آ رہے تھے کہ فائر بریگیڈ کے پاس ایک شخص ولایت خاں نے ان پر پیچھے سے فائر کیا اور گولی اُن کی پُشت کو چیرتی ہوئی پیٹ کی طرف سے نکل گئی۔[۱] اتفاق سے اس وقت ایک سب انسپکٹر پولیس نے جو کسی کام کے تعلق میں باہر سے راولپنڈی آئے ہوئے تھے قاتل کو گولی چلاتے دیکھ لیا اور اسے موقع پر ہی گرفتار کر کے اس کا پستول چھین لیا۔ اور جیسا کہ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کے فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں ذکر کیا ہے "عینی شاہدوں میں سے ایک نے جس پر سیشن جج اور ہائی کورٹ دونوں نے اعتبار کیا ہے یہ بتایا کہ جب مجرم کو عین موقع پر گرفتار کیا گیا تو اُس نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ مَیں نے بدرالدین کو اسلئے ہلاک کیا ہے کہ وہ احمدی ہے۔"[۲]

چوہدری بدرالدین صاحب گولی لگنے سے گر پڑے۔ اُن کے ایک داماد ڈاکٹر میر محمد صاحب قریشی نے آپ کو فوراً ایمبولینس کار کے ذریعہ سول ہسپتال پہنچایا مگر آپ جانبر نہ ہو سکے اور اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اپنے حقیقی مولا کے پاس پہنچ گئے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بیہوشی کے عالم میں بھی آپ کی زبان پر مسنونہ دعائیں اور کلمہ طیبہ جاری رہا۔[۳] آپ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے مگر آپ نے اپنے پیچھے چونتیس افراد کا کنبہ بطور یادگار چھوڑا۔

اخبارات کی جھوٹی گمراہ کن اور متضاد خبریں

چوہدری صاحب کی المناک شہادت پر گوالمنڈی راولپنڈی کے تمام غیر احمدی

---

[۱] الفضل ۱۲ر اخاء و ۱۶ر نبوت ۱۳۲۹ھش [۲] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۷ (اردو ایڈیشن)

[۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۶ر نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۶ (مضمون محمود احمد صاحب ناصر اسسٹنٹ انسپکٹر آف ورکس ریلوے کیمبلپور)

معززین و شرفاء نے قاتل کی اس ناجائز کارروائی کو نہایت ہی ظالمانہ فعل قرار دیا[1] مگر اس دفعہ بھی پنجاب کے اخبارات نے جن میں احرار اور جماعتِ اسلامی کے ترجمان پیش پیش تھے اصل واقعہ شہادت کے متعلق بالکل غلط، گمراہ کُن اور متضاد اطلاعات شائع کیں حتیّٰ کہ تسنیم نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں یہ خبر وضع کی کہ "رسول کریمؐ کی شان میں گستاخی کرنے پر ایک قادیانی کو گولی کا نشانہ بنا دیا"۔ اس کے برعکس "تسنیم" (مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں ہی مجلس احرار راولپنڈی کے سیکرٹری کی اطلاع چھپی کہ یہ قتل روزنامہ تعمیر راولپنڈی کی ۱۳ اکتوبر کی شائع شدہ خبر کے مطابق ایک مکان کی وجہ سے جھگڑا ہونے پر ہوا ہے اور پاکستان ٹائمز نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں یہ بتایا کہ کبوتر بازی کا جھگڑا تھا جو قتل پر منتج ہوا ہے۔ حالانکہ قاتل نے واضح رنگ میں یہ اعتراف کیا تھا کہ مَیں نے ایک احمدی کو قتل کیا ہے کیونکہ علماء نے ہم کو یہی بتایا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے دشمن اور واجب القتل ہیں۔

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت کو تبلیغِ حق کا خصوصی ارشاد

حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعۂ شہادت پر بھی ۱۳ اخاء کو خطبہ دیا جس میں اس بات پر اظہارِ افسوس کیا کہ جب ہم ۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے آئے تو مَیں نے جماعت کو تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی اور کہا تھا کہ لوگ آج تمہاری تعریفیں کرتے ہیں حتیّٰ کہ اخبار زمیندار تک میں احمدی جماعت کی بہادری کی تعریفیں ہو رہی ہیں لیکن ان عارضی تعریفوں پر مت جاؤ اور یاد رکھو کہ تم ان حالات میں سے گذرنے پر مجبور ہو کہ جن حالات میں سے پہلے نبیوں کی جماعتیں گذری ہیں۔ تمہیں خون بہانے پڑیں گے تمہیں جانیں دینی پڑیں گی۔ اس پر کچھ افراد اور جماعتوں نے کہا کہ آجکل جماعت کی بہت تعریف ہو رہی ہے اس وقت تو تبلیغ بالکل نہیں کرنی چاہیئے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ وہ دن آنے والے ہیں کہ یہی تعریف کرنے والے تمہیں گالیاں دیں گے اور تم اُس وقت کہو گے کہ آج ہماری بہت مخالفت ہے اس لئے ہمیں تبلیغ نہیں کرنی چاہیئے۔ گویا کچھ دن تو تم تبلیغ سے اِس لئے غافل ہو جاتے ہو کہ لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں اور کچھ دن تم تبلیغ سے اِس لئے غافل ہو جاتے ہو کہ لوگ تمہاری مخالفت کرتے ہیں۔ پھر وہ دن کب آئے گا جب تم تبلیغ کرو گے؟

---

[1] الفضل ۷ نومبر ۱۹۵۰ء صک (مضمون چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر مبلغ اسلام سپین)

حضرت امیر المومنین نے ان درد بھرے کلمات کے بعد احبابِ جماعت کو نہایت پُرجوش الفاظ میں دوبارہ تاکیدی حکم دیا کہ وہ پیغامِ احمدیت پہنچانے کی طرف پوری توجہ دیں چنانچہ فرمایا :۔

"یاد رکھو یہ واقعات تمہیں بیدار کرنے کے لئے ہیں۔ تم کب سمجھو گے کہ تم ایک مامور کی جماعت ہو۔ تم کب سمجھو گے کہ تم دنیا سے نرالے ہو۔ تم کب سمجھو گے کہ خدا تمہارے خون کے قطروں سے دنیا کی کھیتیوں کو نئے سرے سے سرسبز و شاداب کرنا چاہتا ہے۔ جب تک تم یہ نہیں سمجھو گے نہ خدا تعالیٰ کی مدد تمہارے پاس آئے گی اور نہ تم ترقی کا مُنہ دیکھ سکو گے۔ تم مت سمجھو کہ تبلیغ کے نتیجہ میں بہت کم لوگ سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے نتیجہ میں بعض کے نزدیک مکہ میں صرف اسّی اور بعض کے نزدیک تین سو آدمی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ گویا تیرہ سال کی تبلیغ سے ان دونوں میں سے جو تعداد بھی سمجھ لو اسّی سمجھو یا تین سو سمجھو صرف اتنے لوگ ہی اسلام میں داخل ہوئے لیکن جب وقت آیا تو ۲ دو سال کے اندر اندر سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ اصل میں یہ چیز بطور امتحان کے ہوتی ہے تبلیغ خدا اس لئے کرواتا ہے تا بعد میں تم خوش ہو کر کہہ سکو کہ ہماری محنت اور ہماری قربانی اور ہماری جدّ وجہد اور ہماری تبلیغ کے نتیجہ میں دنیا مسلمان ہوئی ہے ورنہ دنیا کو مسلمان کرنا خدا کا کام ہے جس دن خدا یہ دیکھ لے گا کہ اسلام اور احمدیت کے پھیلانے کے لئے جماعت نے ہر قسم کی قربانیاں کر لی ہیں۔ اس نے اپنے مالوں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنی جانوں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اسنے اپنی عزّتوں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنے رشتہ داروں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنے اوقات کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنے وطنوں کو بھی قربان کر دیا ہے تو وہ اپنے فرشتوں سے کہے گا کہ جاؤ اور دنیا کے دِلوں کو بدل دو اور لوگوں کو ان کے پاس کھینچ کر لے آؤ۔ اور جب خدا کی مدد آجائے تو لوگ اس کے سلسلہ میں داخل ہونے سے رُک نہیں سکتے۔ وہ آپ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ جب خدا دیکھتا ہے کہ اس جماعت نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے تو وہ خود لوگوں کے دلوں کو بدل دیتا ہے ورنہ صرف تبلیغ سے لوگوں کے دِلوں کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ہی مسلمان لوگ ہوتے تو صرف عرب کے لئے ہی شاید کئی صدیاں درکار ہوتیں۔ آپ کی تبلیغ سے ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوئی اور

باقی لوگوں کے دلوں کو فرشتوں نے خود بدل ڈالا۔ پس اِس بات کو عجیب نہ سمجھو کہ تمہاری تبلیغ کے نتیجہ میں دنیا کس طرح احمدی ہو جائے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف تمہارے ایمان کو ثابت کرے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف تمہارے یقین کو ثابت کرے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف تمہارے تعلق باللہ کو ثابت کرے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف اِس بات کو ثابت کرے گی کہ تم خدائی قانون کے معترف ہو جس دن یہ مقام تمہیں حاصل ہو گیا اور جس دن تم نے یہ ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی تکمیل میں تم کسی سے نہیں ڈرتے اُس دن وہ آپ ہی آپ لوگوں کے دلوں کو بدل دے گا جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے متعلق خبریں دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ دن ایسے ہوں گے کہ رات کو لوگ کافر سوئیں گے اور صبح اٹھیں گے تو مسلمان ہوں گے۔ پھر خدا خود لوگوں کے دِلوں کو بدلے گا اور وہ انہیں کھینچتے ہوئے تمہاری طرف لے آئے گا۔ دوسرا اب دنیا کے دِلوں کو بدلنا تمہارے اختیار میں نہیں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ خدا تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دلوں کو بدل دو اور یہی تبلیغ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تبلیغ یہ نتیجہ پیدا نہیں کرتی کہ دنیا مسلمان ہو جائے تبلیغ یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اگر تم تبلیغ نہیں کرو گے تو اسکے معنے یہ ہیں کہ تم ڈرتے ہو کہ لوگ ہمیں دُکھ دیں گے لیکن جب تمہارے اندر تبلیغ کا جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ جوش ثابت کر دیتا ہے کہ تم لوگوں سے نہیں ڈرتے تو خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کہتا ہے مخالفت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ کفر کا زمانہ جاتا رہا۔ جاؤ اور ہمارے مامور کی ڈیوڑھی پر سر رکھ دو کہ اس کے بغیر تمہاری نجات نہیں۔ اور جب خدا کہتا ہے تو دُنیا آپ ہی آپ کھچی چلی آتی ہے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ہمیں یہی نظارہ نظر آتا ہے۔ عیسائیت کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوُا۔ ایک دن عیسائیوں کے پادری روم کے گڑھوں اور ان کی غاروں میں پناہ لئے بیٹھے تھے۔ شام کے وقت ان کے قتل کے فتوے جاری تھے اور صبح کو تمام روم میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا کہ بادشاہ نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ عیسائیت سچا مذہب ہے اِس لئے روم کا بادشاہ عیسائی مذہب میں شامل ہو گیا ہے۔ آئندہ حکومت کا مذہب عیسائیت ہو گا۔ آج سے جو عیسائیوں کو دُکھ دے گا یا ان کو قتل کرے گا وہ پکڑا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ شام کو وہ اِس غم سے سوتے ہیں کہ نہ معلوم صبح تک ہم میں سے کون زندہ رہے اور کون مارا جائے۔ اور صبح کو اُٹھتے ہیں تو وہ دنیا کے بادشاہ بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا دشمن غاروں کی طرف بھاگ رہا ہوتا ہے۔ یہی حال محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوُا۔ اور جو کچھ

اب تک ہوتا رہا وہی تمہارے ساتھ ہوگا مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے بار بار توجہ دلانے کے باوجود تم اب تک اِس بات کو نہیں سمجھ سکے۔ تم ہی بتاؤ کہ کس ذریعہ سے مَیں تم کو سمجھاؤں اور وہ کونسا طریق ہے جس سے مَیں تم پر اس حقیقت کو واضح کروں۔ آخر تم حضرت عیسٰی علیہ السلام کو راستباز سمجھتے ہو اور تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا راستباز انسان سمجھتے ہو۔ اور ان سے جو کچھ گذرا وہ تمہارے سامنے ہے۔ لیکن اگر تم پھر بھی نہ سمجھو تو مَیں کیا طریقِ عمل اختیار کروں۔ اگر تم اتنی وضاحت کے باوجود بھی نہ سمجھو تو پھر تمہیں سمجھانا میرے بس کی بات نہیں مَیں تو خدا تعالیٰ سے پھر بھی کہہ سکتا ہوں کہ مَیں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکا مگر مَیں انہیں یقین نہیں دلا سکا اب تُو آپ ہی ان کو سمجھا کیونکہ ان کو سمجھانا میرے بس کی بات نہیں۔"[1]

---

[1] الفضل ۷؍اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴

دوسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کے سفر بھیرہ سے لیکر احمدیہ مسجد سمندری کے حادثہ آتشزدگی تک

(ماہ نبوت ۱۳۲۹ھش/نومبر ۱۹۵۰ء — احسان ۱۳۳۰ھش/جون ۱۹۵۱ء)

فصل اوّل

حضرت مصلح موعودؓ کا سفر بھیرہ

بھیرہ کی سرزمین تاریخ احمدیت میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اِسی میں حضرت حاجی الحرمین حکیم الامت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدین جیسا نورانی اور پاک وجود پیدا ہوا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بار فرمایا کہ "بھیرہ کو قادیان سے ایسی مناسبت ہے جیسے کہ مدینہ کو مکّہ سے۔ کیونکہ بھیرہ سے ہم کو نصرت ملی ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ ایک مدت سے بھیرہ تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور آپ نے نہ صرف اپنی حرم محترم اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی صاحبزادی حضرت امۃ الحی صاحبہ سے اُن کی زندگی میں اس کا وعدہ کیا تھا بلکہ اُن کی وفات (۱۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء) کے بعد احباب جماعت کے سامنے بھی اپنی اِس دلی آرزو اور خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ سالانہ جلسہ ۱۹۲۹ء کے موقع پر اعلان فرمایا:۔

"یہ بھی ارادہ ہے کہ آنے والے سال میں اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا ٹُور کروں۔ برہما کے دوستوں کا خیال ہے کہ میرے جانے سے اچھی تبلیغ ہو سکتی ہے۔ بنگال

[1] ذکر حبیب صفحہ ۱۶۴ (مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ مبلّغ اسلام امریکہ)

کے دوستوں کی بھی مدت سے خواہش ہے کہ میں وہاں جاؤں۔ اگر یہ سفر تجویز ہو تو راستے کے بڑے بڑے شہروں میں بھی ٹھہر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ سفر کامیاب ہو تو اور علاقوں میں بھی جا سکتے ہیں۔ بھیرہ جانے کا ارادہ مدت سے ہے کیونکہ وہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا وطن ہے"۔ [1]

حضورؓ کی یہ مبارک خواہش ہجرتِ قادیان کے چوتھے سال ۲۶ ر ماہِ نبوت ۱۳۲۹ھش (مطابق ۲۶ ر نومبر ۱۹۵۰ء) کو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس روز حضور دارالہجرت ربوہ سے صبح سات بجکر دس منٹ پر بذریعہ کار بھیرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور کی قیادت میں جانے والا قافلہ پانچ کاروں اور ایک بس پر مشتمل تھا جس میں جماعتِ احمدیہ بھیرہ کے ممتاز احمدیوں کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے ناظر، تحریکِ جدید کے وکلاء، جامعہ احمدیہ، جامعۃ المبشرین، مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے محترم اساتذہ اور دیگر اکابرِ سلسلہ و بزرگانِ جماعت تھے۔ علاوہ ازیں ایک بس قبل ازیں ربوہ سے سیّد داؤد احمد صاحب کی قیادت میں بھی روانہ ہوئی جس میں حضرت امیر المومنینؓ کے صاحبزادگان، خاندان مہدی موعودؑ کے دیگر ارکان اور جامعہ احمدیہ، جامعۃ المبشرین اور مدرسہ احمدیہ کے بعض طلباء شامل تھے۔

حضور معہ قافلہ آٹھ بجے کے قریب امیر جماعت ہائے احمدیہ سرگودہا مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ کے ہاں پہنچے۔ مرزا صاحب موصوف نے حضور اور دیگر ارکانِ قافلہ کو چائے پیش کی۔ جس کے بعد حضور ۹ بجکر ۵ منٹ پر بھیرہ جانے کے لئے بھلوال کی طرف روانہ ہوئے لیکن ابھی ۲۵ میل کے قریب ہی سفر طے ہوا تھا کہ نہر کے ایک پُل کے قریب ہی (جو سڑک کو کاٹتی ہوئی گزر رہی تھی) ملک صاحب خان صاحب نون معہ رفقاء کار سڑک پر راستہ روکے ہوئے کھڑے نظر آئے۔ اور حضور کی کار جونہی ٹھہری اپنے گاؤں فتح آباد چلنے کے لئے کچھ اس اخلاص و لجاجت کے ساتھ التجا کی کہ حضور اس تاریخی سفر کی مبارک ساعتوں میں سے چند لمحے فتح آباد کے لئے قربان کر دینے پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں سے قافلے کے دو حصے ہو گئے۔ بس اور ایک کار تو سیدھی بھیرہ پہنچی اور تین کاریں فتح آباد پہنچیں۔ یہاں حضور نے کوئی بیس منٹ کے قریب آرام فرمایا۔

بھیرہ والوں پر بھی اپنے وطن کی عظمت کا انکشاف شاید آج ہی ہوا تھا کہ ان کے وطن کی زمین

---

[1] الفضل ۷ ر جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳۔

میں کیسا بے بہا نگینہ پیدا ہؤا تھا جس کی آب وتاب دیکھنے کے لئے مصلح موعود جیسا جلیل القدر اور موعود خلیفۂ راشد آرہا تھا۔ مکرم فضل الرحمٰن صاحب بسمل بی۔ اے، بی ٹی بھیرہ کے بیان کے مطابق "شہر میں مخالفین نے جامع مسجد کے قریب بسوں کے اڈہ پر شورش برپا کرنے کا پروگرام بنایا تھا لہذا حضور کی کار اور ہمراہی قافلہ کو ایک اور راستہ سے شہر میں داخل کیا گیا۔ جب حضور کو اس کا علم ہؤا تو حضور نے فرمایا کہ شورش والی جگہ سے گذرنے میں کوئی حرج نہ تھا اگر لوگ دُکھ بھی دیتے تو میں برداشت کرتا۔" بہرحال قافلہ کی کاریں اور بسیں جونہی شہر میں داخل ہوئیں یُوں دکھائی دیتا تھا جیسے سارے کا سارا بھیرہ ہی خیر مقدم کے لئے لپک پڑا ہے۔ قافلہ جدھر سے بھی گذرا سڑکوں، گلیوں اور راستوں کے دونوں طرف لوگ پرے کے پرے جمائے کھڑے تھے اور محمود کی زیارت کے شیدائی پروانہ وار گرتے پڑتے نظر آتے تھے۔ بیسیوں طلباء جامعۃ المبشرین اور جامعہ احمدیہ و مدرسہ احمدیہ کے اپنے اپنے ذرائع سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکے تھے اور آس پاس کی جماعتوں کے احباب بکثرت اس تقریب میں شرکت کی برکت حاصل کرنے کے لئے صبح ہی سے موجود تھے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین کار سے اُترتے ہی[1] سب سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے آبائی مکان میں تشریف لے گئے جس کا بیشتر حصہ پہلے ہی مسجد پر مشتمل تھا اور جس کے باقی حصے اب بھی تمام مسجد ہی کے نام وقف ہیں۔

اسی مکان کے ایک کونے میں احبابِ جماعت نے حضور کو کرم دین[2] نامی تنور والے کی رہائش گاہ بھی دکھائی جس کو اللہ تعالیٰ نے غیر احمدی ہونے کے باوجود محض حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی محبت اور عظمت کی وجہ سے تعصب و تنفر کے اس تند و تیز جھکڑوں میں ثابت قدم رہنے کی توفیق دی تھی۔

---

[1] مخدوم الطاف احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ میانی کا بیان ہے کہ حضور جب بھیرہ پہنچے تو بزرگوارم والد صاحب جناب مخدوم محمد ایوب صاحب بی۔ اے (علیگ) صدر جماعتِ احمدیہ بھیرہ استقبال کے لئے آگے بڑھے تو حضور نے ازراہِ شفقت و محبت بزرگوارم والد صاحب سے معانقہ فرمایا اور یہ بات بزرگوارم والد صاحب کے زندگی بھر بڑے فخر کا موجب رہی۔

[2] یہ الفضل کے رپورٹر کا بیان ہے مگر جناب فضل الرحمٰن صاحب بسمل بی۔ اے، بی ٹی بھیرہ کے ایک مکتوب (مورخہ ۳ر امان ۱۳۵۱ھش) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام لال تھا۔

جب مکّہ و مدینہ شریف سے واپسی پر سارے بھیرہ والوں نے حضور کا مجلسی اور تمدنی بائیکاٹ کر دیا تھا حتیٰ کہ تنور والوں نے روٹی تک پکانے سے انکار کر دیا لیکن کرم دین نے ہر قسم کے لالچ اور رعب و داب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضور سے بائیکاٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا حضور نے بھی اس کے اس اقدام کی قدر کی اور اس کو اپنے آبائی مکان کا ایک حصہ دے دیا جس میں اس کے خاندان کے بعض لوگ اب بھی رہتے ہیں۔ اس واقعہ کا دوہرانا تھا کہ حضور کی آنکھوں میں وہ زمانہ پھر گیا اور آپ نے خواہش کی کہ گو اس کا لڑکا غیر احمدی ہی ہے لیکن اُس سے کہا جائے کہ وہ میرے لئے روٹی اپنے ہاتھ سے پکائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ایسا ہی ہوا اور احمدیت کے اس عظیم الشان خلیفہ نے اسی کرم دین کے بیٹے غلام احمد کے ہاتھ سے پکی ہوئی روٹی کھائی جس کے باپ نے کبھی احمدیت کے شیدائی اور آپکے شفیق استاد سے مصائب کے دور میں وفا کی تھی۔

حضور دیر تک مسجد نور میں کھڑے ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے خاندانی حالات، جائداد، اور اوائل زندگی کے واقعات کے متعلق بھیرہ کے عمر رسیدہ احباب سے دریافت فرماتے رہے۔ پھر اس مسجد میں شکرانے کے ۲ نفل ادا کئے۔ پھر صدر مقامی مخدوم محمد ایوب صاحب کی استدعا پر مسجد میں سنگ مرمر کا ایک "یادگار کتبہ" نصب فرمایا جس پر حضور کی بھیرہ میں تشریف آوری کا ذکر تھا اور اس کے بعد دعا فرمائی۔

مکانات کے ملاحظہ کے بعد سیدنا حضرت خلیفہ اوّل رض کا وہ مطب دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے جو رہائشی مکانات میں تبدیل کیا جا چکا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان پروانوں کی طرح گرتے پڑتے تھے مستورات ۲ رویہ چھتوں پر سے پھول نچھاور کر رہی تھیں۔ راستے میں مختلف موڑوں پر دروازے نصب تھے جن پر سنہری حروف میں اَهْلًا وَّ سَهْلًا وَّ مَرْحَبًا لکھا ہوا تھا اور فضا ہر ۲ منٹ بعد "اسلام زندہ باد" "احمدیت زندہ باد" "حضرت امیر المومنین زندہ باد" کے پُرجوش نعروں سے گونج اُٹھتی تھی۔ الغرض ایک عجیب بابرکت سماں تھی جس نے عقیدتوں کو پَر لگا دیئے تھے۔

مطب کے دیکھنے کے بعد حضور محمد افضل صاحب ملک کے مکان پر تشریف لے آئے یہیں جماعت کی طرف سے وسیع پیمانے پر دعوتِ طعام کا انتظام تھا۔ کھانا تناول کرنے کے بعد حضور نے تھوڑی دیر تک آرام فرمایا مگر یہ آرام محض بیٹھنے تک ہی محدود تھا کیونکہ اس کے دوران بھی حضور سے تعارف

کا سلسلہ جاری رہا اور حضور بھیرہ اور بھیرہ والوں کے متعلق استفسارات فرماتے رہے۔

نمازِ ظہر کے لئے حضور جماعتِ احمدیہ بھیرہ کی دوسری مسجد میں تشریف لے گئے اور ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ نمازوں کے معاً بعد امیر جماعت مقامی کی استدعا پر پہلے آپ نے ایک سنگِ یادگار اِس مسجد میں نصب فرمایا اور پھر دعا کے بعد بر سرِ منبر تشریف لے آئے۔

حافظ مبارک احمد صاحب نے تلاوتِ کلامِ پاک کی اور جناب ثاقب زیروی نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعت پڑھی۔ بعد ازاں مخدوم محمد ایوب صاحب بی۔ اے (علیگ) صدر جماعتِ احمدیہ بھیرہ نے مقامی جماعت کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا۔

حضرت امیر المومنین کا اہلِ بھیرہ سے پُرمعارف اور ایمان افروز خطاب

سپاسنامہ کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ایک پُرمعارف اور نہایت ایمان افروز خطاب فرمایا جو پانچ منٹ کم دو گھنٹہ تک جاری رہا۔[۱]

حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

"ایک رُبع صدی سے زیادہ عرصہ ہوا یعنی قریباً تیس سال ہوئے جب سے میرے دل میں اِس شہر میں آنے کا شوق ہوا۔ بھیرہ بھیرہ والوں کے لئے ایک اینٹوں اور گارے یا اینٹوں اور چُونے سے بنا ہوا ایک شہر ہے مگر میرے لئے یہ اینٹوں اور چُونے کا بنا ہوا شہر نہیں تھا بلکہ میرے استاد جنہوں نے مجھے نہایت محبّت اور شفقت سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا اور بخاری کا بھی ترجمہ پڑھایا ان کا مولد و مسکن تھا۔ بھیرہ والوں نے بھیرہ کی رہنے والی ماؤں کی چھاتیوں سے دُودھ پیا ہے اور مَیں نے بھیرہ کی ایک بزرگ ہستی کی زبان سے قرآن کریم اور حدیث کا دُودھ پیا۔ پس بھیرہ والوں کی نگاہ میں جو قدر بھیرہ شہر کی ہے میری نگاہ میں اس کی اس سے بہت زیادہ قدر ہے۔

بچپن سے ہی میری صحت کمزور تھی اور مَیں اکثر بیمار رہتا تھا جس کی وجہ سے مَیں پڑھنے میں بھی کمزور تھا۔ میری آنکھوں میں کُکرے تھے اور گلے میں سوزش رہتی تھی اِس لئے نہ تو مَیں پڑھ سکتا تھا اور نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت حضرت خلیفہ اوّل مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے جو بھیرہ کے رہنے والے تھے مجھے بُلا کر کہا میاں! تم مجھ سے قرآن پڑھا کرو۔ تمہیں نہ دیکھنے کی تکلیف ہوگی اور نہ پڑھنے کی تکلیف

---

[۱] الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اہل بھیرہ سے خطاب فرمارہے ہیں

ہو گی کیونکہ مَیں ہی بولا کروں گا اور مَیں ہی کتاب دیکھا کروں گا چنانچہ مَیں نے آپ سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ مَیں قرآن کھول کر سامنے رکھ لیتا تھا اور مولوی صاحبؓ پڑھتے بھی جاتے تھے اور ترجمہ بھی کرتے جاتے تھے۔ مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا یہ میری ذہانت کا نتیجہ تھا یا ان کے اخلاص اور محنت کا کہ چودہ پندرہ سال کی عمر میں چھ ماہ کے اندر تھوڑا تھوڑا وقت پڑھنے کے بعد قرآن کریم کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ پھر جب میری عمر بیس بائیس سال کی ہوئی تو آپ نے مجھے بُلایا اور کہا۔ میاں! تم مجھ سے بخاری شریف پڑھا کرو چنانچہ مَیں نے بخاری شریف پڑھنی شروع کر دی۔ گلے کی سوزش کی وجہ سے مجھ سے پڑھا نہیں جاتا تھا اور آنکھوں میں ککروں کی وجہ سے مَیں کتاب کو دیکھ نہیں سکتا تھا چنانچہ آپ آدھ پارہ بخاری کا روزانہ اپنے سامنے رکھ لیتے تھے اور آدھے کا آدھا پارہ پڑھا دیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی پڑھتے جاتے تھے اور خود ہی ترجمہ کرتے جاتے تھے اور دو اڑھائی ماہ میں چھٹیاں وغیرہ نکال کر مَیں نے بخاری کا ترجمہ ختم کر لیا۔ پھر عربی کے کچھ ابتدائی رسالے بھی مَیں نے آپ سے پڑھے۔ پس یہ علم تھا جو آپ نے مجھے سکھایا اور جس کی وجہ سے میرے اندر مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ آپ جو کچھ مناسب سمجھتے تھے بیان کر دیتے تھے اور اگر مَیں سوال کرتا تو مجھے روک دیتے تھے۔ ہمارے ایک ہم جماعت تھے۔ تھے تو وہ بڑی عمر کے لیکن دوبارہ کلاس میں شامل ہوئے تھے ان کا نام حافظ روشن علی صاحب تھا۔ آپ حضرت نوشہ کے خاندان میں سے تھے جن کا مزار رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ہے اور گدی کے مالکوں میں سے تھے آپ بڑے عالم تھے انہی کے داماد (حافظ مبارک احمد صاحب) نے ابھی قرآن کریم کی تلاوت کی ہے جب مولوی صاحبؓ کوئی معنے بیان کرتے تو چونکہ حافظ روشن علی صاحب ذہین اور خاص علم حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ اعتراض کرنا شروع کر دیتے تھے اور کہتے ان معنوں پر یہ یہ اعتراض پڑتا ہے۔ میری عمر اس وقت ۲۰، ۲۱ سال کی تھی۔ مَیں نے جب حافظ صاحب کو اعتراض کرتے دیکھا تو میرے دِل میں بھی ایک گدگدی سی اٹھی اور مَیں بھی اعتراض کرنے لگا مولوی صاحب کو مجھ سے بہت محبت تھی ایک دو دن تک تو آپ نے برداشت کیا پھر فرمایا میاں تمہارا معاملہ اور ہے اور حافظ صاحب کا معاملہ اور ہے یہ ہے مولوی۔ ان کا طریق ہوتا ہے بال کی کھال نکالنا لیکن تم مولوی نہیں تم نے تو دین حاصل کرنا ہے۔ پھر فرمایا میاں! یہ تو دیکھو مجھے تم سے کتنا عشق ہے اگر مَیں ان معنوں سے جو بیان کرتا ہوں زیادہ معنے جانوں تو تمہیں نہ بتاؤں اگر مجھے کوئی اَور معنے معلوم ہوتے تو مَیں ضرور بتا دیتا اگر مَیں نے تمہیں کوئی

اور معنے نہیں بتائے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ مجھے صرف اتنے ہی معنے آتے ہیں۔ پھر فرماتے۔ میاں! اتنا تو سوچو کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے اللہ کا بندہ میں ہی ہوں یا تم بھی ہو۔ کیا یہ میرا ہی فرض ہے کہ اسلام پر جو اعتراض پڑتا ہے اس کا جواب دوں۔ اور جن معنوں کو مَیں سمجھ نہیں سکا وہ بھی بتاؤں یا تمہارا بھی فرض ہے کہ تم خود سوچو اور اسلام پر پڑنے والے اعتراضات کا جواب دو۔ تم سوال نہ کیا کرو بلکہ خود سوچا کرو اور ان اعتراضات کے خود جواب دیا کرو۔

آپ نے جو کچھ مجھے پڑھایا مَیں اس کی بھی قدر کرتا ہوں لیکن جو آپ نے مجھے نہیں پڑھایا وہ میرے لئے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ جونہی یہ آواز۔ کہ کیا صرف میرا ہی فرض ہے کہ اسلام پر پڑنے والے شبہات کا جواب دوں یا تمہارا بھی فرض ہے۔ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں مَیں ہی اللہ کا بندہ ہوں یا تم بھی اللہ کے بندے ہو" میرے کانوں میں پڑی اس نے میرے اندر ایک آگ لگا دی۔ گویا اسرافیل فرشتے نے صور پھونکا ہے مَیں نے پوچھنا بند کر دیا اور سوچنا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے علم کے سمندر سکھا دیئے۔ اب اگر کوئی اسلام کا دشمن اسلام پر تنے ہی اعتراض کرے مَیں انہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے قرآن کریم سے ہی رد کر سکتا ہوں۔

چونکہ بھیرہ آنے کا شوق مجھے مدت سے تھا اس لئے یہاں آکر مَیں خوش بھی ہوں کہ میری ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی مگر بھیرہ کی دیواروں میں داخل ہونے کے بعد میرے دل کے زخم دوبارہ ہرے ہو گئے بھیرے کی ہی ایک لڑکی امۃ الحی سے جو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں میری شادی ہوئی اور ہم دونوں میں بہت محبت تھی۔ بے وقوف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اسلام اور روحانیت کے یہ معنے ہیں کہ میاں کو بیوی سے محبت نہ ہو اور بیوی کو میاں سے محبت نہ ہو لیکن جو لوگ اسلام اور روحانیت کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے محبت کا حکم دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ جس گلاس میں ہم پانی پیتیں اسی گلاس میں اسی جگہ ہونٹ رکھ کر پانی پیتے اور فرماتے میں یہ بتانے کے لئے ایسا کرتا ہوں کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک دفعہ میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا مَیں تڑپ رہی تھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپؐ نے فرمایا۔ عائشہ! صبر کرو لوگ بیمار ہوا ہی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں شدتِ درد سے مجھے تکلیف ہو رہی تھی اور رسول کریم

صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کو جو مجھے دین سکھانے کے لئے تھی سمجھی نہیں مجھے غصہ آگیا کہ مجھے شدید سر درد ہو رہا ہے اور بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرتے آپؐ کہتے ہیں صبر کرو لوگ بیمار ہوا ہی کرتے ہیں۔ مَیں نے غصہ سے کہا یا رسول اللہ آپ کو کیا مَیں مرجاؤں گی تو دوسری شادی کرلیں گے۔ حضرت عائشہؓ تکلیف میں کہتی تھیں۔ ہائے مَیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا عائشہ اگر یہ بات ہو تو ہائے تُو نہیں۔ ہائے مَیں۔ اور چند دن کے بعد آپ بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ جب تک زندہ رہیں ہمیشہ ہی اِس بات پر افسوس کیا کرتی تھیں کہ مَیں نے یہ فقرہ کہا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا کہ مَیں نے آپ کی محبت پر شبہ کیا ہے کاش مَیں یہ فقرہ نہ کہتی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے مرجاتی تا یہ صدمہ نہ دیکھتی۔ غرض ناواقف اور جاہل لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ ایک مسلمان کے معنے ہیں کہ وہ کوئی پتھر دِل کا انسان ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے جس میں محبت اور وفا کے جذبات پائے ہی نہیں جاتے حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم محبت اور وفا کا مجسّمہ تھے۔ ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں بیٹھے صحابہ سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ کی بیٹی آپ کو بُلا رہی ہے کیونکہ اس کا لڑکا بیمار ہے آپ باتوں میں مشغول تھے آپ نے فرمایا اچھا آتا ہوں اور پھر باتوں میں لگ گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکی بیٹی یاد فرماتی ہیں۔ لڑکے کی حالت زیادہ خراب ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا آتا ہوں اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے تیسرا شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی تشریف لائیے لڑکے کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ آپ تشریف لے گئے اور اپنے نواسہ کو گود میں لے لیا۔ تھوڑی دیر میں اس کی جان نکل گئی آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ کے پاس ایک انصاری تھے وہ بھی مُلّانوں کی ذہنیت کے تھے۔ انہوں نے کہا آپ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں اور رو رہے ہیں بھلا رسول کو جذبات سے کیا تعلق۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر خواہ وہ رسول ہو یا غیر رسول محبت کے جذبات پیدا کئے ہیں اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں محبت کے جذبات سے محروم رکھا ہے تو میرے پاس اس کا کیا علاج ہے۔

غرض آج سے چھبیس ستائیس یا اٹھائیس سال پہلے امۃ الحی مرحومہ سے جب ہم دونوں باتیں کیا کرتے تھے مَیں کہا کرتا تھا کہ مَیں تمہیں تمہارے ابّا کے وطن لے جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت

مَیں یہاں نہ آسکا اور امۃ الحی مرحومہ فوت ہوگئیں۔ اور جب مجھے بھیرہ آنے کا موقع ملا تو ان کی وفات پر چھبیس سال گذر رہے ہیں۔ پس جونہی مَیں بھیرہ میں داخل ہُوا وہ باتیں مجھے یاد آگئیں کہ مَیں نے امۃ الحی مرحومہ سے ان کے ابّا کا وطن دکھانے کا وعدہ کیا تھا لیکن خدا تعالیٰ کی مشیّت تھی کہ جب تک وہ زندہ رہیں مجھے یہاں آنے کا موقع نہ ملا اور جب مجھے یہاں آنے کا موقع ملا تو بھیرے کی بیٹی اور میری بیوی امۃ الحی مرحومہ فوت ہوچکی تھی۔ بہرحال جیسے اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہوتی ہے اسی طرح ہوتا ہے مَیں امۃ الحی مرحومہ کو بھیرہ لاسکا یا نہ لاسکا یہ سب رسمی باتیں ہیں۔ انسان کے اندر محبّت کے جذبات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے لیکن اگر فلسفیانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ کوئی بات نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب بدر کی جنگ میں تشریف لے گئے تو جو لوگ قید ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے ان میں آپ کا ایک داماد بھی تھا جس کو کفّار جبراً جنگ کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔ آپ نے قیدیوں سے کہا تم فدیہ دو اور رہائی حاصل کرلو۔ آپ کے داماد نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہاں مکّے جاکر کچھ انتظام کردوں گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا یہ نوجوان ایک شریف الطبع انسان تھا باوجود اس کے کہ لوگ اسے کہتے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو دُکھ دو وہ دُکھ نہ دیتا وہ کہتا مَیں مسلمان نہیں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی عقیدت نہیں رکھتا لیکن پھر بھی ان کی لڑکی کو کیوں ماروں چنانچہ وہ باوجود دوسروں کے اکسانے کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو دُکھ نہیں دیتا تھا جب وہ واپس مکّے گیا تو گھر میں کوئی چیز نہ تھی جو فدیہ کے طور پر دی جاتی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے پاس ایک سونے کا ہار تھا جو شادی کے موقع پر والدہ کی طرف سے اسے دیا گیا تھا اس نے اپنے خاوند کو وہ ہار دے کر کہا یہ ہار لے لو اور اسے فدیہ کے طور پر بھجوا دو۔ مسجد میں جاکر جب دوسرے لوگوں نے فدئیے پیش کرنے شروع کئے تو ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے داماد نے یہ ہار بطور فدیہ بھجوایا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ہار پر سے کپڑا اُٹھایا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر آپ خوشی سے منظور کرلیں کہ یہ ہار واپس کردیا جائے تو مَیں اس کی سفارش کرتا ہوں۔ ہار تو ہار ہی ہے مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ یہ ہار میری مرحومہ بیوی کے ہاتھ کا تحفہ ہے جو اس نے اپنی بیٹی کو دیا تھا اور میری

بیٹی کے پاس بس یہی ہار اپنی والدہ کی ایک یادگار ہے اس کے سوا اور کوئی یادگار نہیں۔ مجھے یہ ہار دیکھ کر صدمہ ہوا کہ خاوند کی جان بچانے کے لئے میری بیٹی نے ایک ہی چیز جو اس کے پاس والدہ کی یادگار تھی بطور فدیہ بھیج دی ہے۔ اگر آپ لوگ خوشی سے اسے معاف کر دیں تو میں یہ ہار واپس کر دوں صحابہ کرامؓ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ ہار کی بھلا حیثیت ہی کیا تھی صحابہؓ نے عرض کیا اس سے زیادہ خوشی ہمارے لئے اور کیا ہوگی کہ ہم اس ہار کو جو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو بطور تحفہ دیا تھا اسے واپس کر دیں۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار واپس کر دیا۔ اب دیکھو سونے میں کیا رکھا تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا وطن چھوڑا، جائدادیں چھوڑیں، مکان چھوڑے اور مشیّتِ الٰہی کے مقابلہ میں ان کی کچھ پروا نہ کی۔ پھر آپ کی شان تو بڑی تھی۔ صحابہؓ نے بھی اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے قربان کر دیا لیکن سونے کے اس ہار کو دیکھ کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا اس لئے کہ یہ حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا ہار تھا سونے کا سوال نہیں اگر وہ مٹی کا بھی بنا ہوا ہوتا تو آپ کو تکلیف ہوتی کیونکہ اس کا جذبات کے ساتھ تعلق تھا۔ پس امۃ الحی نے مرنا تھا اور وہ مر گئی۔ میں پہلے مر جاتا یا وہ پہلے مر گئی اس میں کوئی فرق نہیں یہ خدا تعالیٰ کا قانون تھا جو پورا ہوا لیکن یہ جذبات کی چیز ہے کہ جب ہم دونوں باتیں کیا کرتے تھے تو میں ان سے وعدہ کیا کرتا تھا کہ میں تمہیں تمہارے ابا کا وطن دکھاؤں گا لیکن جب وقت آیا کہ میں نے بھیرہ دیکھا تو وہ ہستی جس سے میں وعدہ کیا کرتا تھا کہ میں اسے اس کے ابا کا وطن دکھاؤں گا وہ دنیا سے گزر چکی تھی۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں مجھے یہاں آنے کی دیرینہ خواہش تھی۔ مقامی جماعت کے بعض دوست ڈرتے تھے کہ کہیں دوسرے لوگ شورش نہ کریں اور انہوں نے چاہا کہ میں بھیرہ نہ چلوں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر یہاں کے لوگ میری وجہ سے شورش کیوں کریں گے۔ آخر کوئی کسی کے خلاف ہوتا ہے تو اس لئے کہ وہ اس کا کام بگاڑتا ہے میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ میرے خلاف ہوں گے۔ اگر کوئی شخص میرے یہاں آنے کی وجہ سے شورش کرے گا تو وہ غلط فہمی کی بناء پر ہوگی۔ وہ اس خیال سے شورش کرے گا کہ میں (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہوں مجھ کو تو یہ مخالفت اچھی لگتی ہے کہ یہ میرے آقا (صلے اللہ علیہ وسلم) کی محبت کی وجہ سے ہے۔ آخر دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہاں کسی سے میرا زمین کا جھگڑا ہے یا مکان کا جھگڑا ہے۔ میں گورداسپور کا رہنے والا

ہوں اور ہجرت کے بعد ضلع جھنگ میں مقیم ہوں۔ اور جہاں تک جائداد کا سوال ہے یہاں کے کسی رہنے والے کو مجھ پر شکوہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو مجھ پر کوئی شکوہ ہے تو کسی جائداد کے جھگڑے کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ شکوہ مولویوں کی ان باتوں سے ہے کہ مَیں (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہوں مجھے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے یا مجھ پر پتھراؤ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ اسلئے ایسا کرتا ہے کہ وہ اپنی غلط محبّت کی وجہ سے مجھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن سمجھتا ہے۔ میرے لئے تو یہ بھی خوشی کا موجب ہے کہ وہ میری مخالفت کی وجہ سے شورش کرتے ہیں جو انہوں نے عملاً نہیں کی۔ یا وہ مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں جو عملاً انہوں نے نہیں کیا۔ اگر وہ عملاً بھی ایسا کرتے تب بھی مَیں خوش ہوتا کہ ان کے اندر میرے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبّت تو ہے۔ آخر مَیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں سے ہوں آپ کو شعر کی صورت میں ایک الہام ہؤا اُس کے الفاظ مَیں پہلے سُنا دیتا ہوں اور پھر اس کا ترجمہ کر دوں گا۔ اس وقت لوگ بڑی مخالفت کرتے تھے مَیں ابھی بچہ ہی تھا۔ لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دعوت سے واپس تشریف لا رہے تھے آپ جب بازار میں سے گذر رہے تھے لوگ چھتوں پر کھڑے ہو کر آپ کو گالیاں دیتے تھے اور کہتے تھے مرزا دوڑ گیا مرزا دوڑ گیا۔ اسی اثناء میں مَیں نے ایک بڈھے کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ کٹا ہؤا تھا اور اس پر تازہ ہلدی لگی ہوئی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ہاتھ کٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ بڈھا اپنا صحیح ہاتھ کٹے ہوئے ہاتھ پر مار کر کہہ رہا تھا مرزا نٹھ گیا مرزا نٹھ گیا۔ مَیں حیران تھا کہ آخر یہ کیوں کہتا ہے مرزا نٹھ گیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ لاہور شہر میں جا رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے حملہ کیا اور آپ زمین پر گر گئے۔ اس طرح لوگوں کو پتھراؤ کرتے ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے۔ غرض ان دنوں مخالفت بڑے زوروں پر تھی اور قدرتی طور پر جماعت کے بعض دوستوں کو بھی غصہ آجاتا تھا کہ آخر یہ لوگ بلاوجہ ایسا کیوں کرتے ہیں اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہؤا ؎

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگہدار
کآخر کنند دعویٔ حُبِّ پیمبرم

یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے دِل میں خدا تعالیٰ یہ الفاظ ڈالتا ہے اور فرماتا ہے اے ہمارے مامور یہ

مسلمان جو تمہیں گالیاں دیتے ہیں تو پھر بھی ان کا لحاظ کرو آخر یہ تمہیں کیوں گالیاں دیتے ہیں تمہیں مارنے کو کیوں دوڑتے ہیں اور تم پر حملہ آور کیوں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تمہیں مارتے اور گالیاں دیتے ہیں اِس لئے ان کا لحاظ رکھنا بھی بڑا ضروری ہے۔ غرض ہماری جو مخالفت ہوتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پیچھے کیا بات ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ جو تمہیں گالیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری چائے بھی شراب سے بدتر ہے (گویا شراب پینا جائز ہو سکتا ہے لیکن ہماری چائے پینا جائز نہیں) اگر انہیں پتہ لگ جائے کہ میرے اندر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جو شعلہ جل رہا ہے وہ ان کے لاکھوں لاکھ کے اندر بھی نہیں جل رہا تو وہ فوراً تمہارے قدموں میں گر جائیں گے۔ یہ لوگ مخالفت اسی لئے کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مَیں اور میرے ساتھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں یہ مخالفت بعض غلط فہمیوں کے نتیجہ میں ہے اِسی لئے جب مَیں نے سُنا کہ لوگ میرے آنے پر شورش کریں گے تو مجھے غصّہ نہیں آیا مجھے یہ سُنکر کہ لوگ میری مخالفت کی وجہ سے شورش کریں گے خوشی ہوئی کہ ابھی میرے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چنگاری ان کے اندر سُلگ رہی ہے اگرچہ وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر ایسا کر رہے ہیں لیکن اس کا موجب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی ہے اِس لئے ہمیں بجائے غصّہ میں آنے کے تبلیغ کی طرف توجہ دینی چاہیئے اور ان کی غلط فہمیوں کو دُور کرنا چاہیئے۔ اگر کسی شخص کا بھائی بیمار ہو جاتا ہے تو وہ اسے زہر دے کر مارا نہیں کرتا، وہ اسے گلہ گھونٹ کر مارا نہیں کرتا بلکہ اس کا علاج کرتا ہے اِس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم بجائے ناراض ہونے کے اس مخالفت کو رفع کرنے کی کوئی تدبیر کریں۔ اگر لوگ مخالفت کرتے ہیں اور مجھے یا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو یا تمہیں بُرا بھلا کہتے ہیں تو جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور کسی غلط فہمی میں مُبتلا ہیں پس تم بجائے ناراض ہونے کے دعائیں کرو، ان مخالفت کرنے والوں کو اصل حقیقت سے واقف کرو جب تم انہیں اصل حقیقت سے واقف کر دوگے تو انہیں پتہ لگ جائے گا کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن نہیں بلکہ آپؐ کے سچے عاشق ہیں اور وہی لوگ جو تمہیں مارنے پر آمادہ ہیں تمہاری خاطر مرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ آخر مکّہ والوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کتنی مخالفت کی تھی۔ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اِسی لئے کرتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے یہ شخص دینِ حقہ یعنی اُن کے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت کرتا اور اسے بگاڑتا ہے لیکن جب

انہیں پتہ لگ گیا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی دینِ حقہ لائے ہیں تو وہی مکّہ والے جو آپ کو مارنے کے درپے تھے آپ کی خاطر قربانیاں کرنے اور اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اشد ترین دشمن عتبہ، شیبہ، عاص اور ابوجہل تھے اور ان کے ساتھ لگا ہوُا ابوسفیان تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اکرمؐ کی ابتدا سے مخالفت کی۔ ایسی شدید مخالفت کی جس کی مثال دنیا کے پردہ پر نظر نہیں آتی۔ ابوجہل کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ ابوجہل پاس سے گذرا اس نے جب آپؐ کو چٹان پر اس طرح خاموش بیٹھے دیکھا تو شیطان نے اس کے دل میں شرارت پیدا کی۔ اس نے آپؐ کو گالیاں دیں بُرا بھلا کہا اور پھر آپؐ کو ایک تھپڑ مارا اور کہا تُو باز نہیں آتا اپنی باتوں سے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم چُپکے بیٹھے کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہے تھے۔ جب ابوجہل نے آپؐ کو تھپڑ مارا آپ نے صرف اتنا کہا مَیں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ تُو میرا دشمن ہو گیا ہے مَیں نے تو تمہیں صرف خدا تعالیٰ کا پیغام سُنایا ہے۔ آپ نے یہ فرمایا اور چٹان پر بیٹھ گئے۔ حضرت حمزہؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپ نہایت ہی دلیر، بہادر اور مضبوط پہلوان تھے۔ آپ ہر وقت شکار میں لگے رہتے تھے اور دین کے متعلق سوچنے کا کبھی آپ کو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ جب ابوجہل نے محمد رسول اللہؐ کو مارا تو آپ کی ایک پُرانی لونڈی اس واقعہ کو دیکھ رہی تھی۔ پُرانی لونڈیاں اور خادم بھی گھر کے فرد بن جاتے ہیں۔ اس لونڈی نے جب یہ نظارہ دیکھا تو اسے بہت دُکھ ہوُا۔ وہ مسلمان تو تھی نہیں وہ سارا دن کام کرتی جاتی تھی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دوسرے بزرگوں کو یاد کرکے بڑبڑاتی جاتی تھی کہ آمنہ کے بچے نے ان کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ یُونہی اسے مارتے ہیں اور وہ انہیں کچھ بھی تو نہیں کہتا۔ سارا دن اس کے سینہ کے اندر آگ لگی رہی۔ رسول کریمؐ اس پتھر پر سے اُٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ شام کو وہ تو کچی بنے نیزہ اور تلوار لٹکائے ہوئے تیر کمان پکڑے ہاتھ میں شکار لٹکائے گھر واپس آئے۔ حضرت حمزہؓ کا گھر میں داخل ہونا تھا کہ وہ لونڈی کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو ہر وقت اسلحہ سے مسلح رہتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صبح ابوجہل نے تمہارے بھتیجا سے کیا کیا۔ حضرت حمزہؓ نے کہا کیا بات ہے۔ یہ سوال سُنکر لونڈی رو پڑی اور اس نے کہا مَیں دروازہ میں کھڑی تھی کہ محمد رسول اللہ

اس پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور چُپ کر کے بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل پاس سے گذرا اور بغیر کچھ کہے اسنے آپؐ کے مُنہ پر تھپڑ مارا اور بُرا بھلا کہا۔ آپؐ نے صرف اتنا کہا کہ اے لوگو مَیں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے مَیں نے تمہیں کیا دُکھ دیا ہے کہ تم مجھے مارتے ہو مَیں صرف خدا تعالیٰ کا پیغام تمہیں سُناتا ہوں۔ پھر وہ لونڈی غصہ میں آکر کہنے لگی خدا کی قسم محمدؐ نے ابوجہل کو کچھ بھی تو نہ کہا تھا۔ ایک جاہل عورت کی زبان سے یہ بات سُنکر حمزہ کو غیرت آگئی اور فوراً واپس لوٹے۔ شام کا وقت تھا۔ ابوجہل سرداروں کی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد دوسرے سردارانِ مکّہ بیٹھے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بدگوئیاں ہو رہی تھیں۔ حضرت حمزہؓ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں ابوجہل دوسرے سرداروں کے ساتھ بیٹھا محمد رسول اللہؐ کی بدگویاں کر رہا تھا۔ ہاتھ میں تیر کمان تھی آپ نے اس کا ایک سرا پکڑ کر ابوجہل کے مُنہ پر دے مارا اور کہا تُو بڑا بہادر بنا پھرتا ہے میری لونڈی نے مجھے بتایا ہے کہ میرا بھتیجا آج صبح جب ایک پتھر پر بیٹھا تھا تو تُو نے اسے تھپڑ مارا اور اس نے تمہیں کچھ جواب نہ دیا۔ اب مَیں تمہیں مارتا ہوں اگر تم بہادر ہو تو میری مار کا جواب دو۔ یہ واقعہ ایسا اچانک ہوُا کہ ابوجہل گھبرا گیا اس کے ساتھی جوش سے کھڑے ہوئے اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ لڑنے کو اُٹھے مگر ابوجہل پر صداقت کا اثر تھا وہ کہنے لگا جانے دو مجھ سے ہی صبح غلطی ہوگئی تھی۔ حضرت حمزہؓ واپس آئے اور اس مکان کا پتہ لے کر جہاں ان دنوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مقیم تھے وہاں پہنچے اور عرض کیا کہ مَیں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ ابوجہل کی دشمنی کا حال تھا۔ بلا وجہ رسول کریمؐ کی دشمنی کیا کرتا تھا۔ اگر یہ ہوتا کہ آپ توحید کا وعظ کر رہے ہوتے اور ابوجہل پاس سے گذرتا اور آپ کا وعظ سُنکر غصہ میں آجاتا تو کچھ جواز بھی نکل سکتا تھا لیکن آپ خاموش پتھر پر بیٹھے کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہے تھے اور ابوجہل نے بلا وجہ آپ کو تھپڑ مارا۔ یہ ابوجہل کی مخالفت کی حالت تھی۔ اس کا بیٹا عکرمہ بھی اس کے نقشِ قدم پر چلتا تھا اور وہ آپؐ کی دشمنی میں انتہاء کو پہنچا ہوُا تھا۔ بیسیوں مسلمانوں کو اس نے مارا اور قتل کیا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کو فتح دی اور رسول کریمؐ ایک فاتح کی حیثیّت میں مکّہ میں داخل ہوئے اور آپؐ نے چند افراد کو جو تعداد میں سات کے قریب تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کو مارا تھا ان کو انسانیّت کے خلاف جرائم کرنے کی وجہ سے مار دینے کا حکم دیا۔ یورپ والوں نے بھی بعض لوگوں کو اسی قسم کے جُرموں کی بناء پر قتل کیا یا پھانسی پر لٹکایا

چنانچہ گذشتہ جنگ کے اختتام پر ہی جب بعض سرکردہ جرمن لیڈروں پر مقدمہ چلایا گیا تو یہ کہا گیا کہ انہیں جنگ کے بدلہ میں نہیں بلکہ ان انسانیت سوز جرائم کے عوض میں پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے جو ان سے سرزد ہوئے۔ اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکّہ کے بعد ان سات افراد کے متعلق یہ احکام جاری کئے کہ اگر یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر بھی کھڑے ہوں تب بھی انہیں قتل کر دیا جائے چنانچہ وہ لوگ مکّہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان سات افراد میں عکرمہ بھی تھا اس کی بیوی دِل سے مسلمان ہو چکی تھی وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں دِل سے مسلمان ہوں میرا خاوند مکّہ چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ وہ اسلام کا کتنا دشمن ہی سہی لیکن پھر بھی آپ کا بھائی ہے۔ کیا یہ بہتر ہو گا کہ وہ کسی اَور ملک میں جاکر کسی غیر کے ماتحت رہے اور وہاں دھکّے کھاتا پھرے یا یہ بہتر ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور وہ آپ کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرے۔ آپ نے فرمایا اچھا ہم اسے معاف کرتے ہیں وہ واپس آجائے ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے اس کی بیوی نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ بڑی غیرت والا شخص ہے اگر آپ یہ کہیں گے کہ وہ مسلمان ہو کر یہاں رہے تو وہ یہاں نہیں رہے گا۔ اگر آپ اجازت دیں کہ وہ کافر ہوتے ہوئے بھی یہاں رہ سکتا ہے تو وہ واپس آجائے گا۔ آپؐ نے فرمایا بہت اچھا ہم اسے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہیں گے وہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ عکرمہ کی بیوی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد لے کر عکرمہ کی تلاش میں گئی۔ عکرمہ حبشہ کی طرف بھاگا جا رہا تھا وہ جہاز میں سوار ہونے کو تیار تھا کہ اس کی بیوی وہاں پہنچی۔ وہ جگہ مکّہ سے سات دن کے فاصلہ پر تھی بیوی نے خاوند سے کہا تم کہاں جا رہے ہو۔ یہاں تمہارا اپنا بھائی حاکم ہے۔ کیا یہ بہتر ہے کہ تم اس کے ماتحت رہو یا یہ بہتر ہے کہ تم غیر کی غلامی کرو۔ عکرمہ نے کہا کیا تجھے علم نہیں کہ مجھے قتل کر دینے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتے تمہارے سینہ میں کفر کی آگ بھڑک رہی ہے میں جانتی ہوں کہ جو کچھ انہوں نے مجھ سے کہا ہے۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر عکرمہ مکّہ واپس آجائے تو میں اسے معاف کر دوں گا عکرمہ نے کہا اچھا انہوں نے اگر معاف بھی کر دیا تو وہ مجھے مسلمان ہونے کے لئے کہیں گے لیکن میں تو مسلمان نہیں ہوں گا۔ بیوی نے کہا نہیں عکرمہ۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ تمہیں مسلمان ہونے کے لئے بھی نہیں کہیں گے تم اپنے مذہب پر قائم رہ کر مکّہ میں رہ سکتے ہو۔ عکرمہ نے کہا۔ کیا یہ سچ ہے۔ بیوی نے کہا

ہاں یہ بالکل سچ ہے مَیں نے خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بات کی ہے۔ عکرمہؓ نے کہا۔ اچھا مَیں چلتا ہوں لیکن مَیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے یہ باتیں سُنوں گا تب مانوں گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے کہ عکرمہ کی بیوی اسے ساتھ لئے حاضر ہوئی۔ عکرمہؓ نے کہا محمد (عکرمہؓ ابھی ایمان نہیں لایا تھا اور وہ آپؐ کو اسی نام سے پکارتا تھا) میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے آپؐ نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے۔ عکرمہ نے کہا میری بیوی نے ایک اَور بات بھی کہی ہے اور وہ یہ ہے کہ مَیں مکّہ میں اپنے مذہب کو مانتے ہوئے بھی رہ سکتا ہوں مجھے اپنا مذہب تبدیل کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے عکرمہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکرمہ مَیں نے تجھے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہا عکرمہ نے کہا اتنا بلند حوصلہ اور ایثار خدا تعالیٰ کے رسول کے سوا اَور کسی میں نہیں ہو سکتا جب مَیں نے اپنے کانوں یہ بات سُن لی کہ آپ نے مجھ جیسے شدید دشمن کو بھی معاف کر دیا ہے تو مَیں آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا ہوں اب آگے دیکھو عکرمہ میں کتنی جلدی فرق پڑتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا عکرمہؓ ہم صرف تمہارے قصوروں کو ہی نظر انداز نہیں کرتے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ تم کچھ مانگ۔ لو اگر ہماری طاقت میں ہوا تو ہم تمہاری خواہش کو پُورا کر دیں گے تو اس کے مُنہ سے یہ بات سجتی تھی کہ مجھے دو سَو اُونٹ دے دیں۔ میرے مکان مجھے واپس دے دیں لیکن وہ کلمہ پڑھتے ہی بدل چکا تھا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ مَیں آپ سے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ مَیں نے آپ سے لڑائیاں کر کے جو گناہ سہیڑے ہیں خدا تعالیٰ وہ گناہ مجھے معاف کر دے۔ پھر اسی عکرمہ نے مسلمان ہونے کے بعد وہ قربانی دکھائی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی فوجیں قیصر کی فوجوں سے لڑنے کے لئے گئیں تو ایک جگہ پر دشمن کو زور حاصل ہو گیا دشمن نے ایک ٹیلہ پر عرب تیر انداز بٹھا دئے جو صحابہؓ کو پہچانتے تھے اور انہیں ہدایت تھی کہ صحابہؓ کو چُن چُن کر ان کی آنکھوں پر تیر ماریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اکثر صحابہؓ اندھے ہو گئے۔ مسلمانوں کو فکر پڑی کہ صحابہ کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ حضرت عکرمہؓ حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اسلامی فوج کے کمانڈر تھے اور کہا صحابہؓ کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے جب تک ہم اچانک حملہ

کرکے انہیں خوفزدہ نہیں کریں گے یہ پیچھے نہیں ہٹیں گے آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں تیس آدمی ساتھ لے کر کفار کے لشکر کے قلب پر حملہ کروں تاوہ تتر بتر ہو جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا یہ بات خلافِ عقل ہے کہ ۶۰ ہزار دشمن کے مقابلہ پر تیس آدمی جائیں۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا آخر ہم مرہی جائینگے اور کیا ہوگا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا میں اتنی بڑی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بلایا اور ان سے کہا عکرمہ یوں کہتا ہے۔ خالد نے کہا عکرمہ نے ٹھیک کہا ہے جب تک دشمن پر ہمارا رعب نہیں پڑے گا وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا اس کے یہ معنے ہونگے کہ میں تیس مسلمان مروا دوں۔ خالد نے کہا آخر آدمی مرا ہی کرتے ہیں۔ تب حضرت ابو عبیدہؓ نے عکرمہؓ کی بات مان لی۔ ہاں اتنا کر دیا کہ تیسؔ آدمی کی بجائے ساٹھ آدمی ان کے ساتھ کر دئے تا دشمن کے ہر ہزار کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہو جائے۔ دوسرے دن ان ساٹھ افراد نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور ساٹھ ہزار دشمن میں گھس گئے۔ پہلی صف والے ابھی تلوار ہی اُٹھا رہے تھے کہ یہ وہ صف گذر چکے تھے۔ جب دوسری صف والے تلواریں اُٹھانے لگے تو یہ تیسری صف میں پہنچ چکے تھے۔ دشمن فوج کا کمانڈر جس سے قیصر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کی تو وہ اسے اپنی لڑکی بیاہ دے گا۔ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا یہ وہاں پہنچے لشکر کو بھی ہوش آچکی تھی یہ مرتے گئے لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ جب یہ عین اس جگہ پر پہنچے جہاں کمانڈر بیٹھا تھا تو وہ گھبرا کر بھاگ اُٹھا لیکن ساٹھ کے ساٹھ یا تو زخمی ہوگئے یا مر گئے اتنے میں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے ساٹھ جانباز سپاہی لڑ رہے ہیں تو انہوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور دشمن کو جب خبر پہنچی کہ ان کا کمانڈر بھاگ گیا ہے تو وہ بھی بھاگ گئے۔ فتح کے بعد جب تلاش کیا گیا تو سوائے چند کے جو شدید زخمی تھے باقی سب مر چکے تھے۔ گرمی کا موسم تھا شدتِ پیاس کی وجہ سے زخمیوں کی زبانیں باہر نکل رہی تھیں۔ بعض سپاہی پانی کی کُپیاں لے کر وہاں پہنچے۔ جب وہ حضرت عکرمہؓ کے پاس گئے تو آپ کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی انہیں پانی پینے کے لئے کہا گیا جب وہ پانی پینے لگے تو ان کی نظر اپنی داہنی طرف پڑی آپ نے دیکھا کہ حضرت فضلؓ (حضرت عباسؓ کے بھائی) شدتِ پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں۔ آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا اور کہا پہلے انہیں پانی دو۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنے پہلو میں ایک اور زخمی دیکھا جو شدتِ پیاس کی وجہ سے تڑپ رہا تھا انہوں نے اس کی طرف اشارہ

کیا کہ پہلے اسے پانی پلاؤ۔ دس آدمی زخمی پڑے ہوئے تھے ان دسوں کے پاس جب آدمی چھاگل لے کر گئے تو انہوں نے دوسرے کی طرف بھیج دیا تاکہ اسے پہلے پانی پلایا جائے۔ جب وہ آدمی دسویں کے پاس پانی لے کر گیا تو وہ مر چکا تھا۔ نویں کے پاس گیا تو وہ بھی مر چکا تھا۔ آٹھویں کے پاس گیا تو وہ بھی مر چکا تھا۔ اسی طرح وہ ہر ایک کے پاس سے ہوتا ہؤا دوبارہ عکرمہ کے پاس گیا تو وہ بھی مر چکے تھے۔

اب دیکھو کجا یہ کہ ابوجہل کی دشمنی کی یہ حالت تھی کہ اس نے انتہائی مخالفت کی اور کجا یہ کہ جب اسکے بیٹے عکرمہ کو پتہ لگ گیا کہ اس کے باپ نے غلطی کی تھی تو وہی عکرمہ جو اپنی ذاتی عزت اور وجاہت کی خاطر اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا ہؤا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کیا کرتا تھا اسنے اپنے آپ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خاطر اس طرح قربان کیا کہ اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ خالدؓ بن ولید کو دیکھو مسلمان ان کا نام لیتے تھکتے نہیں لیکن وہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اشد ترین دشمن تھا۔ عمرو بن العاص کی بھی مسلمان تعریف کرتے ہیں کہ وہ بہترین جرنیل تھے لیکن وہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اشد ترین دشمن تھے۔ ان کو دیکھو اور ان کی اولادوں کو دیکھو۔ احد کے واقعات کو دیکھو وہ شخص جس کی وجہ سے فتح مبدل بہ شکست ہوگئی تھی وہ خالد بن ولید ہی تھے۔ وہ حملہ جس کی وجہ سے مسلمان لشکر میں کہرام مچ گیا تھا وہ خالد کا ہی کیا ہؤا تھا اور خالد ہی ہے جس کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ وہی خالد اسلام کی لڑائیوں میں اتنا زخمی ہؤا کہ جب وہ مرنے لگا تو اس نے کہا میرے سر سے لے کر پاؤں تک کوئی ایسی جگہ نہیں جس میں تلوار کا نشان نہ ہو لیکن یہ وہی خالد تھا جس نے اسلامی لشکر کو پسپا کر دیا تھا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا تھا۔ دوسرا جرنیل جس نے خالدؓ کے ساتھ مل کر مسلمان لشکر پر حملہ کیا وہ عمروؓ بن عاص تھا جس نے بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر فتح کیا لیکن جنگِ احد کے وقت یہی دونوں تھے جنہوں نے حملہ کر کے صحابہؓ کو زخمی کر کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پھینک دیا اور آپؐ کو بھی زخمی کر دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص کے بیٹے حضرت عبداللہ عمروؓ آپ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے (جو لوگ حدیث سے واقف ہیں وہ عبداللہ بن عمروؓ اور عبداللہ بن عمرؓ میں فرق نہیں کرتے۔ درحقیقت یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بہت سی روایات مروی ہیں) حضرت عمرو بن العاصؓ جب فوت

ہونے لگے تو آپ رو رہے تھے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا باپ کیا آپ بھی روتے ہیں۔ اگر آپ کفر کی حالت میں مرتے تب تو کوئی بات تھی خدا تعالیٰ نے آپ کو اسلام نصیب کیا اور اب تو آپ کے لئے بشارت ہی بشارت ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے کہا بیٹا تمہیں معلوم نہیں اسلام کے ساتھ میری دو کیفیتیں رہی ہیں جب تک مَیں مسلمان نہیں ہوا تھا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے اتنا بُغض تھا اور اسلام کے ساتھ مجھے اتنی دشمنی تھی کہ مَیں نے کبھی آنکھ اُٹھا کر آپ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اگر مَیں اس وقت مرتا اور کوئی شخص مجھ سے یہ پُوچھتا کہ آپ کی شکل کیا تھی تو مَیں آپ کی شکل نہ بتا سکتا۔ پھر جب اسلام لایا تو مجھے آپ سے اتنا عشق پیدا ہُوا اور میرے اندر آپ کی اِس قدر محبّت جاگزین ہوئی کہ مَیں آپ کے رُعب کی وجہ سے آپ کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ اگر اب مجھ سے کوئی پوچھے کہ آپ کی شکل کیا تھی تو مَیں نہیں بتا سکتا۔ کفر کی حالت میں بُغض کی وجہ سے مَیں نے آپ کی شکل نہ دیکھی اور اسلام کی حالت میں محبّت اور عشق کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں اگر فوت ہو جاتا تو کوئی فکر نہ تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد کئی غلطیاں مجھ سے سرزد ہو گئی ہیں مَیں نہیں جانتا ان غلطیوں کی وجہ سے قیامت کے دن بھی آپؐ کا دیدار نصیب ہو یا نہیں۔ اور وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگ گئے۔

ہماری جماعت کے لوگ مخالفت سے گھبراتے اور غصّہ میں آجاتے ہیں لیکن مخالفت کی وجہ سے گھبرانے اور غصّہ میں آجانے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ لوگ مخالفت کیوں کرتے ہیں ؟ یہ لوگ اِس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں اور نعوذ باللہ آپؐ کو گالیاں دیتے اور اسلام کو بگاڑتے ہیں۔ گویا وہ مخالفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور اس غلط فہمی کے نتیجہ میں کرتے ہیں کہ ہم اسلام کے دشمن ہیں ہمیں دعائیں کرنی چاہئیں اور ساتھ ہی ساتھ تبلیغ کرنی چاہئیے۔ آخر ہم ان کی غلط فہمیوں کو کیوں دُور نہیں کرتے۔ اگر ایک مولوی ہمارے متعلق یہ کہتا ہے کہ ہم حضرت امام حسینؓ کی ہتک کرتے ہیں تو تم نے کیوں لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ ہم حضرتِ امام حسینؓ کی ہتک نہیں کرتے بلکہ ان کی تم سے بھی زیادہ عزّت کرتے ہیں۔ اگر تم نے انہیں یہ بتایا ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ کہا ہے ؎

خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است

تو وہ حقیقت سمجھ جاتے اور مولویوں سے کہتے کہ کیا یہ نعرہ کہنے والا شخص حضرت امام حسینؓ کا دشمن یا ہتک کرنے والا ہو سکتا ہے لیکن تم گھروں میں بیٹھے رہے اور گھر بیٹھے بیٹھے تم نے سمجھ لیا کہ لوگوں نے اس کے معنے سمجھ لئے ہیں۔ پھر فرض کرو اگر دشمن یہ کہتا ہے کہ مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں تو تم ان کے سامنے گالیوں کی ایک فہرست رکھ دیتے کہ یہ گالیاں مولویوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی ہیں۔ یہ سب گالیاں کتابوں میں چھپی ہوئی ہیں تم وہ کتابیں ان کے سامنے رکھ دیتے اور انہیں بتاتے کہ کیا یہ مولویوں کا کام ہے تو ساری بات ان کی سمجھ میں آجاتی۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو حرام زادہ کہے اور وہ اسے کہے بے ایمان یہ بات مت کہو اور پہلا شخص جس نے اسے حرام زادہ کہا ہے اس سے لڑنے لگ پڑے۔ اب اگر تیسرا شخص پاس سے گذرتا ہے اور وہ اس سے دریافت کرتا ہے میاں تم لڑتے کیوں ہو اور وہ کہتا ہے اس نے مجھے بے ایمان کہا ہے تو اگر پہلا شخص اسے یہ بتا دیتا ہے کہ اس نے مجھے حرام زادہ کہا ہے اور قرآن و حدیث نے ایسا کہنے سے منع فرمایا ہے تو وہ کہے گا یہ تو قرآن اور حدیث کی بات کہتا ہے یہ گالی نہیں گالی وہ ہے جو تم نے دی۔ پس اگر تم لوگوں کے پاس جاتے ہو اور انہیں بتاتے ہو کہ مولویوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ گالیاں دی ہیں اور ان کے جواب میں آپ نے انہیں یہ کہا ہے کہ قرآن کریم نے ان سے منع فرمایا ہے تو وہ مولویوں کے پاس جاتے اور انہیں کہتے مرزا صاحب کو تم نے یہ یہ گالیاں دی ہیں اب اگر انہوں نے اس کے جواب میں کچھ کہا ہے تو شریعت میں اس کا نام گالی نہیں۔ اس پر مولوی یا تو یہ کہہ دیتے کہ یہ ہماری کتابیں نہیں یا یہ فتویٰ دیتے کہ ہمارے ماں باپ اور آباء و اجداد جھوٹے اور مفتری تھے لیکن یہ صاف بات ہے کہ وہ یہ فتویٰ ہرگز نہیں دیں گے کہ ہمارے ماں باپ جھوٹے اور مفتری تھے۔ اگر ایک اہلِ حدیث تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں تو تم جھٹ انہی کی کتابیں ان کے سامنے رکھ دو اور کہو کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دوسرے علماء اہل حدیث نے مرزا صاحب کو یہ یہ گالیاں دی ہیں اور مرزا صاحب نے انہیں ان گالیوں سے منع فرمایا ہے لیکن جب ایک مولوی یونہی شور مچا دیتا ہے کہ مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں تو لوگوں کو چونکہ پتہ نہیں ہوتا کہ ان کے

بابیوں نے مرزا صاحبؒ کو کیا کچھ کہا ہے اِس لئے وہ مخالفت کرنے لگ جاتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے ان کی کتابیں رکھ دو اور بتاؤ کہ تمہارے علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ گالیاں دی ہیں اور کیا یہ اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔ بعض غیر اسلامی گالیاں ہیں اور بعض غیر اسلامی نہیں مثلاً احمق ہے کسی کو احمق کہنا شرافت کے تو خلاف ہے لیکن اسلام کے خلاف نہیں۔ لیکن اگر کوئی حرام زادہ کہہ دیتا ہے تو یہ اسلام کے خلاف ہے اسلام نے ایسا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر اس قسم کی احادیث موجود ہیں کہ اگر کوئی کسی کو بُرا کلمہ کہتا ہے تو وہ اس کی طرف لَوٹ آتا ہے۔ اب یا تو یہ باتیں احادیث سے نکال دو اور اگر انہیں احادیث سے نہیں نکالتے تو پھر غصہ میں کیوں آتے ہو۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے اگر کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ اب یا تو یہ حدیث کاٹ دو اور یا ہماری بات مانو۔ ہم کوئی نیا فتویٰ نہیں دیتے آج سے چودہ سَو سال قبل سے یہ باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں ہم تو آج پیدا ہوئے ہم امام مسلمؒ کے ساتھ تو نہیں بیٹھے تھے ہم امام بخاریؒ کے ساتھ تو نہیں بیٹھے تھے، ہم ابو داؤد اور ترمذی کے ساتھ تو نہیں بیٹھے، ہم نسائیؒ اور ابنِ ماجہؒ کے پاس تو نہیں بیٹھے تھے لیکن ان بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ باتیں لکھی ہیں اور وہ اب تک موجود ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں یہ جھُوٹا ہے اللہ تعالےٰ کہتا ہے تم اسے جھوٹا کیونکر کہہ سکتے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں جو پیشگوئیاں اس کے متعلق پائی جاتی ہیں اور وہ اس کے حق میں پوری ہو گئی ہیں کیا وہ پیشگوئیاں اس نے موسیٰ علیہ السلام کو لکھوا دی تھیں۔ اگر آج سے کئی سو سال قبل کی لکھی ہوئی باتیں اس شخص کے حق میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ شخص یقیناً سچا ہے اگر یہ جھُوٹا ہوتا تو خدا تعالیٰ اتنے سو سال قبل کی کہی ہوئی باتیں اس کی ذات میں کیوں پوری کرتا۔ غرض جو بات مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں کے اعتراضات کے جواب میں کہتے ہیں وہی بات ہم کہتے ہیں کہ مسلم اور بخاری میں یہ باتیں لکھی ہیں ہم تو اس وقت موجود نہیں تھے کہ ہم نے خود یہ باتیں لکھوا دیں۔ اگر تم کہو کہ مَیں مسلم اور بخاری کے وقت میں موجود تھا تو تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مَیں فرشتہ ہوں اور اگر مَیں فرشتہ ہوں تو تم فرشتے کی کیوں مخالفت کرتے ہو اور اگر مَیں انسان ہوں تو صاف بات ہے کہ یہ باتیں مَیں نے مسلم اور بخاری کو نہیں لکھوائیں پھر اگر انہوں نے یہ باتیں خدا تعالیٰ کی

طرف منسوب کر کے لکھی ہیں تو اگر خدا اور اس کے رسول کا دشمن تھا تو یہ باتیں میرے ساتھ کیسے پوری ہو گئیں آخر اس کی بھی تو کوئی دلیل ہونی چاہیئے۔ مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آنیوالا مسیح شادی کرے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کی اولاد بھی ہوگی یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ[1]۔ اب سیدھی بات ہے کہ خالی شادی کوئی اہم بات نہیں لوگ شادیاں کرتے ہی ہیں۔ مان لیا مرزا صاحب جھوٹے ہی ہیں لیکن یہ تو بتائیے کہ اگر آپ جھوٹے تھے تو خدا تعالیٰ یہ بات پوری نہ ہونے دیتا۔ اوّل تو آپ شادی ہی نہ کرتے یا اگر شادی کرتے تو آپ کی بیوی مر جاتی یا وہ اچھے خاندان سے نہ ہوتی یا اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی یا اولاد پیدا ہوتی تو وہ مر جاتی لیکن وجہ کیا ہے کہ ایک شخص خدا تعالیٰ پر افترا بھی کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سب باتیں اس کی ذات میں پوری کر دیتا ہے یا مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آنے والے مسیح اور مہدی کے زمانہ میں سورج اور چاند کو رمضان کے مہینہ میں گرہن لگے گا اور فرمایا یہ ایک ایسی آیت ہے کہ یہ کسی اور مدعیٔ نبوّت پر پوری نہیں ہوئی۔ یہ بات شیعوں اور سُنّیوں سب کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے[2] اور یہ ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ گجرات کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مولوی کہتا تھا مرزا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سچّا کیسے ہو سکتا ہے۔ حدیث میں یہ لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا سورج اور چاند کو گرہن لگے گا اور ایسا گرہن اس سے قبل کسی مدعیٔ نبوّت کے زمانہ میں نہیں لگا ہوگا۔ جب یہ گرہن لگا تو اس مولوی کے ہمسایہ میں ایک احمدی رہتا تھا اس نے اسے بتایا کہ گرہن لگنے کی علامت پوری ہو گئی تب وہ مولوی کوٹھے پر کھڑا ہو کر سورج گرہن دیکھتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا اب لوگ گمراہ ہو جائیں گے اب لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے جس کے نتیجہ میں لوگ ہدایت پائیں گے بلکہ وہ کہتا تھا کہ اس کے نتیجے میں لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو جھوٹا ہوتا ہے اس پر سچّوں والی علامتیں کیسے پوری ہو سکتی ہیں مثلاً حکومت ہے وہ افسر مقرر کرتی ہے اور اس کی علامتیں مقرر کرتی ہے۔ وہ گزٹ شائع کرتی ہے کہ فلاں افسر فلاں جگہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک ڈپٹی کمشنر ہے حکومت کہتی ہے فلاں شخص کو فلاں ضلع میں ڈپٹی کمشنر مقرر کیا جاتا ہے سب محکمے اس کے ماتحت ہوں گے۔ تحصیلدار، ضلعدار، گرداور اور پٹواری سب اس کے تابع ہوں گے۔ اس کے بعد ایک شخص آتا ہے گزٹ میں اس کا نام چھپ جاتا ہے۔ سب محکمے اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن لوگ کہتے ہیں یہ جھوٹا ہے بھلا گورنمنٹ ایسا کرنے دیتی ہے اگر کوئی

---

[1] مشکوٰۃ مجتبائی باب نزول عیسیٰ بن مریم ۔ [2] دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ ۔

شخص جعلی طور پر اپنے آپ کو افسر ظاہر کرے گا تو فوراً اسے گرفتار کر لے گی۔ اور اگر کوئی حکومت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تو کیا خدا تعالیٰ اتنا کمزور ہے کہ ایک شخص اس پر الزام لگاتا ہے اور افترا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسے وحی کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ سب پیشگوئیاں اس کی ذات میں پوری کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس زمانے میں عیسائیوں کا زور ہوگا اور عیسائیوں کا زور ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس زمانہ میں یاجوج اور ماجوج چاروں طرف سے پہاڑوں کی چوٹیوں اور سمندروں کی لہروں پر سے گذر کر دُنیا پر قابض ہو جائیں گے اور وہ قابض ہو جاتے ہیں لیکن لوگ کہہ دیتے ہیں یہ شخص جھوٹا ہے یہ بالکل وہی بات ہے کہ کسی بُزدل کو فوج میں بھرتی کر لیا گیا لڑائی میں اسے تیر آ لگا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا۔ وہ بُزدل تو تھا ہی تیر لگنے کے بعد وہ میدان میں کیسے ٹھہر سکتا تھا وہ بیساختہ پیچھے کو بھاگا وہ دوڑتا چلا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا یا اللہ یہ خواب ہی ہو یا اللہ یہ خواب ہی ہو۔ تیر تو جسم میں لگ چکا تھا اور خون بہہ رہا تھا اب اُس کے کہنے سے کہ یا اللہ یہ خواب ہی ہو خواب کیسے بن سکتا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص میں یہ سب علامات پوری ہو چکی ہوں لیکن لوگ کہیں یا اللہ یہ جھوٹا ہی ہو یا اللہ یہ جھوٹا ہی ہو یہ باتیں بھلا ہو سکتی ہیں مومن تو خوش ہوتا ہے کہ یہ باتیں پوری ہوئیں پس جاؤ اور لوگوں کو یہ بتاؤ بخاری اور مسلم یہ کہتے ہیں اور یہ سب کچھ پورا ہو گیا ہے۔ اب کیا ہم اُس وقت موجود تھے کہ ہم نے خود یہ باتیں انہیں لکھوا دیں اور اگر ہم اس وقت موجود نہ تھے تو پھر آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے میں انکار کیا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1] یاجوج اور ماجوج پہاڑی رستہ سے بھی آئیں گے اور نشیب کے رستہ سے بھی۔ وہ سمندر کے رستہ سے بھی آئیں گے اور خشکی کے رستہ سے بھی اور ساری دُنیا پہ چھا جائیں گے۔ بائیبل میں لکھا ہے اے جوج روس اور مسک اور توبل کے فرمانروا (حزقیل باب ۳۹) یہ سب باتیں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں اگر ان میں سے ایک بات پوری ہو گئی تو یقیناً دوسری بھی ٹھیک ہے۔ اگر روس کا ذکر آ گیا تو یقیناً دوسرا فریق برطانیہ اور امریکہ ہے۔ یہ دانیال اور حزقیل کی پیشگوئی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے یہ یاجوج ماجوج تمام دنیا پر چھا جائیں گے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں پوری ہو گئی ہیں۔ آج سے سو سال قبل کسی کا وہم بھی ہو سکتا تھا کہ روس اس طرح ترقی کر جائے گا میں اس صدی والوں کو کہتا ہوں کہ ۱۹۰۴ء میں جاپان نے روس

[1] الانبیاء : ۹۷

کو کس طرح گرایا تھا۔ اس وقت کیا کوئی خیال بھی کر سکتا تھا کہ ایک دن روس اتنا زور پکڑ جائے گا کہ دوسری حکومتیں اس سے لرزنے لگ جائیں گی لیکن نوشتوں میں لکھا تھا کہ تُو دُنیا میں پھیلے گا اور مَیں تجھے تباہ کر دوں گا۔ اور ادھر یاجوج کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سمندروں کی لہروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے گذر کر دنیا پر چھا جائے گا یہ کتنی صاف پیشگوئی ہے کیا تم اسے قرآن کریم سے نکال دوگے یا تو تم کہو یہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے جب یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے تو غلط کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو وہی بُزدلی والی بات ہے کہ یا الٰہی خواب ہی ہو یا الٰہی خواب ہی ہو۔ ایک قوم جس کا نام بائیبل میں آتا ہے اور جس کے پھیلنے کے متعلق قرآن مجید اور بائیبل میں پیشگوئی تھی وہ دنیا میں پھیل گئی۔ اب کیا تم یہ کہو گے کہ قرآن اور بائیبل جھوٹے ہیں اس لئے کہ مرزا صاحب جھوٹے ثابت ہو جائیں۔ اسلامی طریق تو یہ تھا کہ تم کہتے کہ مرزا صاحب سچے ہیں کیونکہ اس طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سچے ثابت ہوتے ہیں۔

ایک راجہ نے دربار میں کہا مَیں نے بینگن کھائے ہیں بڑا مزہ آیا بینگن بڑی لذیذ سبزی ہے ایک درباری نے کہا ہاں ہاں حضور بینگن بڑی لذیذ چیز ہے۔ وہ طِب بھی پڑھا ہوا تھا اس نے کہا اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں پھر کہا حضور اس کی شکل دیکھیں تو یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی صوفی نماز کے لئے کھڑا ہو۔ چند دنوں کے بعد راجہ نے دربار میں کہا مَیں نے بینگن کھائے تو مجھے بواسیر ہو گئی میں سمجھتا تھا کہ یہ بہت اچھی چیز ہے لیکن اب معلوم ہوا ہے یہ بڑی ناقص چیز ہے۔ اب ہر چیز میں بُرائیاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی ہوتی ہیں سنکھیا کو دیکھ لو سنکھیا مارتا بھی ہے اور زندہ بھی کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری چیزوں کا حال ہے لیکن جب راجہ نے کہا کہ مَیں نے بینگن کھائے تو مجھے تکلیف ہو گئی یہ بہت ناقص سبزی تھی، تو وہی درباری اُٹھا اور اس نے کہا ہاں ہاں حضور یہ بڑی ناقص چیز ہے اس میں یہ یہ بُرائیاں ہیں اور پھر اس کی شکل بالکل ایسی ہے جیسے کسی چور کو اس کے ہاتھ باندھ کر سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ لوگوں نے پُوچھا یہ کیا بات ہے اگلے دن تو تُو نے بینگن کی اتنی تعریف کی کہ حد نہ رہی اور آج اتنی مذمّت کی کہ گویا اس جیسی پلید چیز دُنیا میں کوئی نہیں۔ اس نے کہا مَیں راجہ کا نوکر ہوں بینگن کا نوکر نہیں۔ اسی طرح اے بھائیو! ہمیں اس سے کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یا نہیں تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نوکر ہو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آج تم یہ اعتراض کرتے ہو کہ آپؑ

حدیث اور سُنّت کے خلاف جاتے ہیں حالانکہ آپ حدیث وسُنّت سے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل دیتے تھے۔ پھر آپ حنفیوں میں پیدا ہوئے اس طرح آپ ان کے عقیدوں سے واقف تھے۔ پھر آپ قرآن کریم سے دلائل دیتے تھے۔ ان دنوں مولوی محمد حسین صاحب بڑے عالم سمجھے جاتے تھے وہ اعتراض کرتے وقت کہتے تھے کہ قرآن میں یہ لکھا ہے حدیث میں یہ لکھا ہے۔ سُنّت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن وحدیث سے ہی ان اعتراضات کے جواب دیتے تھے اور فرماتے قرآن میں یہ لکھا ہے حدیث میں یہ لکھا ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اتفاق سے قادیان آئے اور کسی کام کے لئے لاہور ٹھہر گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لاہور آئے ہوئے تھے انہوں نے خیال کیا کہ مولوی صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرب ہیں ان سے بحث مباحثہ ہو جائے چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے اشتہار بازی شروع کر دی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی دو ماہ کی رخصت تھی اور وہ لاہور میں ہی ختم ہو گئی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا بتاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں یا زندہ ہیں اور وہ حیاتِ مسیح کے بارہ میں احادیث سے دلائل دیتے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ان کا قرآن کریم سے ردّ کر دیتے اور قرآن کریم سے وفاتِ مسیح ثابت کرتے۔ مولوی محمد حسین صاحب قرآن کریم کی طرف نہیں آتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کو بھی قرآن کریم سے ہٹا کر احادیث کی طرف لے آئیں۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ نے اس کی بات کو چھوٹا کرنے کے لئے کہا کہ جو بخاری کہے وہ مَیں مان لوں گا۔ ایک دوست نظام الدین نامی تھے انہیں حج کرنے کا بڑا شوق تھا انہوں نے دس حج کئے تھے وہ بمبئی تک پیدل جاتے اور آگے جہاز کے ذریعہ سفر کرتے انہوں نے براہین احمدیہ پڑھی ہوئی تھی اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی دونوں سے عشق تھا جب یہ لوگ شور مچاتے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی رُو سے عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ مرزا صاحب قرآن وحدیث کے بلند پایہ عالم ہو کر اتنی بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ وہ حج کے لئے گئے جب واپس آئے تو کسی شخص نے ان سے اس بات کا ذکر کر دیا کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور یہ امر قرآن کریم

سے ثابت ہے۔ انہوں نے کہا مرزا صاحب میرے دوست ہیں مَیں جانتا ہوں کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں اور قرآن و حدیث کے مسائل سے بخوبی واقف ہیں وہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہنے لگے یا تو مرزا صاحب نے یہ کہا نہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور اگر کہا ہے تو مَیں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں کہوں گا کہ وہ ایسا دعویٰ نہ کریں اور وہ مان لیں گے چنانچہ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے مَیں حج پر گیا ہُوا تھا جب واپس آیا تو مَیں نے یہ عجیب بات سُنی کہ آپ نے فرمایا ہے عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں مَیں نے یہ بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا مَیں لوگوں سے کہہ آیا ہوں کہ مَیں مرزا صاحب سے کہوں گا کہ آپ یہ دعویٰ نہ کریں تو آپ لاہور یا دہلی کی کسی مسجد میں توبہ کا اعلان کریں اگر وہ نہ مانے تو مَیں کہوں گا کہ اگر یہ امر قرآن کریم سے ثابت نہ ہو سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں اگر یہ امر قرآن کریم سے ثابت نہ ہُوا تو مَیں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا میری تسلی ہو گئی ہے مَیں نے مولوی صاحب سے کہا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تین سو آیات سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات ثابت کر کے دکھائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تین سو آیات کی کیا ضرورت ہے اس کے لئے ایک آیت ہی کافی ہے۔ میاں نظام دین صاحب کو شُبہ پڑا کہ شاید قرآن کریم میں حیاتِ مسیح کے متعلق تین سَو آیات نہ ہوں اِس لئے انہوں نے کہا اچھا دو سو آیات سے ہی وہ حیاتِ مسیح ثابت کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا کہ اس کے لئے ایک آیت ہی کافی ہے۔ انہیں پھر شُبہ پڑا کہ شاید قرآن کریم میں حیاتِ مسیح کو ثابت کرنے کے لئے دو سَو آیات بھی نہ ہوں اِس لئے انہوں نے کہا اچھا وہ ایک سَو آیات سے حیاتِ مسیح ثابت کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس کے لئے ایک آیت ہی کافی ہے اور پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نیچے اُترتے گئے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے لوط کی بستی کے متعلق فرمایا تھا خدایا اس میں اگر چالیس۴۰ تجھ پر یقین رکھنے والے ہوں کیا تب بھی تو اسے تباہ کر دے گا تو خدا تعالیٰ نے کہا اے ابراہیم! تب مَیں انہیں معاف کر دوں گا۔ اس سے آپ کو شُبہ ہُوا کہ شاید اس بستی میں اتنے مومن نہ ہوں اِس لئے آپ آہستہ آہستہ نیچے اُترتے گئے یہاں تک کہ آپ دس۱۰ تک آ گئے اور خدا تعالیٰ نے کہا ابراہیم اگر اس میں دس۱۰ مومن بھی ہوں تب بھی مَیں اس بستی کو تباہ نہیں کروں گا

اور جب حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہوا کہ اس بستی میں دس مومن بھی نہیں تو آپ نے دعا کرنی چھوڑ دی۔ اسی طرح میاں نظام الدین صاحب بھی دس آیات پر آ گئے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں دس آیات تو کیا وہ ایک آیت سے ہی حیاتِ مسیح ثابت کر دیں تو وہ کہنے لگے آخر قرآن کریم میں حیاتِ مسیح کو ثابت کرنے والی اتنی کم آیات تو نہیں ہوں گی وہ خوشی خوشی لاہور پہنچے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس وقت مسجد چینیاں والی میں بیٹھے تھے اور وہ وہ دن تھا جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے یہ بات مان لی تھی کہ قرآن کے علاوہ آپ بخاری بھی پیش کر سکتے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب بہت خوش تھے کہ وہ بالآخر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو قرآن کریم سے ہٹا کر احادیث پر لے ہی آئے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب میں خود نمائی کا شوق پایا جاتا تھا وہ اپنے شاگردوں کو بتا رہے تھے کہ مولوی نورالدینؓ مرزا صاحب کا شاگرد ہے اور بہت بڑا طبیب ہے میں نے اسے یوں رگیدا اور یوں لتاڑا اور آخر وہ احادیث کی طرف آ ہی گیا۔ اتنے میں میاں نظام الدین صاحب آ گئے اور انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ یونہی کام خراب کر رہے ہیں مرزا صاحبؑ تو سیدھے سادھے آدمی ہیں اور وہ قرآن کریم کو مانتے ہیں میں انہیں یہ بھی منوا آیا ہوں کہ اگر قرآن کریم میں سے ہم دس آیات حیاتِ مسیح کی نکال دیں تو وہ دہلی یا لاہور کی کسی مسجد میں وفاتِ مسیح کے عقیدہ سے توبہ کر لیں گے اور یہ دس آیات بھی میں نے ہی کہی ہیں ورنہ وہ تو کہتے ہیں کہ تم حیاتِ مسیح کی ایک ہی آیت قرآن کریم سے نکال دو لیکن میں نے کہا دس سے بھی کیا کم آیات ہوں گی۔ آپ مولوی نورالدین صاحب سے جھگڑا کرنا چھوڑ دیں اور دس آیات حیاتِ مسیح کی بتا دیں۔ مولوی محمد حسین صاحب غصہ میں آ کر کہنے لگے تم کو کس نے کہا تھا کہ اس معاملہ میں دخل دیتے۔ میں مولوی نورالدینؓ کو گھسیٹ کر حدیث کی طرف لایا ہوں اور تم پھر قرآن کریم کو بیچ میں لے آئے ہو۔ میاں نظام الدین صاحب اس صدمہ میں چند منٹ خاموش بیٹھے رہے پھر کہنے لگے اچھا مولوی صاحب جدھر قرآن ہے ادھر میں۔ اور اس کے بعد قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔

پس حقیقت یہی ہے کہ جو مسلمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عقیدت رکھتا ہے اس کے دل میں یہی ہے کہ جدھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ادھر میں ہوں تم جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ لوگ تمہیں دھوکہ دیتے ہیں اور تم دھوکہ میں آ کر ہماری مخالفت کرتے ہو تم ان کے سامنے قرآن رکھو اور کہو ہم پر کیا

الزام رکھتے ہو قرآن کریم میں سب کچھ لکھا ہے اسے پڑھو اور پھر اس پر عمل کرو۔ ان کے سامنے احادیث رکھو اور کہو کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سب احادیث میں پہلے سے موجود ہے ہم نے اپنے پاس سے یہ عقیدہ نہیں گھڑ لیا بلکہ آج سے کئی سو سال پہلے یہ بات احادیث میں لکھی ہوئی موجود تھی اس طرح ایک شخص جس کے اندر کفر اور ارتداد پیدا نہیں ہوا وہ جب دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس طریق کے اختیار کرنے پر خوش ہیں تو اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا جس طرح نظام الدین نے کہا تھا کہ جدھر قرآن ادھر ہیں۔ یہ لوگ بھی کہیں گے جدھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ادھر ہم۔ اور تم دیکھو گے کہ جو لوگ آج قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہاری جائے نہیں پئیں گے تمہیں ماریں گے اور تمہارا بائیکاٹ کرینگے وہ تمہارے ساتھ چمٹ جائیں گے اور کہیں گے جدھر قرآن ادھر ہم۔ انہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے دشمنی نہیں۔ انہیں یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے دشمن ہو۔ تم ان پر ثابت کر دو کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے دشمن نہیں دوست ہیں پھر ان کے دل صاف ہو جائیں گے۔ ابھی مسلمانوں کے اندر انسانیت زندہ ہے، ان کے اندر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چنگاری موجود ہے تم اسے ٹھنڈا کرنے کی بجائے گرم ہوا دو یہ مخالفت خود بخود ہٹ جائے گی۔

یہاں آیا تو میں بیمار کی حالت میں ہوں اور جیسا کہ دوستوں کو محسوس ہو رہا ہو گا کہ میرا گلا بیٹھ رہا ہے اور میں بولنا نہیں چاہتا تھا لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے میں مدتوں کی انتظار کے بعد اس بستی میں آیا ہوں اور اس بستی سے مجھے روحانی اور جسمانی تعلق ہے۔ اس بستی کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی میری بیوی تھی اور اس بیوی سے میری اولاد بھی ہے۔ پھر اس بستی کے ایک معزز شخص سے میں نے قرآن کریم اور بخاری کا ترجمہ پڑھا پس اس بستی سے مجھے روحانی اور جسمانی نسبت ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ جس کو میں سچا سمجھتا ہوں اس کو یہاں کے رہنے والے لوگ بھی سچا سمجھنے لگ جائیں اور جس طرح ان کا حق ہے کہ وہ مجھے کہیں تم غلطی پر ہو ہم سچ کہتے ہیں اسی طرح میرا بھی حق ہے کہ میں انہیں کہوں میں حق پر ہوں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ ناپسندیدہ امر ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کہے مجھے تو تمہیں غلطی میں مبتلا سمجھنے کا حق ہے لیکن تمہیں ایسا کرنے کا حق حاصل نہیں۔ کوئی مذہب ایسا نہیں جس کا تم نام لو اور میں نے اسکی کتابیں نہ پڑھی ہوں۔ ایک پاگل شخص جو مولوی محمد علی صاحب کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے وہ کبھی کبھی

مجھے خط لکھ دیتا ہے اور اس کی نقل مولوی محمد علی صاحب کو بھیج دیتا ہے اور کبھی مولوی محمد علی صاحب کو خط لکھتا ہے اور اس کی نقل مجھے بھیج دیتا ہے۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا کیا آپ میرے خطوط پڑھتے ہیں میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اچھا آپ میرے خطوط پڑھتے ہیں۔ مَیں نے کہا جب کوئی شخص کہتا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے یوں کہا تو مَیں اس کے خطوط کیوں نہ پڑھوں۔ وہ حق پر ہو یا نہ ہو لیکن میرا فرض ہے کہ وہ چیز جسے وہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے ضرور پڑھوں۔ وہ مولوی محمد علی صاحب کے پاس گیا اور انہیں کہنے لگا آپ بڑے تنگ دل واقع ہوئے ہیں میں آپ کا مرید تھا لیکن آپ میرے خطوط نہیں پڑھتے اور جس کا مَیں مرید نہیں تھا وہ کہتا ہے کہ مَیں تمہارے خطوط پڑھتا ہوں۔ غرض مَیں نے دنیا کے ہر مذہب کا لٹریچر پڑھا ہے۔ مَیں نے سُنّیوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ مَیں نے شیعوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ مَیں نے خارجیوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ ہندوؤں، زرتشیوں اور عیسائیوں کا لٹریچر مَیں نے پڑھا ہے۔ مجھے جب خدا تعالیٰ کہے گا بتاؤ تمہیں کس طرح پتہ لگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں تو مَیں کہونگا مَیں نے ہر مذہب کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور ان سے مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن جس نے دوسرے مذاہب کا لٹریچر نہیں پڑھا وہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دے گا۔ خدا تعالیٰ کہے گا مان لیا سُنّی مذہب سچا ہے لیکن جب تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شائع کردہ لٹریچر نہیں پڑھا تمہیں یہ کس طرح پتہ لگا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اِس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب وعظ فرماتے تو ابوجہل اور اس کے ساتھی شور مچا دیتے تھے اور آپؐ کی بات نہیں سُنتے تھے۔ اب خواہ وہ اپنے خیال میں سچے بھی ہوں پھر بھی وہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے جب انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کو سُنا ہی نہیں اور اس پر غور نہیں کیا۔ پس مَیں جھوٹا سہی، احمدیت جھوٹی سہی لیکن خدا تعالےٰ کے سامنے تم کیا جواب دو گے۔ اگر تم نے احمدیت کا لٹریچر پڑھا ہوتا اور پھر تم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے میں غلطی ہو جاتی تو تم کہہ سکتے تھے خدایا! ہم نے ان کے عقائد کو بغور پڑھا تو تھا لیکن ہم نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ یہ جھوٹے ہیں تو خدا تعالیٰ کہے گا اچھا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ قابلِ معافی ہے لیکن ایک شخص اگر یہ کہے کہ میرے پاس ایک شخص آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں لیکن مَیں نے اسے پرے دھکیل دیا اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو تو خدا تعالیٰ کہے گا تم نے میری

ہتک کی۔ ایک شخص نے تمہارے سامنے یہ کہا کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے یُوں کہا ہے لیکن تم نے اس کی بات کو بغور سُنا نہیں اور اسے ردّ کر دیا۔ ایک شخص اگر ایسی بات کہتا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ محض افتراء ہے تو تم اسے سمجھا دو کہ میاں یہ بات درست نہیں لیکن اس کی بات سُن لو کیونکہ اگر تم اس کی بات سُنتے ہی نہیں تو خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے کہ اسے مَیں نے کیوں ردّ کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب وعظ فرمایا کرتے تھے تو مکّہ والوں نے لوگوں کو یہ سکھا دیا تھا کہ جب یہ وعظ کریں تو تم وہاں سے بھاگ جاؤ، کانوں میں اُنگلیاں ڈال لو اور اس کی بات نہ سُنو۔ تیرہ[۱۳] سال تک آپؐ نے تبلیغ کی اور مصائب اور تکالیف کا مقابلہ کیا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر جب لوگ کثرت سے مکّہ میں جمع ہو گئے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جہاں کچھ آدمیوں کو کھڑا دیکھتے انہیں تبلیغ کرنے لگ جاتے بعض لوگ آپؐ کی بات سُنتے اور حیرت کا اظہار کر کے علیحدہ ہو جاتے اور بعض باتیں سُن رہے ہوتے تو مکّے والے ان کو ہٹا دیتے اور بعض جو مکّہ والوں سے آپؐ کی باتیں سُن چکے ہوتے وہ ہنسی اُڑا کر آپ سے جُدا ہو جاتے۔ اس دَوران آپ کی نظر مدینہ کے سات افراد پر پڑی مکّہ والے اردگرد بھاگتے پھرتے تھے اور جس طرح یہ مولوی کہتے ہیں کہ احمدیوں کی جائے شراب سے بدتر ہے وہ بھی لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھکاتے تھے اور آپؐ کی باتیں سُننے سے منع کرتے تھے۔ سب لوگوں نے آپؐ کو ردّ کر دیا لیکن جب آپؐ مدینہ والوں کے پاس گئے تو انہوں نے آپؐ کی باتیں سُننے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے آپؐ کی باتیں سُنیں اور متاثر ہوئے اور کہا اِس سال ہم تھوڑی تعداد میں آئے ہیں اگلے سال ہم زیادہ تعداد میں آئیں گے اور آپؐ کی باتیں سُنیں گے چنانچہ اگلے سال بارہ[۱۲] آدمی آئے آپؐ کی باتیں اُن کے دِلوں میں گھر کر گئیں اور وہ آپؐ کی بیعت کر کے واپس چلے گئے اور اگلے سال اس سے زیادہ تعداد میں آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اگلے سال ایک بڑا قافلہ آیا جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے لیکن مخالفت کا اتنا جوش تھا کہ مشرکینِ مکّہ لوگوں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں سُننے دیتے تھے اِس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وادیٔ عقبہ میں مدینہ سے آنے والوں سے رات کے بارہ بجے ملاقات فرمائی۔ مدینہ والوں نے جب آپؐ کی باتیں سُنیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ بیان کیا وہ سب ٹھیک ہے ہم آپؐ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپؐ نے ان کی بیعت لی۔ حضرت عباسؓ کو بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ساتھ لے گئے تھے حضرت عباسؓ

آپؐ سے دو سال بڑے تھے اور دل سے آپؐ پر ایمان لے آئے تھے جب وہ لوگ بیعت کر چکے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اِس بستی نے آپ کو قبول نہیں کیا آپ ہماری بستی میں آجائیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ آسان بات نہیں مکّے والوں کو پتہ لگا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو وہ مدینہ پر حملہ کر دیں گے تم پہلے سوچ سمجھ لو یہ نہ ہو کہ پھر مقابلہ سے گریز کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے ہم بہرحال رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں حضرت عباسؓ نے کہا اچھا معاہدہ کر لو چنانچہ ایک معاہدہ ہوُا کہ اگر مدینہ میں آپؐ پر یا مہاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے لیکن اگر مدینہ کے باہر کوئی لڑائی ہوئی تو ہم مدافعت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اتنے میں کسی نے کفارِ مکّہ کو یہ خبر دے دی کہ مدینہ سے ایک قافلہ آیا ہے اور وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا ہے ان کا جلد کوئی انتظام ہونا چاہیئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ بات پہنچ گئی اور آپؐ نے خیال کیا ایسا نہ ہو وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچائیں اِس لئے آپؐ نے فرمایا اب گفتگو ختم کر دینا چاہیئے اور یہاں سے چلے جانا چاہیئے لیکن مدینہ والے اب ایمان لا چکے تھے اور موت ان کی نظروں میں حقیر ہو چکی تھی انہوں نے کہا ہم کمزور نہیں ہم بھی عرب ہیں اگر مشرکینِ مکّہ نے کوئی نقصان پہنچانا چاہا تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور آپؐ پر جو انہوں نے ظلم کئے ہیں ان کا بدلہ لینگے جب آپؐ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہ معاہدہ موجود تھا۔ جب آپؐ جنگِ بدر کے لئے باہر تشریف لے گئے اور خدا تعالیٰ نے الہاماً آپؐ کو یہ خبر دے دی کہ آپؐ کا مقابلہ قافلہ سے نہیں ہو گا بلکہ مکّہ سے آنے والے لشکر کے ساتھ ہو گا تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ اب قافلہ کا کوئی سوال نہیں صرف فوج ہی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اس پر ایک کے بعد دوسرا مہاجر کھڑا ہوُا اور اس نے کہا یا رسول اللہ جب ہم مدینہ سے لڑائی کے لئے نکلے ہیں تو بہرحال ہمیں لڑائی سے بھاگنا نہیں چاہیئے۔ یا رسول اللہ اگر دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آیا ہے تو ہم اس سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہر ایک کا جواب سُنکر آپؐ یہی فرماتے لوگو مجھے مشورہ دو، لوگو مجھے مشورہ دو۔ مدینہ کے لوگ اس وقت تک خاموش تھے جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا مجھے مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مشورہ تو آپ کو مل رہا ہے مگر

پھر بھی جو آپ بار بار مشورہ طلب فرما رہے ہیں تو شاید آپ کی مراد ہم باشندگان مدینہ سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ شاید آپ اس لئے ہمارا مشورہ طلب کر رہے ہیں کہ آپکے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہمارے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر مدینہ میں آپ پر اور مہاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے لیکن اگر مدینہ کے باہر کوئی لڑائی ہوئی تو ہم اس میں حصہ لینے کے پابند نہیں ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ جس وقت وہ معاہدہ ہوا تھا ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہ ہوئی تھی لیکن اب جبکہ ہم نے آپ کے معجزات اور نشانات دیکھ لئے ہیں ہم پر آپ کا مرتبہ اور آپ کی شان پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہے یا رسول اللہ اب اس معاہدہ کا کوئی سوال نہیں ہم موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ[1] کہ جا تو اور تیرا رب اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور یا رسول اللہ دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ آئے۔ یا رسول اللہ جنگ تو ایک معمولی بات ہے یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر سمندر ہے آپ ہمیں حکم دیجئے کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دو اور ہم بلا دریغ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے۔ یہ کتنا بڑا تغیر ہے جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد صحابہؓ کے اندر پیدا ہو گیا۔ پس حقیقت یہی ہے کہ لوگ احمدیت سے ناواقف ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس تاریک زمانہ میں اس نے اپنا ایک مامور بھیجا تا وہ اسلام کو باقی ادیان پر غالب کر دے۔ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ ہم کافر ہی سہی مان لیا ہم قرآن کریم کے منکر ہیں، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہم نے امریکہ اور لنڈن میں مسجدیں بنائی ہیں کیا مسجدیں کافر بناتے ہیں۔ پھر یہ بتاؤ کہ دوسرے فرقوں کے نوجوان لہو ولعب میں اپنا وقت بسر کر رہے ہیں لیکن ہمارے نوجوان اپنی زندگیاں وقف کر کے محض خدا کی خاطر باہر نکل گئے ہیں اور وہ کافروں کو مسلمان بنا رہے ہیں۔ کیا یہ کام کافر کرتے ہیں۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیا صرف کافر کو ہی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق ہے مومن کو آپ سے عشق نہیں۔ میں نے ایک دفعہ احرار کو یہ چیلنج دیا تھا کہ تم بھی تبلیغ کی غرض سے باہر نکل کھڑے ہو اور ہم بھی تبلیغ کے لئے

---

[1] المائدہ : ۲۴

باہر نکل آتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ کس کی کوشش کے نتیجہ میں اسلام پھیلتا ہے لیکن اس چیلنج کا جواب موصول نہیں ہؤا۔ اگر ان کے پاس سچائی ہے تو وہ میدان میں کیوں نہیں آتے۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جو لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں اور عشقِ رسول کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اسلام کی اشاعت کے لئے باہر نکل کھڑے ہوں ہم بھی باہر نکلتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تب بھی اسلام کے لئے بہرحال یہ طریق مفید ہوگا اور دُنیا کو پتہ لگ جائے گا کہ اسلام کے لئے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کون قربانی کرتا ہے اور محض زبانی دعووں پر کون اکتفاء کرتا ہے لیکن ہوتا کیا ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ لوگ میرا چیلنج قبول کرتے ہمارے خلاف جلسے کرتے ہیں اور تقریروں میں یہ فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ احمدیوں کی چائے شراب سے بھی بدتر ہے شراب پی جاسکتی ہے لیکن ان کی چائے پینا جائز نہیں۔ ان کا پکا ہؤا گوشت خنزیر کے گوشت سے بھی بدتر ہے تم سؤر کا گوشت کھا لو لیکن ان کا پکا ہؤا گوشت نہ کھانا۔ کیا ان فتووں سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو اِس طرح کہ میرا مبلغ اگر دس مسلمان بناتا ہے تو یہ بیس مسلمان بنائیں۔ میرا مبلغ اگر ایک روٹی کھا کر گذارہ کرتا ہے تو یہ آدھی روٹی کھائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو کیا میری آنکھیں کُھل نہ جائیں گی۔ یہ کتنا بڑا نشان ہوگا تمہاری صداقت کا اور اس سے اسلام کو کتنا بڑا فائدہ پہنچے گا۔ ہماری لڑائی بھی ختم ہوجائے گی اور مقابلہ بھی ہوجائے گا۔ مثلاً یہ تو مقابلہ ہوگا کہ دریا کا بند ٹوٹ جائے تو کون دریا کا بند باندھتا ہے۔ یہ خدمتِ خلق کا کام ہے لیکن اگر ہم بند بنانے سے پہلے آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور لوگ پانی کی زد میں آکر تباہ و برباد ہوجائیں تو کیا یہ خدمتِ خلق ہوگی۔ غرض اگر یہ لوگ اپنے دعووں میں سچے ہیں تو یہ بھی تبلیغ کے لئے باہر نکل جائیں اور ہم بھی تبلیغ کے لئے باہر جاتے ہیں پھر جو فریق جیت جائے گا اسے حق ہوگا کہ وہ معاہدے کو جھوٹا کہہ سکے اور لوگ بھی سمجھ لیں گے کہ کون جیتا اور کون ہارا اور اس سے اسلام کو بھی فائدہ پہنچے گا لیکن مارنے، گالیاں دینے اور اِس قسم کے فتوے دینے میں کیا رکھا ہے۔ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو پتھر نہیں پڑتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان آئے اور انہوں نے ایک لیکچر دیا اور لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کی کہ میاں محمود احمد بھی کلکتہ جائیں اور مَیں بھی کلکتہ جاتا ہوں پھر دیکھیں گے کہ کس پر پتھر پڑتے ہیں اور کس پر پھول برستے ہیں بلکہ اس چیز کا پتہ امرتسر کے اسٹیشن پر ہی لگ جائے گا۔ لوگ اِس بات کو سُن کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے

ان کی اِس بات کا جواب مَیں نے اسی دن عصر کے وقت دیا کہ مولوی صاحب نے خود ہی اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے مجھے اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا ہے کہ کلکتہ تک جا کر ہم دیکھتے ہیں کہ پتّھر کِس کو پڑتے ہیں اور پھُول کس پر برسائے جاتے ہیں۔ آپ عالم آدمی ہیں احادیث نکال کر دیکھیں کہ مکّہ والے پتّھر کِس کو مارتے تھے اور پھُول کس پر پھینکتے تھے اگر پتّھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑتے تھے اور پھُول ابوجہل پر پھینکے جاتے تھے تو مَیں سچّا اور یہ جھُوٹے لیکن اگر پھُول رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پھینکے جاتے تھے اور پتّھر ابوجہل کو مارے جاتے تھے تو مَیں جھُوٹا اور یہ سچّے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے تو طائف والوں نے لڑکوں کو اُکسایا انہوں نے آپ پر پتّھر پھینکنے شروع کر دئے آپؐ وہاں سے چلے آئے اور رستہ میں ایک باغ میں پناہ گزین ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت زیدؓ بھی تھے اور وہ بھی زخمی تھے۔ آپ کے پاؤں سے لہو بہہ رہا تھا۔ وہ باغ اتفاقاً آپ کے ایک شدید دشمن کا تھا۔ مکّہ میں زراعت نہیں ہوتی تھی اِس لئے بعض لوگوں نے مکّہ سے باہر زمین خرید کر باغات لگائے ہوئے تھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس باغ کے کنارے پر بیٹھ گئے اِس لئے کہ اگر آپ اس کے اندر گئے تو باغ کا مالک کیا کہے گا۔ ایسے موقع پر ایک شدید سے شدید دشمن میں بھی شرافت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جب اس باغ کے مالک نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی حضرت زیدؓ کی یہ حالت دیکھی تو اس نے کہا ان پر ظلم ہوُا ہے خود تو اسے جرأت نہ ہوئی اس نے اپنے ایک غلام کو جو نینوا شہر کا رہنے والا تھا حکم دیا کہ ان کو اچھے اچھے انگور کھلاؤ وہ غلام انگور لے کر آپ کے پاس گیا اس نے جب آپ کو سر سے پاؤں تک زخمی دیکھا تو وہ حیران ہوُا اور آپ سے دریافت کرنے لگا کہ ایسا کیوں ہوُا۔ آپ نے فرمایا مَیں لوگوں سے کہتا ہوں کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور وہ مجھے مارتے ہیں۔ وہ غلام عیسائی تھا جب اس نے آپ سے تمام قصّہ سُنا تو عیسائیت کی یاد اُس کے دل میں پھر تازہ ہو گئی اس نے محسوس کیا کہ اس کے سامنے خدا کا ایک نبی بیٹھا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس غلام سے کہا اے میرے بھائی یونس بن متی کے بیٹے مَیں تمہیں خدا تعالیٰ کی کچھ باتیں سُنانا چاہتا ہوں چنانچہ آپ نے اسے تبلیغ شروع کی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اجنبی غلام آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گیا اور آپکے سر، ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ باغ کے مالک نے پہلے تو ترس کھا کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کے لئے انگور بھیجے تھے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا غلام عقیدت مندانہ طور پر آپ کے پاس بیٹھا ہے تو وہ غضب ناک ہو گیا اور اپنے غلام کو بُلا کر کہنے لگا یہ شخص میرا رشتہ دار ہے مَیں جانتا ہوں یہ مجنون ہے اس غلام نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اس کی باتیں تو نبیوں والی معلوم ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں جب اوکھلی میں سر دیا تو موہلوں کا کیا ڈر۔ اگر کوئی صداقت کی مخالفت کرتا ہے تو کسی مومن کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف رضؓ کو جب شہید کیا جا رہا تھا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے اور انہوں نے شہادت دی ہے کہ جب آپ پر پتھر برسائے جا رہے تھے اس وقت آپ یہ کہہ رہے تھے اے اللہ! تُو ان لوگوں پر رحم کر دراصل ان کو پتہ نہیں کہ مَیں کون ہوں یہ مجھے جھُوٹا اور مرتد خیال کرتے ہیں اور اپنے خیال میں ایک نیکی کا کام کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جس کے اندر سچائی ہوتی ہے وہ تکالیف اور مصائب سے گھبراتا نہیں۔ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ اپنا رستہ چھوڑ نہیں دیتا وہ کہتا ہے اچھا جتنا ستانا ہے ستا لو۔ جب اس کے پاس حقیقت ہے تو وہ ڈرے گا کیوں۔ ہاں اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس سچائی نہیں تو وہ بے شک ڈرے گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائیوں کا جب وفد گیا تو ان سے تبادلہ خیال ہوًا مسجد میں بیٹھ کر گفتگو شروع ہوئی اور گفتگو لمبی ہو گئی۔ وہ باتیں سُنتے رہے آخر انہوں نے کہا ہماری نماز کا وقت ہو گیا ہم باہر جا کر نماز ادا کر لیں۔ نبی کریمؐ نے فرمایا آپ اپنی عبادت ہماری مسجد میں ادا کر لیں آخر ہماری مسجد خدا تعالیٰ کے ذکر ہی کے لئے بنائی گئی ہے لیکن اب یہ رواداری باقی نہیں مسجدوں پر اب یہ لکھا ہوًا ہوتا ہے اِس مسجد میں کوئی وہابی کُتّا یا مرزائی سؤر داخل نہ ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جن کی اتباع کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ تو عیسائیوں سے فرماتے ہیں تم اپنی عبادت ہماری مسجد میں ہی کر لو لیکن یہ لوگ مسلمانوں کو بھی مسجد میں عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں اب یہ حدیث میری لکھی ہوئی نہیں ہے مَیں اس وقت موجود نہیں تھا جب بخاری اور مسلم لکھی گئی تھی۔ انہیں پتہ بھی نہیں تھا کہ مَیں کس زمانہ میں پیدا ہوں گا۔ جب فتح مکّہ ہوئی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کے متعلق یہ احکام نافذ کئے تھے کہ جہاں کہیں بھی وہ ملیں قتل کر دئے جائیں ان لوگوں میں ایک عکرمہ بھی تھے۔ آپؐ کے پاس عکرمہ کی بیوی آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے خاوند کو قتل کرنے کے احکام واپس لے لیں اور اسے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے مکّہ میں رہنے کی اجازت دیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اگر وہ یہاں آجائے تو ہم صرف اسے معاف ہی نہیں کریں گے بلکہ اس کے مذہب میں دخل

بھی نہیں کریں گے۔ یہ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا مگر ہمارے مخالف کہتے تو یہ ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا اور سردار ہیں مگر جو کام یہ لوگ کرتے ہیں وہ آپ کے رویہ کے خلاف ہیں اگر یہ سب لوگ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والے کام کرنے لگ جائیں تو دشمن کس طرح اسلام سے باہر جا سکتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا آپؐ نے اسے کھانا وغیرہ کھلایا اور رات وہ وہیں سو گیا لیکن جاتے ہوئے وہ بستر پر پاخانہ کر گیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا تم نے مہمان پر ظلم کیا کہ اسے پاخانہ کرنے کی جگہ نہ بتائی چونکہ اسے پاخانہ کرنے کی جگہ کا پتہ نہیں لگا اس لئے وہ بستر پر ہی پاخانہ پھر گیا۔ آپؐ نے ایک عورت کو بلایا اور اسے فرمایا تم پانی ڈالتی جاؤ اور مَیں خود کپڑا دھوتا ہوں۔ اُس عورت نے پانی ڈالتے ہوئے کہا خدا تعالیٰ اس شخص کو غارت کرے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گالی مت دو پتہ نہیں اسے کتنی تکلیف ہوئی ہو۔ یہ آپؐ کے اَخلاقِ فاضلہ کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگ آپ کے پاس آتے اور مسلمان ہوتے جاتے۔ جب نورِ قلب پیدا ہو جائے، جب وسعتِ قلب نصیب ہو جائے اور جب روحانیت دکھائی جائے تو کیا کسی کی عقل ماری گئی ہے کہ وہ جہنّم میں جائے تنور میں جان بُوجھ کر کوئی نہیں پڑتا جتنے لوگ جہنّم میں جائیں گے غلط فہمی کی بناء پر جائیں گے۔ پس تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں سمجھاؤ۔ جب ان کے اندر نورِ ایمان پیدا ہو جائے گا، جب ان کی محبت تیز ہو جائے گی تو جو لوگ آج تمہارے مارنے کا فتویٰ دیتے ہیں اگر کوئی تمہیں پتھر مارے گا تو وہ خود اپنے سینہ پر لیں گے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص نے بظاہر اسلام قبول کر لیا اور وہ جنگِ حنین میں شریک ہوا لیکن اس کی نیّت یہ تھی کہ جس وقت لشکر آپس میں ملیں گے تو مَیں موقع پا کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔ جب لڑائی تیز ہوئی تو اُس شخص نے تلوار کھینچ لی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت اکیلے تھے صرف حضرت عباسؓ ساتھ تھے۔ اُس شخص نے موقع غنیمت جانا اور آگے بڑھ کر وار کرنا چاہا۔ خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو الہاماً بتا دیا کہ اس شخص کے اندر مخالفت کی آگ بھڑک رہی ہے۔ وہ شخص خود شہادت دیتا ہے مَیں آپ کی طرف بڑھتا گیا اور مَیں خیال کرتا تھا کہ اب میری تلوار آپؐ کی گردن اُڑا دے گی لیکن جب مَیں آپؐ کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور سینہ پر رکھ کر فرمایا اے خدا تُو اس کو شیطانی خیالات سے نجات دے اور اس کے بُغض کو دُور کر دے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے یکدم یُوں معلوم ہوا کہ آپؐ سے زیادہ پیاری چیز اَور کوئی نہیں۔ اسکے

بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگے بڑھو اور لڑو۔ میں نے تلوار سونت لی اور خدا کی قسم اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا اور وہ میرے سامنے آجاتا تو میں اپنی تلوار اس کے سینہ میں گھونپ دینے سے بھی ذرا دریغ نہ کرتا۔ یہ محبت تھی جس نے اس کی دشمنی کو دُور کر دیا۔

پس تم محبت سے تبلیغ کرو اور نرمی سے سمجھاؤ اور دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے اندر بھی محبت پیدا کرے ان کی دُنیا داری بُغض اور کینہ و فساد کی آگ کو مٹا دے انہیں ایمان بخشے، انہیں اسلام کی محبت بخشے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ بخشے اور بجائے اس کے کہ یہ ہمیں مارتے پھریں یہ بھی آگے بڑھیں اور عیسائیت کے سینے میں خنجر گھونپ دیں۔" [1]

اِس تقریر کے بعد حضور نے حاضرین سمیت دعا فرمائی۔

دعوتِ چائے میں شرکت اور مراجعت

جلسہ کے بعد میاں فضل الرحمٰن صاحب و میاں محمد اقبال صاحب پراچہ نے حضور کے اعزاز میں دعوتِ عصرانہ پیش کی جس میں کوئی ڈیڑھ سو سے زائد احمدی و غیر احمدی معززین مدعو تھے۔ چائے کے اختتام پر بعض غیر احمدی دوستوں کی فرمائش پر اور حضور کی اجازت سے جناب ثاقب زیروی صاحب نے اپنی ایک نظم "میرا جواب" سُنائی۔ حضور سے بعض غیر احمدی معززین کا تعارف کرایا گیا۔ ان تمام تقاریب کے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہونے کے بعد حضور معہ قافلہ شام کو چھ بجکر دس منٹ پر واپس عازمِ ربوہ ہو گئے۔

اِس مبارک سفر میں ۲۶ر نومبر (نبوت) کی صبح سے لیکر رات کے دس بجے تک مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعتِ احمدیہ سرگودہا اور میاں محمد اقبال صاحب پراچہ کو حضور کی معیّت کا شرف حاصل کرنے اور انتظامات کی نگرانی کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ [2]

---

[1] شعبہ زود نویسی کے غیر مطبوعہ ریکارڈ سے ماخوذ۔

[2] الفضل ۲۹ر نومبر ۱۹۵۰ء / نبوت ۱۳۲۹ھش صفحہ ۴۔

فصلِ دوم

کوائفِ قادیان (۱۳۲۹ھش ۱۹۵۰ء)

یہ سال تنظیمی، تعلیمی اور تبلیغی لحاظ سے بہت مبارک سال تھا کیونکہ اس میں قادیان نے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی دعاؤں اور توجہات و ہدایات کی بدولت اپنی پوزیشن ایک فعّال مرکز کی حیثیت سے پہلے سے بہت مضبوط و مستحکم بنالی اور ہندوستان میں جماعتِ احمدیہ کی ترقی کا میدان بھی وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی اہم سکیم

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے وسط ماہِ نبوت ۱۳۲۸ھش (نومبر ۱۹۴۹ء) میں قادیان اور بھارت کی دیگر احمدی جماعتوں کی تنظیمِ جدید کے لئے ایک اہم سکیم تجویز فرمائی جس کی تفصیلات ایک مکتوب سے ملتی ہیں جو حضور نے ۱۴، ۱۵ ماہِ نبوت ۱۳۲۸ھش کو امیر جماعتِ احمدیہ قادیان کے نام تحریر فرمایا۔ حضور نے لکھا کہ:۔

" اب آپ کو پوری طرح کوشش کرنی چاہیئے کہ مختلف جگہوں سے پچیس تیس آدمی کم سے کم مستقل مہاجر ہوکر قادیان آجائیں اور پچیس تیس آدمیوں کو قادیان سے فارغ کر کے ادھر بھجوا دیا جائے کیونکہ غالباً اتنے لوگ وہاں ہیں جو ادھر آنا چاہتے ہیں یا ان کے حالات ایسے ہیں کہ ان کو ادھر بھجوا دینا چاہیئے۔ اس طرح دس بارہ نوجوانوں کو بُلوا کر دیہاتی مبلّغوں کی طرح تعلیم دینی چاہیئے۔ ملکانہ، مالابار، بہار، بنگال سے ایسے آدمی منگوانے چاہئیں ..... اور جو موجودہ دیہاتی مبلّغ ہیں وہ تین سال سے پڑھ رہے ہیں ان کو باہر بھجوانا چاہیئے تا وہ کام کریں۔ پہلے موجودہ جماعتوں کو سنبھالنے اور ان کو بڑھانے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد نئے نئے تبلیغی مرکز مختلف صوبوں میں کھولنے چاہئیں۔ یہ وقت انتہائی کوشش کا ہے کوئی مشکل نہیں کہ اگر آپ لوگ توجہ کریں تو سال ڈیڑھ سال میں لاکھ دو لاکھ کی جماعت ہندوستان میں پیدا نہ ہوجائے۔ اگر ایسا ہوجائے تو چھ سات لاکھ سالانہ کی آمد آسانی سے قادیان میں ہوتی رہیگی جو زمانہ کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی اور آپ لوگ پھر مدرسہ احمدیہ، دینیات کالج، ہائی سکول اور تعلیم الاسلام

کالج وہاں بنانے کی توفیق پالیں گے۔ جو زمانہ زندہ رہنے کی کوشش کا تھا اللہ تعالیٰ نے خیریت سے اس زمانہ کو گذار دیا ہے اب آپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔ نئے ماڈل سوچنے کا ابھی سوال نہیں۔ قادیان میں جو کچھ پہلے تھا اسے دوبارہ قائم کرنے کے لئے کسی سکیم کے سوچنے کی ضرورت نہیں وہ سکیم تو سامنے ہی ہے اس کے لئے صرف ان باتوں کی ضرورت ہے:۔

اوّل:۔ قادیان میں عورتوں، بچوں کا مہیا کرنا۔ اڑلیسہ، کان پور اور بہار میں بہت غریب عورت مل جاتی ہے جو شادیاں کر سکتے ہیں ان کی ان علاقوں میں شادیاں کروائیے اور قادیان میں عورتیں بسوائیے۔

دوم:۔ ہزاروں ہزار مسلمان جو مارا گیا ہے ان کے بیوی بچے ابھی دہلی اور اس کے گردونواح میں موجود ہیں ایسے پندرہ بیس بچے منگوائیے اور پرائمری سکول کھول دیجئے۔ دس بیس نوجوان باہر سے وقف کی تحریک کر کے دیہاتی مبلغ بنانے کے لئے منگوائیے اور مدرسہ احمدیہ قائم کر دیجئے۔ اگر پُرانا پریس نہیں ملتا تو نئے پریس کی اجازت لیجئے۔ دستی پریس پتھروں والا ہو یہ سو دو سو میں آجاتا ہے بلکہ خود قادیان میں بنوایا جا سکتا ہے اس پر ایک پرچہ ہفتہ وار چھاپنا شروع کر دیجئے۔ آپ لوگوں کے لئے کام اور شغل نکل آئے گا۔ کچھ لوگ کاتب بن جائیں گے، کچھ کاغذ لگانے والے اور ہتھی چلانے والے بن جائیں گے اور کئی لوگوں کے لئے کام نکل آئے گا۔ آبادی بڑھے گی تو خالی جگہوں کو دیکھ کر لوگوں کو جو لالچ پیدا ہو جاتا ہے وہ جاتا رہے گا اور جو خالی ٹکڑے پڑے ہیں ان میں نئی عمارتیں بن جائیں گی۔

سوم:۔ حکیم خلیل احمد صاحب میرے خیال میں اگر وہاں آجائیں یا اور کوئی حکیم تو ایک مطب بھی کھول دیا جائے اور ایک طبیہ کلاس کھول دی جائے۔ دیہاتی مبلغ بھی طب سیکھیں اور مرزا وسیم احمد صاحب بھی طب سیکھ لیں اور ایک بہت بڑا دواخانہ کھول دیا جائے جس کی دوائیں سارے ہندوستان میں جائیں۔ خدا چاہے تو لاکھوں کی آمدنی اس ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ خط تمام ممبرانِ انجمن کو سُنا دیں تا سب لوگ اس سکیم کو اپنے سامنے رکھیں اور جلد سے جلد اِس سکیم کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے"۔

اِس سکیم کو جلد از جلد بروئے کار لانے کے لئے حضور نے اپنے مکتوب مورخہ ۳۱ رصلح ھ ۱۳۲۹ ہش /جنوری ۱۹۵۱ء میں تاکیدی ارشاد فرمایا کہ:۔

"ایک ہی طریق آپ کے لئے کُھلا ہے کہ ہندوستان سے نئے آدمی منگوائیے .... اور جو پاکستان واپس آنا چاہتے ہیں واپس آجائیں .... ایک سو ستیئیس آدمی کی درخواست آچکی ہے جو پاکستان واپس

آنا چاہتے ہیں۔ وہ قریباً سب کا سب ایسا ہے جس کو سلسلہ خرچ دے رہا ہے۔ وہی خرچ ہندوستان والوں کو کیوں نہیں دیا جا سکتا۔ وہاں ہندوستان والے آدمی بُلا لئے جائیں انہیں گزارے دئے جائیں اور جو آدمی واپس کئے جانے چاہئیں ان کو واپس کروا دینا چاہیئے۔ ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ سَو ہے کیونکہ سب پاکستان واپس آنا نہیں چاہتے۔ پس آسانی کے ساتھ یہ تبادلہ ہو سکتا ہے بغیر قادیان کو خطرہ میں ڈالنے کے۔"

نیز فرمایا:۔

"قادیان ایک مذہبی مرکز ہے مقبرہ یا درگاہ نہیں ہے۔ تبلیغ کے وسیع رستے ہندوستان میں کھلے ہیں پاکستان سے بھی زیادہ۔ لیکن نئے علماء پیدا کرنے کی کوشش نہیں ہو رہی ہم پاکستان سے تو علماء وہاں نہیں بھیج سکتے یہی چھ سات علماء جو وہاں ہیں انہوں نے ہی علماء پیدا کرنے ہیں۔ اگر نئے علماء پیدا کئے بغیر یہ لوگ مرگئے تو وہ علاقہ علماء سے خالی ہو جائے گا۔ ... بیس[۲] دیہاتی مبلغ قادیان میں بیٹھا ہے میں بار بار لکھتا ہوں کہ ان کو باہر نکالو اور ان کی جگہ ہندوستان سے دوسرے آدمی منگواؤ۔ یہ بیس آدمی اگر سارے ہندوستان میں تبلیغ کرے گا تو کتنا بڑا تغیر پیدا ہو جائے گا۔ ... اگر بیس[۳] خاندان باہر سے منگوائے جائیں اور انہیں تیس روپیہ ماہوار دیا جائے تو چھ سو روپیہ ماہوار خرچ پڑے گا۔ ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ ان کے بیوی بچے بھی ساتھ آجائیں گے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ آزادی کے ساتھ ملک میں پھر سکیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بیس نئے شہروں میں ہماری تبلیغ شروع ہو جائے گی صرف بیس شہروں کی تنظیم سے ہی چھ سو روپیہ چھوڑ ایک ہزار روپیہ مہینہ کی آمد بڑھ جائے گی اور ایک سال کے اندر نئے احمدیوں کے ذریعہ سے دو تین ہزار روپیہ ماہوار کی آمد بڑھ جائے گی۔"

نظامِ عمل میں خوشگوار تغیر

حضور کے اِن تاکیدی ارشادات نے درویشانِ قادیان کے نظامِ عمل میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی اور اُس کے متعدد اثرات رُونما ہوئے۔ مثلاً:۔

۱ ۔ ۲۲ر شہادت (اپریل) کو قادیان سے بارہ[۱] مبلغین ہندوستان کے مختلف اطراف میں بھجوائے گئے جس کے نتیجہ میں جماعت کی تربیت و تبلیغ میں نئی رُوح پیدا ہو گئی۔

۲ ۔ یوپی سے ۳۵ احمدی خاندان مستقل ہجرت کر کے قادیان میں آگئے جس سے قادیان کی احمدی

آبادی میں اضافہ ہوا۔

۳۔ احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے پرائمری سکول جاری ہوا۔

۴۔ نئے مبلغین پیدا کرنے کے لئے جامعۃ المبشرین کا قیام عمل میں لایا گیا۔[1]

۵۔ مشرقی پنجاب میں بعض غیر مسلموں نے خفیہ طور پر قبولِ اسلام کیا اور بعض نومسلم خوش عقیدگی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کا تبرّک بھی مانگنے لگے۔[2]

۶۔ نظارت بیت المال قادیان کے ماہِ وفا ۱۳۲۹ھش کے گوشوارۂ آمد سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان و کشمیر کی حسبِ ذیل جماعتیں جماعتِ احمدیہ کے مالی جہاد میں سرگرمِ عمل ہو چکی تھیں:۔

قادیان۔ دہلی۔ بجولپور۔ شاہجہانپور۔ انبیٹہ۔ لکھنؤ۔ ساندھن۔ علی گڑھ۔ جے پور۔ اٹاوہ۔ میرٹھ۔ کانپور۔ راٹھ مسکرا۔ بنارس۔ علی پور کھیڑا۔ امروہہ۔ رام پور۔ کشن گڑھ۔ جھانسی صالح نگر مظفر پور۔ پٹنہ۔ بھاگلپور۔ موسلی بنی مائنز۔ خانپور ملکی۔ مہو بھنڈار۔ مونگھیر۔ جمشید پور۔ کلکتہ دارجیلنگ۔ سونگھڑہ۔ بھدرک۔ پنکالو۔ کرڑاپلی۔ کٹک۔ سری یاریدن پیدا۔ پوری۔ کیرنگ۔ کوٹیلہ۔ کندرہ باڑہ۔ او ایم پی۔ سنبل پور۔ سرلونیا گاؤں۔ بمبئی۔ ویگوالا۔ باندھ۔ حیدرآباد سکندرآباد۔ یادگیر۔ دیودرگ۔ اوٹکور۔ رائچور۔ شموگہ۔ کینانور۔ کالی کٹ۔ بنگلور۔ پلینگاڈی ساماں کولم۔ ٹیلی چری۔ آسنور۔ شورت۔ ماندوجن۔ کنہ پورہ۔ بانڈی پورہ۔ بھدرواہ۔

یہ صرف اُن جماعتوں کے نام ہیں جنہوں نے ماہِ وفا ۱۳۲۹ھش میں مرکزی چندوں میں حصّہ لیا۔ اِس ماہ حیدرآباد دکن نے سب سے زیادہ چندہ دیا دوسرے نمبر پر قادیان اور تیسرے نمبر پر مدراس و میسور کی جماعتیں رہیں۔

۷۔ اِس سال (ماہِ ہجرت میں) ۲۴ درویش اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے پاکستان آئے۔

۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی کوشش سے اِس سال درویشوں کو پہلی بار یہ موقع ملا کہ وہ واہگہ کی ہندو پاک سرحد پر اپنے اعزّہ و اقارب سے ملاقات کر سکیں چنانچہ اُس دَور

---

[1] رسالہ "درویشانِ قادیان" صفحہ ۲۲ (بزمِ درویشانِ قادیان مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۰ء)

[2] مکتوب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بحضور حضرت مصلح موعودؓ مورخہ ۵ امان ۱۳۲۹ھش

کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں پہلی ملاقات ۲۹ ماہ ہجرت ۱۳۲۹ھ کو ہوئی اور حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ بھی اس موقع پر تشریف لائے چنانچہ انہوں نے ۳۱۔ ہجرت ۱۳۲۹ھ کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں لکھا:۔

"۲۸ مئی شام کی گاڑی سے مَیں معہ بارہ چودہ درویشوں کے (اپنے اپنے عزیزان کی ملاقات کے لئے) واہگہ گیا تھا۔ یہ سب درویش ایسے تھے جن کے رشتہ داروں کی طرف سے بذریعہ تار یا خطوط اطلاعات آ چکی تھیں چنانچہ ۲۹ مئی کی صبح کو ½ ۹ بجے ہم سب نے ملاقات کی سوائے دو درویشوں کے باقی سب کے ورثاء آئے ہوئے تھے۔ پاکستان کی طرف سے ایک سو افراد تشریف لائے۔ ملاقات دن میں دو بار ہوتی ہے بعض دوستوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اس رعایت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شام کو پھر ملاقات کریں مَیں چونکہ صرف ایک رات کے لئے باہر گیا تھا اس لئے بمجبوری مجھے تو واپس آنا پڑا اور باقی درویش وہیں رہ گئے اور وہ شام کو دوبارہ ملاقات کر کے دوسرے دن واپس آئے۔"

۲۹ ماہِ ہجرت/مئی کے بعد ۱۵ احسان/جون کو قریباً ایک سو پاکستانی احمدی بچوں اور خواتین نے درویشوں سے ملاقات کی۔ ۱۷ احسان/جون کو ۸۰ افراد کو باہمی ملاقات کا موقع میسّر آیا۔

فصل سوم

سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۹ھ/۱۹۵۰ء اور حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام

اِس سال بھی سالانہ جلسہ قادیان ۲۶۔۲۷۔۲۸ فتح ۱۳۲۹ھ/دسمبر ۱۹۵۰ء کی مقررہ تاریخوں میں منعقد ہوا۔ اِس مقدّس تقریب پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے حسبِ ذیل رُوح پرور پیغام ارسال فرمایا:۔

أعُوذ باللہ من الشّیطان الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۔ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

والسّلام علیٰ عبدہٖ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

اے برادرانِ کرام جو قادیان میں مسنون جلسہ سالانہ کے موقع پر ہندوستان کے مختلف کناروں سے جمع ہوئے ہیں مَیں پہلے تو آپ لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقررکردہ مرکز میں اسکے مقررکردہ جلسہ میں اس کے مامور کے مقررکردہ ایام میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا ذکر بلند کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ احمدیت ایک صوفیوں کا فرقہ نہیں ہے بلکہ احمدیت ایک تحریک ہے، ایک پیغامِ آسمانی ہے جو دُنیا کو بیدار کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے ایسے وقت میں نازل ہوا ہے جبکہ دُنیا خدا کو بھول چکی تھی اور مذہب سے بیزار ہو چکی تھی اور اسلام ایک نام رہ گیا تھا اور قرآن صرف ایک نقش رہ گیا تھا۔ نہ اسلام کے اندر کوئی حقیقت باقی رہ گئی تھی اور نہ قرآن کے اندر کوئی معنے رہ گئے تھے۔ اسلام اسلام کہنے والے تو کروڑوں دُنیا میں موجود تھے قرآن پڑھنے والے بھی کروڑوں موجود تھے لیکن نہ مسلمان کہلانے والے اسلام پر غور کرتے تھے نہ قرآن پڑھنے والے قرآن کے معنے سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اِس غفلت اور اِس سستی کو دُور کرے اور اسلام کو نئے سرے سے دُنیا میں قائم کرے اور پھر اپنا وجود اپنے تازہ نشانوں کے ساتھ دنیا پر ظاہر کرے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمالات اپنے پیروؤں اور اپنے جانشینوں کے ذریعہ سے دُنیا کو دکھلائے اور آپؐ کے حُسن سے جہان کو روشناس کرے پس جہاں تک فرد کی اصلاح کا سوال ہے کسی ایک فرد کا بھی اِس طریق کار کو اختیار کر لینا احمدیت کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے لیکن جہاں تک اسلام کو دنیا میں پھیلانے کا سوال ہے کسی ایک فرد یا دس ہزار افراد کے ساتھ بھی یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جبکہ اسلام اور احمدیت کے پیغام کو ہندوستان اور دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا جائے، سوتوں کو جگا یا جائے، غافلوں کو ہوشیار کیا جائے، وہ جن کو توجہ نہیں ان کو توجہ دلائی جائے، وہ جو اسلام سے متنفر ہیں ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا

کی جائے، جو اسلام سے ناواقف ہیں انہیں اسلام سے واقف کیا جائے۔ کوئی کان نہ رہے جس میں اسلام اور احمدیت کی آواز نہ پڑے۔ کوئی آنکھ نہ رہے جو احمدیت کے لٹریچر کے پڑھنے سے محروم ہو۔ کوئی دِل باقی نہ ہو جس کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے سندیسے سے آگاہ نہ کر دیا جائے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ کام بغیر تنظیم کے، بغیر کوشش کے، بغیر جدّ و جہد کے، بغیر سعی لامتناہی کے پورا نہیں ہو سکتا۔ آپ کے دل بے شک اِس صدمہ سے چُور ہوں گے کہ ایک بڑی بھاری جماعت کٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور آپ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں تھوڑے سے رہ گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ جو آج قادیان میں جمع ہوئے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۱ء کے جلسہ میں قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۲ء کے جلسہ قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ وہ ان سے بھی بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۳ء کے جلسہ قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ وہ ان سے بھی زیادہ ہیں جو ۱۸۹۴ء کے جلسہ میں قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ اور وہ ان سے بھی زیادہ ہیں جو ۱۸۹۵ء کے جلسہ میں قادیان میں جمع ہوئے تھے لیکن یہ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۵ء میں قادیان میں جمع ہونے والے لوگ ہر سال اِس یقین سے زیادہ سے زیادہ معمور ہوتے چلے جاتے تھے کہ ہم دُنیا پر غالب آنے والے ہیں اور دنیا کو احمدیت کی تعلیم منوانے والے ہیں۔ آپ لوگ تو ان سے بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی مالی حیثیت بھی ان سے زیادہ ہے۔ آپ کی دُنیوی تعلیمیں بھی ان سے زیادہ ہیں۔ صرف اِس بات کی ضرورت ہے کہ آپ ان لوگوں والا ایمان پیدا کریں اور یہ آپ کے لئے کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ وہ نشان جو اُن لوگوں کے سامنے تھے ان سے بہت بڑے نشان آپ کے سامنے ہیں۔ ۱۸۹۵ء کے بعد تیرہ سال برابر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نشانات ظاہر ہوتے رہے اور آپؑ کی وفات سے لے کر اِس وقت تک بھی آپ کے نشانات نئی نئی صورتوں میں دُنیا پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ پھر خدا نے میرے ذریعہ سے بہت سے غیب ظاہر کئے ہیں جو کہ مُردوں کو زندہ کرنے والے، بہروں کو شنوائی بخشنے والے اور اندھوں کو بینائی بخشنے والے ہیں۔ پس آپ کے ایمانوں کو زیادہ کرنے والے جو سامان موجود ہیں وہ اُن لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۵ء کے لوگوں کو میسّر تھے۔ ضرورت صرف اِس امر کی ہے کہ آپ لوگ اپنے اوقات کو ان نشانوں کے پڑھنے اور سوچنے اور ان پر غور کرنے میں صرف کریں اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ اگر آپ ایسا کریں تو دُنیا کی محبت آپ کے دِلوں سے یقیناً سرد ہو جائے گی

اور دین کی محبت کی آگ آپ کے دِلوں میں سُلگنے لگ جائے گی اور آپ صرف انہی نشانوں پر جو ظاہر ہو چکے ہیں زندہ نہیں رہیں گے بلکہ خدا تعالیٰ آپ کے اندر سے بولنے لگے گا اور آپ خود خدا تعالیٰ کا ایک نشان بن جائیں گے۔

کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارا خدا سب دُنیا کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ اس کا مملوک اور غلام ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دنیا کی تمام بادشاہتیں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتیں جتنا کہ ایک مچھر ایک ہاتھی کے مقابلہ میں حیثیت رکھتا ہے۔ پھر آپ کے حوصلوں کو پست کرنیوالی کیا چیز ہے؟ صرف ارادے کی کمی ہے ورنہ نشانوں کی کوئی کمی آپ کے پاس نہیں۔ آج آپ لوگ یہ عہد کرلیں کہ ہم احمدیت کو نئے سرے سے پھر ہندوستان میں قائم کریں گے۔ اس کے گوشے گوشے میں احمدیت کا پیغام پہنچا دیں گے۔ اس کے خاندان خاندان سے احمدیت کے سپاہی نکال کر لائیں گے۔ اس کی قوم قوم کو احمدیت کا غلام بنا کر چھوڑیں گے اور یہ کام مشکل نہیں ہے۔ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور ناراستی ہمیشہ مغلوب ہوتی ہے۔

پس آپ لوگوں کو چاہیئے کہ (۱) ایک تو اِس بات کا عزم کرلیں کہ ایک زندہ احمدی کی زندگی آپ بسر کریں گے نہ کہ مُردہ احمدی کی (۲) آپ اپنے علاقہ اور اس کے اردگرد احمدیت کے پیغام کو اس زور سے پھیلائیں گے کہ لوگ مجبور ہوجائیں اس پر کان دھرنے کے لئے اور لوگ مجبور ہو جائیں اس کو ماننے کے لئے (۳) صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ساتھ مِل کر سلسلہ کے لٹریچر کی اشاعت کے لئے ایک وسیع سکیم بنائینگے کہ ہندوستان کی ہر زبان بولنے والوں کے لئے احمدی لٹریچر موجود ہو (۴) اپنے نوجوانوں کو یہ تحریک کریں گے کہ وہ زندگیاں وقف کریں اور دین سیکھیں اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں دین پھیلانے کی طرف توجہ کریں (۵) قادیان میں پریس کے قیام کے لئے کوشش کریں گے کہ بغیر قادیان میں پریس کے قیام کے باقاعدہ لٹریچر باہر کی جماعتوں کو نہیں پہنچ سکتا (۶) اپنے چندوں میں باقاعدگی اختیار کریں گے اور نئے آنے والے احمدیوں پر بھی چندوں کی اہمیّت ظاہر کریں گے تاکہ جماعتی فنڈ مضبوط ہو اور تبلیغ کے کام کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جاسکے (۷) جلسہ سالانہ میں تو اب آپ لوگ آنا شروع ہو ہی گئے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی قادیان میں آتے رہیں گے تاکہ مرکز سے آپ کے تعلقات زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں اور آپ لوگوں کے آنے سے مرکز والوں کا حوصلہ بلند رہے اور مرکز کے لوگوں کے ساتھ ملنے سے آپکے

ایمان میں تازگی ہو۔ اگر آپ لوگ اِن باتوں پر عمل کریں گے تو مَیں امید کرتا ہوں کہ اگلے سال کا جلسہ اِس سال کے جلسے سے بہت بڑا ہوگا اور اگلے سال کی جماعت اِس سال کی جماعت سے زیادہ مخلص ہوگی اور اگلے سال کی مالی وسعت اِس سال کی مالی وسعت سے کہیں بڑھ کر ہوگی اور خدا تعالیٰ کے فضل کی ہوائیں چلنے لگ جائیں گی۔ مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے امیدیں دلوں میں کلبلانے لگ جائیں گی۔ عزم اور یقین قلوب میں ڈیرہ لگالیں گے اور پھر احمدیت کی رُوحانی فوج بنی نوع انسان کو گھیر کر خدا تعالیٰ کے دروازے کے آگے لانے کے لئے ایک پُرشوکت اور پُرہیبت مارچ کر رہی ہوگی۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)" [1]

کوائف جلسہ

اِس جلسہ سالانہ میں ساڑھے تین سَو کے قریب مقامی درویش بزرگوں اور بھائیوں کے علاوہ پاکستان کے ۹۷ افراد شریک ہوئے۔ اِس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں مثلاً حیدرآباد دکن، بمبئی، بہار، یوپی، بنگال اور کشمیر سے اڑھائی سو احمدی احباب نے شرکت کی جن میں سے حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحبؓ، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ، چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعت احمدیہ کلکتہ، حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اور حضرت سید وزارت حسین صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ بہار کے نام بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ غیر مسلم حضرات بھی کثرت سے جلسہ میں شریک ہوتے رہے چنانچہ ۲۷ دسمبر کے دوسرے اجلاس میں نوسو کے قریب غیر مسلم حضرات موجود تھے۔ شہر کے ہندو سکھ معززین کے علاوہ ڈی سی صاحب گورداسپور، ڈی ایس پی صاحب گورداسپور، آر، ایم صاحب بٹالہ، انسپکٹر صاحب سی، آئی، ڈی، پریذیڈنٹ صاحب میونسپل کمیٹی بٹالہ اور پبلسٹی آفیسر[2] گورداسپور وشملہ بھی جلسے میں شامل ہوئے۔ پروفیسر عبدالمجید صاحب سابق سفیر حکومتِ ہند متعینہ جدّہ بھی تینوں دن جلسہ میں شامل ہوتے رہے۔

سٹیج کے دائیں طرف لوائے احمدیت لہرا رہا تھا جلسے کے پہلے دو دن درویشانِ قادیان باری باری اس کا پہرہ دیتے رہے اور آخری دن پاکستان اور ہندوستان کے احباب نے پہرہ دینے کی سعادت حاصل کی۔ اِس سال احمدی خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ نے اِس جلسہ میں شامل ہونے کی توفیق بخشی چنانچہ پاکستان وہندوستان کی متعدد خواتین جلسے میں شامل ہوئیں جن کے لئے حضرت مولانا سید

---

[1] الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴-۵ [2] بٹالہ کے رہنے والے ہیں یونیورسٹی کی سینٹ کے ممبر اور پنجاب سروس کمیشن کے چیئرمین بھی رہے ہیں شملہ میں ان کا مستقل قیام ہے (مکتوب ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء)

محمد سرور شاہ صاحبؓ کے مکان میں جلسے کی تقاریر سننے کا انتظام کیا گیا تھا جہاں پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ آواز بخوبی پہنچتی تھی۔ مہمانوں کے قیام وطعام اور جلسہ کے دیگر تمام انتظامات سرانجام دینے کی سعادت دیارِ حبیب کے خوش قسمت درویشوں نے حاصل کر رکھی تھی۔ جلسہ کے منتظم اعلیٰ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ اور آپ کے نائب مولوی عبد القادر صاحب دہلوی جنرل پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ قادیان تھے۔ ان کے ماتحت قریباً تمام درویش بھائی اپنی اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے سرانجام دے رہے تھے۔ بہت سے ایسے درویش تھے جنہیں سالہا سال کے بعد اسی موقع پر اپنے کسی عزیز یا بزرگ سے ملنے کا موقع ملا تھا اور وہ بھی نہایت محدود وقت کے لئے لیکن وہ اِس عرصہ میں بھی اپنے ذاتی جذبات اور تعلقات کو قربان کر کے جلسہ کے سلسلہ میں اپنے فرائض سرانجام دینے میں مصروف نظر آتے تھے اور اِس طرح اپنے عمل سے ثابت کر رہے تھے کہ وہ فی الحقیقت تمام دنیوی تعلقات اور علائق سے مُنہ موڑ کر اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ ہندوستان سے تشریف لانے والے اکثر دوست مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے کمروں میں رہائش رکھتے تھے۔ جلسہ کی تصاویر لینے کی خدمت میاں منور علی صاحب درویش (پروپرائٹر "علی سٹوڈیو") اور چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعت احمدیہ کلکتہ سرانجام دیتے رہے۔

۲۷ ر فتح (دسمبر) کی رات کو مسجد اقصیٰ میں محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کی صدارت میں ایک تربیتی جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی، مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور چوہدری محمد عبد اللہ خاں صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی نے مختلف تربیتی امور پر تقاریر فرمائیں۔ جلسہ کے بعد حضرت مولوی راجیکی صاحب نے اجتماعی دعا کرائی اور دعا کے بعد اپنا یہ کشف بیان فرمایا کہ جب دعا شروع ہوئی تو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی عالمِ کشف میں مسجد میں تشریف لائے اور دعا میں شامل ہوئے (الحمد للہ)

مورخہ ۲۹ ر فتح (دسمبر) بروز جمعہ میجر جنرل عبد الرحمٰن صاحب ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان متعینہ جالندھر قادیان تشریف لائے، پاکستانی زائرین کی طرف سے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں آپ نے پاکستانی زائرین سے ملاقات فرمائی۔ شام کو آپ واپس تشریف لے گئے۔ ۲۹ ر فتح (دسمبر) کی صبح کو پاکستان سے جانے والے احباب نے اپنے امیر شیخ بشیر احمد صاحب

ایڈووکیٹ کی سرکردگی میں گروپ فوٹو کھنچوائی پھر مقبرہ بہشتی میں اجتماعی دعا کی مسجدِ اقصیٰ میں نوافل ادا کئے اور ساڑھے نو بجے مقامی پولیس کے انتظام کے ماتحت محلہ دارالانوار، دارالبرکات، دارالفضل، دارالرحمت اور دارالفتوح کی مساجد کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج اور مسجد نور میں جاکر بڑی رقت اور درد کے ساتھ اجتماعی دعا کی، تعلیم الاسلام ہائی سکول اور نور ہسپتال میں سے ہوتے ہوئے بڑے بازار کی طرف سے واپس دارالمسیح آئے۔

مورخہ ۲۹ ماہِ فتح (دسمبر) کو نمازِ جمعہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ کے اس مخصوص حصہ میں جہاں حضور علیہ السلام کا جنازہ پڑھا گیا تھا (اور جو حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی کی سعی اور نگرانی میں اس حصہ کی حد بندی کر کے اسے باقی جگہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا) حیدرآباد کے نہایت مخلص خادمِ سلسلہ حضرت سیٹھ محمد غوث صاحبؓ کا جنازہ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت مقامی نے پڑھا۔ حضرت سیٹھ صاحب موصوف کا ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا تھا اور آپ کو وہیں امانتاً دفن کر دیا گیا تھا۔ اِس جلسہ کے موقع پر آپ کے فرزند سیٹھ محمد اعظم صاحب[1] آپکا تابوت حیدرآباد سے دارالامان لائے۔ حضرت سیٹھ صاحب اگرچہ صحابی نہیں تھے لیکن اپنی شاندار خدماتِ سلسلہ کی وجہ سے حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت پر مقبرہ بہشتی کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے۔

جنازہ سے قبل مؤرخِ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اِس وقت میری آنکھوں کے سامنے ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کا دن ہے جبکہ ٹھیک اِسی میدان میں ہمارے آقا اور محسن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جنازہ رکھا گیا تھا اور یہی وہ میدان تھا جس میں ہم نے خلافتِ اولیٰ کی بیعت کی تھی۔ وہ بیعت اِسی امر پر کی تھی کہ ہم خلیفۂ وقت کو واجب الاطاعت امام سمجھتے ہیں۔ حضرت سیٹھ محمد غوث گذشتہ ۴۲ سال میں وہ پہلے خوش قسمت انسان ہیں جن کا جنازہ ٹھیک اس جگہ اور اسی حلقہ میں پڑھا جارہا ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جسمِ اطہر رکھا گیا تھا اور جنازہ پڑھا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے بے شمار فضل ہوں محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے اِس حلقہ زمین کو محدود کرنے کی توفیق دی۔ میں اِس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ ٹھیک اِسی جگہ حضور علیہ السلام کا

[1] ۱۹ مارچ ۱۹۶۳ء کو سیٹھ صاحب ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور اب ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

جنازہ پڑھا گیا تھا۔یاد رکھو مقاماتِ مقدسہ پرستش کے لئے نہیں ہوتے ہاں وہ اِس لئے ضرور ہمارے لئے قابلِ احترام ہوتے ہیں تاکہ ہم انہیں دیکھ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کرنے اور ان مقامات سے وابستہ برکات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

حضرت عرفانی صاحبؓ نے حضرت سیٹھ محمد غوث صاحبؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ بڑے مخلص، خادمِ سلسلہ تھے۔وہ گداز تھے حضرت صاحب کی محبت میں اور یہی رنگ دوستوں سے ان کی محبت کا تھا۔میں مبارکباد دیتا ہوں ان کے بیٹے عزیز محمد اعظم کو کہ انہیں آج ان کا تابوت یہاں لانے کی توفیق ملی۔"

جلسہ کے ایّام کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت وہ دعائیں، عبادتیں اور نمازیں تھیں جو دارالمسیح کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں سے معمور رکھتی تھیں۔مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ، دارِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خصوصاً بیت الدعا، بیت الذکر اور بیت الفکر تو مومنین کی خشوع و خضوع سے نکلی ہوئی دعاؤں اور مناجاتوں کی آماجگاہ بنی رہتیں۔علاوہ ازیں صبح سوا پانچ بجے مساجد میں باجماعت نمازِ تہجد ادا کی جاتی جس میں احباب بڑے ذوق و شوق سے حصّہ لیتے تھے۔مقبرہ بہشتی میں مزار حضرت مہدئ موعود علیہ السلام پر حاضر ہو کر دعائیں کرنے والے احباب کا بھی ہر وقت تانتا لگا رہتا تھا۔[1]

قافلۂ پاکستان کے مختصر حالات

قافلۂ پاکستان مورخہ ۲۵ ماہِ فتح (دسمبر) بروز پیر صبح سوا نو بجے رتن باغ سے لاہور اومنی بس سروس کی تین بسوں میں روانہ ہوا۔قافلہ کے امیر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ لاہور تھے جو بس نمبر۱ میں سوار تھے اور ان کے ماتحت بس نمبر۲ کے انچارج میاں عطاء اللہ صاحب وکیل امیر جماعت راولپنڈی اور بس نمبر۳ کے انچارج چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب امیر جماعت کراچی تھے۔اِس موقع پر الوداع کرنے کے لئے بہت سے احباب جمع تھے۔پھر حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے اجتماعی دعا کرائی اور پریس فوٹو گرافر نے فوٹو لئے۔روانگی کے وقت حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رقم فرمودہ ضروری ہدایات کی ایک ایک کاپی تمام زائرین کو دے دی گئی۔اِن ہدایات میں امیر قافلہ کی اطاعت

---

[1] الفضل ۷ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۵

کرنے کے علاوہ اِس امر کی خاص طور پر نصیحت کی گئی تھی کہ اِس مقدس سفر کے دَوران میں اپنے دِلوں کی نیت کو پاک وصاف رکھنا چاہیئے اور دعاؤں پر خاص زور دینا چاہیئے" تاکہ خدا تعالیٰ اِس سفر کو نہ صرف آپ کے لئے اور نہ صرف اہلِ قادیان کے لئے بلکہ تمام جماعت کے لئے اور احمدیت اور اسلام کے لئے مبارک اور مثمر ثمراتِ حسنہ بنائے" چنانچہ ارکانِ قافلہ نے روانہ ہوتے ہی دعائیں شروع کر دیں اور سفر کا زیادہ سے زیادہ وقت دعاؤں میں گذارا۔ جب قافلہ واہگہ سرحد پر پہنچا تو شیخ محمود الحسن صاحب جنرل سیکرٹری جماعت لاہور اور شیخ نذیر احمد صاحب کے علاوہ خان محمد شفیع خان صاحب ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر لاہور بھی قافلہ کو الوداع کہنے کے لئے موجود تھے۔ ضروری امور کی سرانجام دہی کے بعد پونے بارہ بجے قافلہ کے ارکان پیدل ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔

امرتسر کے ڈپٹی کمشنر سردار بہادر سردار نریندر سنگھ صاحب نے ہندوستان کی طرف سے قافلہ کا خیر مقدم کیا۔ پریس فوٹوگرافر نے آپ کی معیّت میں قافلہ کی تصویر لی۔ آپ کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد امرتسر چلے آئے۔

ہندوستانی سرحد پر قادیان کے دو درویش چوہدری فضل الٰہی صاحب اور بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار بھی درویشانِ قادیان کی نمائندگی میں موجود تھے۔

ڈی۔سی صاحب امرتسر کے جانے کے بعد قافلہ بسوں میں سوار ہو کر ہندوستان کسٹم آفس کے آگے رُکا جو سرحد سے تھوڑے فاصلے پر کاہن گڑھ نامی گاؤں کے قریب واقع ہے۔ سامان وغیرہ کی تلاشی ہونے کے بعد ایک بج کر بیس منٹ پر انڈین پولیس کے حفاظتی دستے کے ہمراہ قافلہ روانہ ہوا۔ پونے دو بجے امرتسر میں سے گذرا اور پونے تین بجے بٹالہ پہنچ گیا یہاں بھی بعض درویش استقبال کے لئے موجود تھے۔ چند منٹ بٹالہ ٹھہرنے کے بعد قافلہ سری گوبندپور والی سڑک کے راستے سے قادیان روانہ ہوا۔ نہر کے موڑ پر اسے کچھ رُکنا پڑا کیونکہ نہر کی پٹڑی کا دروازہ بند تھا۔ جب یہاں سے قافلہ روانہ ہوا تو چند منٹ بعد ہی منارۃ المسیح نظر آنے لگا اسی وقت امیرِ قافلہ کے ارشاد پر اجتماعی دعا شروع کر دی گئی جو دیر تک جاری رہی۔ جوں جوں منارۃ المسیح نمایاں نظر آتا تھا اور قادیان کی محبوب بستی قریب آتی جاتی تھی اہلِ قافلہ میں خوشی اور غم کے ملے جُلے جذبات سے عجیب کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ جب قادیان اور قریب آگیا تو درویشانِ قادیان کا مجمع نظر آنے لگا جو کئی گھنٹوں سے قافلہ کا منتظر تھا۔ آخر وہ مبارک ساعت آگئی

جبکہ پانچ بجے یہ بسیں موضع بہل کلاں سے مقبرہ بہشتی کی طرف جانے والی سڑک پر باغ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب ٹھہر گئیں۔ درویشانِ قادیان نے قافلہ کا خیر مقدم کیا مقامی جماعت کے امیر حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل نے آگے بڑھ کر امیرِ قافلہ شیخ بشیر احمد صاحب سے مصافحہ اور معانقہ کیا اِس موقع پر حضرت سیٹھ عبداللہ دین صاحب آف سکندر آباد دکن اور ہندوستان سے تشریف لانیوالے متعدد دیگر احباب بھی موجود تھے۔ قادیان کے بعض ہندو سکھ اصحاب بھی آئے ہوئے تھے۔ چونکہ نماز کا وقت بہت تنگ ہو رہا تھا اِس لئے بسوں سے اُترتے ہی قافلہ نے حضرت مولوی راجیکی صاحبؓ کی اقتداء میں اسی جگہ نماز ظہر و عصر ادا کیں۔ نماز کے بعد ارکانِ قافلہ نے باری باری تمام مقامی احباب سے مصافحہ کیا پھر یہ سارا مجمع مقبرہ بہشتی میں اپنے آقا و مطاع سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوُا اور بڑے درد، رقّت اور سوز کے ساتھ لمبی دعا کرنے کے بعد قافلہ دارالمسیح میں داخل ہوُا۔

مورخہ ۳۰ ماہِ فتح (دسمبر) بروز ہفتہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد ارکانِ قافلہ کا مسجد مبارک میں درویشانِ قادیان اور ہندوستان کے احمدی احباب سے تعارف اور ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا چنانچہ مسجد کے مغربی حصّہ میں ارکانِ قافلہ لائن میں کھڑے ہو گئے ہندوستانی احباب اور درویشانِ کرام باری باری لائن کے ساتھ گذرتے چلے جاتے اور ہر دوست سے ملاقات کرتے جاتے۔ ملاقات اور تعارف کے بعد پاکستانی زائرین سفر کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ بسوں پر سامان لدوانے کے بعد سوا نو بجے قافلہ کے ارکان اور مقامی احباب سب مقبرہ بہشتی میں جمع ہو گئے۔ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر لمبی الوداعی دعا کی گئی پھر قافلہ کی روانگی تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا سب احباب ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے مگر اِس حالت میں کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے۔ اخلاص اور درد سے بھری ہوئی یہ ملاقاتیں جاری رہیں حتّٰی کہ دس بجکر پچپن منٹ پر اجتماعی دعا کے بعد بسیں روانہ ہو گئیں جبکہ قافلہ کا ہر رُکن اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعاؤں میں مصروف تھا اور درویش بڑے درد اور رقّت کے ساتھ یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ ؎

ہم بھی کرتے ہیں دُعا اور آپ بھی مانگا کریں
جلد شاہِ قادیاں تشریف لائے قادیاں

الغرض قافلہ روانہ ہوگیا اور قادیان اور اس کے درویش آنکھوں سے اوجھل ہو گئے حتیٰ کہ نہر عبور کرتے ہوئے قادیان کی آخری جھلک یعنی منارۃ المسیح بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سوا بارہ بجے قافلہ بٹالہ کی سڑکوں کو عبور کر رہا تھا اور ۲ بجے امرتسر سے گذرتا ہوا سرحد پر پہنچ چکا تھا۔ چار پانچ درویش سرحد تک چھوڑنے کے لئے آئے۔ اس جگہ ظہر و عصر کی نمازیں باجماعت ادا کی گئیں۔ چار بجے انڈین کسٹم آفس کے ارکان نے ہمارے سامان کی تلاشی لینا شروع کی۔ یہ تلاشی کتنی کڑی تھی اور کتنی صبر آزما اس سلسلہ میں امیر قافلہ کا بیان انہی دنوں اخبارات میں بھی شائع ہو گیا تھا مختصر یہ کہ ۲ بجے قافلہ سرحد پر پہنچا اور ساڑھے پانچ بجے تک بمشکل ایک بس کی مکمل اور دوسری بس کی ادھوری تلاشی ختم کی گئی اور اس امر کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا کہ شاید قافلہ کو رات سرحد پر ہی گذارنی پڑے کیونکہ دونوں ملکوں کے سرحدی پھاٹک ساڑھے پانچ بجے داخلہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔ آخر امرتسر کے ڈی سی صاحب کی مداخلت سے یہ کٹھن مرحلہ کسی نہ کسی طرح ختم ہوا لیکن اس وقت دونوں طرف کے سرحدی پھاٹک داخلہ کے لئے بند ہو چکے تھے اور مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ آخر ۲ گھنٹہ کی خاص کوشش کے بعد یہ مرحلہ بھی طے ہوا اور رات کے آٹھ بجے قافلہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہوا[1]

فصل چہارم

کوائفِ ربوہ ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء

اگرچہ دونوں مراکزِ احمدیت میں ترقیات کا سلسلہ متوازی شکل میں جاری رہا مگر ربوہ کی وادئ غیر ذی زرع کی رفتارِ ترقی نسبتاً زیادہ تیز رہی اور ہر لحاظ سے اس کی اہمیت و شہرت میں اضافہ ہوا۔

ربوہ باقاعدہ اسٹیشن بن گیا ماہِ امان ۱۳۲۹ھش / مارچ ۱۹۵۰ء میں نارتھ ویسٹرن ریلوے کے ایک خاص گزٹ کے ذریعہ ربوہ کو باقاعدہ اسٹیشن بنا دیا گیا۔[2]

[1] الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۔

اور دوسرے اسٹیشنوں کی طرح ماہِ شہادت ۱۳۲۹ھش / اپریل ۱۹۵۰ء سے مال و اسباب کی بکنگ بھی ہونے لگی۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی لائبریری ربوہ میں

حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی لائبریری جو ماہِ احسان ۱۳۲۸ھش / جون ۱۹۴۹ء میں لاہور سے چنیوٹ لائی گئی تھی امان ۱۳۲۹ھش / مارچ ۱۹۵۰ء میں چنیوٹ سے ربوہ منتقل کی گئی۔[1]

مصباح کا اجراء

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا ترجمان "مصباح" جو ماہِ وفا ۱۳۲۶ھش / جولائی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بند ہو چکا تھا اِس سال ماہِ شہادت / اپریل میں دوبارہ جاری ہو گیا مصباح پہلے پنجاب الیکٹرک پریس لائل پور میں چھپتا تھا پھر ظہور ۱۳۳۳ھش / اگست ۱۹۵۴ء سے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپنے لگا۔ یہ پہلا رسالہ تھا جو ربوہ سے شائع ہوا۔[2]

اراضی ربوہ کی مستقل الاٹمنٹ اور مکانات کی تعمیر کا آغاز

ابتداء میں ربوہ کے عارضی محلہ جات کے یہ نام تھے ا۔ ب۔ ج۔ د۔ س۔ ص۔ ط۔ تبوک ۱۳۳۰ھش / ستمبر ۱۹۵۱ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے ان کو مندرجہ ذیل ناموں سے موسوم کیا گیا:-

دارالیمن (ا) باب الابواب (ب) دارالنصر (ج) دارالبرکات (د) دارالرحمت (س) دارالصدر (ص) دارالفضل (ط)۔

اِن محلہ جات میں مستقل الاٹمنٹ کا کام اِس سال شروع ہوا چنانچہ اِس سلسلہ میں دفتر کمیٹی آبادی ربوہ کی طرف سے ۲۵ صلح / جنوری اور ۹ تبلیغ / فروری کو ربوہ کا نقشہ دے کر یہ پہلا اعلان جاری کیا گیا کہ:-

"ایک کنالی اور دس مرلہ کے پلاٹ محلہ جات الف۔ ب۔ ج۔ د اور س میں واقع ہیں۔ ایک کنال اور دس مرلہ خریدنے والے دوست اطلاع دیں کہ وہ کس محلہ میں پلاٹ خریدنا چاہتے ہیں اور یہ کہ اگر وہ پسند کردہ پلاٹ میں نہ آسکیں تو اُن کی دوسری پسند کیا ہوگی۔ ہر محلہ کے قطعات مقرر ہیں ان

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ہش / ۱۹۴۹ء - ۱۹۵۰ء صک۔

[2] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ لجنہ اماء اللہ" جلد دوم صفحہ ۱۹۶ (مؤلفہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ)۔

میں دوستوں کو حسبِ پسند الاٹمنٹ کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر کسی محلہ میں قطعات کی مقررہ تعداد سے زائد کا مطالبہ ہوا تو جن دوستوں کی رقمیں پہلے داخلِ خزانہ ہوئی ہیں انہیں ترجیح دی جائے گی جن دوستوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئے گی ان کے لئے محلے کا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا جائے گا۔

یہ اعلان پہلے کیا جا چکا ہے کہ رشتہ داروں کو بھی اکٹھا کرنے کی کوشش کی جائے گی بعض دوستوں کی طرف سے اطلاعات آ چکی ہیں باقی جو دوست بھی پلاٹ اکٹھے کروانا چاہیں وہ اطلاع دیں لیکن یہ خیال رہے کہ صرف خونی رشتہ یعنی باپ، بیٹا، بہن، بھائی اور اسی طرح بیوی کے خونی رشتے اکٹھے کئے جائیں گے جن دوستوں نے اپنی پہلی اطلاعات میں رشتہ کی اطلاع نہیں دی وہ اس کے مطابق مکمل اطلاعات دوبارہ بھجوادیں۔ ایسی اطلاعات دفتر میں ۱۰ فروری تک پہنچ جانی چاہئیں "۔[1]

اِس اعلان کے بعد جس میں الاٹمنٹ کے طریق کار پر مفصل روشنی ڈالی گئی تھی بذریعہ الفضل ۱۴ ر تبلیغ / فروری کو یہ اعلان بھی شائع کیا گیا کہ مطلوبہ اطلاعات کے لئے ۲۸ ر ماہِ تبلیغ / فروری تک انتظار کیا جائے گا اس کے بعد انشاء اللہ قطعات کی الاٹمنٹ شروع کر دی جائے گی لیکن جو دوست فوری طور پر مکان تعمیر کرانے کے خواہشمند ہوں ان کے لئے قطعہ بھی فوراً الاٹ کر دیا جائے گا۔

اِن اعلانات کے مطابق جلد ہی الاٹمنٹ شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے جن محلوں کی الاٹمنٹ شروع ہوئی وہ محلہ الف (دار الیمن) اور ع (دار الصدر) تھے۔ اس کے بعد محلہ ب (باب الابواب) اور ط (دار الفضل) کی الاٹمنٹ کی گئی۔

دار الصدر میں سب سے پہلی کوٹھی نواب محمد احمد صاحب کی تعمیر ہوئی۔ دار الیمن میں پہلا مکان[2] ٹھیکیدار نور احمد صاحب کا بنا اور باب الابواب اور دار الفضل میں آبادی کی داغ بیل ڈالنے کی سعادت بالترتیب چوہدری عبد اللطیف صاحب اور کیپٹن نواب دین صاحب کے حصہ میں آئی۔

مرکزی عمارات کا سنگِ بنیاد اور تعمیر

۲۹ ر ماہِ ہجرت / مئی کو حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دستِ مبارک سے سوا سات بجے صبح اپنے ذاتی مکان کا اور ۳۱ ر ماہِ ہجرت کو مندرجہ ذیل مرکزی عمارات کا سنگِ بنیاد رکھا اور دعا فرمائی:۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ قصرِ خلافت۔ دفاتر تحریکِ جدید۔ دفاتر صدر انجمن احمدیہ۔ دفاتر

---

[1] الفضل ۲۵ صلح ۱۳۲۹ھش صفحہ ۳ [2] یہ مکان ربوہ بھر میں پہلا رہائشی اور ذاتی مکان تھا جو تعمیر ہوا۔

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔

اس موقع پر حضور کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نیز جرمنی، مصر اور سوڈان وغیرہ ممالک کے بعض احمدی احباب نے بھی اینٹیں رکھیں اور اجتماعی دعا میں شرکت کی[۱]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۵ ر احسان ۱۳۲۹ھش کو ارشاد فرمایا کہ "تعمیر کے اسٹیمیٹ حاصل کئے جائیں اور مجھے بھجوائے جائیں۔ کسی صورت میں بھی کسی عمارت کا کام شروع نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ میری منظور کردہ اخراجات کی حد اور انجنیئر سے گارنٹی نہ لی جائے۔"[۲]

چنانچہ اس ہدایت کے مطابق یہ سب تعمیرات مکمل ہوئیں جن کے اخراجات کا ذکر رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء میں شائع شدہ ہے۔[۳]

---

[۱] الفضل ۲ ر احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۔

[۲] ارشاد بر لقول ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ ۱۸۲ / ۵۰-۶-۵ غ م۔

[۳] سلسلہ احمدیہ کی مرکزی تعمیرات اور دوسری پبلک عمارات کے لئے سیمنٹ ایک ضروری چیز تھی جس کی فراہمی کے لئے صدر انجمن احمدیہ نے سرگودھا کے ایک تاجر سے "دو ویگن" کا سودا کیا مگر وہ بیانہ وصول کرنے اور "دو ویگن" کے لالیاں تک پہنچانے کے باوجود سیمنٹ کو ٹرکوں پر لدوا کر واپس سرگودھا لے گیا اور ربوہ کو سیمنٹ دینے بلکہ پیشگی رقم تک واپس کرنے سے منحرف ہو گیا۔ بالآخر نوبت عدالت تک پہنچی۔ صدر انجمن احمدیہ نے ایک طرف اپنی رقم اور خرچ مقدمہ وصول کر کے راضی نامہ کر لیا دوسری طرف مسلسل جد وجہد کے بعد سال کے آخر میں ڈالمیا سیمنٹ کمپنی کی ایجنسی قائم کر لی اور الفضل (۲۱ ر فتح ۱۳۲۹ھش / دسمبر ۱۹۵۰ء) میں اعلان کیا کہ:-

"جو دوست جس مقدار میں سیمنٹ خریدنے کے خواہشمند ہوں وہ اس کی قیمت اندازاً پیشگی خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کر کے اس کی اطلاع سیکرٹری تعمیر کو بھی ساتھ ہی کر دیں تاکہ وہ انکی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر زیادہ سے زیادہ سیمنٹ سٹاک کر سکیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ احباب کو کسی دقت کے بغیر اور بدوں زائد خرچ کے معقول حیثیت پر ربوہ میں سیمنٹ مہیا ہو سکے گا۔"

فصل پنجم

سالانہ جلسہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے مخالفینِ احمدیت کے دو الزامات کا حقیقت افروز جواب

ربوہ کا تیسرا سالانہ جلسہ ۲۶ تا ۲۸ ماہِ فتح ۱۳۲۹ھش / دسمبر ۱۹۵۰ء کو منعقد ہوا جس میں پاکستان کے علاوہ مشرقی افریقہ، برٹش گی آنا، جرمنی، ہالینڈ، بورنیو اور انڈونیشیا وغیرہ ممالک کے احمدی بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے[1]

اُن ایام میں احمدیت کے مخالف احراری اور دوسرے علماء عوام کو بھڑکانے کے لئے نہایت وسیع پیمانے پر غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے خصوصاً حضرت مسیح موعودؑ کے معاذ اللہ برطانوی ایجنٹ ہونے اور ۱۹۴۷ء کے باؤنڈری کمیشن میں الگ میمورنڈم پیش کر کے ضلع گورداسپور کے کٹوانے کے الزامات کو ملک بھر میں ہوا دی جا رہی تھی۔

سیّدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے جہاں اپنی رُوح پرور اور پُر معارف تقاریر میں بہت سی علمی، تربیتی اور تبلیغی مسائل پر روشنی ڈالی وہاں ان دونوں الزامات کا (۲۷ ماہِ فتح کو) بڑی شرح و بسط سے تنقیدی جائزہ لیا اور نہایت مدلّل مسکت اور حقیقت افروز جواب دیا۔ شروع میں حضورؓ نے بتایا کہ اِس وقت جو جماعتیں ہماری مخالفت میں پیش پیش ہیں وہ مجلسِ احرار، علامہ مشرقی کی اسلام لیگ اور اسلامی جماعت ہے مجلسِ احرار نے اپنی تقاریر میں متواتر ہمارے قتل کی تحریک کی ہے اور منٹگمری میں کھلے بندوں یہ کہا ہے کہ ایک رات تمام احمدیوں کے مکانوں پر نشانات لگا دو اور پھر کسی وقت ان سب کو قتل کر دو۔ کسی جگہ گورنمنٹ کو توجہ دلا رہی ہے کہ وہ ہمیں خلافِ قانون قرار دے دیں یا اقلیت قرار دیدیں یہ لوگ جو چاہیں کہیں لیکن ان کے نزدیک پاکستان میں چونکہ اسلامی حکومت ہے اِس لئے ہمیں انکی باتوں

---

[1] تفصیلی کوائف الفضل ۳۱ / دسمبر ۱۹۵۰ء، ۲-۳-۱۳ / جنوری ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئے۔

کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پھر کُھلے بندوں ہم پر کُھلے حملے کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اور ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی (نعوذ باللہ) ہتک کر رہے ہیں حالانکہ اگر دُنیا میں کوئی ایسا فرقہ موجود ہے جو رسول کریمؐ کے عشق میں گداز اور آپؐ کے نام اور عزت کو قائم کرنے والا ہے تو وہ صرف احمدیت ہی ہے۔ ہماری تو بنیاد ہی یہ ہے کہ رسول کریمؐ کا نور ہمیشہ قائم رہے گا۔ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور آخری زمانہ میں آپ کے ہی ایک غلام نے آپ کے دین کو زندہ کرنا ہے کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ ایسا فرقہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر سکتا ہے یہ عقلی طور پر محال ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص کسی دوسرے کے شاگرد ہونے کا بھی دعویٰ کرے اور پھر اس کو جاہل بھی کہے[۱]

اِس تمہید کے بعد حضور نے سب سے پہلے اس افترا کی قلعی کھولی کہ احمدی انگریزی استعمار کے ایجنٹ ہیں چنانچہ حضور نے فرمایا :۔

برطانوی ایجنٹ ہونے کے الزام کا جواب

"ہماری جماعت کے خلاف لوگوں میں اشتعال پیدا کرنے کے لئے مخالف علماء کی طرف سے جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بڑی غلط فہمی یہ پھیلائی جاتی ہے کہ انگریزوں کی عادت تھی کہ وہ رعایا میں تفرقہ ڈال کر حکومت کیا کرتے تھے چنانچہ اسی عادت کے مطابق انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے احمدیوں کو کھڑا کیا گویا احمدی نعوذ باللہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور انہی کی سکیم کے مطابق اس جماعت کا وجود عمل میں آیا ہے۔ یہ اعتراض اِس قدر بودا اور دُور از حقیقت ہے کہ مَیں حیران ہوں لوگوں نے اسے کیونکر قبول کر لیا۔ اگر وہ ذرا بھی غور کرتے اور سوچنے اور تدبر سے کام لینے کی عادت پیدا کرتے تو اِس غلط فہمی میں کبھی مُبتلا نہ ہوتے۔ اِس اعتراض کی لغویت تو اِس سے ظاہر ہے کہ خود انہی علماء کے پیشرو ایک زمانہ میں جبکہ انگریز حکمران تھا بڑے زور سے کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب حکومت کے باغی ہیں اگر ان کی طرف فوری توجہ نہ کی گئی تو حکومت کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پانچ سات سال بعد کی کتب جو مخالف علماء کی طرف سے لکھی گئیں ان میں کہیں بھی یہ اعتراض نظر نہیں آتا کہ مرزا صاحب انگریزوں کے ایجنٹ ہیں بلکہ ان کی

---

[۱] الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

تمام کتب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مرزا صاحب حکومت کے مخالف اور باغی ہیں لیکن اب یہ کہا جاتا ہے کہ احمدی انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل غرض لوگوں کو اشتعال دلانا ہے۔ جب انگریزوں کو اشتعال دلانا مقصود تھا تو یہ کہا جاتا تھا کہ مرزا صاحب حکومت کے باغی ہیں اور جب عوام کو اشتعال دلانا چاہا تو کہہ دیا کہ احمدی انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ اگر احمدی انگریزوں کے ایجنٹ تھے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی[1] اور لدھیانہ کے علماء نے اُس وقت یہ کیوں لکھا کہ مرزا صاحب انگریزوں کے مخالف اور حکومت کے باغی ہیں۔ ذمہ دار افسروں کو ان کے خلاف فوری کارروائی کرنی چاہیئے۔ انہوں نے تو اس اعتراض کو اتنی اہمیت دی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہاماً بتایا گیا کہ ؎

سلطنتِ برطانیہ تا ہشت سال
بعد ازاں ضعف و فساد و اختلال[2]

(بعض روایات میں ایام ضعف و اختلال کے الفاظ بھی آئے ہیں) تو بعض مصلحتوں کی بناء پر اسے شائع نہ کیا گیا بلکہ صرف اپنی جماعت کے دوستوں کو بتانے تک اکتفاء کیا گیا لیکن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو ہر وقت اسی ٹوہ میں رہتے تھے کہ کوئی قابلِ اعتراض بات مل جائے انہوں نے یہ الہام کسی احمدی سے سُن لیا اور فوراً ایک مضمون لکھا کہ کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ شخص (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) حکومت کا باغی ہے۔ اب اسے یہ الہام بھی ہونے لگا ہے کہ حکومتِ برطانیہ چند سال تک ہی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فی الواقعہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور جماعتِ احمدیہ انگریزوں کی قائم کردہ تھی تو آپ کو انگریزوں کے خلاف الہام کیوں ہوا۔ یہ تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو انگریزوں نے قائم کیا مگر کیا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ انہی کے خلاف اپنے الہامات دوستوں کو بتاتے اور پھر وہ پورے بھی ہو جاتے۔ آپ کو یہ الہام ۱۸۹۲ء میں ہوا اور ۱۹۰۰ء کے بعد سے انگریزوں کی حکومت میں ضعف و اختلال شروع ہو گیا۔ ملکہ وکٹوریہ فوت ہوئی اور آہستہ آہستہ کینیڈا، آسٹریلیا اور ہندوستان میں بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے آزادی حاصل کر لی۔ پس یہ عقلی طور پر محال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیا جائے۔ اگر آپ کو انگریزوں نے قائم کیا تھا تو چاہیئے تھا کہ وہ آپ کو ایسی باتیں سکھاتے جو ان کی تائید کرنے والی ہوتیں کیونکہ جہاں

---

[1] ملاحظہ ہو "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۸ (حاشیہ) [2] تذکرہ طبع سوم ص ۲۶۷ و "تاریخ احمدیت" جلد دوم طبع دوم ص ۲۰۴

یہ لوگ سیاست میں بڑھے ہوئے ہیں وہاں مذہبی تعصب میں بھی بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ سابق بادشاہ ایڈورڈ ہشتم کی تخت سے دستبرداری کا واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ ان کا ایک عورت مسز سمپسن سے تعلق تھا۔ وہ دیر سے شاہی دعوتوں میں بلائی جاتی تھیں۔ ان میں خود وزیر اعظم بھی شامل ہوتے تھے۔ وہ اکثر اوقات شاہی حلقہ میں رہتی تھیں اور شاہی نوکر ان کی خدمت پر مامور تھے لیکن کسی وزیر نے ان کے میل جول پر اعتراض نہ کیا۔ مسٹر بالڈون جنہوں نے بعد میں اعتراض کیا وہ کئی دفعہ ان ناچ گانوں میں شامل ہو چکے تھے جن میں وہ عورت ایڈورڈ ہشتم کے ساتھ شریک ہوتی تھی لیکن جب ایڈورڈ ہشتم کی تاجپوشی کی رسوم طے ہونے لگیں اور اس غرض کے لئے ایک خاص کمیٹی عمل میں آئی اور اس نے اپنی رپورٹ بادشاہ کے سامنے رکھی تو بادشاہ نے مذہبی رسم کا حصہ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور صاف طور پر کہہ دیا کہ مَیں اس پر یقین نہیں رکھتا اس لئے مجھے معذور سمجھا جائے۔ جب یہ بات وزراء اور پادریوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے سخت بُرا منایا اور آرچ بشپ آف کنٹربری نے اس تقریب میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور پھر مسز سمپسن کے ساتھ شادی کے واقعات کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف اِس قدر شور بلند کیا گیا کہ آخر ایڈورڈ ہشتم کو تخت سے دستبرداری کا اعلان کرنا پڑا۔ یہ دلیل ہے اِس بات کی کہ انگریز مذہب کے بارہ میں نہایت متعصب واقع ہوئے ہیں۔ اسی طرح برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی بہن سخت کٹر پادری تھی، ہمارے مشن میں بھی وہ آیا کرتی تھی۔ وہ ساؤتھ افریقہ میں بطور مشنری کام کیا کرتی تھی۔ پس انگریز خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ان میں اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں ایک شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں مَیں جب انگلستان گیا تو ایک دہریہ ڈاکٹر سے میرا تبادلہ خیالات ہُوا۔ جب اس سے میری گفتگو ہوئی تو اُس نے دو چار فقرات کے بعد ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا مَیں نے کہا آپ تو خدا کو بھی نہیں مانتے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں صرف ہستی باری تعالیٰ تک اپنی گفتگو کو محدود رکھیں مگر اُس نے پھر اعتراض کر دیا مَیں نے اسے دوبارہ نرمی سے سمجھایا لیکن وہ باز نہ آیا۔ آخر جب اس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تو مَیں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر اعتراض کر دیا۔ اِس پر اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگا مَیں مسیح (علیہ السلام) کے متعلق کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں۔ مَیں نے کہا اگر تم مسیح کے متعلق کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں تو کیا مَیں ہی ایسا بے غیرت ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق اعتراضات سُنتا چلا

جاؤں اور خاموش رہوں۔ غرض برطانیہ کے ایک دہریہ کو بھی عیسائیت سے محبت ہے۔ عیسائیت کی محبت میں برطانیہ اور امریکہ سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ ایک ارب پونڈ سے زیادہ اپنے مشنوں پر سالانہ خرچ کرتے ہیں اور چھوٹے حکام سے لے کر وائسرائے اور بادشاہ تک گرجا میں جاتے ہیں پھر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ علماء کے خیال کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا تو انگریزوں نے کیا مگر آپ کو کہا یہ کہ تم کہو عیسیٰ مر گیا ہے۔ کیا یہ بات کسی انسانی عقل میں آ سکتی ہے؟ جو حکومت اربوں روپیہ عیسائیت کی اشاعت کے لئے خرچ کر رہی ہے، جس کی بنیاد ہی مسیح کی الوہیت پر ہے جس کے پادریوں میں اتنی طاقت ہے کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے ایک بادشاہ بھی استعفیٰ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کیا اسنے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے یہی کہلوانا تھا کہ عیسیٰ مر گیا ہے حالانکہ عیسیٰ کے مرنے میں عیسائیت کی موت ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جب سیالکوٹ میں ۱۹۰۴ء میں تقریر ہوئی تو علماء نے آپؑ پر کفر کے فتوے لگائے اور ان میں سب سے پیش پیش پیر جماعت علی صاحب تھے۔ ڈھنڈورے پیٹے گئے اور اشتہاروں اور اعلانوں کے ذریعہ یہ پراپیگنڈا کیا گیا کہ جو شخص مرزا صاحب کی تقریر سُننے جائے گا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ آپ کی یہ تقریر ایک سرائے میں ہوئی تھی لوگ باوجود ان فتووں کے تقریر سُننے کے لئے گئے۔ مولوی اشتہار بانٹتے تھے اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر کہتے تھے کہ دیکھو اس میں کیا لکھا ہے تو لوگ یہ کہہ کر آگے چلے جاتے کہ نکاح کا کیا ہے نکاح تو پھر سوا روپیہ دے کر ہم پڑھا لیں گے لیکن مرزا صاحب شاید دوبارہ یہاں نہ آئیں۔ لیکچر کے بعد جب آپؑ جائے قیام کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے آپ کی گاڑی پر خشت باری شروع کر دی۔ ان دنوں سیالکوٹ میں ایک انگریز لیفٹیننٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جس کا نام بیٹی (BETTI) تھا اس نے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ مسلمانو یہ ہمارے خدا کو مار رہا ہے لیکن مَیں خاموش کھڑا تقریر سُن رہا ہوں اور تمہارے مذہب کو زندہ کر رہا ہے اور تم شور مچا رہے ہو۔ غرض ہم نے عیسائیوں کا خدا مار دیا لیکن پھر بھی ان کی نظروں میں ہم انگریزوں کے ایجنٹ ہیں اور یہ لوگ ان کے خدا کو زندہ آسمان پر بٹھائے ہوئے ہیں اور پھر بھی انگریزوں کے مخالف ہیں۔

مَیں بتا چکا ہوں کہ یہ بات عقلی طور پر محال ہے کہ ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ کہا جا سکے۔

اب مَیں واقعاتی مثالیں لیتا ہوں۔ اگر احمدیوں کو فی الواقعہ انگریزوں نے قائم کیا ہوتا تو ضروری

تھا کہ پادری جو واقعہ میں عیسائیت کے ایجنٹ ہیں اور جن کی مدد سے عیسائیت ہر ملک میں پھیلی ہے وہ ان کے دوست ہوتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہؤا سب سے پہلے جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی وہ پادری ہی تھے۔ امرتسر میں پادری رلیارام کا ایک مشہور پریس تھا۔ ایک دفعہ آپ نے ایک مسودہ چھپنے کے لئے بھجوایا اور مسودہ کے ساتھ ایک خط بھی رکھ دیا جس میں طباعت کے متعلق ہدایات درج تھیں۔ اس وقت کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جُرم تھا۔ آپ، رلیارام کے کسٹومر (CUSTOMER) تھے اور دکاندار اپنے گاہک سے کوئی بُرا سلوک نہیں کرتا لیکن رلیارام نے ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کی مدد سے آپ پر مقدمہ چلا دیا مقدمہ میں خود سپرنٹنڈنٹ پیش ہؤا مجسٹریٹ نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے پیکٹ میں خط ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مَیں نے مسودہ کے ساتھ خط بھی بھیجا تھا۔ آپ کی اِس سچائی کا مجسٹریٹ پر نہایت گہرا اثر ہؤا سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات نے بہتیرا زور لگایا کہ آپ کو کسی طرح سزا ہوجائے لیکن مجسٹریٹ نے کہا مَیں سچ بولنے والے کو سزا نہیں دے سکتا اور اس نے آپ کو بَری کر دیا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے پہلے عیسائی پادریوں نے ہی مخالفت کی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشہور مخالف پادری ٹھاکر داس تھا اس نے اسلام اور احمدیت کے خلاف "ریویو براہین احمدیہ" "ازالۃ المرزا قادیانی" "ذلوب محمدیہ" اور "انجیل یا قرآن" چار کتابیں لکھی ہیں۔ پھر پادری ایس پی جیکب (S.P. JACOB) تھا اس نے آپ کے خلاف ایک کتاب لکھی جس کا نام "مسیح موعود" تھا۔ ڈاکٹر گریس وولڈ (DR. GRISWOLD) نے "مرزا غلام احمد قادیانی" کے نام سے آپ کے خلاف ایک کتاب لکھی۔ پھر مشہور پادریوں فتح مسیح، وارث مسیح، عماد الدین، سراج الدین، عبداللہ آتھم اور ہنری مارٹن کلارک نے آپ کی مخالفت کی عجیب بات یہ ہے کہ عبداللہ آتھم سرکاری ملازم تھا اور ڈپٹی کے عُہدہ پر فائز تھا۔ اگر انگریزوں نے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا تھا تو کیا انہوں نے اپنے ایک اعلیٰ اف[سر] سے کہنا تھا کہ وہ آپ کی مخالفت کرے۔ پھر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے آپ پر اقدامِ قتل کا مقدمہ چلایا۔ امرتسر کے ڈی۔سی۔ اے۔ ای۔ مارٹینو نے آپ کے نام خلافِ قاعدہ وارنٹ گرفتاری جاری کیا۔ کیا یہ ایجنٹوں والا سلوک ہے جو آپ سے کیا گیا۔ پھر قادیان جانے والے ہر احمدی کا نام نوٹ کیا جاتا تھا۔ کیا یہ اِس بات کی علامت ہے کہ

احمدیت انگریزوں کی قائم کی ہوئی ہے۔

ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم بیان کیا کرتے تھے کہ ابھی وہ احمدی نہیں ہوئے تھے کہ وہ ڈی سی جالندھر کو کسی کام کے سلسلہ میں ملنے کے لئے گئے۔ اس نے کہا مجھے یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ اپنے باپ والا عقیدہ نہیں رکھتے۔ مرزا سلطان احمد صاحب گو احمدی نہیں تھے لیکن ان میں غیرت پائی جاتی تھی۔ انہوں نے ڈی سی کو کہا کہ آپ نے تو مجھے حرام زادہ قرار دیا ہے۔ اس نے کہا آپ کو کس نے ایسا کہا ہے میں نے تو نہیں کہا۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے جواب دیا کہ جو شخص اپنے باپ کا مخالف ہوتا ہے وہ حرام زادہ ہی ہوتا ہے۔ اس پر اُس نے معذرت کی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔

غرض عیسائیوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی مخالفت پائی جاتی تھی کہ ایک عیسائی ڈی سی مرزا سلطان احمد صاحب کو اپنے باپ کی جماعت میں شامل نہ ہونے پر مبارکباد دیتا ہے۔

قادیان جانے والوں پر پہرہ اُس وقت تک قائم رہا جب تک کہ آپ کی وفات سے ۲ سال قبل ایبٹس (ABBETS) نہ آیا۔ اُس نے یہ سوال اُٹھایا کہ یہ پہرہ کیوں ہے۔ جب اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ مرزا صاحب نے حکومت کے خلاف کوئی اقدام کیا ہے وہ ایک مذہبی آدمی ہیں تو پھر یونہی اتنے آدمی رستہ پر کیوں بٹھائے جاتے ہیں اور کیوں اتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے چنانچہ اس کے آنے پر خفیہ پولیس کی ڈائریوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ اگر ہم انگریزوں کے ایجنٹ ہوتے تو پادری مارٹن کلارک ہماری مدد کرتا لیکن اس نے ہماری مخالفت کی اور اس کی تائید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا کہ عدالت میں مَیں بھی یہی کہوں گا کہ مرزا صاحب نے عبدالحمید کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور مسٹر ڈگلس صاحب گورداسپور آئے تو پادریوں نے انہیں بار بار کہا کہ مرزا غلام احمد ہمارے دین کی ہتک کرتا ہے اسے کسی نہ کسی طرح ضرور سزا ملنی چاہیئے۔ پھر جب امرتسر کے ڈی سی مسٹر اے۔ ای مارٹینو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کرائے اور بعد میں اسے خیال آیا کہ اس نے یہ حکم خلافِ قانون دیا ہے وہ گورداسپور کے کسی ملزم کے نام وارنٹ جاری نہیں کر سکتا تو اس نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور مسٹر ڈگلس کو تار دیا کہ مَیں نے غلطی سے مرزا غلام احمد قادیانی کے جو وارنٹ گرفتاری جاری کئے ہیں انہیں منسوخ سمجھا جائے۔ انگریز افسر عموماً اپنے ساتھیوں سے مشورہ لے لیتے ہیں انہوں نے دوسرے افسروں کو بُلوا کر ان سے مشورہ لیا۔ مسلمان افسروں نے کہا مرزا غلام احمد صاحب

مذہبی آدمی ہیں اور ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یہ مناسب نہیں کہ ان کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کیا جائے۔ اگر انہیں بُلانا ضروری ہے تو کوئی آدمی بھیج کر انہیں بُلا لیا جائے۔ انہوں نے مشورہ مان لیا اور گورداسپور سے حضور کے نام نوٹس جاری کر دیا گیا کہ آپ بٹالہ میں پیش ہوں اور پولیس کے ایک افسر جلال الدین یہ نوٹس لے کر قادیان آئے۔ جب آپؑ عدالت میں پیش ہوئے تو آپ کو دیکھتے ہی ان کے دِل کی کایا پلٹ گئی اور انہوں نے عدالت کے چبوترے پر کرسی بچھا کر آپؑ کو عزت کے ساتھ بٹھایا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تو اِس بات کے حریص تھے کہ آپ کو ہتھکڑی لگی ہوئی دیکھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مقدمہ کرنے والا انگریز ہے، فیصلہ کرنے والا انگریز ہے اور مَیں اہلحدیث کا ایڈووکیٹ بطور گواہ جا رہا ہوں اب تو مرزا صاحب کو ضرور پھانسی کی سزا ہوگی۔ وہ اس دن ایک بڑا جُبّہ پہن کر عالمانہ شان میں آئے اور سمجھتے تھے کہ مرزا صاحب کو ہتھکڑیاں لگی ہوئی ہوں گی اور مَیں انہیں دیکھ کر مُسکراؤں گا۔ مگر جب عدالت میں آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بجائے ہتھکڑی لگنے کے اعزاز کے ساتھ مجسٹریٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا مولوی صاحب آپؑ کا یہ اعزاز دیکھ کر جل گئے (یہ مولوی صاحب جو عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے کے لئے عدالت میں آئے تھے انہیں تو انگریزوں کا دشمن کہا جاتا ہے اور مرزا صاحب جن پر انگریزوں نے قتل کا مقدمہ کھڑا کیا تھا انہیں انگریزوں کا دوست قرار دیا جاتا ہے) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے عدالت میں آتے ہی آگے بڑھ کر مجسٹریٹ سے کہا مجھے بھی کُرسی دی جائے۔ ڈپٹی کمشنر حیران ہُوا کہ کیا یہ ملاقات کا کمرہ ہے کہ کرسی مانگی جا رہی ہے۔ اُس نے کہا تم کون ہو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا مَیں اہلحدیث کا ایڈووکیٹ ہوں اور مشہور مولوی ہوں۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا تم گواہی دینے آئے ہو ملاقات کرنے نہیں آئے پھر کرسی کا مطالبہ کیسا؟ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا اگر عدالت میں مجھے کرسی نہیں مل سکتی تو مرزا صاحب کو کیوں کرسی دی گئی ہے؟ ڈپٹی کمشنر نے کہا ان کا نام خاندانی کرسی نشینوں میں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا مجھے بھی کرسی ملتی ہے اور میرے باپ کو بھی کرسی ملتی تھی۔ مَیں جب لاٹ صاحب کو ملنے جاتا ہوں تو وہ مجھے کرسی دیتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہو جا۔ یہ سُنتے ہی اردلی آیا اور اس نے مولوی صاحب کو کمرہ سے باہر کر دیا۔ مولوی صاحب وہاں سے نکلے تو خیال کیا کہ اگر یہ بات باہر نکل گئی تو بدنامی ہوگی اِس لئے آندر کے معاملہ کے اخفا کے لئے ایک کرسی پر جو برآمدہ میں پڑی تھی بیٹھ گئے۔ اردلیوں کو چونکہ معلوم ہو چکا

تھا کہ کرسی کی درخواست پر اسے جھاڑ پڑی ہے انہوں نے خیال کیا ایسا نہ ہو کہ مولوی صاحب کو یہاں بیٹھے دیکھ کر صاحب ہم پر ناراض ہو انہوں نے اس کرسی پر سے بھی انہیں جھڑک کر اُٹھا دیا مولوی صاحب وہاں سے بھی ذلّت کے ساتھ اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ عدالت کے باہر ہزاروں آدمی مقدمہ کی کارروائی سُننے کے لئے کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض تو یہ دعائیں کر رہے تھے کہ اے خدا! اسلام کے پہلوان کو عیسائیوں کی طرف سے دائرشدہ مقدمہ میں بَری کر دے۔ اور کچھ لوگ مخالفت کی وجہ سے وہاں جمع تھے تاکہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سزا پاکر باہر نکلیں تو وہ خوشی کے شادیانے بجائیں۔ ان لوگوں میں سے بعض تو زمین پر بیٹھے تھے اور کچھ چادریں بچھا کر ان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب نے اپنی سُبکی چھپانے کے لئے مناسب سمجھا کہ کسی چادر پر ہی بیٹھ جائیں تاکہ باہر کے لوگ یہ سمجھیں کہ انہیں اندر بھی کرسی ملی ہوگی۔ انہوں نے ایک چادر کا کنارہ کھینچا اور اس پر بیٹھ گئے لیکن ان کا بیٹھنا ہی تھا کہ چادر کے مالک نے کہا اُٹھ اُٹھ تُو نے میری چادر پلید کر دی ہے مسلمان ہو کر اسلام کے ایک سپاہی کے خلاف عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے آیا ہے۔

غرض عیسائیوں کی مخالفت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی لیکن پھر بھی ہم تو انگریزوں کے ایجنٹ ہیں اور یہ ان کے مخالف۔ یہ مربعوں کی درخواستیں دیں اور ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے انگریزوں کی خوشامدیں کرتے پھریں تو پھر بھی انگریزوں کے مخالف ہیں لیکن ہم جن پر انگریزوں نے مقدمات کئے ان کے ایجنٹ ہیں۔

غرض جتنے افسر آئے وہ سارے کے سارے ہمارے مخالف رہے۔ صرف میرے زمانے میں ایڈوائر پر یہ اثر ہؤا کہ احمدیوں سے جو برتاؤ کیا جا رہا ہے وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ہر مجلس میں کہتا تھا کہ احمدیوں سے جو سلوک روا رکھا گیا ہے وہ درست نہیں لیکن ایمرسن کے زمانہ میں پھر انگریز حکام ہمارے خلاف ہو گئے اور یہ مخالفت جنکنس کے زمانہ تک جاری رہی۔ آخر بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ کہا جاتا ہے۔ کیا یہ ہماری انگریز دوستی کی علامت ہے کہ ۱۹۳۴ء میں کریمنل لاء امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت مجھے نوٹس دیا گیا کہ تمہیں اپنی حفاظت کے لئے باہر سے احمدیوں کو بُلانے کی بھی اجازت نہیں۔ اور یہ نوٹس مجھے گیارہ بجے رات کو دیا گیا اور پھر چار پانچ سو پولیس افسر، دو سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک ڈپٹی کمشنر اس لئے قادیان بھیجے گئے تاکہ تلواروں کی نوکوں کے نیچے مولوی عطاء اللہ صاحب بخاری تقریر کریں۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے آیا یہ کہ انگریز احمدیوں کا

دوست تھا یا یہ کہ انگریز احمدیوں کا مخالف تھا۔ پس یہ الزام جو ہماری جماعت پر عائد کیا جاتا ہے بالکل بے بنیاد اور واقعات کے سراسر خلاف ہے۔"[۱]

باؤنڈری کمیشن میں الگ میمورنڈم پیش کرنے کے اعتراض کا جواب

اس پہلے الزام کا واقعاتی جائزہ لینے کے بعد فرمایا:۔

" احرار نے عوام کو بھڑ کانے کے لئے یہ جھوٹا الزام بھی تراشا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے باؤنڈری کمیشن کے موقع پر ملک سے غداری کی چنانچہ اخبار" آزاد" ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء لکھتا ہے:۔

" اگلے دن سکھوں نے اپنا کیس پیش کیا کہ ننکانہ ہماری زیارت گاہ ہے اسے کھلا شہر قرار دیا جائے ہمارے ظفر اللہ خاں صاحب بھی آن موجود ہوئے کہ آج میں پھر پیش ہونا چاہتا ہوں مجھے بھی اجازت دی جائے۔ آج میں نے مسلمانوں کا کیس پیش نہیں کرنا بلکہ جماعتِ احمدیہ کا کیس سکھوں کے مقابلہ میں پیش کرنا ہے تاکہ قادیان بھی کھلا شہر قرار دیا جائے۔ سیتل واد نے اعتراض کیا کہ اس نام کی کیا کوئی اقلیت ملک میں موجود ہے۔ ظفر اللہ نے کہا ہم اقلیت ہیں ہم تمام مسلمانوں سے علیحدہ ہیں۔"

(آزاد ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

یہ اُن لوگوں کا بیان ہے جو اپنے آپ کو شریعت کے ٹھیکیدار سمجھتے اور ختمِ نبوت کے محافظ کہلاتے ہیں۔ اور جن کا لیڈر یہ کہا کرتا ہے کہ میں آلِ رسول ہوں۔ اِس جھوٹ کے بعد انہیں پتہ لگا کہ احمدیوں کی طرف سے میمورنڈم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے پیش ہی نہیں کیا بلکہ شیخ بشیر احمد صاحب نے پیش کیا تھا۔ اس پر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں انہوں نے یہ نوٹ شائع کر دیا کہ:۔

"شیخ بشیر احمد نے جو لاہور کی جماعتِ احمدیہ کے امیر ہیں، باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی جماعت کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ضلع گورداسپور جو اس وقت تک ۳ر مارچ ۱۹۴۷ء کی ابتدائی سکیم کے مطابق پاکستان کا حصہ تھا ضرور اس سے علیحدہ کر دیا جائے اور قادیانیوں کی ایک علیحدہ اور آزاد ریاست بنا دی جائے۔ اس نے اپنے دعویٰ کی بنیاد اِس بات پر رکھی تھی کہ چونکہ قادیانی مسلمانوں کا حصہ نہیں ہیں اِس لئے ان کو علیحدہ وحدت تسلیم کیا جائے۔"

(آر۔ اے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

ظاہر ہے کہ اس بات کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کے معنی ہی یہ تھے کہ جن لوگوں کو واقعات

---

[۱] الفضل ۱۹ر مارچ ۱۹۶۳ء مطابق ۱۹ر امان ۱۳۴۲ ہش صفحہ ۵ تا صفحہ ۷۔

کا صحیح علم نہیں وہ کہیں گے کہ آخر کچھ نہ کچھ تو اس نے ضرور کہا ہوگا مگر بعد میں انہیں پتہ لگا کہ یہ بات بھی ثابت نہیں ہو سکتی اس پر انہوں نے دوسرا رُخ بدلا اور کہا :-

"جب تین مارچ ۱۹۴۷ء کے بیان سے ضلع گورداسپور کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور جب وہ مسلم اکثریت کا ضلع تسلیم کر لیا گیا تھا اور جب قادیان بھی اس ضلع میں شامل تھا اور اس طرح قادیان کو پاکستان میں شامل ہونا تھا تو پھر آپ کو کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت سے علیحدہ اپنا محضر پیش کرتے اور آپ کے اس جواب کے کیا معنی کہ ہم نے محضر اس لئے پیش کیا تھا کہ قادیان پاکستان میں شامل ہو جائے جب کہ اس کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ ایک عرصہ پہلے ہی ہو چکا تھا اور جب اس فیصلہ پر ہندوستان کو بھی اعتراض نہ تھا ہم الفضل اور ان کے وکیل شیخ بشیر احمد کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس محضر کو جو آپ نے مسلمانوں سے جُدا جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پیش کیا تھا من و عن شائع کرو تاکہ ملّتِ اسلامیہ کو معلوم ہو سکے کہ تم نے ہم سے جُدا کیا بات چیت کی تھی اور ۳ مارچ کے واضح بیان کے بعد گورداسپور ہم سے کیوں چھین لیا گیا"

(آزاد یکم جنوری ۱۹۵۰ء)

یہ وہ الزامات ہیں جو عام مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے احمدیوں پر لگائے گئے۔ یہ صاف بات ہے کہ اگر عوام کو یہ محسوس ہو کہ احمدیوں نے ضلع گورداسپور کو جُدا کرنے کی کوشش کی اور وہاں جو خونریزی ہوئی ہے وہ محض احمدیوں کی وجہ سے ہوئی ہے تو لازماً ان کے اندر جوش پیدا ہوگا۔ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے متعلق جب یہ بات کہی گئی کہ انہوں نے گورداسپور کو پاکستان سے علیحدہ کرانے کی کوشش کی تو چونکہ وہ حکومت کے رُکن تھے اِس لئے حکومت مجبور ہوئی کہ وہ اس کی تردید کرے چنانچہ حکومت نے اعلان شائع کیا کہ :-

"یہ کہا گیا ہے کہ جولائی ۱۹۴۷ء میں باؤنڈری کمیشن کے روبرو آنریبل چوہدری محمد ظفراللہ خاں (موجودہ وزیر خارجہ پاکستان) نے مسلم لیگ کی طرف سے کیس پیش کرتے ہوئے اِس بات پر اصرار کیا کہ انہیں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بھی بحث کرنے کی اجازت دی جائے اور پھر بحث کے دَوران میں انہوں نے کمیشن سے کہا کہ "قادیان" کو کُھلا شہر قرار دیا جائے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے دَورانِ بحث اِس بات پر بھی زور دیا ہے کہ احمدیہ جماعت عام مسلمانوں سے ایک علیحدہ امتیازی حیثیت کی مالک ہے پھر

ان مفروضہ بیانات کی بناء پر یہ بحث کی جاتی ہے کہ آنریبل چوہدری صاحب کی اس بحث نے کہ جماعت احمدیہ ایک علیحدہ فرقہ ہے گورداسپور کے مسلمانوں کی عام آبادی کے تناسب کو کم کر دیا ہے اور کمیشن نے اس جماعت کی علیحدہ حیثیت کی وجہ سے گورداسپور کے مسلم اکثریت والے ضلع کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر پاکستان کی حدود سے نکال دیا ایوارڈ کی رو سے اسے پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔

حکومت کو یہ اعتراضات سُنکر سخت تعجب اور حیرت ہوئی ہے کیونکہ اسے پہلے ہی یہ علم تھا کہ ان اعتراضات میں کوئی حقیقت نہیں اور یہ اصل واقعات کے بالکل خلاف ہیں لیکن اس کے باوجود حکومت نے ان اعتراضات کی پوری پوری تحقیقات کی جس نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ الزامات اور اعتراضات کلیۃً بے بنیاد، خلافِ واقعہ اور جھوٹے ہیں۔ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں ہرگز جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پیش نہیں ہوئے نہ آپ نے ان کی طرف سے کسی کیس کی وکالت کی اور نہ انہوں نے کبھی بحث کے دَوران میں وہ باتیں کہیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔" [سلے]

جب گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو احراریوں نے سوچا کہ اب کیا کریں اب تو گورنمنٹ نے بھی تردید کر دی اور ہمارا جھوٹ ظاہر ہو گیا چنانچہ انہوں نے اپنا رُخ بدل لیا۔ دیکھئے کیا ہی نرم الفاظ میں اعلان ہوتا ہے" آزاد" لکھتا ہے:۔

"برسبیلِ تذکرہ تقریر کی روانی اور خطابت کے جوش میں سر ظفر اللہ کا نام بھی آتا رہا لیکن اصل مبحث قادیانی جماعت تھی نہ کہ سر ظفر اللہ کی ذات۔" (آزاد ۲ رجون ۱۹۵۰ء صفحہ ۹)

اب ذرا اس کو پہلے بیان کے ساتھ ملا کر دیکھو کیا چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا نام ضمناً آتا رہا ہے؟ پہلے انہوں نے کہا تھا "ہمارے ظفر اللہ بھی آن موجود ہوئے کہ آج مَیں پھر پیش ہونا چاہتا ہوں"۔ مگر احرار کے نزدیک یہ واقعات کا ذکر نہیں صرف خطابت اور تقریر کی روانی کا جوش ہے۔ پھر کہا تھا" آج مَیں نے مسلمانوں کا کیس پیش نہیں کرنا بلکہ جماعتِ احمدیہ کا کیس سِکھوں کے مقابلہ میں پیش کرنا ہے"۔ یہ بھی جوشِ خطابت ہے اور چوہدری ظفر اللہ خاں کا ذکر ضمناً آ رہا ہے دراصل مخاطب جماعتِ احمدیہ ہے۔ گویا ظفر اللہ اصطلاح ہے اور مراد اس سے جماعتِ احمدیہ ہے۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے جو انہوں نے بولا۔ پہلے کہا چوہدری ظفر اللہ خاں نے یوں کہا لیکن اس کے بعد آزاد نے مندرجہ ذیل مضمون لکھا جو مَیں سارا سُنا دیتا ہوں پہلے مَیں نے اِس کا تھوڑا سا حصّہ سُنایا تھا:۔

"حکومت نے اِس بیان سے عوام کو جہلِ مرکب میں ڈالنے اور غلط فہمی میں مُبتلا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ انتہائی مذموم ہے (اِس لئے کہ ان کے جھوٹ کو ظاہر کیا گیا ہے اور ایسا کرنا سخت غلطی ہے) اِس بیان کا مقصد محض قادیانی جماعت پر عائد شُدہ الزامات کو سر ظفر اللہ پر منطبق کر کے عوام کے ذہنوں سے اس اثر اور دلوں سے ان تاثرات کو دُور کرنا ہے جو کہ مرزائی جماعت کے متعلق ان کے دلوں میں موجود ہے۔۔۔ بر سبیلِ تذکرہ تقریر کی روانی اور خطابت کے جوش میں سر ظفر اللہ کا نام بھی آتا رہا لیکن اصل مبحث قادیانی جماعت تھی نہ کہ سر ظفر اللہ کی ذات (گویا جو کچھ ہوُا زورِ خطابت سے ہوُا یعنی جب احرار میں زورِ خطابت پیدا ہوتا ہے تو وہ سَو فیصدی جھُوٹ بولا کرتے ہیں پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان کی اس عادت کے باوجود ان پر اعتراض کرے)۔

پھر لکھا ہے:۔" ہمارا الزام سر ظفر اللہ کی ذات پر نہیں بلکہ قادیانی جماعت پر ہے (گویا جہاں ہم نے ظفر اللہ کہا ہے وہاں قادیانی جماعت سمجھو) وہ جماعت کہ سر ظفر اللہ جس کا نفسِ ناطقہ ہے (یعنی ہم نے خلاصتہً جماعتِ احمدیہ نہیں لکھا ظفر اللہ لکھ دیا ہے) اور وہ الزام یہ نہیں کہ گورداسپور کیوں گیا (گویا یہاں گورداسپور کا سوال ہی نہیں) بلکہ وہ الزام یہ ہے کہ جب مسلم لیگ، تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی تو مرزائیوں نے مسلم لیگ کے نمائندے سے الگ اپنا وکیل کیوں پیش کیا۔ اور جب انتخابات کے ذریعہ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ حقِ نمائندگی صرف مسلم لیگ کو ہی حاصل ہے تو مرزائی وکیل کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے یہ کہنے کا کیا حق تھا" قادیان بین الاقوامی یونٹ بن چکا ہے اور اسے حق ہے کہ ہندوستان میں رہے یا پاکستان میں"۔ اور یہ سب کچھ اس وقت کیا گیا جب سر ظفر اللہ مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے موجود تھے اور جب تمام مسلمان انہیں اپنا نمائندہ تسلیم کرتے تھے تو انہوں نے بشیر احمد کو جُدا پیش ہونے سے کیوں نہ روکا اور کیوں قادیانیوں کو جُدا پیشی کے خلاف احتجاج نہ کیا۔ اصل بات، اصل مسئلہ، اصل ملزم، اصل مجرم قادیانی جماعت ہے کہ جس نے جدا نمائندہ اور الگ محضر پیش کیا اور مسلم لیگ کو نمائندہ تسلیم کرنے سے عملاً انکار کر دیا۔ حکومت نے سر ظفر اللہ کے متعلق تحقیقات تو فرمائی اور اس کی تردید بھی کی تاکہ کسی طرح قادیانی جماعت کا چہرہ دُھل سکے۔ کیا حکومتِ پاکستان اِس بات کی تحقیقات کو بھی تیار ہے کہ قادیانی جماعت نے وزارتی کمیشن سے کیا مطالبہ کیا تھا اور باؤنڈری کمیشن کے سامنے کیا بحث تھی"۔

(آزاد ۲ رجون ۱۹۵۰ء)

اِس بیان میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ:-

"حکومت نے اِس بیان سے عوام کو جہل مرکب میں ڈالنے اور غلط فہمی میں مُبتلا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے وہ انتہائی مذموم ہے۔ اِس بیان کا مقصد محض قادیانی جماعت پر عائد کردہ الزامات کو سر ظفراللہ پر منطبق کرکے عوام کے ذہنوں سے اُس اثر اور دلوں سے ان تاثرات کو دُور کرنا ہے جو کہ مرزائی جماعت کے متعلق ان کے دِلوں میں موجود ہیں۔"

آخر میں لکھا ہے:-

"بر سبیلِ تذکرہ تقریر کی روانی اور خطابت کے جوش میں سر ظفراللہ کا نام بھی آتا رہا لیکن اصل مبحث قادیانی جماعت تھی نہ کہ سر ظفراللہ کی ذات۔"

مَیں نے اصل مضمون پڑھ دیا ہے اس میں جماعت کا کہیں ذکر نہیں صرف چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کا ذکر ہے۔ پس "آزاد" کا یہ دعویٰ صراحتًا جھوٹا ہے۔ نہ زورِ خطابت کا اس سے تعلق ہے نہ کسی اَور شَے کا خالصتًا ظفراللہ خاں صاحب پر الزام ہے اور وہ بھی خلافِ واقعہ کیونکہ سر ظفراللہ خاں صاحب نہ جماعت کی طرف سے پیش ہوئے اور نہ انہوں نے .... یہ باتیں کہیں۔ اب مَیں یہ بتاتا ہوں کہ اِس بیان میں جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب کی سب جھوٹی ہیں۔ کیونکہ یہ طبقہ جو احرار سے تعلق رکھتا ہے ایک فیصدی بھی سچ نہیں بولتا۔ پہلی بات تو مَیں نے بتا دی ہے کہ یہ جھوٹ ہے کہ الزام چوہدری ظفراللہ خاں صاحب پر تھا جماعت پر نہیں تھا۔ اب مَیں دوسری بات لیتا ہوں۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ جب مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی تو "مرزائیوں" نے مسلم لیگ کے نمائندے سے الگ اپنا وکیل کیوں پیش کیا۔

میرا جواب یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے الگ میمورنڈم پیش کرنے کی وجہ احرار اور ان کے ہم خیال تھے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم کو لیگ سے علیحدہ میمورنڈم پیش کرانے کی ضرورت کیا تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب باؤنڈری کمیشن مقرر ہُوا تو طبعًا ہر جماعت نے خدمتِ قوم کے خیال سے اپنے اپنے میمورنڈم تیار کئے اور یہ خیال کیا گیا کہ جتنے زیادہ میمورنڈم ہوں گے اتنا ہی کمیشن پر زیادہ اثر ہوگا۔ زمیندار بھی کہیں گے ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ تاجر بھی کہیں گے ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور اسی طرح دوسرے لوگ بھی۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی بیسیوں انجمنوں نے میمورنڈم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اِسی خیال کے ماتحت

جماعتِ احمدیہ نے بھی ایک میمورنڈم تیار کیا اور غالباً گورداسپور مسلم لیگ کی طرف سے بھی ایک میمورنڈم تیار کیا گیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے یہ میمورنڈم تیار کیا تھا ان کے نام یہ ہیں:-

غلام فرید صاحب ایم ایل اے۔ شیخ کبیر الدین صاحب شیخ شریف حسین صاحب وکیل جو احراریوں کے لیڈر تھے۔ مولوی محبوب عالم صاحب جو اوکاڑہ میں احراریوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں اور مرزا عبد الحق صاحب وکیل۔

کیا یہ لوگ مسلم لیگ کو مسلمانوں کا واحد نمائندہ خیال نہیں کرتے تھے۔ اِسی طرح امرتسر کی ایک انجمن نے بھی علیحدہ میمورنڈم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور بعض انجمنوں نے جالندھر اور ہوشیار پور سے بھی یہی ارادہ کیا کہ علیحدہ میمورنڈم پیش کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کے اندر ایک خاص جوش تھا کہ کسی طرح پاکستان کی طرف سے زیادہ سے زیادہ میمورنڈم بنائیں اور یہ کہیں کہ ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں اس کا حکومت پر اثر ہوگا۔ گویا صرف "قادیانیوں" نے ہی علیحدہ میمورنڈم پیش نہیں کیا بلکہ مسلم لیگ کی ایک شاخ نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور جنہوں نے علیحدہ میمورنڈم پیش کرنے کا ارادہ نہیں کیا وہ وہی لوگ تھے جو کہتے تھے ہم پاکستان کی "پ" بھی نہیں بننے دیں گے۔ اِس لئے نہیں کہ وہ مسلم لیگ کے نمائندے تھے بلکہ اِس لئے کہ وہ پاکستان کا وجود ہی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ورنہ خود لیگیوں نے بھی علیحدہ میمورنڈم تیار کئے تھے تاکہ لیگ کو مضبوطی حاصل ہو۔ جب میمورنڈم پیش کرنے کا وقت قریب آیا اور چوہدری صاحب مسلم لیگ کی طرف سے نمائندہ مقرر ہوئے تو انہوں نے جماعت کو اطلاع دی کہ فیصلہ یہ ہوا ہے کہ دونوں فریق کی طرف سے صرف کانگریس اور لیگ کے میمورنڈم پیش ہوں کیونکہ دو ہی نقطہ نگاہ ہیں اور یہ دونوں انجمنیں دو مخالف خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اِس پر جماعت نے اپنے میمورنڈم کے پیش کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا (یاد رہے کہ احمدیہ میمورنڈم تیار کر کے مسلم لیگ کو بھجوا دیا گیا تھا تاکہ کوئی اعتراض ہو تو وہ بتا دیں مگر انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا)

اس کے بعد کانگریس نے کسی مصلحت کے ماتحت اپنے وقت میں سے کچھ وقت سکھوں کو دے دیا اور اسی طرح اچھوتوں کو بھی۔ شاید ان کا یہ مطلب ہو کہ سکھوں کے مطالبے تو وہی ہیں جو کانگریس کے ہیں لیکن چونکہ یہ اجڈ قوم ہے کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ جب تک سردار جی نہ بولیں گے ہم راضی نہیں ہوں گے۔ اور جب سکھ بولے تو شاید اچھوتوں میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو جائے اِس لئے ان کو بھی وقت دو (پہلے فیصلہ کے

مطابق وقت صرف لیگ اور کانگرلیس میں تقسیم تھا اگر لیگ یا کانگرلیس اجازت نہ دیتی تو کوئی اور میمورنڈم پیش نہ ہو سکتا)۔

جب اِس فیصلہ کا علم مسلم لیگ کو ہوُا تو اِس خیال سے کہ ہندوؤں کی طرف سے بعض دوسری قوموں کے لیڈر بھی پیش ہوں گے شاید اس کا بھی کوئی اثر پڑ جائے لیگ نے فیصلہ کیا کہ ہم بھی ایک علیحدہ میمورنڈم پیش کر دیں چنانچہ لیگ کی طرف سے ہمیں اور عیسائیوں کو ہدایت ملی کہ علیحدہ علیحدہ میمورنڈم پیش کرو ورنہ ہم پہلے ایسا کرنے کا ارادہ چھوڑ چکے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ صرف احمدیوں کو ہی علیحدہ میمورنڈم پیش کرنے کی اجازت کیوں دی گئی گورداسپور کی مسلم لیگ کو اجازت کیوں نہ دی گئی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ مسلم لیگ گورداسپور بہر حال مسلم لیگ کہلاتی ہے اور کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا کہ وہ مرکزی مسلم لیگ کے ساتھ متفق نہیں ہوگی لیکن احراریوں نے یہ پراپیگنڈا کیا ہوُا تھا کہ احمدی مسلمان نہیں اور شُبہ تھا کہ ہندو سکھ ریڈکلف کو یہ نہ کہہ دیں کہ مسلمان احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے اِس لئے ان کی آبادی کو نکال کر دیکھا جائے کہ آیا گورداسپور میں مسلم اکثریت ہے یا غیر مسلم اکثریت حقیقت یہ ہے کہ ضلع گورداسپور میں ۶۰ ہزار احمدی تھے اور انہیں ملا کر مسلمان ۵۱،۱۴ تھے جس کے یہ معنی تھے کہ اگر احمدیوں کو باقی مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا جاتا تو مسلمان ۴۵،۶۹ رہ جاتے اور غیر مسلم زیادہ ہو جاتے تھے۔

پس احراریوں نے جو یہ شرارت کی کہ احمدیوں کو باقی مسلمانوں سے علیحدہ سمجھا جائے اس کی وجہ سے مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ ہم علیحدہ میمورنڈم پیش کریں ورنہ ہندو کہہ دیں گے کہ یہ مسلمان نہیں اور ثبوت میں احراریوں کا فتویٰ پیش کر دیں گے۔ گویا احمدی اِس لئے الگ پیش نہیں ہوئے کہ وہ اپنے آپ کو الگ سمجھتے تھے بلکہ ان کے الگ پیش ہونے کی ضرورت اس لئے سمجھی گئی کہ احراریوں نے یہ اعلان کیا ہوُا تھا کہ احمدی مسلمان نہیں۔ اگر ان سے علیحدہ پاکستان کی حمایت پر میمورنڈم پیش نہ کرایا جاتا تو ضلع گورداسپور میں مسلمان بڑی نمایاں اقلیت ہو جاتے تھے چنانچہ بعد میں سر تیجا سنگھ کی جرح نے ثابت کر دیا کہ احرار سکھوں اور ہندوؤں کی سکیم کا کس طرح احمدیہ میمورنڈم نے خاتمہ کر دیا۔ سر تیجا سنگھ نے احمدی میمورنڈم کے پیش ہونے پر سٹپٹا کر کہا کہ "احمدیہ مومنٹ کا اسلام میں موقف کیا ہے؟" یعنی آپ لوگ تو مسلمانوں میں ہیں ہی نہیں آپ ان کی طرف سے کس طرح بول رہے ہیں؟ شیخ بشیر احمد صاحب نے جو احمدیوں کی طرف سے میمورنڈم پیش کر رہے تھے جواب دیا کہ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم اوّل سے آخر تک مسلمان ہیں ہم اسلام کا

ایک حصّہ ہیں"۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کا منصوبہ تھا کہ وہ کہیں احمدی مسلمان نہیں۔ انہیں نکال کر معلوم کرو کہ آیا ضلع گورداسپور میں مسلمان اقلیت میں ہیں یا اکثریت میں۔ لیگ اسے بھانپ گئی اور اس نے پاکستان کی حمایت میں احمدیوں سے علیحدہ مختصر پیش کروا دیا۔

دیکھو یہ احراری جھوٹے ہیں پہلے انہوں نے کہا میمورنڈم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے پیش کیا تھا اور اِس لئے علیحدہ میمورنڈم پیش کیا کہ احمدی مسلمان نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میمورنڈم شیخ بشیر احمد صاحب نے پیش کیا اور سر تیجا سنگھ نے اس سوال کے جواب میں کہ احمدیوں کا موقف کیا ہے شیخ بشیر احمد صاحب نے کہا ہم شروع سے آخر تک مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو اسلام کا ایک حصّہ سمجھتے ہیں مگر احرار جھوٹ بول کر کہتے ہیں کہ ہم نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے یہ کہا کہ ہم مسلمان نہیں ہم مسلمانوں سے الگ ہیں۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یہ لوگ کتنا بھی جھوٹ بولیں انہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن بدنام ہم ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہم مسلمانوں کا ایک حصّہ ہیں لیکن وہ کہتے ہیں انہوں نے کہا تھا ہم مسلمان نہیں۔ "ہے" کو "نہیں" کہہ دینا کیا چھوٹی سی بات ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ احمدیوں کا الگ میمورنڈم پیش کرنا احرار کی اس شرارت کو ختم کرنے کے لئے تھا کہ احمدی مسلمان نہیں کیونکہ اگر اس کا جواب احمدی میمورنڈم میں دوسرے مسلمانوں کی حمایت کر کے نہ دیا جاتا تو گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت کو ہندو سکھ اعداد و شمار سے غلط ثابت کر سکتے تھے۔ یاد رہے کہ بٹالہ تحصیل میں مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ ساٹھ ہزار کے قریب تھی اور احمدی ووٹ پچپن ہزار ووٹ میں سے پانچ ہزار سے اُوپر تھا اور تحصیل گورداسپور، شکر گڑھ اور پٹھانکوٹ میں ۲/۱ ہزار سے زائد تھا پس ووٹوں کے لحاظ سے احمدیوں کی تعداد زیادہ ... بنتی ہے مگر چونکہ احمدیوں میں تعلیم زیادہ تھی اِس لئے تعلیم کی وجہ سے ان کے ووٹ ساٹھ ہزار میں سے اتنے بن گئے۔ صرف قادیان میں احمدی بارہ ہزار سے زائد تھے اور اردگرد کے پانچ چھ دیہات میں مزید پانچ ہزار تھے۔ گویا صرف قادیان اور اس کے اردگرد کے دو دو میل کے حلقہ میں احمدی سترہ ہزار تھے یعنی ۵ فی صد سارے ضلع کی آبادی کے۔ اگر قادیان کے علاوہ کوئی احمدی

نہ ہوتا تب بھی احمدیوں کے نکالنے سے مسلمان اقلیت میں آجاتے تھے پس احمدیوں سے میمورنڈم پیش کروانا مسلمانوں کے مفاد کے لئے نہایت ضروری تھا اور لیگ نے جو فیصلہ کیا وہ بالکل درست تھا۔

دوسری بات یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فیصلہ کے مطابق وقت صرف مسلم لیگ اور کانگرس کو ملا تھا۔ اگر مسلم لیگ ہمیں اجازت نہ دیتی تو احمدی میمورنڈم پیش ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ خان افتخار حسین صاحب آف ممدوٹ، خواجہ عبدالرحیم صاحب سابق کمشنر، چوہدری اکبر علی صاحب اور دوسرے مسلم لیگی لیڈر اس بات کے گواہ ہیں کہ وقت صرف مسلم لیگ کو دیا گیا تھا ہمیں براہ راست وقت نہیں ملا بلکہ مسلم لیگ نے اپنے وقت میں سے ہمیں کچھ وقت دیا ورنہ ہم الگ محضر پیش ہی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر کمیشن کے دونو مسلمان جج جسٹس محمد منیر اور سابق جسٹس و حال گورنر سندھ ہز ایکسی لینسی شیخ دین محمد صاحب بھی اس کے گواہ ہیں، ان لوگوں کو معلوم ہے کہ اس میمورنڈم کے پیش کرنے میں برابر ان مسلم ججوں سے مشورہ کیا جاتا رہا کیونکہ ان ججوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا تھا کہ یہ قوم کے نمائندے ہیں میں خود مسٹر جسٹس منیر کی کوٹھی پر گیا ہز ایکسی لینسی شیخ دین محمد صاحب گورنر سندھ بھی وہاں آگئے تھے۔ اسی طرح چوہدری نذیر احمد صاحب ممبر سروس کمیشن بھی اتفاقاً آگئے تھے میرے ساتھ شیخ بشیر احمد صاحب اور درد صاحب بھی تھے ہم نے اس میمورنڈم پر قانونی طور پر ڈسکس (DISCUSS) کی اور اس کی کاپیاں ہم نے ان میں سے اکثر کو الگ بھی دے دی تھیں پس یہ سوال نہیں کہ ہم نے مسلم لیگ سے الگ محضر پیش کیوں کیا بلکہ سوال یہ ہے کہ الگ محضر پیش کرایا گیا اور اس کی وجہ میں بتا چکا ہوں کہ احرار کی یہ شرارت تھی کہ احمدی مسلمان نہیں اور اس کا انہوں نے پراپیگنڈا کیا ہوا تھا اگر ہم علیحدہ پیش نہ ہوتے تو ریڈ کلف کو اِدھر اُدھر کے بہانے بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی وہ احراریوں کا اپنا فتویٰ پیش کر کے کہہ سکتا تھا کہ چونکہ احمدی مسلمان نہیں اس لئے ان کو نکال دیا جائے تو مسلم آبادی ۴۵ فیصدرہ جاتی ہے اس لئے یہ ضلع ہندوستان میں شامل ہونا چاہیئے۔ اس میمورنڈم کو پیش کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ریڈ کلف کو اور بہانے تلاش کرنے پڑے جن کی وجہ سے ہم آج تک انگریزوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ اُس وقت مسلم لیگ احراریوں کی شرارت کو بھانپ گئی اور اس نے دھوکہ نہیں کھایا۔ اب انگریزوں کے پاس اس فیصلہ کو درست ثابت کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ چنانچہ جب کوئی انگریز ہمارے پاس آتا ہے وہ شرمندہ ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ہندوستان سے تعلقات ہیں۔ ہندوستان کو پاکستان کے مقابلہ میں جو زک پہنچی اس کا اثر زائل کرنے

کے لئے یہ شرارتیں کروائی جارہی ہیں اور یہ پراپیگنڈا کروایا جارہا ہے کہ ضلع گورداسپور کا پاکستان سے الگ ہونا احمدیوں کی وجہ سے تھا۔ حالانکہ ہم نے میمورنڈم صرف اس لئے پیش کیا تھا کہ احراری چونکہ ہمیں مسلمانوں سے خارج سمجھتے تھے۔ اس لئے تم ہمیں مسلم سمجھو یا غیر مسلم ہم بہر حال پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور ہم مسلم لیگ کے ساتھ ہیں"۔ [1]

اخبار "تنظیم" پشاور میں سالانہ جلسہ ربوہ کی رپورٹ

پشاور (سرحد) کے ہفت روزہ اخبار "تنظیم" نے اپنی ۵ جنوری ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں اس جلسہ کی حسبِ ذیل الفاظ میں رپورٹ شائع کی:۔

"ربوہ شریف میں مسلم جماعت احمدیہ کا اٹھواں سالانہ اجلاس ۱۹۵۰ء

۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء بروز منگل حضرت امیر و امام جماعت احمدیہ جناب مرزا بشیر الدین محمود نے افتتاح فرمایا

علماء کرام اور مبلغین جماعت احمدیہ کی حالاتِ حاضرہ پر قرآن و احادیث فقہ و تاریخ کے مطابق اسلامی شعور، ذہن و فکر کے اعتبار سے موثر تقریریں و مواعظ!

پشاور۔ ۲۵ دسمبر کو شام کی گاڑی سے تنظیم کے نامہ نگارِ خصوصی ربوہ روانہ ہوئے اور ۲۶ کو پہلے اجلاس میں شامل ہوئے۔ مندرجہ حالات ہمارے نامہ نگار کے چشم دید اور اپنی قلم سے لکھے ہوئے ہیں جس پر "اخبار تنظیم" ہر طرح سے اعتماد رکھتا ہے۔

پنڈال میں اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) نفوس کے لئے انتظام تھا اور ہر شخص پوری ذمہ داری سے اجلاس کے ختم تک اپنی نشست پر پہنچ جاتا تھا۔ جماعتِ احمدیہ کے امام نے پہلے روز یعنی ۲۶۔ دسمبر ۵۰ء بروز منگل تلاوتِ قرآن اور حمد و نعت کے ساتھ اجلاس کا افتتاح فرمایا۔

اس وقت عجیب کیفیت تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس زمانے کے محمود نے اپنے لئے کئی ہزار ایاز پیدا کر لئے ہیں اور یہ یقین ہو رہا تھا کہ مستقبل میں کفر و شرک کے سومنات گرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے اور اس کے عقیدت مند پیغمبر آخر زمان کی اُمّت میں

---

[1] الفضل ۳۰ تبوک ۱۳۴۳ھش / ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۲ تا ۴۔

اسے نبی کا درجہ دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا جماعتِ احمدیہ سے صرف ایک اختلاف ہے کہ وہ مرزا صاحب کو صرف اُمتی ہی خیال کریں دوسرے اختلافات مثلاً پولیٹیکل عقیدوں کے متعلق یا جہاد کے متعلق تھے تو اس کا بھی پاکستان کے قیام میں جہانداری اور جہانبانی کی ذمہ داری نے اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کر لیا ہے اور پاکستانی مسلمانوں کے ہر فرقے کا مرکز اب لندن، امریکہ، لینن گراڈ، برلن اور ٹوکیو نہیں رہا بلکہ اب کراچی ہے۔ جنگ اور صلح زندگی کے عظیم الشان نصب العین میں سے ہے اور جنگ اور صلح کو چاہے کوئی مذہبی نقطۂ نظر سے حل کرے یا اس کو دینی اور دنیاوی جدّوجہد قرار دے مقصد ایک ہی بنتا ہے۔

جناب مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے اپنی وسطی اور اختتامی تقریر مورخہ ۲۷ دسمبر بروز بدھ اور ۲۸ دسمبر ۵۰ء بروز جمعرات میں صاف فرما دیا کہ ہمارا نصب العین اسلام ہے جماعتِ احمدیہ اسلام کے لئے زندہ رہے گی اور اسلام ہی کے لئے مرے گی۔ جماعتِ احمدیہ کا دستور العمل قرآن کریم ہے جس نے ہر وقت اور ہر زمانے میں انسان کی راہ نمائی کی ہے اور انسان نے اِس کتابِ الٰہی سے اپنے لئے مقامِ انسانیت اور فلاح و بہبود کا راستہ متعین کیا۔ اسلام تمام دنیا پر غالب رہا ہے اور غالب رہے گا۔ حضرت رسول اکرم محمد رسول اللہ صلعم سب نبیوں کے امام و پیشوا ہیں اور نسلِ انسانی کے سب سے بڑے خیر خواہ اور مختارِ حیثیت کے نبی اور رسول ہیں۔ مرزا بشیر الدین صاحب کی تقریر میں درد تھا وہ درد جو کسی چشتی پیر کے حلقۂ قوالی میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ آج ہمارے پیروں اور سجادہ نشینوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ان کے گرد و پیش میں قوال ہی قوال رہتے ہیں لیکن مرزا بشیر الدین صاحب نے فعّالوں کا گروہ پیش کیا ہے۔

حضرت جناب ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب سابق مبلّغ انگلینڈ و امریکہ، جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے، جناب مولانا عبد المنان صاحب ایم۔ اے، جناب قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری، جناب مولوی عبد الغفور صاحب، جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سابق امام مسجد لنڈن، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے، جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم، جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، جناب مولوی ابو العطا صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ، جناب خواجہ جلال الدین صاحب شمس فاضل سابق امام مسجد احمدیہ لندن، جناب مولوی رحمت علی صاحب فاضل مبلّغ انڈونیشیا جن کی ہر تقریر اور ہر لفظ اور ہر مباحث میں انسانوں کو انسان اور انسانیت میں درس

حیات اور دُنیا و آخرت کے نجات کا ذریعہ قرار دے کر بتایا کہ توحیدِ باری تعالیٰ اور رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کریم ہی نجاتِ آخرت کا وسیلہ ہے اور اس سے ہر شخص سرشار ہے۔

ہمارا نامہ نگار لکھتا ہے کہ پاکستان کے پیر اور پیرزادے اگر ربوہ کے اجتماع میں ہوتے تو کافی سبق لیتے جہاں علماء اور فضلاء کا اجتماعِ عظیم تھا، جہاں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوًا سمندر تھا۔ اختلاف ہمارا بھی جماعتِ احمدیہ سے اتنا ہی ہے جتنا ہمارے پیروں اور سجادہ نشینوں اور پیرزادوں کا ہے لیکن حق بات حق ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب بھی اپنے مریدوں سے چندہ وصول کرتے ہیں لیکن وہ تعمیر پر خرچ کرتے ہیں۔ ربوہ میں دس ہزار کنال زمین خریدی ہے، سندھ میں محمود آباد سٹیٹ قائم کیا ہے۔ اپنے مریدوں سے لیتے بھی ہیں لیکن پھر تکلیف میں ان کی امداد بھی کرتے ہیں۔ کاش کہ ہمارے علماء، پیران ، سجادہ نشینان بھی ایسے ہی حالات پیدا کریں جو آج مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے پیدا کئے ہیں۔ نصیحت جہاں سے بھی ملے غنیمت ہے۔" (نامہ نگار)

فصل ششم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء میں متعدد بزرگ صحابہ رحلت فرما گئے جن میں سے بعض کا تذکرہ اس فصل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولوی رحمت اللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ:- (تاریخ وفات ۱۱ صلح ۱۳۲۹ھش مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۵۰ء)

آپ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے سُرخ سیاہی کے شہرہ آفاق آسمانی نشان کے حامل بزرگ حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔

آپ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد موضع ثابت شاہ متصل پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں تھے کہ پیغامِ اجل

آگیا نعش بذریعہ لاری ربوہ لائی گئی۔ حضرت مصلح موعود منتظر رہے کہ کوئی اطلاع دے تو جنازہ پڑھائیں مگر افسوس مسجد میں اعلان تک کئے بغیر ان کی نماز جنازہ پڑھا دی گئی اور آپ سپردِ خاک کر دئے گئے اور حضور انور جنازہ میں شرکت نہ فرما سکے۔ ایک قدیم اور ممتاز صحابی کے لختِ جگر کی نمازِ جنازہ کے بارے میں غفلت اور کوتاہی کا یہ ایسا افسوسناک مظاہرہ تھا کہ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے اسے آئندہ نسلوں کی راہ نمائی کے لئے پوری جماعت کے سامنے رکھنا ضروری سمجھا چنانچہ حضور نے ۱۴ ؍صلح ۱۳۲۹ھ کو خطبہ جمعہ کے شروع ہی میں اِس ناقابلِ برداشت سانحہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"پیشتر اِس کے کہ مَیں خطبہ کے مضمون کی طرف توجہ کروں مَیں اِس امر پہ اظہار افسوس کرنا چاہتا ہوں کہ پرسوں یہاں ایک پُرانے صحابی کا جنازہ آیا جس کے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریبترین صحابہ میں سے تھے اور آپ کے ایک بہت بڑے نشان کے حامل تھے لیکن یہاں کے کارکنوں نے ایسی بے اعتنائی اور غفلت برتی جو میرے نزدیک ایک نہایت شرمناک حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ جنازہ مہمان خانہ میں لایا گیا مگر کسی نے تکلیف گوارا نہ کی کہ وہ اس کی طرف توجہ کرے اور نہ ہی اس جنازہ کا مسجد میں اعلان کیا گیا۔ مَیں دوسرے دن دوپہر تک انتظار کرتا رہا کہ کوئی مجھے اطلاع دے اور مَیں نماز جنازہ پڑھاؤں لیکن کسی نے مجھے اطلاع نہ دی جب درد صاحب آئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جنازہ کسی نے پڑھا دیا ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوُا کہ میری طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ مَیں بیمار ہوں اور جنازہ کے لئے باہر نہیں آسکتا اِس لئے جنازہ پڑھا دیا جائے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں مَیں بیمار تھا اور باہر نہیں آسکتا تھا لیکن جب وصیت کا کاغذ میرے پاس دستخط کے لئے آیا تو ان کے تعلقات کی وجہ سے جو اُن کے والد صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھے مَیں نے فیصلہ کیا کہ خود جنازہ پڑھاؤں مگر یونہی کہہ دیا گیا کہ مَیں نے جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی ہے حالانکہ مجھے اطلاع ہی نہیں دی گئی مَیں کل دوپہر تک انتظار کرتا رہا۔ رات کو تو مَیں نے خیال کیا کہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ رات کو جنازہ پڑھا جائے اور کل دوپہر تک مَیں نے سمجھا کہ رشتہ داروں کے آنے کی وجہ سے دیر ہو رہی جاتی ہے اِس لئے شاید دیر ہو گئی ہو لیکن بعد میں معلوم ہوُا کہ جنازہ خود پڑھا دیا گیا ہے اور میری طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ مَیں بیمار ہوں اِس لئے جنازہ کے لئے باہر نہیں آسکتا جنازہ پڑھا دیا جائے۔ مَیں نے یہ کیس ناظر صاحب اعلیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور تمام ایسے آدمیوں کو جنہوں نے یہ حرکت کی ہے سرزنش کی جائے گی خصوصاً وصیت

کا محکمہ بہت حد تک اس کا ذمہ دار ہے۔ مَیں جماعت کو بدقسمت سمجھوں گا اگر وہ اپنی تاریخ سے ناواقف ہو جائے۔ جو جنازہ آیا تھا وہ عبداللہ صاحب سنوریؓ کے بیٹے کا تھا جو صوفی عبدالقدیر صاحب نیازؔ کے بڑے بھائی اور مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ (ناظر امور خارجہ صدر انجمن احمدیہ) کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی ہستی ایسی نہیں کہ جماعت کے جاہل سے جاہل اور نئے سے نئے آدمی کے متعلق بھی یہ قیاس کیا جاسکے کہ اسے آپ کا نام معلوم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ کشف جس میں کپڑے پر سُرخ روشنائی ظاہری طور پر دکھائی دی مولوی صاحب اس نشان کے حامل اور چشم دید گواہ تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ چھینٹے گرے اور پھر خدا تعالیٰ نے انہیں یہ مزید فضیلت بخشی تھی کہ ایک چھینٹا اُن کی ٹوپی پر بھی آپڑا۔ گویا خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان میں اور ایسے نشان میں جو دنیا میں بہت کم دکھائے جاتے ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ شامل تھے لیکن اُن کے لڑکے کا جنازہ مہمان خانہ میں پڑا رہا مگر کسی نیک بخت کو یہ نہیں سُوجھا کہ وہ مساجد میں اعلان کرے کہ فلاں کا جنازہ آیا ہے احباب نماز میں شامل ہوں۔"

پھر فرمایا:۔

"بہرحال ایسے کارکنوں کے خلاف مناسب اقدام کیا جائے گا اور انہیں سرزنش کی جائے گی لیکن چونکہ مَیں جنازہ میں شریک نہیں ہو سکا اس لئے نماز جمعہ کے بعد مَیں اُن کا جنازہ پڑھاؤں گا۔" [1]

چنانچہ حضور نے جمعہ کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب کا جنازہ پڑھایا اور اس طرح ہزاروں احمدیوں کو خلیفۂ وقت کی اقتدا میں ایک اہم قومی و جماعتی فریضہ کی بجا آوری کا شرف حاصل ہوا۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی خلف الرشید حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ:۔

(ولادت ۱۸۶۶ء قریباً۔ پہلی زیارت ۱۸۸۴ء بمقام لدھیانہ۔ بیعت ۶ فروری ۱۸۹۲ء۔ وفات ۲۱ احسان ۱۳۲۹ھش/جون ۱۹۵۰ء)۔

حضرت پیر صاحبؓ سلسلہ احمدیہ کے باخدا بزرگوں میں سے تھے۔ ہجرتِ قادیان سے قبل ریاست جموں کے محکمۂ تعلیم میں ملازم تھے لیکن جب حضرت حاجی الحرمین الشریفین مولانا نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّلؓ)

---

[1] الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۵۰ء مطابق ۲۲ صلح ۱۳۲۹ھش صـ ۱۔

مستقل طور پر قادیان تشریف لے گئے تو آپ نے بھی ہجرت کر لی اور الدّار میں رہائش پذیر ہو گئے۔

آپ نے محض اِس جذبہ سے کہ حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف بہترین صورت میں چھپ سکیں کتابت سیکھی چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام کی بہت سی کتابوں کے پہلے ایڈیشن آپ ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور بہت دیدہ زیب اور نفیس ہونے کے علاوہ نہایت صاف اور صحیح چھپے ہوئے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے اپنے اشتہار ۴؍ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں خاص طور پر آپ کی اس عظیم خدمت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"بطور شکرِ احسانِ باری تعالیٰ کے اِس بات کا ذکر کرنا واجبات سے ہے کہ میرے اہم کام تحریر تالیفات میں خدا تعالیٰ کے فضل نے مجھے ایک عمدہ اور قابلِ قدر مخلص دیا ہے یعنے عزیزی میاں منظور محمد کاپی نویس جو نہایت خوشخط ہے جو نہ دُنیا کے لئے بلکہ محض دین کی محبت سے کام کرتا ہے اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اسی جگہ قادیان میں اقامت اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ میری مرضی کے موافق ایسا مخلص سرگرم مجھے میسّر آیا ہے کہ مَیں ہر ایک وقت دن کو یا رات کو کاپی نویسی کی خدمت اس سے لیتا ہوں اور وہ پوری جاں فشانی سے خدا تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس خدمت کو انجام دیتا ہے یہی سبب ہے کہ اِس روحانی جنگ کے وقت میں میری طرف سے دشمنوں کو شکست دینے والے رسالوں کے ذریعہ سے تابڑ توڑ مخالفوں پر فیر ہو رہے ہیں۔ اور درحقیقت ایسے مؤیّد اسباب میسّر کر دینا یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے جس طرف سے دیکھا جائے تمام نیک اسباب میرے لئے میسّر کئے گئے ہیں اور تحریر میں مجھے وہ طاقت دی گئی ہے کہ گویا مَیں نہیں بلکہ فرشتے لکھتے جاتے ہیں گو بظاہر میرے ہی ہاتھ ہیں۔" [1]

پیر صاحب کتابت کے دَوران ہی جوڑوں کے درد کی وجہ سے معذور ہو گئے تو انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی منظوری سے حضور کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کو قرآن شریف ناظرہ پڑھایا اور انہی کی تعلیم کی غرض سے "یسّرنا القرآن" کا مشہور و معروف قاعدہ ایجاد کیا جس کے ذریعہ نہ صرف برِصغیر بلکہ بیرونی ممالک کے لاکھوں اَن پڑھ لوگوں کو قرآن کریم پڑھنے کی توفیق ملی اور اِس وقت تک اسکے بہت سے ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اِس قاعدہ کی تعریف میں حضور نے ۱۹۰۱ء میں اپنی اولاد کی آمین میں

---

[1] "تبلیغِ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۸۲

فرمایا ؎

پڑھایا جس نے اُس پر بھی کرم کر
جزا دے دین اور دُنیا میں بہتر
رہِ تعلیم اِک تُو نے بتا دی
فسبحان الّذی اخزا الاعادی

نیز اپنے قلمِ مبارک سے لکھا :-

" قاعدہ یسّرنا القرآن بچوں کے لئے بے شک مفید چیز ہے اِس سے بہتر اَور کوئی طریقۂ تعلیم خیال میں نہیں آتا۔"

خلافتِ ثانیہ کے قیام پر پیر صاحب نے رسالہ "تشحیذ الاذہان" میں "پسرِ موعود" "نشانِ فضل" اور "قدرتِ ثانیہ" کے عنوان سے تین معرکۃ الآراء مضامین لکھے جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے ثابت کر دکھایا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ہی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے حقیقی مصداق اور مصلح موعود ہیں۔ یہ مضامین جن میں سے ۲ کتابی شکل میں بھی چھپ گئے ان مباحث کی لیسرچ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ان کی وفات پر ایک نوٹ میں لکھا کہ "حضرت پیر صاحب کے مزاج میں تصوّف بہت غالب تھا مگر اس کے ساتھ زندہ دِلی بھی بہت تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّلؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے۔" ؎۱

حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر فرمایا :-

" پیر منظور محمد صاحبؓ جنہوں نے قاعدہ یسّرنا القرآن ایجاد کیا تھا وہ پرسوں فوت ہو گئے ہیں۔ پیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی تھے اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے سالے تھے۔ ہم جتنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد ہیں پیر صاحب ان کے استاد بلکہ ہم تینوں بھائیوں اور ہماری بہن مبارکہ بیگم کو قرآن کریم پڑھانے کے زمانہ میں ہی انہوں نے قاعدہ یسّرنا القرآن ایجاد کیا تھا۔" ؎۲

؎۱ الفضل ۲۳ جون ۱۹۵۰ء صہ۲ ۔ ؎۲ الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۰ء صہ۵ ۔

۳۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحبؓ آف نیروبی :- (وفات ۲۳ تبلیغ ۱۳۲۹ھش مطابق ۲۳ فروری ۱۹۵۰ء)

مشرقی افریقہ کے اوّلین صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا نام الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۱ء میں شائع شدہ ہے آپ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور ایک لمبے عرصہ سے نیروبی (مشرقی افریقہ) میں مقیم تھے بلکہ نیروبی کے ابتدائی آباد کاروں میں سے تھے اور اسی بناء پر احمدیہ مسجد نیروبی کی ملحقہ ذیلی سڑک کا نام نیروبی میونسپلٹی نے "احمدی روڈ" رکھا تھا۔ حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب مرحوم (برادر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ) یوگنڈا ریلوے کی تعمیر کے سلسلہ میں ابتدائی بھرتی میں جب مشرقی افریقہ گئے تھے ان کی تبلیغ کے طفیل جہاں اور کئی نیک روحوں کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہاں مرحوم کو بھی احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ نیروبی کی عالی شان احمدیہ مسجد کی تعمیر و چندہ جمع کرنے اور دیگر متعلقہ کاموں میں آپ نے آغاز کار ہی سے نمایاں حصہ لیا۔ علاوہ ازیں احمدیہ مسجد ٹبورا کی نہایت خوبصورت عمارت کے چندہ کی فراہمی میں بھی آپ نے بڑی محنت و کاوش سے کام کیا۔ اپنی موٹر کار پر اِس بڑھاپے میں جوانوں کی طرح مختلف دیہات و قصبات میں اور دوستوں کے پاس جاتے رہے اور تحریک کر کے چندہ وصول کرنے میں مدد دیتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اپنے عزیزوں کو یہ تلقین کرتے کہ شہری زندگی کی وجہ سے اور بعض اوقات مجبوریوں کی وجہ سے بھی لوگ مہمانوں کی خدمت کما حقہٗ نہیں کر سکتے تمہارا گھر ہمیشہ مہمانوں کے لئے کھلا رہے اور مہمانوں کی خدمت سے کبھی تمہیں گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ کانفرنسوں اور دیگر مواقع پر آپ مہمانوں کو حتی المقدور اپنے عزیزوں کے گھروں میں لے جاتے۔ باوجود بڑھاپے اور بیماری کے خود فرش پر لیٹ جاتے اور مہمانوں کو چارپائی اور بستر ا دیدیتے مبلغینِ سلسلہ سے بالخصوص محبت و پیار کا سلوک کرتے اور ان کی خدمت سے خود بھی خوش ہوتے اور اپنے بچوں بچیوں کو اُن کی مہمان نوازی کی تلقین کرتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود سے آپ کو بے انتہاء محبت تھی۔ کسی کو حضور یا خاندان کے مقدس افراد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولادِ طیّبہ کے متعلق کچھ کہتے سُنتے تو نہایت سختی سے اس کا مقابلہ کرتے اور اس کا بہترین جواب پیش کرتے اور ہمیشہ جماعت اور اپنے عزیزوں کو فتنہ پردازوں کی شرارتوں کے متعلق اصل حالات بتا کر آگاہ کر دیتے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم انقلابِ ہندوستان اور ہجرتِ قادیان کے وقت قادیان میں تھے۔ اُن دنوں ڈاکٹر صاحب کے مُنہ سے اکثر خدا تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ نکلتے کہ "یا الٰہی تُو قادیان میں ہی وفات دے دے۔" لیکن جب سلسلہ کے نظام کے ماتحت آپ کو قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا تو آپ جنابِ الٰہی میں یہ عرض کرنے لگے کہ اگر قادیان میں میری وفات مقدر نہیں تو افریقہ کی سرزمین ہی میں لے چلیں۔ مرحوم کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی وفات نیروبی میں ہوئی اور احمدیہ قبرستان نیروبی میں سپردِ خاک کئے گئے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب موصی تھے اور مقامی اور مرکزی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ بہت سے نیک کام کئے۔ طبیعت میں خاص مزاح تھا اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ بچے، جوان اور بوڑھے سب ہی ان کی مجلس اور گفتگو سے حظ اُٹھاتے۔ نیروبی کے ہر قوم کے لوگ جو اُن کے واقف تھے، انہیں بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔[1]

۴۔ صاحبزادہ حکیم خواجہ کرم داد صاحبؓ سابق حکیم شاہی ریاست جموں وکشمیر متوطن جنگا بنگیال ضلع راولپنڈی

(ولادت قریباً ۱۸۳۵ء۔ وفات ۲ امان ۱۳۲۹ہش مطابق ۲ مارچ ۱۹۵۰ء بعمر ۱۱۵ سال)

حکیم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی تھے اور آپ کے ساتھ بہت عرصہ دربارِ کشمیر میں ملازم رہ چکے تھے اور اکثر چشم دید حالات جو نہایت ایمان افروز ہوتے سُنایا کرتے تھے۔ پیرانہ سالی کے باوجود نمازِ پنجگانہ کو بالالتزام ادا کرتے اور ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے۔ تبلیغ کے بہت شائق تھے اور اکثر مریضوں اور ملنے والوں کو تبلیغ کرتے اور اشتہارات یا کتبِ سلسلہ بھی تقسیم کرتے رہتے تھے۔ آپ سلسلہ پر نہایت سچا ایمان رکھنے والے اور مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کا بے حد ادب و احترام کرنے والے بزرگ تھے۔ ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء کو حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانیؓ کراچی تشریف لائے تو انہوں نے نظر کمزور ہونے کی وجہ سے اپنے نواسہ چوہدری فیض عالم خاں صاحب کو ساتھ لیا اور نمازِ جمعہ کے بعد حضور سے مصافحہ کیا اور بہت خوشی ظاہر کی۔

---

[1] الفضل ۱۹ امان ۱۳۲۹ہش/ مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ (ملخصًا از مضمون مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ)۔

انہی دنوں آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں سب سے اچھی بات کونسی دیکھی ؟ فرمایا:۔

"مَیں نے سب سے اچھی بات اُس وقت یہ دیکھی کہ صحابہ مسیح موعود علیہ السلام میں ہر وقت ایک یہ جذبہ موجزن رہتا تھا کہ حضور علیہ السلام کی طرف سے کوئی حکم یا خدمت ملے تو وہ عاشقوں کی طرح اس کو کرنے کو تیار رہتے تھے اور ہر صحابی کا یہی خیال بلکہ خواہش اور تڑپ ہوتی تھی کہ یہ خدمت مجھے دی جائے اور اِس کام کے کرنے کا مجھے ہی شرف حاصل ہو اور یہ ان میں ایک والہانہ جذبہ تھا جو صحابہ میں سب سے اچھا مجھے نظر آیا"۔[1]

۵۔ حضرت سیّد محمد قاسم میاں بخاری شاہجہانپوری[2]:- (بیعت ۱۸۹۴ء۔ زیارت اکتوبر ۱۸۹۹ء[3]۔ وفات ۱۳۲۹ھ / ۱۹۵۰ء بعمر ۸۱ سال قریباً)

حضرت سیّد محمد قاسم صاحب اُن عشاقِ احمدیت میں سے تھے جن کو قادیان دارالامان میں بار بار آنے اور اس کی برکات سے بہت مستفید ہونے کا موقع ملا۔

آپ نے ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اپنی چشم دید روایات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

(۱) "مَیں نے حضور (حضرت مسیح محمدی علیہ السلام۔ ناقل) کی خدمت میں دو سوال کئے تھے ایک تو رشتہ کے متعلق تھا اور ایک نماز کے بارہ میں۔ نمازِ عشاء میں وتر کے متعلق سوال تھا کہ وتر کیسے پڑھے جاویں ؟ آپ نے فرمایا کہ وتر کہتے ہیں دو کے اُوپر جو ایک ہوتا ہے اور ایسے تین ہو جاتے ہیں اِس لئے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھنی چاہیئے۔

دوسرا سوال رشتوں کے متعلق تھا۔ مَیں چونکہ سادات خاندان سے ہوں مجھے اور میرے والد صاحب کو قومیّت کا بہت خیال تھا مگر یہاں یہ کہا گیا کہ کوئی امتیاز نہیں۔ یہ بات میرے والد[4] کے لئے گراں تھی مَیں نے حضورؑ سے عرض کی کہ اس کے متعلق یہ مشکلات ہیں تو حضورؑ نے یہ فرمایا کہ ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ امتیاز مٹایا جائے بلکہ اس کے اُوپر ضد یا ہٹ کر کے مُصر نہ ہونا چاہیئے۔ اور

---

[1] الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۶ (ملخصاً) [2] والد ماجد سیّد محمد ہاشم صاحبؓ بخاری مبلغ غانا و سیرالیون
[3] "روایات صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱ [4] نام سیّد محمد تقی میاں صاحب

ہماری جماعت میں سید بھی ہیں آپ ان سے رشتہ کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر سید نہ ملیں تو سید پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲) مَیں مسلسل چالیس سال سے جلسہ میں شرکت کر رہا ہوں ایک ناغہ بھی نہیں کیا۔

(۳) جب دوا "تریاقِ الٰہی" تیار ہوئی تو میری خواہش پر حضرت صاحب نے مجھے بھی کچھ دیا اور کچھ کونین بھی عطا فرمائی تھی۔

(۴) ایک کُرتہ حضرت امّ المومنین رضؓ نے حضرت صاحب کا عطا فرمایا تھا جو اِس وقت میرے لڑکے سیّد محمد ہاشم خاں بخاری کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت صاحب نے مجھے براہین احمدیہ کے پہلے چاروں حصّے خود اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمائے تھے۔ حقیقۃ الوحی بھی آپ کی عطیہ میرے پاس ہے۔ تریاق القلوب، تحفہ گولڑویہ اور خطبہ الہامیہ عطا فرما کر حضور نے فرمایا تھا کہ اِن کتابوں کو ایک جلد میں کر لینا۔ ریویو اُردو بھی حضور نے ہی میرے نام جاری فرمایا تھا۔ ایک سال کے بعد مَیں خریدار بن گیا۔"[۱]

آپ کی وفات پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۳۰۔احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"قاسم میاں اکثر قادیان آتے رہتے تھے اور دیر دیر تک قادیان رہا کرتے تھے۔ حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ ہندوستان کے گذشتہ فسادات میں جو تباہی مسلمانوں پر آئی اس کا صدمہ ان پر گراں گذرا اور اسی صدمہ کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گئے اور فوت ہو گئے۔"[۲]

۶۔ حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ[۳]:۔

(بیعت ۱۸۹۸ء یا ۱۸۹۹ء۔ وفات ۲۰۔ وفا ۱۳۲۹ھش مطابق ۲۰۔ جولائی ۱۹۵۰ء بعمر اسی سال)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے "موصی نمبر۱ بابا حسن محمد صاحب بھی چل بسے" کے عنوان سے مندرجہ ذیل نوٹ سپردِ قلم فرمایا جس سے حضرت بابا صاحب کے حالات و سوانح اور شمائل و خدمات پر مختصر مگر بلیغ روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا:۔

"بابا صاحب مرحوم اوجلہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے اور صحابیوں کی ایک خاص پارٹی

---

[۱] "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱ (غیر مطبوعہ)۔ [۲] الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۔

[۳] والد ماجد مولانا رحمت علی صاحبؓ مجاہد جاوا و سماٹرا۔ اصل نام محمد حسن ہی ہے (درگار ڈبہشتی مقبرہ)

کے رُکن تھے جو چھ مخلصین پر مشتمل تھی یعنی ایک تو بابا صاحب مرحوم کے قریبی عزیز میاں عبدالعزیز صاحبؓ مرحوم اور منشی امام دین صاحبؓ مرحوم اور دوسرے سیکھواں متصل قادیان کے تین مشہور و معروف بھائی یعنی میاں جمال الدین صاحب مرحوم اور میاں امام الدین صاحب مرحوم اور میاں خیر دین صاحب مرحوم ان چھ بزرگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر اوائل زمانہ ہی میں بیعت کی اور پھر آخر تک بیعت کے عہد کو نہایت اخلاص اور استقلال کے ساتھ نبھایا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان کا قادیان میں آنا جانا بھی اکثر اکٹھا ہؤا کرتا تھا۔ ان میں سے میاں عبدالعزیز صاحب مرحوم نے ایک رات قیام گورداسپور کے دَوران میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیمار تھے حضور کی اِس رنگ . . . میں خدمت کی اور ساری رات اِس طرح جاگ کر کاٹی کہ بعد میں حضورؑ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا ہم پر کتنا فضل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب کے واقعہ پر اپنے حواریوں کو بار بار دعا کے لئے جگاتے تھے اور وہ پھر بھی بار بار سو جاتے تھے مگر ہم نے منشی عبدالعزیز صاحبؓ کو بار بار سونے کے لئے کہا مگر وہ پھر بھی اپنے اخلاص میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سوئے اور ساری رات خدمت میں لگے رہے۔ بہر حال بابا حسن محمد صاحب مرحوم جو مولوی رحمت علی صاحب مبلغ جاوا کے والد تھے اس مقدس شش ممبر پارٹی کے رُکن تھے جنہوں نے اوائل میں ہی احمدیت سے مشرف ہونے کی سعادت پائی اور پھر ان کی زندگی کا ہر نیا دن انہیں خدا سے قریب تر کرتا گیا۔ افسوس کہ ایسے مخلص صحابیوں سے ہماری جماعت بڑی سُرعت کے ساتھ محروم ہوتی جا رہی ہے اور نئی پَود میں سے اکثر نے ابھی تک وہ درسِ وفا نہیں سیکھا جس کے بغیر خدائی جماعتیں دُنیا پر چھا نہیں سکتیں۔

بابا حسن محمد صاحب نے قریباً اپنی ساری عمر وعظ و نصیحت اور قرآن شریف پڑھنے پڑھانے میں گذاری اور ان کے وعظ کا طریق بھی ایسا دلکش ہوتا تھا کہ سُننے والے دیہاتی لوگ اس سے بہت محظوظ ہوتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے اور میرے خیال میں ان سے غالباً سینکڑوں عورتوں نے قرآن شریف پڑھا اور دینی مسائل سیکھے ہوں گے حتّٰی کہ جب وہ آخری ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چنیوٹ میں مقیم ہوئے تو کئی غیر احمدی عورتیں بھی ان کے درس میں شامل ہوتی تھیں اور مَیں نے سُنا ہے کہ وہ ان کی وفات پر اِس طرح روتی تھیں جس طرح ایک نیک اور شفیق باپ کی موت پر سعادت مند بچے روتے ہیں لیکن غالباً بابا صاحب مرحوم کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ انہیں

موصیوں میں سے موصی نمبر ۱ ہونے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۶ء کے شروع میں رسالہ الوصیت لکھ کر وصیت کی تحریک فرمائی تو اس تحریک پر سب سے اول نمبر پر لبیک کہنے والے بابا حسن محمد صاحب مرحوم ہی تھے اور ان کی وصیت کا نمبر ۱ درج ہوا اور دوسرا امتیاز ان کا یہ ہے کہ ان کے اکلوتے فرزند مولوی رحمت علی صاحب کو سمندر پار فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا سب دوسرے مبلغوں سے زیادہ لمبا موقع ملا ہے کیونکہ انہوں نے غالباً ۲۵ سال سے زیادہ جاوا، سماٹرا میں تبلیغ کی سعادت حاصل کی ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد کی نیکی میں مومن باپ کا بھی ضرور حصہ ہوتا ہے۔"[1]

حضرت باباصاحبؓ کی روایات جو انہوں نے ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کو قادیان میں چوہدری عبدالستار صاحب بی۔ اے (آنرز) ایل ایل بی کے سامنے بیان فرمائیں الفضل (مورخہ ۲۳ تا ۲۸ تبوک ۱۳۲۹ھ/ستمبر ۱۹۵۰ء) میں چھپ چکی ہیں اور بہت ایمان پرور ہیں۔

۷۔ حضرت ماسٹر مولا بخش صاحبؓ متوطن موضع منیلہ تحصیل روپڑ ضلع انبالہ:-

(ولادت ۱۸۷۶ء۔ بیعت ۱۹۰۳ء۔ زیارتِ قادیان ستمبر ۱۹۰۵ء۔ وفات ۹ ظہور ۱۳۲۹ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۵۰ء)

حضرت ماسٹر صاحب کو داخلِ احمدیت ہونے کی تحریک مرزا خدا بخش صاحب کی کتاب "عسلِ مصفّٰی" سے ہوئی جو انہیں مولوی محمد تقی صاحب سنوری، مدرس سرہند کے ہاں ملی تھی۔ آپ ۱۹۰۵ء سے حضور کے وصال تک ہر سال موسمی تعطیلات میں ایک ماہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ کی روایت ہے کہ:-

"میں ایک دفعہ قادیان آیا ہوا تھا غالباً ستمبر کا مہینہ تھا سن مجھے یاد نہیں مسجد مبارک بڑھ چکی تھی صبح آٹھ بجے کا وقت ہوگا میں اکیلا ہی مسجد مبارک میں ٹہل رہا تھا کہ حضورؑ اندر سے تشریف لے آئے میں نے مصافحہ کیا۔ حضورؑ مسجد مبارک کے پرانے حصہ میں بیٹھ گئے۔ اندر کی سیڑھیوں سے حضرت مولوی

---

[1] الفضل ۲۵ وفا ۱۳۲۹ھ / جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۶ ۔ [2] پروفیسر مولوی عطاء الرحمٰن صاحب طالب مرحوم پروفیسر جامعہ نصرت ربوہ اور مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم سابق مبلغ امریکہ آپکے صاحبزادے اور مولوی حافظ بشیرالدین عبیداللہ صاحب مبلغ ماریشس و بلاد عربیہ آپ کے داماد ہیں۔

نورالدین صاحبؓ اور ڈاکٹر یعقوب بیگ بھی آ گئے حضورؑ ان سے باتیں کرنے لگے۔ مَیں حضور کے ہاتھ دبانے لگا۔ دباتے دباتے جب میرے ہاتھ دائیں ہاتھ کے پنجہ کے قریب تھے تو حضورؑ کو یکدم جھٹکا لگا اور حضور کا سارا جسم ہل گیا۔ حضور فوراً ہی اندر تشریف لے گئے پھر کوئی بات نہیں کی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل فرمانے لگے کہ اب وحی کے نزول کا وقت ہے۔"

خلافتِ ثانیہ کے بابرکت دَور میں جن بزرگ صحابہ کو عرصہ دراز تک مرکزِ سلسلہ میں تعلیمی خدمات بجا لانے کا موقع میسّر آیا ان میں حضرت ماسٹر صاحب موصوف کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ آپ ۱۹-۱۹۱۸ء میں سپیشل ٹیچر کی حیثیت سے مدرسہ احمدیہ کے سٹاف میں شامل ہوئے[۱] اور لمبی مدّت تک اِس مرکزی ادارہ سے منسلک ہو کر نونہالانِ احمدیت کو اپنے علم سے فیضیاب کرتے رہے۔ دارالہجرت ربوہ میں ۲۱ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء کو لوئر مڈل سکول جاری کیا گیا جس کے آپ پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

حضرت مصلح موعود، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ کے جن صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے آپ استاد تھے اُن میں سیّدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ) اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بھی شامل ہیں۔

حضرت ماسٹر صاحب تحریکِ جدید کے دفترِ اوّل کے مجاہد تھے۔ قرآن مجید سے عاشقانہ تعلق اور لگاؤ تھا نمازوں اور تہجّد کے باقاعدگی سے پابند تھے اور حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی طرح اکثر نمازیں محلہ دارالعلوم (قادیان) سے چل کر مسجد مبارک میں ادا کیا کرتے تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے فدائی تھے۔ اکرامِ ضیف کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ ہر ایک شخص سے نہایت خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ آپ کے دِل میں بزرگوں کا احترام اور خدمتِ خلق کا جذبہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غایت درجہ صابر و شاکر اور قانع بزرگ تھے دستِ سوال دراز کرنا اُن کی طبیعت کے خلاف تھا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ٹیوشن کر کے اپنے بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور انہیں سلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ آخر عمر میں نحیف اور بوڑھا ہونے کے باوصف غیر معمولی ہمّت و استقلال سے کئی کئی گھنٹے تک نہایت بشاشت سے مسلسل کام کیا کرتے تھے اور

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۱۸ء - ۱۹۱۹ء صفحہ ۴۲ مرتبہ حضرت خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین صاحب ایل ایم ایس ٹرسٹی و جنرل سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ۔ مطبوعہ انوار احمدیہ پریس قادیان۔

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے فارغ بیٹھنا دوبھر معلوم ہوتا ہے اور میں کام میں خوش رہتا ہوں۔ دن کو سونا پسند نہیں کرتے تھے اور اسے سستی کی علامت سمجھتے اور فرماتے تھے کہ سست آدمی اکثر بیمار رہتا ہے اور میں ساری عمر میں دو ایک مرتبہ کے سوا کبھی بیمار نہیں ہوا۔

۹ر ماہِ ظہور ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء کو ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان کے ہمراہ کوئٹہ سے واپس آکر ملک صاحب کے آبائی گاؤں کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ ملتان اور لودھراں اسٹیشن کے درمیان ریل گاڑی میں ہی حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات پائی۔ ۲۰ر اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جمعہ کے خطبہ ثانیہ کے بعد آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"ماسٹر مولا بخش صاحبؓ ان بزرگوں میں سے تھے جو استثنائی ہوتے ہیں۔ باوجود اندھے ہو جانے کے اُن کا پڑھانے کا شوق نہیں جاتا تھا۔ ان کی عمر ۸۰ سال سے اُوپر ہوگی کیونکہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ وہ بیس پچیس سال سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ وہ ہمیشہ پڑھاتے رہتے تھے۔ جہاں بھی خدمت کا کوئی موقع نکلتا وہ اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کر دیتے۔ باوجود زور دینے کے میں نے دیکھا ہے کہ وہ پیسے نہیں لیتے تھے میری بچیوں کو بھی انہوں نے پڑھایا ہے مگر باوجود زور دینے کے انہوں نے پیسے نہیں لئے بعض دفعہ میری طبیعت پر یہ امر گراں بھی گذرتا تھا لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ میں ثواب کی خاطر یہ کام کروں گا حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ اِس دفعہ وہ کوئٹہ گئے تو انہیں دیکھ کر مجھے رحم آگیا.... یہ لوگ ہیں جو شہید کہلانے کے مستحق ہیں۔ ۷۵، ۸۰ سال کی عمر تھی نظر اتنی کمزور کہ میں بات کرتا تھا تو پہچانتے تھے لیکن پڑھانے کے لئے وہ ہر جگہ چلے جاتے تھے۔ ممکن ہے وہ کسی سے کچھ لے بھی لیتے ہوں لیکن عام خیال تھا کہ وہ مفت ہی پڑھاتے ہیں حالانکہ ان کا گذارہ بہت حقیر تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جماعت میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ[1] کی آیت صادق آتی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے ہیں اور کچھ اپنے فرائض کو ادا کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔"[2]

---

[1] احزاب: ۲۴

[2] مفصّل حالات ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے رسالہ "اصحابِ احمد" مئی و جولائی و نومبر ۱۹۵۵ء میں شائع کر دیئے ہیں مندرجہ بالا اقتباسات و معلومات بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔

۸۔ حضرت ڈاکٹر محمد طفیل صاحبؓ بٹالوی:۔ (ولادت ۱۸۸۳ء، بیعت ۱۹۰۱ء، وفات ۲۰ ماہ ظہور ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء)

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کے مختصر حالات تاریخ احمدیت جلد سوم میں ۱۹۰۱ء کے ممتاز صحابہ کے ضمن میں آچکے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت ماسٹر مولا بخش صاحبؓ اور آپ کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"یہ دونوں بزرگ بہت نیک اور مخلص اصحاب میں سے تھے جو عرصہ ہوا اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے قادیان میں آباد ہو چکے تھے اور پھر گذشتہ انقلاب کے نتیجہ میں قادیان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور دونوں کو سلسلہ کے محکمہ تعلیم میں کافی خدمت کا موقع میسر آیا اور حسنِ اتفاق سے دونوں بالآخر مدرسۂ احمدیہ سے (جو سلسلہ کی ایک مخصوص دینی درسگاہ ہے) اپنی ملازمت کا عرصہ پورا کرکے ریٹائر ہوئے مگر اس ریٹائرڈمنٹ کے بعد بھی ان کی خدمت کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ماسٹر مولا بخش صاحب مرحوم حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے چھوٹے بچوں اور ہمارے خاندان کے دوسرے بچوں کو پرائیویٹ ٹیوٹر کی حیثیت میں پڑھاتے رہے اور ماسٹر محمد طفیل صاحب مرحوم کو جلسۂ سالانہ کے ایام میں سلسلہ کے مہمانوں کی خدمت کا نمایاں موقع ملتا رہا۔ دونوں اصحاب موصی تھے اور نماز اور دیگر اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں خوب چوکس اور مستعد تھے۔" [1]

۹۔ حضرت مولانا محمد امیر صاحبؓ آف آسام[2]:۔ (ولادت اندازاً ۱۸۵۴ء۔ وفات ۳ تبوک ۱۳۲۹ھش مطابق ۳ ستمبر ۱۹۵۰ء بعمر ۹۶ سال)

حضرت مولانا صاحب علاقہ آسام میں احمدیت کے ستون اور بڑے جوشیلے مخلص اور بہادر احمدی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ۱۸۸۵ء میں پہلا تبلیغی اشتہار[3] جو انگریزی اور اُردو میں شائع ہوا تھا حضرت امام الواعظین مولوی غلام امام صاحبؓ منی پور[4] کے ذریعہ آپ کے ہاتھ لگا اشتہار کا پڑھنا تھا کہ آپ کا چہرہ روشن ہو گیا اور آپ نے بلا تامّل بیعت کا خط حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھ دیا۔

---

[1] الفضل ۸ تبوک ۱۳۲۹ھش / ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ زیرِ عنوان "دو مخلصین کی وفات"۔ [2] والد ماجد خان بہادر محمد عطاء الرحمٰن صاحب سابق ہوم سیکرٹری حکومتِ آسام۔ [3] تفصیل تاریخ احمدیت جلد دوم میں آچکی ہے۔
[4] ۳۱۳ صحابہ کبار میں سے تھے۔ آپ کا نام ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۲ پر مندرج ہے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مَیں مدّت سے مسیح موعود اور مہدی معہود کی آمد کا منتظر تھا کیونکہ مجھے تفہیم ہوئی تھی کہ یہ زمانہ امام الزمان کے نزول کا مقتضی تھا۔ مَیں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور میری زندگی میں ہوُا اور ان کو قبول کرنے کی توفیق ملی۔

ربِّ جلیل کے قائم کردہ پاک سلسلہ میں شامل ہونے کے بعد آپ پر مصائب کے بادل چھا گئے اور آپ کو زمانہ دراز تک دنیاوی مشکلات اور صعوبتوں کو برداشت کرنا پڑا مگر آپ ہر ابتلاء پر ثابت قدم رہے اور ہر فتنہ کے موقع پر نہ صرف یہ کہ آپ خود ایک مضبوط چٹان کی طرح حق و صداقت پر قائم رہے بلکہ اپنے وعظ و تبلیغ کے نتیجہ میں قریباً دو سو اشخاص کو تحریکِ احمدیت سے وابستہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

حضرت مولوی صاحبؓ ایک عالمِ متبحّر تھے۔ قرآن کریم سے ان کو عشق تھا اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان کو فہمِ قرآن کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مشکل سے مشکل مقامات کو دعاؤں کے ذریعہ حل کر لیتے تھے اور سلسلہ کے بعض بزرگوں کی تفاسیر سے توارد ہو جاتا تھا۔ سلسلہ عالیہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو انہوں نے مطالعہ نہ کی ہو۔ عمر کے آخری دو سال میں آپ کی بینائی بالکل کمزور ہو گئی تھی اور مطالعہ ناممکن ہو گیا تھا پھر بھی اخباراتِ سلسلہ اور تازہ تالیفات و تصنیفات اپنی بیٹیوں سے سُنا کرتے تھے۔ درثمین سے تو آپ کو ایک بے نظیر عشق تھا۔ بصارت کی کمزوری کے اس زمانے میں بھی درثمین آپ کے تکیہ کے نیچے رکھی رہتی تھی۔ آنکھوں پر زور ڈال کر اشعار یاد کرنا آپ کا محبوب شغل تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ درثمین میری کمزوری کے لئے ٹانک اور میری بیماری کے لئے دوا اور رُوحانی غذا ہے۔ آخری دِنوں میں بار بار وقت پوچھا کرتے تاکوئی نماز فوت نہ ہو جائے یہاں تک کہ آخری رات تہجّد اشارے سے پڑھی۔

آپ رؤیا صالحہ کی نعمت سے بھی مستفیض تھے اور تعبیریں بتایا کرتے تھے اور صاحبِ الہام بھی تھے گو وہ اپنے الہاموں کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ [۱]

۱۰۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؓ رینج آفیسر امیر جماعتِ احمدیہ کشمیر (آسنور) :- (زیارتِ قادیان

---

[۱] الفضل ۱۳؍اخاء ھ ۱۳۲۹ ؁ / اکتوبر ۱۹۵۰ ؁ء ص ۴

۱۹۰۱ء۔ وفات ۸/۷ فتح ۱۳۲۹ھ /دسمبر ۱۹۵۰ء)

خواجہ صاحب کشمیر میں احمدیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے ۱۹۰۱ء میں اپنے والد میاں حبیب اللہ صاحب کے ساتھ قادیان دارالامان میں گئے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل ہوئے اور میٹرک تک تعلیم بھی اس مرکزی ادارہ سے پائی اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بابرکت مجالس میں بھی شامل ہوئے۔ آپ کی متعدد چشم دید روایات حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی کتاب "سیرت المہدی" حصہ دوم و سوم میں درج فرمائی ہیں[1]۔

فسادات ۱۹۴۷ء کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے خواجہ صاحب موصوف کو مقبوضہ کشمیر کی تمام احمدی جماعتوں کا پہلا امیر مقرر فرمایا اور آپ اس قومی خدمت کی بجا آوری کے لئے صبح و شام سرگرم عمل ہو گئے۔ جماعتی کاموں کے سلسلہ میں آپ مختلف جماعتوں کا دَورہ ختم کر کے سرینگر پہنچے تو بیمار ہو گئے اسی حالت میں اپنے گاؤں آسنور لائے گئے اور ڈیڑھ ماہ بعد واصل بحق ہو گئے[2]۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ لکھا:-

"مَیں اِس عزیز کو اُس وقت سے جانتا تھا جب کہ وہ چھوٹی عمر میں قادیان کے ٹی آئی ہائی سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مَیں اُس وقت اس سکول کا ہیڈ ماسٹر تھا اور خواجہ صاحب مرحوم سکول کے بورڈنگ میں رہتے تھے۔ بلحاظ سکول اور بورڈنگ کا افسر ہونے کے مجھے ان کے حالات اور اخلاق دیکھنے کا بہت اتفاق ہوتا رہا۔ مرحوم ایک نہایت ہی نیک اور شریف طالبِ علم تھے کبھی کسی کے ساتھ اُن کا کوئی جھگڑا نہ ہوا۔ اپنے استادوں کا اتنا ادب کرتے تھے کہ سب اُن سے خوش رہتے تھے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے وطن جا کر ملازم ہو گئے تب بھی اُن سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا ان کو طبعاً ایک جوش تھا اور نہایت اخلاق کے ساتھ وہ دوسروں پر اپنا نیک اثر ڈالتے تھے خدا تعالیٰ کی توحید اور محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت اور حضرت مرزا صاحبؑ کی مسیحیت اور مہدویت پر ان کو صدقِ دل سے ایمان تھا اور اُن کی طبیعت میں یہ جوش تھا کہ خدا تعالیٰ کی توحید کشمیر میں اور تمام ملکوں میں پھیل جائے اور قائم ہو جائے اور سب لوگ شرک کو ترک کر کے توحید پر قائم ہو جائیں۔ انکی

---

[1] "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۲۸-۲۹-۳۰، حصہ سوم صفحہ ۲۴-۳۰-۳۴-۶۸-۷۱؛ [2] الفضل ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء ص۵ (مضمون خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار سابق ایڈیٹر اخبار "اصلاح" سرینگر حال راولپنڈی)

وفات کا مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ اُن کی بیماری کی کوئی خبر نہیں آئی تھی اور ان ایام میں وہ میرے دو[2] پوتوں کی خبر گیری کرتے تھے جو میرے بیٹے مفتی منظور مرحوم کی وفات کے بعد کشمیر میں رہ گئے تھے اور سیاسی انقلابات کے سبب ان کا میرے پاس آنا ایک مدت تک نہ ہو سکا۔ خواجہ صاحب مرحوم ہر طرح سے اُن کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی طرف متوجہ رہے اور مَیں انہیں بچوں کی ضرورت کے مطابق خرچ بھیجتا رہا۔ مرحوم نے اپنے بیٹوں[1] کو تعلیم و تربیت کے واسطے قادیان بھیج دیا تھا اور تب سے اُن کے دو لڑکے پاکستان میں مقیم ہیں اور نیکی میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں ... جب مَیں نے اپنی کتاب میں شائع کرنے کے لئے سرینگر میں قبرِ مسیح کا فوٹو لیا[2] تو مرحوم بھی میرے ساتھ اُس فوٹو میں شامل تھے اور میری کتاب کی تصنیف کے کام میں مجھے امداد دیتے رہے۔"[3]

اِن اکابر صحابہ کے علاوہ میاں رمضان علی صاحبؓ جھنگ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔ میاں صاحب نے لکھو کے مدرسہ دینیہ میں تعلیم کے دَوران مخالف علماء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تذکرہ سُنا اور تحقیقات شروع کر دی اور بالآخر داخلِ احمدیت ہو گئے۔ آپ لدھیانہ اسٹیشن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام ... سیکنڈ کلاس میں تشریف رکھتے تھے۔ ریل کا ڈبہ ریزرو نہیں کرایا ہوا تھا۔ اس وقت ایک گھنٹہ تک وہ گاڑی لدھیانہ اسٹیشن پر کھڑی رہی۔ اس وقت گاڑی کے اندر مَیں نے حضرت صاحب کی بیعت کی۔ بہت سے ہندو اور مسلمان سٹیشن پر کھڑے ہو گئے تھے تاکہ آپ کی زیارت کر سکیں اور پلیٹ فارم کھچا کھچ بھر گیا۔"

---

[1] آپ کی اولاد:- میر محمد عبداللہ صاحب۔ میر عبدالسلام صاحب۔ میر عبدالوہاب صاحب۔ امۃ الرحیم صاحبہ۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ۔ امۃ اللہ صاحبہ۔ [2] یہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے۔ [3] الفضل ۳ صلح ۱۳۳۰ھش / جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ حضرت مفتی صاحبؓ کی یہ کتاب "تحقیقِ جدید متعلق قبرِ مسیح" کے نام سے بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں شائع کی۔ کتاب کے صفحہ ۹۲ تا صفحہ ۹۵ میں اُن عبرانی الفاظ کی فہرست درج ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے کشمیری زبان میں مستعمل ہیں۔ یہ فہرست خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؓ ہی نے تیار کی تھی۔

(خواجہ صاحبؓ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت کشمیر" صفحہ ۳۴، صفحہ ۳۵ مولفہ جناب قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل مربی سلسلہ احمدیہ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۱۳۵۲ھش / ۱۹۷۳ء)

آپ نے ۱۹۲۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے پر قرآن شریف مکمل حفظ کیا اور صحاح ستہ مطالعہ کیں۔ آپ کو مسائلِ دینیہ خصوصاً احادیث، کتبِ سلسلہ اور ثنائی لٹریچر پر خاصا عبور تھا۔ پابند صوم وصلوٰۃ، شب بیدار اور جماعت کے مالی جہاد میں باقاعدگی سے حصہ لیتے تھے اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دِلی محبّوں میں شامل تھے[1]۔ آپ جھنگ میں مدفون ہیں[2]۔

فصل ہفتم

۱۳۲۹ہش ۱۹۵۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

صاحبزادہ محمد اکرم خاں صاحبؓ کی شہادت

اس سال کے شروع کا ایک المناک واقعہ چارسدہ ضلع پشاور کے رئیس اور مخلص احمدی صاحبزادہ محمد اکرم خاں صاحبؓ کا واقعۂ شہادت ہے جو ۱۰ ماہ صلح/جنوری کو پیش آیا۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ ۶۷ سال کی عمر کے تھے اور ایک رئیس خاندان میں سے تھے۔ یہ وہی ہیں جن کے متعلق ان کے بھائی نے بیان کیا تھا کہ ہم نے ایک اٹھنی احمدیوں کو دے دی ہے اور ایک اٹھنی غیر احمدیوں کو۔ یہ پہلے پیغامی جماعت کے ساتھ تھے بعد میں مبائعین میں شامل ہوگئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی شہادت میں بعض مولویوں کا ہاتھ ہے لیکن ممکن ہے یہ غلط ہو کیونکہ پٹھانوں میں چھوٹی سے چھوٹی رنجش پر بھی ایک دوسرے کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال وہ نہایت مخلص اور جوشیلے احمدی اور مبلغ تھے۔"[3] [4]

---

[1] اصحابِ احمد جلد دہم صفحہ ۱۶۸، صفحہ ۱۶۹ (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ ناشر احمدیہ بک ڈپو ربوہ ۱۹۶۱ء)

[2] ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ [3] الفضل ۱۶ تبلیغ ۱۳۲۹ہش صفحہ ۴

[4] حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعتہائے احمدیہ سرحد کی تحقیق کے مطابق صاحبزادہ اکرم خاں کو احمدیت کی تحریک ابتداءً حضرت مولوی محمد الیاس صاحبؓ سے پہنچی تھی ("تاریخ احمدیہ سرحد" صفحہ ۲۵ مطبوعہ ۱۹۵۹ء منظور عام پریس پشاور)

حضرت مصلح موعودؓ کا انگریزی زبان میں خطاب

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے انڈونیشین احمدی مسٹر بارام زنگکوتی اور بیرونی ممالک کے دیگر احمدی مہمانوں کے اعزاز میں ۱۷ ماہِ صلح کو ایک دعوتِ عصرانہ دی جس میں سورۃ بقرہ رکوع ۲ کی تلاوت کے بعد انگریزی زبان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"قربانی کرو اور کرتے چلے جاؤ۔ خدا تعالیٰ کے احکام پر مجنونانہ عمل کرو اور کرتے چلے جاؤ اور نتائج کے متعلق کوئی تردّد نہ کرو کیونکہ جس کے ہاتھ میں نتائج ہیں وہ انشاء اللہ اپنے سلسلہ کو خود بارآور کرے گا اور اُسے ہر قسم کی تباہی سے بچالے گا۔"[1]

جلسہ سیالکوٹ پر سنگباری اور ایک سعید روح کا قبولِ احمدیت

۹ ماہِ صلح / جنوری کو جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ نے پبلک جلسہ منعقد کیا جس کا پہلا اجلاس صبح ساڑھے دس بجے سے لیکر ڈیڑھ بجے تک احراریوں کی مزاحمت کے باوجود جاری رہا جس سے پرنسپل جامعہ احمدیہ مولانا ابو العطاء صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ اور چوہدری اسد اللہ خاں صاحب نے تقریریں کیں۔ اس کے بعد جب دوسرے اجلاس میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ گجراتی کی تقریر شروع ہونے لگی تو احرار اور خاکساروں نے شور مچانا اور حاضرینِ جلسہ پر بے دریغ پتھر پھینکنا شروع کر دئے اور ساتھ ہی لاؤڈ سپیکر لگا کر بانیٔ سلسلہ احمدیہ، جماعت احمدیہ اکابرِ سلسلہ اور وزیرِ خارجہ پاکستان کے خلاف گالیاں دینے لگے۔ پولیس نے صورتِ حال پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن جب یہ لوگ اپنی اِن غیر اسلامی حرکات سے باز نہ آئے تو بالآخر حکام نے امیر جماعتِ احمدیہ کو جلسہ بند کر دینے کی تلقین کی۔ احمدی اِس دَوران میں نہایت پُرامن رہے اور حکومت سے تعاون کرتے ہوئے جلسہ ختم کر دیا۔ احراریوں کی ٹولیاں جلسے کے بعد بازاروں میں گشت لگا کر بھی اِکّا دُکّا احمدیوں کو زدوکوب کرتی رہیں اور دو ایک احمدیوں کی دکانیں بھی لُوٹیں مگر احمدیوں نے قانون کو ہاتھ میں لینا گوارا نہ کیا۔ احمدیوں کے اِس صحیح اسلامی نمونہ کا یہ اثر ہوا کہ ایک شخص نے داخلِ احمدیت ہونے کا اعلان کیا اور کہا کہ اگر یہی اسلام ہے جو احراریوں نے آج پیش کیا ہے تو مجھے

---

[1] الفضل ۲۶ صلح ۱۳۲۹ھش / جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۳،۴

اِس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ع

مجھے یہ کُفر بہتر ہے ترے اسلام سے توبہ ۔ [1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو قتل کرنیکی سازش اور حضرت مصلح موعودؓ کی تحریکِ دعا

حضرت مصلح موعودؓ کو شروع ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی نسبت ایک تشویشناک رؤیا دکھائی گئی۔ چوہدری صاحب اُن دنوں نیویارک میں پاکستان کی نمائندگی کے تعلق میں قیام فرما تھے۔ حضور نے مورخہ ۱۲۔امان/مارچ کو اُن کے نام حسبِ ذیل تار دیا:۔

"Telegrame No 273 Dated 13.3.1948.

To— Sir Zafrullah Khan Newyork.

I have seen Newyork Radio announced you have been slain.... It ordinarly means unexpected success, but it may be a warning, so becareful

Mahmood Ahmad."

(ترجمہ) مَیں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ نیویارک ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔ عام طور پر اِس کی تعبیر کوئی غیر متوقع کامیابی ہوتی ہے لیکن یہ ایک انذار بھی ہو سکتا ہے اِس لئے آپ محتاط رہیں۔ محمود احمد۔ [2]

ڈیڑھ دو سال بعد ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نام گمنام خطوط آنے شروع ہو گئے جن میں آپ کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ یہ بات جونہی اخبارات کے ذریعہ منظرِ عام پر آئی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل مضمون کے ذریعہ احبابِ جماعت کو دعائے خاص کی تحریک فرمائی:۔

---

[1] الفضل ۱۷؍صلح ۱۳۲۹ھش/جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۸۔

[2] الفضل ۲؍امان ۱۳۲۹ھش/مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّــــــــاصر

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے بارہ میں ایک تشویشناک خبر

حال ہی میں اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ سر ظفر اللہ خان صاحب کو تہدیدی خطوط ملے ہیں جن میں انہیں قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔ اِس بارہ میں احباب کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ ۱۹۴۸ء کی شوریٰ سے پہلے جب مَیں سندھ گیا تو مَیں نے وہاں یہ رؤیا دیکھا کہ کوئی مجھے کہتا ہے یا مَیں نے اخبار میں دیکھا ہے کہ نیویارک ریڈیو اعلان کر رہا ہے کہ سر ظفر اللہ خان کو "شہید" کر دیا گیا ہے۔ مَیں نے اُس وقت چوہدری صاحب کو اِس بارہ میں اطلاع دی کہ گو خواب میں قتل سے مُراد کوئی بڑی کامیابی ہے یا ظاہری تعبیر کے لحاظ سے یہ خواب منذر بھی ہو سکتی ہے اِس لئے وہ احتیاط رکھیں۔ اب اِس تازہ خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس خواب کے مضمون کو ظاہری صورت میں پُورا کرنے کی سکیم دشمنوں کے مدِنظر ہے۔

مختلف اطلاعات مِلا کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندو لیڈروں نے پہلے احرار کے ذریعہ سے پاکستان میں چوہدری صاحب کے خلاف پراپیگنڈا کروایا اور انہوں نے بعض مجالس میں یہاں تک کہا کہ امام جماعتِ احمدیہ اور سر ظفر اللہ کو قتل کیوں نہیں کر دیا جاتا جیسا کہ مجھے بعض لوگوں نے آج سے کوئی ایک ماہ پہلے اطلاع دی تھی اِس پراپیگنڈا سے راستہ کھولنا مقصود تھا کہ اگر خدانخواستہ دشمن اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو تو ہندو لیڈر کہہ سکیں کہ ان کے مارنے والے خود مسلمان تھے۔ اس کے ساتھ ہی کہا جاتا ہے اِس سکیم کو اَور زیادہ مؤثر بنانے کے لئے بنگال سے چند ہندو نوجوان مسلمانوں کے لباس میں بھجوائے گئے ہیں جو امریکہ میں چوہدری صاحب پر حملہ کریں۔ تاکہ ہندو لیڈر یہ کہہ سکیں کہ اُن کا اِس کام میں کوئی دخل نہیں یہ کام مسلمانوں نے خود طیش میں آکر کیا ہے۔ حالانکہ احراری پراپیگنڈا بھی ان کے اشارے سے شروع کیا گیا ہے اور اب یہ کوشش بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ بعض دفعہ کسی مُنذر امر سے ہوشیار کرنے کے لئے وہ خواب یا الہام سے

اطلاع دے دیتا ہے تاکہ دعا اور تدبیر سے مومن اسے ٹلا سکے۔ سو احباب کو چاہیئے کہ چوہدری صاحب کے لئے اِن دنوں میں خاص طور پر دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ احرار اور ہندوؤں کے مشترکہ منصوبہ سے انکو بھی اور سب جماعت کو بھی محفوظ رکھے۔ کاش ہندو لیڈر یہ سمجھتے کہ ایسی کینہ سازشیں فسادات کا ایک ایسا دروازہ کھول دیتی ہیں کہ ان کو بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کاش احرار یہ سمجھتے کہ وہ اپنے لئے تباہی کا گڑھا کھود رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِس وقت اسلام کو فتح دینا چاہتا ہے۔ احرار اور ہندو لیڈر دیکھ لیں گے اور دُنیا بھی دیکھ لے گی کہ اِس کھیل کا خدا تعالیٰ کیا جواب دیتا ہے۔ خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

خدا تعالیٰ کے خلیفہ موعود اور اس کے پاکباز بندوں کی دعائیں جنابِ الٰہی میں قبول ہوئیں اور نہ صرف احرار اور ہندو لیڈروں کا چوہدری صاحب کے خلاف یہ خفیہ منصوبہ ناکام ہو گیا بلکہ چند ماہ بعد یہ حقیقت بھی طشت از بام ہونے لگی کہ احرار بھارت کے آلہ کار اور ایجنٹ کی حیثیت سے ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ برِ صغیر پاک و ہند کے مشہور مسلمان لیڈر خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے انکشاف کیا کہ:-

"جو لوگ اِس وقت مسلمانوں کے فرقوں خاص طور پر قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے ہیں پاکستان کے دشمن اور بھارت کے ایجنٹ ہیں۔"[2]

حضرت امیر المومنین کی طرف سے احرار کے ایک جعلی ٹریکٹ کی تردید

احرار پاکستان کا تختہ اُلٹنے کے لئے اب تک "جوشِ خطابت" سے کام لے کر اشتعال پھیلا رہے تھے مگر اِس سال اُن کی فساد انگیز کارروائیوں نے ایک نیا رُخ بدلا اور وہ یہ کہ انہوں نے جماعتِ احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے خود ایک ٹریکٹ لکھا اور کراچی، گوجرانوالہ لاہور اور لائل پور سے شائع کرایا اور پھر لاہور کے اخبار آزاد، زمیندار اور سفینہ وغیرہ میں احمدیوں کے خلاف احتجاج کر کے ملک بھر میں فتنہ اُٹھانا شروع کر دیا۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اِس جعلی اور شر انگیز ٹریکٹ کا جواب ایک مفصل مضمون میں دیا جو الفضل میں چھپنے کے علاوہ بذریعہ اشتہار ملک بھر میں شائع کیا گیا۔ یہ مضمون حسبِ ذیل الفاظ میں تھا:-

---

[1] الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۹ھش / فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۔

[2] احراری آمدگی "آزاد" ۲۱ جون ۱۹۵۰ء۔

اَعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

مسلمانوں اور پاکستان کا قیام اسلام کے قیام پر منحصر ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی یہ شان بتاتا ہے کہ وہ جھوٹ سے بچتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت سے پہلے اہلِ مکہ پر اسی صفت سے ظاہر تھی کہ وہ صدوق و امین کہلاتے تھے یعنی نہایت راستباز اور ہر امانت کو پورا کرنے والے۔ آج بھی اگر مسلمان کوئی عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سچ ہی سے عزت حاصل کرسکتے ہیں لیکن افسوس کہ اس وقت بھی کہ اسلام اور مسلمان دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے ہیں اور سرحد پار دشمن ان کی تاک میں لگے ہوئے ہیں بعض مسلمان کہلانے والے بلکہ علماء کہلانے والے اور اسلام کی حفاظت کا دعویٰ کرنے والے جھوٹ اور فریب سے کام لے رہے ہیں چنانچہ پرسوں مجھے گوجرانوالہ کے دو۲ دوستوں کی طرف سے اشتہارات ملے ہیں جن کے نیچے ناظر دعوۃ وتبلیغ انجمن خدامِ احمد صلے اللہ علیہ وسلم گوجرانوالہ شہر لکھا ہے۔ یہ اشتہار سراسر جھوٹا اور افتراؤں کا پلندا ہے۔

جماعتِ احمدیہ میں ناظر مرکزی سیکرٹری کو کہتے ہیں اور اِس مفتری اور کذّاب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ گوجرانوالہ جماعتِ احمدیہ کا مرکز نہیں اور وہاں کوئی ناظر نہیں ہے۔ پھر لُطف یہ کہ وہ انجمن خدامِ احمد کا ناظر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خدامِ احمد نام کی کوئی انجمن احمدیوں میں نہیں۔ پھر اس مفتری نے احمد کے آگے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ہے صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہے یہ بھی اس کی جہالت نہیں بلکہ شرارت پر دلالت کرتا ہے۔ جماعتِ احمدیہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اَور نبی یا مامور کو صلے اللہ علیہ وسلم نہیں لکھتی۔ مَیں نے یا سلسلہ کے ناظروں نے کبھی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لکھا پس صرف مُشتہر کے نام میں ہی اِس شخص نے تین جھوٹ بولے ہیں اور وہ خیال کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اور اسلام کی جھوٹ بول کر خدمت کرتا ہے حالانکہ خدا اور اس کا رسولؐ اور دینِ اسلام جھوٹ کے ہرگز محتاج نہیں وہ سچے ہیں اور سچ سے فتح پا سکتے ہیں۔ جھوٹ شیطان کے لئے ہے خدا اور اسکے

رسول ؐ کے لئے نہیں ہے۔ وہ مفتری ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسلام جھوٹ کا محتاج ہے۔

اِس اشتہار کا عنوان ہے "امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کا تازہ ترین الہام" اکھنڈ ہندوستان" یہ عنوان بھی سراسر جھوٹا اور افترا ہے مجھے ہرگز ایسا کوئی الہام نہیں ہوُا ہے اور مَیں نے یا میری جماعت نے ہرگز کوئی ایسا الہام شائع نہیں کیا۔ پس مَیں اِس کے جواب میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین خدا تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو جھوٹ بولتا ہے۔ اِس شخص نے اپنے نام کو چھپایا ہے لیکن خدائے علیم و خبیر اس کے نام کو جانتا ہے پس مَیں خدائے علیم و خبیر سے جو جھوٹ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جو پوشیدہ در پوشیدہ رازوں سے واقف ہے جس نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں جھوٹ سے منع فرما دیا دعا کرتا ہوں کہ اے خدائے علیم و خبیر، اے خدائے قادر و توانا تو جانتا ہے کہ تُو نے ایسا کوئی الہام مجھے نہیں کیا اگر باوجود اس کے مَیں نے یہ جھوٹ تجھ پر بولا ہے اور اِس قسم کا الہام تیری طرف منسوب کیا ہے تو اے خدا مَیں تیری سچائی اور پاکیزگی کی قسم دے کر تجھ سے کہتا ہوں کہ تُو مجھے اور اُن لوگوں کو جو اِس جھوٹ میں میرے شریک ہوں نیست و نابود کر دے تاکہ دُنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ خدا تعالیٰ پر جان بُوجھ کر جھوٹ بولنے والا تباہ اور برباد کیا جاتا ہے۔ اور اے میرے خدا اگر یہ اشتہار احرار یا اسی قسم کے اَور لوگوں کی طرف سے جھوٹ اور افترا اور ناکردہ گناہ لوگوں کو بدنام کرنے کے لئے ہے تو اے میرے رب جو سچائی سے پیار کرنے والا اور مظلوم کی مدد کرنے والا ہے مَیں تجھ سے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ اِس قسم کے جھوٹے اشتہار دینے والوں اور اپنے افترا سے اسلام کو بدنام کرنے والوں پر اپنی لعنت بھیج اور اپنے عذاب میں ان کو پکڑ تا تیرا نام دُنیا میں روشن ہو اور صداقت دنیا میں پھیلے اور تیرا نام لے کر جھوٹ بولنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

یہ تو میری خدا تعالیٰ سے اپیل ہے اور اس قسم کا اشتہار دینے والوں سے مَیں یہ کہتا ہوں کہ جھوٹ وہی بولتا ہے جس میں ایمان نہیں ہوتا اور جو خدا تعالیٰ پر توکّل نہیں رکھتا اِس لئے ایسے شخص کو سچائی اور صداقت کے نام پر بُلانا فضول ہے۔ وہ تو لالچ ہی کا شکار ہوتا ہے پس مَیں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ اے پیٹ کی خاطر جھوٹ بولنے والو اگر اِس اشتہار میں تم نے سچ بولا ہے تو مَیں ایک ہزار روپیہ تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں کہ وہ میری تحریر پیش کرو جس میں مَیں نے یہ لکھا ہو کہ اکھنڈ ہندوستان کی تائید میں مجھے الہام ہوُا ہے یا یہ کہ پاکستان کے عارضی ہونے کے بارے میں مجھے الہام

ہوا ہے۔ اگر تم ایسا ثابت کر دو تو فوراً ایک ہزار روپیہ مَیں تم کو انعام دوں گا اور جھوٹ بولنے کی ذلّت مجھے الگ نصیب ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہندو مسلمان میں اختلاف انتہاء کو نہیں پہنچا میری کوشش تھی کہ کسی طرح ملک تقسیم نہ ہو اور اس کے بارہ میں مَیں نے اپنے ذاتی خیالات کئی دفعہ ظاہر کئے تھے مگر کوئی الہام شائع نہیں کیا مگر جب مئی ۱۹۴۷ء میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اب یہ اختلاف مٹائے نہیں مٹ سکتا مَیں نے اپنی رائے بدل لی اور پورے زور سے پاکستان کی تائید شروع کر دی۔ چنانچہ تقسیم ملک سے پہلے ہی مَیں نے پاکستان کی تائید میں لکھنا شروع کر دیا جو الفضل اور دوسرے احمدی لٹریچر میں موجود ہے۔ اور اس وقت جب احراری اِس امر کی کوشش میں تھا کہ پاکستان کی ب بھی نہ لکھی جائے مَیں اِس امر کی تائید میں تھا کہ پاکستان سب کا سب مکمل ہو جائے اور خدا تعالیٰ اسے عزّت اور شان کے ساتھ قائم رکھے۔ اگر مجھے کوئی الہام ہوا ہے تو یہی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو عزّت بخشے گا اور مسلمان ذلیل ہو کر دشمن کے سامنے نہیں گرے گا بلکہ قدم بہ قدم آگے بڑھے گا مشکلات ہوں گی عارضی طور پر قدم پیچھے بھی ہٹیں گے لیکن انجام اچھا ہی ہوگا۔ اسلام کے لئے اب فتح مقدر ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اب بلند ہو کر رہے گا اور احراری یا دوسرے لوگ اسے نیچا نہیں کر سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ" [1]

جماعتِ احمدیہ کی مرکزی تنظیموں اور علماءِ سلسلہ کو احساسِ ذمہ داری کی تلقین

تحریکِ احمدیت ایک عالمی تحریک ہے جس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے یوں تو جماعت کے ہر فرد کو بین الاقوامی ذہن پیدا کرنے اور اس کے مطابق اپنے فرائض کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے مگر جماعتِ احمدیہ کی مرکزی تنظیموں اور علماءِ سلسلہ پر تو اوّلین فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقام کو سمجھیں اور فرض شناسی کا ثبوت دیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ (۲۸ شہادت/اپریل) میں اس نکتہ کی طرف اِس سال بھی بڑی وضاحت سے توجہ دلائی اور فرمایا:۔

"مَیں نے مدّت سے جماعت کو اِس طرف توجہ دلانی شروع کی ہے کہ اسے اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ

---

[1] الفضل ۷ امان ۱۳۲۹ھش/مارچ ۱۹۵۰ء صٖ۳

سے زیادہ محسوس کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلے فرض کا محسوس کرنا ان مرکزی انجمنوں پر عائد ہوتا ہے جو اس کام کے لئے مقرر ہیں یعنی صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید اور پھر صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے ناظر اور وکلاء یعنی جن اعضاء سے یہ دونوں انجمنیں بنتی ہیں ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ اور پھر ان سے اُتر کر دوسرے کارکن جو ان کے ماتحت ہیں ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ نہایت ہی اہم طور پر فرض جماعت کے علماء پر عائد ہوتا ہے جو مذہبی خیالات اور اخلاقی معیاروں کے لئے ایک راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک نمونہ کی شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔ ان سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بڑے کاموں کے لئے دماغ کا ہر وقت کام میں لگائے رکھنا ضروری ہوتا ہے اور یہی وہ عادت ہے جس کے ماتحت کوئی شخص کسی بڑے کام کے قابل ہو سکتا ہے۔"

" انبیائے کرام کو ہم دیکھتے ہیں کہ رات دن وہ اپنی قوم کی اصلاح و بہبودی کے فکر میں لگے رہتے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نسبت فرماتے ہیں کہ مَیں سوتے ہوئے بھی جاگتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سوتے ہوئے واقعی جاگ رہے ہوتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مَیں سونے لگتا ہوں تب بھی قوم کی اصلاح و بہبود کے لئے سوچ رہا ہوتا ہوں اور جب جاگنے لگتا ہوں اس وقت بھی میرا دماغ انہی افکار میں مشغول ہوتا ہے۔ گویا آپؐ کا یہ دعویٰ تھا کہ مَیں چوبیس گھنٹے قوم کی ترقی و اصلاح کے کاموں اور ان کے صحیح طور پر سر انجام پانے کی فکر میں لگا رہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں اور اسلامی لشکر بھی تیار کروا رہا ہوتا ہوں۔ اب بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نماز سے غافل ہوتے تھے اور وہ ایسا کام کرنے لگ جاتے تھے جس کا نماز کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں اُصَلِّیْ وَاُجَھِّزُ الْجُیُوْشَ مَیں نماز پڑھتا ہوں اور ساتھ ساتھ لشکر کی تیاری میں بھی لگا رہتا ہوں۔ یہ کیفیت ناتجربہ کار اور جاہل لوگوں کے لئے واقعی ٹھوکر کا موجب ہو سکتی ہے وہ سمجھیں گے کہ پھر نماز کیا ہوئی لیکن واقف کار جانتا ہے کہ فکر کا ایک مقام ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک وقت میں دو دو تین تین کاموں میں مشغول رہتا ہے نماز بھی پڑھ رہا ہوتا ہے اور قوم کے کاموں میں بھی مصروف ہوتا ہے۔ مجھے کئی دفعہ لوگ ملنے کے لئے آتے ہیں مَیں بعض کاغذات دیکھ رہا ہوتا ہوں وہ خاموش ہو جاتے ہیں تا مَیں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں لیکن مَیں انہیں کہتا ہوں کہ بات کریں مَیں آپ کی بات بھی سُنتا جاؤں گا اور اپنا کام بھی کرتا جاؤں گا اور یہ چیز میرے لئے ممکن ہوتی ہے۔ مَیں

کھانا کھاتے ہوئے بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ پانی پیتے ہوئے بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ پیشاب کرتے وقت بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ پاخانہ کرتے وقت بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ غرض کوئی وقت مجھے ایسا نظر نہیں آتا جب میرا دماغ فارغ ہو یا میرا دماغ فارغ ہونا چاہیے یا میرا دماغ فارغ ہو سکے لیکن اس کے مقابلہ میں مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ ہماری یہ دونوں انجمنیں بیکار اور عضوِ معطّل کے طور پر ہیں۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کاغذ جو ان کے سامنے آتا ہے ان کی توجہ کو پھرا لیتا ہے اور اہم چیزوں کے متعلق تو ان کا دماغ چلتا ہی نہیں مَیں نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ اپنے اوقات کو اِس طرح صرف کرنا چاہیئے جس طرح ایک قومی لیڈر اپنے اوقات کو صرف کرتا ہے۔"[1]

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک ضروری اعلان

ایک مخلص احمدی عرصہ سے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں یہ درخواست کرتے آرہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے لئے "خاندانِ نبوت" کے الفاظ ترک کر دیئے جائیں۔

حضور نے اِس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ۲۰؍ماہِ ہجرت ۱۳۲۹ھش کو بذریعہ الفضل حسبِ ذیل اعلانِ عام فرمایا:-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ☆ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّـــــــــــاصر

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ایک ضروری اعلان

ایک صاحب دیر سے یہ لکھ رہے تھے کہ خاندانِ نبوت کا لفظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے متعلق نہ لکھا جایا کرے۔ مجھ پر چونکہ یہ اثر تھا کہ اس کے پیچھے صرف بزدلی کا جذبہ ہے کہ اس سے غیر احمدی چڑتے ہیں۔ اِس لئے مَیں کوئی وجہ نہیں پاتا تھا کہ جب ایک بات میں صداقت پائی جاتی ہے

---

[1] الفضل ۷؍ہجرت ۱۳۲۹ھش/مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

تو اس کو کیوں نہ استعمال کیا جائے لیکن متواتر خط و کتابت میں ان صاحب نے ایک بات لکھی جس نے میری طبیعت پر اثر کیا اور وہ بات یہ تھی کہ خاندانِ نبوت سے یہ دھوکا لگتا ہے کہ شاید یہی ایک خاندانِ نبوت ہے اور میں نے سمجھا کہ اِس قسم کا دھوکا ضرور پیدا ہو جاتا ہے اِس لئے اِس لفظ کا استعمال ٹھیک نہیں۔ اصل نبوت تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت تو ظلی ہے پس "اصل خاندانِ نبوت" تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے جس نے اپنی قربانیوں سے اور اپنے ایثار سے اور اپنی خدمتِ اسلام سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے دِل میں اس فضل اور احسان کی بہت بڑی قدر ہے جو خدا تعالیٰ نے انہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پیدا کر کے کیا ہے پس ایسا کوئی لفظ جس سے یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ کسی اَور خاندان کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے علاوہ کوئی امتیاز دیا جاتا ہے تو خواہ وہ نادانستہ ہی ہو پسندیدہ نہیں اِس لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ "الفضل" میں اور دوسری احمدی تحریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو خاندانِ نبوّت کی بجائے "خاندانِ مسیح موعودؑ" لکھا جایا کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جتنے دعاوی ہیں وہ سارے کے سارے مسیح موعودؑ کے لفظ میں شامل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ نام آپ کا حاوی نام ہے پس خاندانِ مسیح موعودؑ کہنے سے وہ تمام باتیں اِس خاندان کی طرف منسوب ہو جاتی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس مقام کا اہل ثابت کرے جو مقام خدا تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے۔ اگر ان میں سے ہی بعض دنیا کے کاموں میں لگ جائیں اور روٹی انہیں خدا تعالیٰ پر مقدم ہو تو انہیں خاندانِ نبوّت کہا جائے یا خانوادۂ الوہیت کہا جائے بلکہ خواہ خدا ہی کہہ دیا جائے ہر تعریف ان کے لئے ہتک کا ہی موجب ہو گی کسی عزت کا موجب نہیں ہو گی بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کی تعریف کرنے والے لوگ ان کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ سے پھرانا چاہتے ہیں۔ خاکسار مرزا محمود احمد "[1]

سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک روایت اور حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ستمبر ۱۸۸۴ء میں جبکہ آپ کی دوسری شادی نہیں

[1] الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

ہوئی تھی ایک فرشتہ کے ذریعہ ایک دوا بتائی گئی جس کے استعمال سے خدا نے برکت ڈالی دی اور آپ کو اس کا بے انداز فائدہ ہوا[1] یہ دوا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی روایات کے مطابق " زدجامِ عشق" تھی جو اشارۂ غیبیہ کے ماتحت آپ کو سکھائی گئی۔[2] مگر حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی سوانح عمری میں اور حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ نے اپنی کتاب " مائۃ عامل" میں اس نسخہ کو سہواً حضرت خلیفہ اوّلؓ کی طرف منسوب کر دیا جس کی تصحیح کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے مندرجہ ذیل مضمون شائع فرمایا:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنـــــــــــــاصر

سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک تاریخی روایت کے بارہ میں ایک مقابل روایت

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری میں جو حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم کی شائع کردہ بیاض نورالدین کے ابتداء میں درج ہے اور حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کی نئی طبع کتاب " مائۃ عامل" میں دوائی زدجامِ عشق کے بارہ میں ایک روایت شائع ہوئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ زدجامِ عشق کا نسخہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا اور یہی نسخہ آپ نے ایک مریض کو دیا تھا جس سے اس کو بہت کچھ فائدہ ہوا اور اس کے اولاد ہوئی اور اس نے آپ کو بہت کچھ انعام دیا۔

یوں تو یہ ایک معمولی بات ہے لیکن تاریخی روایتوں کو زیادہ سے زیادہ صحیح کرنے کی کوشش چاہیئے۔ اس لئے اس بارہ میں جو بات میں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے سُنی ہوئی ہے وہ بھی میں درج کرتا ہوں۔ مجھے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا تھا کہ یہ نسخہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی اور شخص نے بتایا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نسخہ تیار فرمایا۔ انہی دنوں میں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ آپ سے ملنے کے لئے آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ نسخہ بہت اچھا ہے آپ کو بھی میں کچھ دوائی دیتا ہوں آپ بھی استعمال کر کے دیکھیں۔ حضرت خلیفہ

---

[1] " تریاق القلوب" طبع اوّل صفحہ ۲۶ ؁ [2] الفضل ۴ مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم ۲ ؁

اوّل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَیں نے وہ دوائی لے کر رکھ لی اور استعمال نہیں کی کیونکہ بوجہ طبیب ہونے کے میرا یہ خیال تھا کہ فائدہ تو تشخیص پر مبنی ہوتا ہے جب تک کسی شخص کی بیماری یا اس کی کمزوری کی وجہ مشخص نہ ہو کسی دوائی کو اس کے لئے مفید نہیں کہا جا سکتا۔ اِس لئے مَیں نے ادب کی وجہ سے دوائی تو رکھ لی مگر استعمال نہ کی۔ واپس جموں جاتے ہوئے میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں ہم راستہ میں ایک رئیس کے پاس ٹھہرے اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی میری بیوی نے اس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے اولاد کیوں نہیں ہوتی۔ اس نے کہا اولاد کیا ہونی ہے میرے خاوند میں تو بعض مردانہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں آپ ہی حکیم صاحب سے کہیں کہ وہ کوئی دوائی دیں۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میری بیوی نے مجھ سے یہ ذکر کیا تو چونکہ ہم مسافرت میں تھے اَور تو کوئی دوائی تھی نہیں مَیں نے وہی گولیاں "زد جامِ عشق" اس کو دیدیں۔ ایک دو دن کے استعمال سے اسے بے نظیر فائدہ ہوا جس کا نتیجہ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے اولاد بھی ہوگئی۔ جب ہم چلنے لگے تو اُس کی بیوی نے میری بیوی کو یہ کہہ کر کہ آپ نے تو ہمارا اُجڑا گھر بسا دیا ہے اپنے سونے کے کڑے اُتار کر تحفہ کے طور پر دے دیئے اور مجھے بھی اُس رئیس نے بہت سی رقم اور دوسری چیزیں تحفہ میں دیں۔ تب میرے دِل میں خیال آیا کہ خدا تعالیٰ کے بندوں کی کوئی بات بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ مَیں نے تو سمجھا تھا کہ یونہی دوستانہ رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گولیاں مجھے دے دی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ گولیاں اِس لئے دلوائی تھیں کہ وہ میرے کام آنے والی تھیں اور مجھے اُن سے بہت فائدہ پہنچنے والا تھا۔

یہ روایت مَیں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے سُنی ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت بھی ہماری تاریخ میں محفوظ ہو جانی چاہیئے۔ اِس روایت کی تفصیلات سے مجھ پر یہ اثر ہے کہ یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ علمِ درایت میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ تفصیلی روایت مجمل روایت کی شارح ہوتی ہے۔ ممکن ہے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے مختصراً یہ فرمایا ہو کہ ہم نے یہ گولیاں ایک رئیس کو دیں تو اس کو فائدہ ہوا۔ اور اتنا حصہ روایت کا اوپر والی روایت کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے اور سُننے والے نے دوسرے ذرائع سے یہ بات معلوم کرکے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہ نسخہ استعمال فرماتے تھے یہ خیال کر لیا کہ وہ رئیس والا واقعہ پہلے کا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس نسخہ کے استعمال کرنے کا واقعہ بعد کا ہے اور اِس طرح روایت

کی شکل بدل دی"۔ ؎۱

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشادِ خاص عالمگیر اسلامی نظام کے قیام سے متعلق

۲۳ر احسان/جون کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ جمعہ کے ذریعہ ایک بار پھر جماعتِ احمدیہ کو یہ خصوصی ہدایت فرمائی کہ وہ تبلیغ کے ذریعہ احمدیت کے رُوحانی غلبہ اور فتح کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیں تا جلد سے جلد صحیح اسلامی نظام کا دُنیا بھر میں نفاذ ہو سکے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"یہ امر ظاہر ہے کہ جب بھی کبھی کسی مامور کی جماعت کو خدا تعالیٰ غلبہ دیا کرتا ہے تو پہلے وہ افراد پیدا کیا کرتا ہے تو پھر غلبہ دیا کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہوا۔ حضرت عیسیٰ کے وقت میں بھی ایسا ہوا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ایسا ہوا اور اب بھی ایسا ہی ہوگا یہ کبھی نہیں ہوگا کہ خدا تعالیٰ لاکھ دو لاکھ افراد کو دُنیا پر غالب کر دے وہ پہلے لاکھ دو لاکھ کو دس بیس کروڑ بنائے گا اور پھر انہیں غلبہ بخشے گا۔ اور یا اگر ہمیں خدا تعالیٰ نے فوری طور پر ترقی دی تو پھر کسی ایسے ملک میں جس کی آبادی پانچ چھ لاکھ کی ہو دو تین لاکھ آدمی اس جماعت میں داخل کرے گا اور اس جگہ پر احمدیت کو غلبہ عطا کرے گا اور پھر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے ملک پر غلبہ عطا کرتا جائے گا لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ افراد میں کثرت کے بغیر کسی جماعت کو پہلا غلبہ عطا کرے اگر ہمارے افراد کی زیادتی نہیں تو ہم دنیا میں صحیح جمہوریت کو قائم نہیں کر سکتے۔ اسلام جبر کو جائز نہیں سمجھتا اگر ہم تھوڑی تعداد کے ذریعہ دُنیا میں حکومت کو قائم کریں گے اور اسلامی نظام کو دنیا میں جاری کریں گے تو یہ ظلم ہوگا اور اسلام ظلم کی اجازت نہیں دیتا اور اسلام کی بناوٹ ہی اس قسم کی ہے کہ وہ صحیح جمہوریت کو قائم کرتا ہے"۔ ؎۲

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک مختصر مگر پُرمعارف نوٹ

چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن اس سال کوئٹہ میں حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے انہیں لنڈن مشن سے متعلق بعض اہم ہدایات دینے کے علاوہ مندرجہ ذیل الفاظ بھی ان کی نوٹ بُک میں تحریر فرمائے۔ یہ الفاظ حضور نے ناسازیٔ طبع

؎۱ الفضل ۳ر مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۶۔ ؎۲ الفضل ۵ر جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۔

کے باعث حضرت سیدہ اُمِّ متین صاحبہ مدظلہا العالی سے لکھوائے تھے اور نیچے اپنے دستخط ثبت فرما دیئے تھے:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کے مکان سونے کی کانوں پر بنے ہوئے تھے لیکن ان سونے کی کانوں سے فائدہ غیر ملکی لوگوں نے اُٹھایا مگر ان سے بھی زیادہ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو تعلق باللہ کی سرنگ پر حیران بیٹھے ہیں غیر قومیں آئیں گی اور اس سرنگ کے ذریعے سے خدا تعالیٰ تک پہنچیں گی، بعض انسان کتنا بدقسمت ہوتا ہے۔" مرزا محمود احمد ۵ ؍ ۷ ؍ ۵۴ [1]

جماعت احمدیہ اور مغربی پاکستان پریس

احراری فتنہ نے جہاں عوامی فضا کو بہت مسموم اور زہر آلود کیا وہاں مغربی پاکستان کا محبِ وطن پریس بھی اُن کے اثرات کی لپیٹ میں آگیا تاہم بعض اخبار گاہے گاہے حق و انصاف کی خفیف سی آواز بھی بلند کرتے رہے۔ اِس سلسلہ میں پنجاب کے روزنامہ "آفاق" اور پشاور کے ہفت روزہ "تنظیم" کے نوٹ یہاں درج کئے جاتے ہیں تا اُس دَور کے غیر جانبدار اور سنجیدہ صحافت کا نقطۂ نگاہ بھی سامنے آجائے۔

(۱) اخبار "آفاق" (لاہور) نے ۱۶ ؍ جولائی ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں پروفیسر محمد سرور صاحب کا حسبِ ذیل مضمون شائع کیا:۔

"ہمارا یہ اصرار کہ مملکتِ پاکستان کا دستوری اساس جمہوری ہو اور پاکستان دستور ساز اسمبلی کی منظور کردہ "قرار دادِ مقاصد" کے الفاظ میں

"مملکت تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے کام میں لائے ....

(کیونکہ) خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اَور کو تفویض نہیں کئے ہیں اور اس کا فیصلہ خود جمہور

[1] الفضل ۱۳ ؍ جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

کے سپرد ہے کہ اس اقتدار کو کن لوگوں کے ذریعے استعمال کیا جائے۔"

اور یہ اس لئے جیسا کہ اُس "قرار دادِ مقاصد" میں وضاحت کر دی گئی ہے:۔

"جمہور ہی اختیارات کی امانت کے حامل ہیں اور انہی کو اختیارات کو استعمال کرنے کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔"

محض پاکستان کے عوام کی بہبودی کے پیشِ نظر ہے اور چونکہ ان عوام کی غالب اکثریت مسلمان ہے اِس لئے جو نظامِ حکومت ان کی بہبودی کا ضامن ہوگا اور بہبودی سے ہماری مراد صرف پیٹ پالنے کی آسودگی نہیں بلکہ اُن کی معنوی اور روحانی فلاح بھی ہے اُسے غیر اسلامی کہنا صحیح نہیں۔ ہمارے نزدیک حکومت کے نظم ونسق کو جمہور کے سامنے جواب دہ ماننا اور اسے جمہور کے تابع سمجھنا اسلام کے منافی نہیں اور اسی کا نام سیاسی زبان میں جمہوریت ہے اور پھر جب ہم اِس بات پر زور دیتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت مذہبی حکومت نہ ہو تو مذہب سے ہماری مراد اصلاً مذہب نہیں ہوتا جو کہ انسانیت کا جوہر ہے اور جس کے بغیر انسان، انسان نہیں بلکہ حیوان ہو جاتا ہے۔

دراصل مذہبی حکومت سے ہمارا مطلب کسی مذہبی طبقہ کی حکومت ہے اور اسی کے ہم خلاف ہیں اور اسے اس زمانہ میں انسانیت کے لئے سب سے بڑا روگ سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر ہم نہیں چاہتے کہ پاکستان میں احمدی فرقے کی حکومت ہو، نہ ہم اس کے روادار ہیں کہ شیعیت پاکستان کا سرکاری مذہب ہو۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی اسلامی نظام کی جو تعبیر کرتی ہے وہ بحیثیت ایک مذہبی فرقے کے اُس کی تعبیر ہے اُسے اسلام کا نام دینا اور اسلام اور اس کے پیش کردہ نظام کو مترادف سمجھنا صحیح نہیں۔

یعنی جماعتِ اسلامی کا کہنا ہے کہ اسلام جاگیرداری کا مخالف نہیں یا یہ کہ ہماری حکومت میں ذمی یعنی غیر مسلم کو ووٹ کا حق نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ سمجھتی ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو بہت اچھا لیکن اگر ہماری حکومت میں کوئی مسلمان مرتد ہو گا (اور یاد رہے کہ مرتد کی تعریف وہی ہو گی جو یہ جماعت کرے گی) تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس طرح آج اس زمانے میں جماعتِ اسلامی کا غلام اور لونڈی بنانے کی اجازت دینا اور اسے اسلامی نظام سمجھنا یہ سب باتیں مسلمانوں کی ایک مخصوص مذہبی جماعت کی فقہی تعبیریں ہیں اور انہیں پاکستان کا دستوری اساس نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کو ہم اصطلاحاً مذہبی

حکومت کہیں گے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ صاحب! اسلام دشمن سے بھی انصاف کا حکم دیتا ہے اور تقویٰ اور انصاف اُس کے نزدیک ہم معنیٰ ہیں۔ وہ انسان اور انسان میں کسی تفریق کا روادار نہیں۔ نیز اس کا حکم ہے کہ اپنے غیر مسلم ہمسائے تک کو بھائی سمجھو اور ایسا نہ ہو کہ خود تو پیٹ بھر لو اور اسے بھوکا چھوڑ دو۔ اور پھر اسلام مشورے کو حکومت کا اساس مانتا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ امیر کوئی کام جمہور سے پوچھے بغیر نہ کرے اور وہ اپنے آپ کو اُن کے سامنے مسئول سمجھے اور یہ کہ امیر کو منتخب اور معزول کرنے کا حق جمہور کو ہے اور وہ ظلم اور معاہدہ شکنی سے روکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِس لئے ضروری ہے کہ دستورِ پاکستان کا اساس اسلام کے یہ عمومی اور عالمگیر اصول ہوں۔ ہمارے خیال میں کوئی شخص بھی اسلام کے ان عمومی اصولوں کو اساسِ دستور بنانے پر معترض نہیں ہوگا۔ نہ سُنّی، نہ شیعہ، نہ احمدی، نہ ہندو، نہ عیسائی اور نہ پارسی۔ اور ان عمومی اصولوں پر جو حکومت بنے گی اُسے سب پسند کریں گے۔ وہ بھی جو اُس کے ماتحت رہتے ہوں گے اور وہ بھی جو اُس سے ہزاروں میل دُور کے ملک کے باشندے ہوں گے۔۔۔۔ دوسرے یہ کہ ہم تمام پاکستانیوں کو ایک قوم مانتے ہیں یعنی اُن سب کو جو اس سرزمین کے باشندے ہیں یا جنہوں نے اب اس کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ ہم ان میں سے کسی قسم کی سیاسی تفریق کے حامی نہیں۔ یہاں کا ایک ہندو بھی اُتنا ہی پاکستانی ہے جتنا ایک مسلمان۔ اگر ایک ہندو عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو جائے تو وہ ہماری پارلیمنٹ میں اسی طرح بیٹھنے کا حقدار ہے جس طرح ایک مسلمان، اور اُس کو ترقی کے تمام مواقع ملنے چاہئیں کہ جس طرح کہ مسلمانوں کو یعنی قانوناً ہندو اور مسلمان کی تمیز نہیں ہونی چاہیئے۔

اِسی طرح ہمارے نزدیک شیعہ اور سُنّی اور مسلمان اور احمدی میں سیاسی تفریق بھی صحیح نہیں اور گو ہم ذاتی طور پر جماعتِ احرار کے بزرگوں کے بے حد نیاز مند ہیں لیکن احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کی جدوجہد جو انہوں نے شروع کر رکھی ہے اس سے کبھی ہمیں اتفاق نہیں رہا کیونکہ ایک جمہوری ملک میں سیاسی اکثریتیں اور اقلیتیں نہیں ہوتیں۔ ہم انور پاشا مرحوم کی مشہور ترکی انجمن اتحاد و ترقی کے اِس مشہور فقرے کے کہ

"سب کی ایک سی ذمہ داریاں اور ایک سے حقوق"

کے قائل ہیں اور یہی جمہوری نظام کا اصل اصول ہے۔ اب اگر پاکستان میں کسی ایک مذہبی فرقے کی

حکومت مان لی جاتی ہے تو اس سے پاکستان کی قومی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی اور شیعہ، سُنی اور مسلمان اور احمدی کا جھگڑا ہماری زندگی کا معمول ہو جائے گا۔ اِس لئے جہاں تک حکومت کا تعلق ہے جمہوری نظام میں کسی کے مذہبی اعتقادات سے بحث نہیں کی جاتی۔ اگر منڈل مملکت کا وفادار ہے تو وہ ہزار ایسے مسلمانوں سے جو مملکت کے وفادار نہیں اچھا ہے۔ اِسی طرح اگر ظفر اللہ خاں اپنے فرائض ایمان داری سے سر انجام دیتا ہے تو اسے احمدی بتا کر مطعون کرنا قانوناً غلط قرار دینا چاہیئے"۔[۱]

(۲) اخبار "تنظیم" پشاور نے لکھا:۔

"کون نہیں جانتا کہ امام جماعتِ احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود نے بنفسِ نفیس حضرت قائدِ اعظم کے حضور میں پہنچ کر اپنے ورا پنی جماعت کے حلفہ وفاداری کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ پاکستان کے حصول میں مسلمانوں کی دوسری جماعتوں سے بڑھ کر من حیث الجماعت مالی وجانی قربانیاں پیش کیں اور ناقابلِ تلافی نقصانات برداشت کئے اور حضرت میرزا بشیر محمود نے اپنی جماعت کو مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے وابستگی کے خطبات وبیانات ارشاد فرمائے۔ کشمیر کے سلسلہ میں آپ کی جدّوجہد عیاں ہے۔ آپ کے والد کے ایک بہت بڑے چہیتے مرید خان سر محمد ظفر اللہ خان ابھی تک پاکستان کے ایک بہت بڑے منصب پر فائز ہیں اور قلمدانِ وزارتِ خارجہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ آپ نے جس قابلیت سے مجلسِ اقوام میں پاکستان، حیدر آباد دکن اور کشمیر کے مسائل پیش کئے ہیں وہ آتی دنیا کے لئے مشعلِ راہ اور تاریخ میں سنہری حروف سے نقش کرنے کے قابل ہیں۔ ہم خود قادیانی نہیں اور نہ ہمیں پیر پرستی سے کوئی واسطہ ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اگر صدیقِ اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تو اُن کو بھی اسلام میں کوئی وقعت نہ ہوتی صحابہ کرام اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے مسلمانوں کو جو عزت نصیب ہوتی ہے وہ حضرت عمر کے الفاظ میں صرف مسلمان ہونے کی صورت میں اسلام نے ہی بخشی ہے۔ ہم جماعتِ احمدیہ کو خواہ وہ لاہوری ہو یا قادیانی اسلامی فرقوں کی ایک کڑی تصوّر کرتے ہیں اور یورپ وجرمن میں اِس جماعت کی دونوں شاخوں کی سرگرمی کو بنظرِ تحسین دیکھتے ہیں۔ ہمیں بعض تبلیغی حلقوں اور مسلم معاصرین سے شکایت ہے کہ وہ اِس جماعت کے بعض اراکین پر جاسوسی اور اِس قسم کے کئی اَور الزامات تراشتے ہیں۔ ہمیں پاکستان کے لئے مرزا بشیر الدین کو جس کو ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا فرزند ہونے کے

---

[۱] "آفاق" لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۵۰ء صٓ بعنوان "آخر جمہوری ریاست ہی کیوں؟"

ساتھ ساتھ مغل خون کا ایک مجسمہ سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ان کی غیرت و حمیت کا یہ تقاضا ہو گا جیسا کہ اس نے بارہا اظہار بھی کیا ہے کہ ہندوستان و پاکستان غلامی کی لعنت سے آزاد ہو گئے ہیں۔۔۔" [1]

دردمند دل مقتدر کشمیری مسلمانوں کی طرف سے احراری شورش کے خلاف احتجاج

کشمیر کی رائے شماری کی بناء پر فیصلہ کرنے کا اصول یو۔این۔او، بھارت اور پاکستان تینوں تسلیم کرنے کا اعلان کر چکے تھے اور یہ خیال ہو چلا تھا کہ وادیٔ کشمیر کے باشندے آزادانہ انتخاب کے ذریعہ اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں دیں گے کہ احرار میدانِ مخالفت میں آگئے اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دئے جانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چونکہ کشمیر کے اُس مرکزی حصہ میں جو انتخاب کے معاملہ میں فیصلہ کُن حیثیت اختیار کر سکتا تھا احمدی بھاری تعداد میں موجود تھے۔ اور موجود ہیں اس لئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر احرار اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو گئے اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا تو کشمیری مسلمانوں کا تناسب غیر مسلم آبادی کے مقابل کم رہ جائے گا اور بھارت انتخاب کے مسلّمہ جمہوری طریق سے پورے کشمیر کو اپنے ملک کا اٹوٹ انگ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اِس تشویشناک صورتِ حال نے دردمند دل رکھنے والے کشمیری مسلمانوں کو لرزا دیا اور اُن کی طرف سے حسبِ ذیل اشتہار ملک بھر میں تقسیم کیا گیا:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خُدا کے لئے کشمیر اور کشمیریوں پر رحم کریں!

تمام مسلمانانِ پاکستان کی خدمت میں عموماً اور اہالی صوبہ سرحد و آزاد علاقہ کی خدمت میں خصوصاً ہم ساکنانِ کشمیر کی طرف سے عرض ہے کہ ہم لوگ پانچ سال سے متواتر مصائب اور مظالم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں۔ ساری آبادی کشمیر کے مسلمانوں کی کوئی بتیس تینتیس لاکھ ہے اس میں سے قریباً ایک لاکھ سے زائد مارا گیا ہے یعنی پانچ فیصدی سے بھی زیادہ اور بعض کی جائدادیں منقولہ اور یا غیر منقولہ دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں اور باقی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ جائے ماندن ہے نہ پائے رفتن۔

---

[1] "تنظیم" پشاور ۳۰ر جولائی ۱۹۵۰ء

پنجاب اور دیگر علاقوں سے جو مسلمان مغربی یا مشرقی پاکستان میں گئے ہیں اُنہیں غیر مسلموں کی متروکہ جائدادوں میں سے زمین، مکان، دوکانیں ملی ہیں اور ان میں سے نوّے فیصدی آباد ہو چکے ہیں اور بعض تو پہلے سے اچھی حالت میں ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک بن چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وطن اور علاقہ کا چھوڑنا بھی بہت قربانی ہے اور ابتدائی دنوں میں جو ان لوگوں نے جانی قربانیاں پیش کیں، وہ بھی بہت بڑی قیمت رکھتی ہیں ہم ان کی قدر کرتے ہیں لیکن ہم نے صرف مقابلہ کے لئے لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر نے جائداد کے مقابلہ پر جائداد اور تجارت کے مقابلہ میں تجارت اور کارخانہ کے مقابلہ میں کارخانہ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن گو ہماری قربانیاں بھی اسی رنگ کی ہیں مگر ہم نے حاصل کچھ نہیں کیا۔ ہم اَب تک بھی مہاجر ہیں اور خدا معلوم کب تک مہاجر رہیں گے۔

کشمیر ویلی اس وقت تک ساری کی ساری شیخ عبداللہ کی حکومت میں ہے اور ہمارا وطن اور ہماری جائدادیں دشمن کے قبضہ میں ہیں۔ ہم صرف اِس امید پر جی رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے کشمیر پاکستان سے ملا دے تو ہم جا کر چھتوں کے نیچے سوئیں، اپنی تجارتیں اور اپنی زمینیں سنبھالیں اور اپنے بیوی بچوں سے ملیں جو ایک سیاسی دیوار کے اُس طرف ہماری یاد میں ظالموں کی ٹھوکریں کھا کر جی رہے ہیں۔ جس طرح ہم انکے ملنے کی اُمید میں دیوار کی دوسری طرف خدا کے فضل اور اس کے بعد اس کے اُن بندوں کی کوششوں کے نتیجہ پر آس لگائے بیٹھے ہیں جنہوں نے اسلام کے رشتہ کا احترام کر کے ہمیں غلامی سے آزاد کرانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ خصوصاً صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقہ کے لوگ جنہوں نے عملاً جنگِ کشمیر میں حصّہ لے کر سینکڑوں ہزاروں شہداء کے خون سے ہماری وادی کو ہمیشہ کے لئے وادیٔ شہداء بنا دیا ہے اور کشمیر اور سرحد اور آزاد علاقہ کے درمیان محبت اور پیار کی ایک مضبوط گرہ باندھ دی ہے۔

مگر جہاں ہم آپ لوگوں کی قربانیوں اور ہمدردیوں کے ممنون ہیں وہاں ہم آپ سے یہ بھی اُمید کرتے ہیں کہ آپ اپنے نیک کام کو انجام تک پہنچائیں اور کسی غلطی کے مرتکب ہو کر اور کسی غلطی کرنے والے کا ساتھ دے کر اپنی ساری کوشش کو خاک میں نہ ملا دیں۔

برادران! آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ سالوں میں ہمیں یہی اُمید دلائی جاتی رہی ہے کہ کشمیر میں رائے شماری ہو کر اس کے مطابق فیصلہ ہو گا اور کشمیر آزادی حاصل کر کے آرام کا سانس لے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ دنوں سے ہندوستانی گورنمنٹ کی شہ پر وہ لوگ جو پہلے کانگرس کا بایاں بازو تھے ایسے سوالات پیدا

کر رہے ہیں جو کشمیر کی رائے شماری کو سخت نقصان پہنچانے والے ہوں گے۔ مثلاً اِس وقت یہ سوال اُٹھایا جا رہا ہے کہ مرزائیوں کو ایک اقلیّت قرار دیا جائے۔ اِسی طرح مرتد بھی۔ جہاں تک مذہب کا سوال ہے ہم خود مرزائی نہیں ہیں اور اہلسنّت و دیگر مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم میں سے بعض مرزائیوں کی سخت مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب تک کرتے ہیں مگر جہاں تک کشمیر کے مسئلہ کا سوال ہے ہم اِس فرقہ دارانہ اختلاف کو کشمیر کی آزادی میں رخنہ انداز ہونے دینا کسی صورت میں پسند نہیں کرتے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستانی حکومت کچھ عرصہ سے مغربی حکومتوں پر یہ زور دے رہی ہے کہ جن جن علاقوں میں جس فریق کی اکثریت ہو اُن علاقوں کو اپنے ہمدرد لوگوں سے مِلا دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان اِس اصل کو پنجاب اور بنگال کے حق میں مان چکا ہے کیوں نہ وہی اصل کشمیر کے متعلق بھی تسلیم کیا جائے کیونکہ پاکستان ایک دفعہ اِس اصل کو تسلیم کر چکا ہے۔ اِس دلیل کا اثر مغربی دماغ پر بہت پڑتا ہے اور قریباً ہر یو۔ این۔ او کے نمائندے نے زور لگایا ہے کہ اِس پر فیصلہ ہو جائے تو اچھا ہے اور مغربی اخبارات خصوصاً امریکہ اور انگلستان کے اخبارات اِس نظریہ کی تائید میں مضامین بھی لکھتے رہے ہیں۔ اِن حالات میں ہمیں بہت ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کشمیر کا کوئی حصّہ ایسا نہ ہو جہاں کی رائے شماری مشکوک ہو جائے۔ اگر ایسا ہؤا تو کشمیر کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا اور کشمیر کا مسلمان زندہ درگور ہو جائے گا۔

اِس حقیقت کو مدِّنظر رکھ کر اگر آپ کشمیر کے نقشہ کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جمّوں کے ہندو علاقہ کے ساتھ اگر اننت ناگ (اسلام آباد) کا علاقہ مِل جائے تو سرینگر کا تعلق جمّوں سے ہو جاتا ہے کیونکہ ایک طرف اننت ناگ سری نگر کو راجوری اور اودھم پور سے ملاتا ہے تو دوسری طرف جمّوں سرینگر روڈ اننت ناگ میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ لیکن اننت ناگ پاکستان سے مِلے تو سری نگر لازمًا پاکستان سے ملنے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ کوئی باقاعدہ راستہ اسے ضلع اننت ناگ سے باہر جمّوں سے نہیں ملاتا پس اننت ناگ ضلع کی حیثیت رائے شماری کے لحاظ سے نہایت اہمیّت رکھتی ہے۔

ہم لوگ جو اِس علاقہ کے رہنے والے ہیں جانتے ہیں کہ اِس علاقہ میں مرزائیوں کا کافی زور ہے اور اچھے زمیندار اور تاجر اور بعض سالم گاؤں پاس پاس احمدیوں کے ہیں۔ گذشتہ سے پیوستہ الیکشن میں شیخ عبداللہ کی پارٹی کے خلاف احمدی ہی کونسل کے لئے کھڑے ہوئے تھے مگر گو وہ شیخ عبداللہ

کی پارٹی، ڈوگروں اور مولویوں کے مشترکہ محاذ کی وجہ سے جیت نہ سکے مگر ان تین طاقتوں کے نمائندے سے احمدی نمائندے کے ووٹ صرف دو سَو کم تھے۔ اور سب لوگ جانتے ہیں کہ شیخ عبداللہ نے اتنا خطرہ محسوس کیا تھا کہ سارے کشمیر کو چھوڑ کر وہ اس علاقہ میں آگئے تھے اور اپنی ساری طاقت احمدیوں کو شکست دینے میں لگا دی تھی۔ اِس علاقہ میں اکثر ڈوگرہ رؤساء کی جائدادیں ہیں اور غریب مسلمان اُن سے دبے ہوئے ہیں۔ اُن کے مقابل پر احمدی ہی کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وہ زمیندار اور تاجر اور منظم ہیں۔ انکی مدد سے ہی ہندو و ڈوگروں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ رشی نگر کا مشہور مقدمہ اِس کا گواہ ہے کہ ڈوگرہ رئیس کا مقابلہ احمدی جماعت نے مِل کر کیا۔ اگر احمدی جماعت بھی ان لوگوں سے جا ملے تو مسلمانوں کی طاقت اِس درمیانی علاقہ میں بہت کمزور ہو جاتی ہے اور رسی نگر اکثر طرف سے اسلامی علاقوں سے کٹ جاتا ہے۔

اِن حالات میں ہم پوچھتے ہیں کہ کیا احمدیوں کے خلاف موجودہ شورش کشمیر کے مفاد میں ہوگی؟ ایک قوم سے آپ کتنی ہی اُمید رکھیں مگر اُسے کافر اور مُرتد اور اچھوت قرار دے کر اُس سے یہ خواہش رکھنی کہ وہ آپ کے حق میں ووٹ دیں کتنی خلافِ عقل بات ہے۔ آخر جب ایک شخص دوسرے سے ملتا ہے تو یہ سمجھ کر ملتا ہے کہ دوسرا شخص اُس کا دوست ہے۔ اگر دوسرا اپنی دشمنی کا ثبوت دے تو وہ اُسے ووٹ کیوں دے گا اور دشمنی ظاہر کرنے والا اُس سے اُمید ہی کیوں رکھے گا پس گردن زدنی اور اقلیت قرار دے کر اور اُن کے خلاف شہروں میں بلوے کر کے بعض آدمیوں کو قتل کر کے یہ اُمید کرنا کہ کشمیر کا احمدی شوق سے آگے بڑھے گا اور کہے گا کہ مَیں پاکستان جانا چاہتا ہوں کہاں تک عقل کے مطابق ہے؟ اور احمدیوں کو جو بڑی تعداد میں اِس علاقہ میں پائے جاتے ہیں اور جنہوں نے پہلے ایجی ٹیشن میں ڈوگرہ حکومت کے دانت کھٹے کر دیئے تھے ڈرا دینا اور پاکستان سے متنفر کر دینا تاکہ وہ ڈوگروں اور شیخ عبداللہ کی جماعت سے مِل کر پاکستان سے الگ رہنے کا ووٹ دیں کشمیر کے مستقبل کے لئے کس قدر خطرناک ہے۔ یہ صاف بات ہے کہ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں اُنہیں ہندوستانی حکومت سے مدد مِل رہی ہے اور وہ کشمیر کی رائے شماری کو ناکام بنانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ سرحد کا وہ غیّور مسلمان جس کے خون سے ہماری وادیاں چمک رہی ہیں کیا اپنی قربانی کو اِس طرح ضائع ہونے دے گا؟ اگر رائے شماری سے فیصلہ ہونا ہے اور اگر رائے شماری

کو کامیاب بنانا ہے تو ہمیں احمدیوں کے خلاف شور کر کے اُنہیں ڈرانے سے اجتناب کرنا ہوگا ورنہ نتیجہ خطرناک نکلے گا اور اُس وقت ندامت ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور ہم لوگ ہمیشہ کے لئے مہاجر ہی بنے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اِس عذاب سے ہمیں بچائے۔"

اِس اشتہار کے نیچے مندرجہ ذیل کشمیری مسلمانوں کے دستخط ثبت تھے :۔

" (۱) میر عبدالعزیز صاحب بی۔اے آنرز (جائنٹ سیکرٹری آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس) حال راولپنڈی (۲) مرزا احمد بیگ لون (ممبر مجلسِ عاملہ و کمیٹی آف ایکشن و جنرل کونسل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس) حال پشاور (۳) تاج الدین مالک "تاج محل ہوٹل" امیرا کدال سرینگر حال مقیم اکبری گیٹ لاہور (۴) خواجہ علی محمد بابا بی۔اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ پریذیڈنٹ ضلع مسلم کانفرنس بارہ مولہ حال مظفر آباد (۵) خواجہ غلام مصطفےٰ ملک ایم۔ایل۔اے کشمیر تحصیل اننت ناگ حال مظفر آباد (۶) سید محمد مقبول شاہ شناگی سپرنٹنڈنٹ دفتر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس مرکزیہ راولپنڈی (۷) خواجہ غلام قادر سوپوری ممبر جنرل کونسل آل جموں و کشمیر کانفرنس حال مظفر آباد (۸) خواجہ غلام احمد کرنائی آف سوپور ممبر جنرل کونسل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مظفر آباد (۹) منظور الحق ڈار ہمبوری فرزند خواجہ غلام محمد صاحب خادم مرحوم ممبر جنرل کونسل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال راولپنڈی (۱۰) ایم۔اے حفیظ بی۔اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سرینگر جنرل سیکرٹری مسلم لیگ سرینگر کشمیر حال ایبٹ آباد (۱۱) خواجہ بشیر احمد فرزند حاجی مامہ کلو صاحب جنرل فروٹ مرچنٹ نشاط سرینگر حال مری (۱۲) عبدالغنی خاں سابق نمبردار ملیال تحصیل ہندواڑہ ریفیوجی اسسٹنٹ حال مری (۱۳) وزیر غلام مہدی ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی آف اسکردو حال راولپنڈی (۱۴) غلام حسن ڈار مخدومی سابق سیکرٹری کشمیر پریس رپورٹرز ساکن بیچ بیاڑہ کشمیر حال مری (۱۵) ڈاکٹر سجاد حسن بٹ ڈینٹس سابق چیف آرگنائزر انجمن مہاجرین کشمیر حال مظفر آباد۔ (۱۶) خواجہ غلام محمد کار سوپوری ممبر مجلسِ عاملہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مری (۱۷) غلام مہدی ملتستانی ممبر ورکنگ کمیٹی آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مری (۱۸) عبدالرحمٰن بٹ صدر ڈسٹرکٹ ہزارہ مسلم کانفرنس حال مقیم ایبٹ آباد (۱۹) خواجہ عبدالرحمٰن جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس ہزارہ حال ایبٹ آباد (۲۰) (مولوی) عبدالعزیز مالک کشمیر کلاتھ ہاؤس ایبٹ آباد (۲۱) محمد شریف قریشی پبلسٹی سیکرٹری مسلم کانفرنس ہزارہ (۲۲) ماسٹر عبدالرحمٰن قریشی راجوڑی حال ایبٹ آباد ضلع ہزارہ (۲۳) خواجہ غلام رسول

وانی آف بارہ مولہ ممبر جنرل کونسل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مظفر آباد (۲۴) سید محمد ہدایت اللہ شاہ راجوروی جنرل سیکرٹری انجمن تحفظ سادات کشمیر حال پاکستان (۲۵) پیرزادہ نشتر کاشمیری سابق صدر انجمن درس الاسلام کشمیر و پبلسٹی سیکرٹری آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مظفر آباد (۲۶) پیرزادہ غلام احسن ساکن مرہامہ تحصیل گولہ گام کشمیر حال مقیم مظفر آباد (۲۷) عبدالرزاق ڈار آف بڈگام کشمیر حال مقیم واہ کیمپ پاکستان (۲۸) محمد لطیف خاں آف گلمرگ کشمیر حال ایبٹ آباد (۲۹) شیخ عبدالرحمٰن ساکن اسلام آباد حال مقیم مظفر آباد (۳۰) خواجہ ثناء اللہ میر آف کورہامہ تحصیل بارہ مولہ حال مقیم پشاور (۳۱) منشی حبیب اللہ بٹ چھتہ بل سرینگر حال مقیم پشاور (۳۲) راجہ عطاء اللہ خاں برادر راجہ محمد عنایت اللہ خاں صاحب علاقہ دار چلپڑا تحصیل ہندواڑہ کشمیر (۳۳) سردار سمیع خاں درّانی فرزند سردار محمد اکرم خاں صاحب وزیر وزارت کشمیر حال مقیم پشاور (۳۴) سعید احمد خاں (ایف۔ ایس سی) سرینگر کشمیر حال مقیم راولپنڈی (۳۵) خواجہ حبیب اللہ ڈار آف بارہ مولہ حال جنرل کلاتھ مرچنٹ پشاور (۳۶) خواجہ علی محمد بھلو سرینگر کشمیر حال لیدر مرچنٹ پشاور (۳۷) خواجہ غلام رسول رشی وائس پریذیڈنٹ آزاد کشمیر چیمبر آف کامرس حال راولپنڈی (۳۸) محمد مظفر فاضلی ساکن بانڈی پورہ حال مہاجر راولپنڈی (۳۹) شاعر کشمیر خواجہ احمد اللہ غازی سوپوری حال راولپنڈی (۴۰) سردار بشیر احمد خاں آف سرینگر فرزند سردار عمراؤ خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کشمیر حال راولپنڈی۔"

حضرت امیر المومنینؓ کی ایک اہم نصیحت

۱۵/تبوک/ستمبر کو حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے جماعت کو بتایا کہ:-

"وہ وقت قریب سے قریب تر آرہا ہے جب دنیوی نقطہ نگاہ سے یا تو احمدیت کو اپنی فوقیت ثابت کرنی ہوگی اور یا اس جدّوجہد میں فنا ہونا پڑے گا اور دینی نقطہ نگاہ سے اور روحانی نقطہ نگاہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ان تغیّرات کے رونما ہونے کا وقت آچکا ہے جو احمدیت کو ایک لمبے عرصہ تک کے لئے دنیا میں قائم کر دیں گے اور اس کا غلبہ اس کے دوستوں اور اس کے مخالفوں سے منوالیں گے مگر ان تمام تغیّرات کے لئے انسان کی قربانیاں اور انسان کی جدّوجہد نہایت ضروری ہوتی ہے۔"

اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے مخلصینِ احمدیت کو نصیحت فرمائی کہ:-

"یہ زندگی صرف چند روزہ ہے اس دنیا میں نہ مَیں نے ہمیشہ رہنا ہے نہ آپ نے۔ اگر ہم خدا تعالیٰ

کے نام کو بلند کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے ایک نیک بنیاد قائم کر دیں گے تو ہم اور ہماری نسلیں ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں گی۔ لیکن اگر ہم اس نیک بنیاد کو قائم کرنے میں حصہ نہیں لیں گے تو آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ گو روحانی نقطہ نگاہ کے ماتحت ہم کچھ کریں یا نہ کریں یہ سلسلہ بہرحال ترقی کرتا چلا جائیگا کیونکہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے۔ لیکن دنیوی نقطہ نگاہ کے ماتحت ہم اور ہماری اولادیں ان انعامات سے محروم ہو جائیں گی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اِس سلسلہ کی خدمت کرنے والوں کے لئے مقدّر رہیں اور جو لازماً ایک دن ملنے والے ہیں۔ زمین ٹل جائے، آسمان ٹل جائے آخر احمدیت نے دُنیا میں قائم ہونا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی ایک اٹل تقدیر ہے۔ اس کی طرف یہ منسوب کرنا کہ اس نے اپنا ایک مامور بھیجا مگر وہ ہار گیا ایک پاگل پن کی بات ہے۔ اگر خدا ہے اور اگر خدا اپنے نبیوں کو بھیجتا رہا ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا تھا تو ہم اپنے وجود میں شُبہ کر سکتے ہیں ہم اپنے کان، ناک، مُنہ اور زبان میں شُبہ کر سکتے ہیں ہم اپنے بیوی بچوں کے وجود میں شُبہ کر سکتے ہیں مگر ہم اِس بات میں کوئی شُبہ نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ کا مامور اور مُرسل جس تعلیم کو لے کر آیا ہے وہ یقیناً اپنے وقت پر کامیاب ہو گی دشمن اس سے ٹکرائے گا تو پاش پاش ہو جائیگا جس طرح ایک دریا کی زبردست لہریں چٹان سے ٹکرا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوتی ہیں اسی طرح انکی مخالفت ناکام ثابت ہو گی اور یہ سلسلہ عروج حاصل کرتا چلا جائے گا ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر سے ہم نے کتنا فائدہ اُٹھایا ہے۔ لوگ نہ ہونے والی چیزوں کے متعلق اپنا پُورا زور صرف کر دیا کرتے ہیں اور ہم تو وہ کام کر رہے ہیں جو یقیناً ہونے والا ہے اور جس کی پُشت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اگر خدا تعالیٰ کی بات ٹل جائے تو اس کی خدائی ہی باطل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی باتوں میں فرق ہی یہی ہوتا ہے کہ بندہ بعض دفعہ پُورے سامانوں کے ساتھ اُٹھتا ہے اور ناکام ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس بات کا فیصلہ کر لے اس کے پورا ہونے میں کوئی چیز روک نہیں بن سکتی۔ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہو گی اگر آپ اِس کام میں حصہ لے کر آنے والی کامیابی کو قریب کر دیں اور خدا تعالیٰ

کی بات کو پُورا کر کے اس کا ہتھیار بن جائیں کیونکہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا ہتھیار بن جاتا ہے وہ بابرکت ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ مَیں تجھے بہت برکت دُوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے کپڑے آپؑ کے جسم سے چھُو کر بابرکت ہو گئے تو یہ سمجھ لو کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے ہتھیار بن جاؤ گے تو تم میں کتنی برکت پیدا ہو جائے گی یقیناً اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم کے ساتھ چھُو جانے کی وجہ سے آپ کے کپڑوں کو برکت حاصل ہو گئی تو وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا ہتھیار بن کر خود اس کے ہاتھ میں آجائے گا وہ ان کپڑوں سے بہت زیادہ بابرکت ہو گا کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اگر برکت دی تو خدا تعالیٰ نے دی اور آپؑ کے کپڑوں کو بھی اگر برکت دی تو خدا تعالیٰ نے دی۔ پس یقیناً وہ ان برکتوں کا وارث ہو گا جو دنیا کی بڑی سے بڑی حکومتوں اور طاقتوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔" [1]

نوجوانانِ احمدیت کو قربانیوں کی دعوت

۲۱-۲۲-۲۳ ماہِ اخاء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا سالانہ اجتماع ربوہ میں منعقد ہوا جس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے خدام کو بہت سی قیمتی ہدایات دیں بالخصوص مذہب کی اس بنیادی روح کی طرف متوجہ فرمایا کہ عقیدے اور قوتِ متحرکہ کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔ عمل کے بغیر محض عقیدہ کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔[2] اِس سلسلہ میں انہیں قربانیوں کی پُر زور دعوت دیتے ہوئے فرمایا:-

"یاد رکھو کہ اسلام کی ترقی کا وہ زمانہ تمہیں نصیب ہوا ہے جو پھر کبھی نہیں آئے گا جس طرح یہ درست ہے کہ اسلام جتنا اب گرا ہے اتنا کبھی نہیں گرے گا اسی طرح یہ بھی یقینی امر ہے کہ جس شان سے اسلام اب بڑھے گا اتنا آئندہ کبھی نہیں بڑھے گا اور تمہیں خدا نے قربانی کرنے کا جو موقع دیا ہے وہ آئندہ کسی کو میسر نہ آئے گا۔ آج زمین و آسمان کا خدا ایک غلام کی حیثیت سے دنیا کی منڈیوں میں بِک رہا ہے اور تمہاری چھوٹی سے چھوٹی قیمت بھی اسے خرید سکتی ہے۔ خدا کی خدائی انسانی ذہن کے مطابق ہوتی ہے۔ جب مَیں نے خدا کو غلام کہا تو میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارا واحد اور احد خدا نعوذ باللہ غلام ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آج دُنیا کی نگاہ میں اس کی یہی حیثیت ہے اور آج تم ہی ہو جنہوں نے اپنے خدا کی عزت اور عظمت دُنیا میں دوبارہ قائم کرنی ہے۔ جس قربانی کیلئے

[1] الفضل ۲۹ تبوک (ستمبر) ۱۳۲۹ ہش صفحہ ۶ ✦ [2] الفضل ۲۵ اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۹ ہش صفحہ ۲

تمہیں بُلایا جا رہا ہے وہ ہیچ ہے اس اجر کے مقابلہ میں جو اس کے بدلہ میں تمہارے لئے مقدر ہے۔ تمہیں خدام الاحمدیہ کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ تمہیں تحریکِ جدید کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ تمہیں صدر انجمن کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ تمہیں لوکل انجمن کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ شاید تمہیں خیال آئے کہ کیوں چاروں طرف سے تمہارے لئے ہی قربانی قربانی کی آواز آرہی ہے۔ مگر یاد رکھو جب زمین میں ہر طرف سے تمہارے لئے قربانی قربانی کی آواز اُٹھ رہی ہوگی تو عین اس وقت اس کے بالمقابل آسمان پر ہر طرف سے تمہارے لئے انعام انعام انعام انعام کی آواز اُٹھ رہی ہوگی۔ پس اس کام کو چھوٹا مت سمجھو بلکہ بڑا سمجھو اور اس کام کی نوعیت اور اہمیت کے مطابق ہی تم قربانی پیش کرو۔" [1]

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

جماعتِ احمدیہ کے عالمگیر اسلامی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں اس سال بھی نمایاں اضافہ کے ساتھ جاری رہیں بعض مشنوں کے چند ضروری کوائف درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

شام مشن:۔ جماعتِ احمدیہ دمشق نے ۲۶ ماہِ نبوت (نومبر) ۱۳۲۹ھش کو سیرت النبیؐ کا جلسہ عام منعقد کیا جس میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کے علاوہ شام کی بعض اہم شخصیات نے بھی تقریریں کیں۔ دمشق کے اخبار "الکفاح" (۱۶ صفر ۱۳۷۰ھ) اور "القبس" (۱۷ صفر ۱۳۷۰ھ) نے اس جلسہ کی خبر شائع کی۔ چنانچہ اخبار الکفاح نے لکھا:۔

"الجماعة الاحمدية تحتفل بسيرة النبی"

اقامت الجماعة الاحمدية بدمشق احتفالاً عظيماً نهار امس لبيان سيرة الرّسول الاعظم محمد صلى الله عليه وسلّم واُلقيَت فيه خطب قيمة من قبل بعض الشخصيات السورية كما وتكلم فيها ايضا الاستاذ الباكستانی ميرزا رشيد احمد چغتائی الاحمدی، الذی ذكر قوة قدسية النبی صلى الله عليه وسلّم وتأثيرها فی قلوب اصحابه والاٰخرين من العرب

[1] الفضل ۱۳ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۔

والعجم۔ وھنا اھل الشام علی ما بورکت بلادھم و شرفت اراضیھم بقدوم فخر الکائناتِ الیھا حیث وطأت قدمہ صلی اللہ علیہ وسلم علیھا وکان لھذہ الخطب اثرھا العظیم فی قلوب الحاضرین الذین اکثروا من الصلوٰت والسلام علی سیّدنا محمّد افضل الرسل وخاتم النّبیین علیہ افضل الصلوٰت واتم التسلیم"۔ لہ

(ترجمہ)

جماعتِ احمدیہ کا جلسہ سیرت النبیؐ

جماعتِ احمدیہ دمشق نے کل ایک عظیم الشان جلسہ حضرت رسولِ اعظم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنے کے لئے منعقد کیا جس میں بعض شامی اشخاص کی قیمتی تقاریر کے علاوہ میرزا رشید احمد چغتائی احمدی پاکستانی نے بھی تقریر کی جس میں آپ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ اور حضور کے صحابہ اور عرب و عجم کے دوسرے لوگوں کے دلوں میں اس کی تاثیر کا ذکر کیا۔ اور آپ نے اہلِ شام کو اِس بات پر مبارکباد دی کہ ان کے ملک کو یہ خاص برکت حاصل ہوئی اور ان کی سرزمین کو حضور فخرِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے مُشرّف فرمایا جبکہ حضور کے مبارک قدموں نے اُس کو برکت بخشی۔

اِن تقاریر کا بڑا شاندار اثر حاضرین کے قلوب پر ہُوا جنہوں نے سیّدنا محمد افضل الرسل خاتم النبیین افضل الصلوات واتم التسلیم پر بکثرت درود وسلام بھیجا۔

اخبار القبس نے لکھا:۔

حفلة سيرة النّبی

اقامت الجماعة الاحمدية اول امس احتفالاً تكلّم فيه عددٌ من الخطباء عن سيرة الرسول الاعظم و تحدّ ثوا عن قدسية الرسالة التی قام بها هذا العربی العظيم (ص) الذی اَسّسَ مُدَنية ۔ مازال العالم يسير

لہ جریدہ "الکفاح" دمشق ۱۶ر صفر ۱۳۷۰ھ

بهدیها حتی الیوم" [1]

(ترجمہ)

جلسہ سیرت النبیؐ

پرسوں جماعتِ احمدیہ نے جلسہ منعقد کیا جس میں بہت سے مقررین نے حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ پر تقاریر فرمائیں اور رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ قدسیت کو بیان کیا جنہوں نے شہریت کے ایسے اصول وضع فرمائے ہیں جن سے دنیا آج تک راہنمائی حاصل کرتی چلی آرہی ہے۔

فلسطین مشن:- ماہنامہ البشریٰ جو پندرہ سال سے اسلام و احمدیت کا نُور پھیلا رہا تھا اِس سال بھی باقاعدگی سے (جبل الکرمل حیفا سے) چھپتا اور عرب و عجم میں بھجوایا جاتا رہا۔ البشریٰ میں حضرت مہدی مسعود علیہ السلام کی تصانیف میں سے "آئینہ کمالاتِ اسلام" "الھُدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ" کے اقتباسات کے علاوہ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب کا مکمل عربی ترجمہ بھی چھپا جو السیّد عبداللہ اسعد العودہ کی کاوش کا نتیجہ تھا۔ علاوہ ازیں ابنِ عبدالرزاق کے قلم سے براہینِ احمدیہ حصہ پنجم کے ایک حصہ کا ترجمہ شائع ہُوا۔ الاستاذ رشدی البسطی کے متعدد نوٹ اور مضامین بھی شاملِ اشاعت ہوتے رہے۔

البشریٰ [2] نے اخبار "الیوم" یافا اور "النھضہ" الاردن (۲۲ فروری ۱۹۵۰ء) کے حوالہ سے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی اس معرکۃ الآراء تقریر کا بھی ذکر کیا جو آپ نے سلامتی کونسل میں مسلسل سات گھنٹے تک کی اور جس میں ثابت کیا تھا کہ کشمیر ہر اعتبار سے پاکستان کا جزو لاینفک ہے۔

غانا مشن:- بیرونِ پاکستان جماعتِ احمدیہ کا سب سے پہلا کالج ۳۰ ماہِ صلح ۱۳۲۹ھش کو گولڈ کوسٹ (غانا) میں کُھلا اور ڈاکٹر سفیر الدین بشیر احمد پی ایچ ڈی لنڈن اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے [3] یہ کالج ابتداء میں کماسی کی ایک عارضی عمارت میں کھولا گیا۔

---

[1] جریدہ "القبس" دمشق ۱۷ صفر ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۵۰ء

[2] ماہِ شہادت ۱۳۲۹ھش [3] الفضل ۶ احسان ۱۳۲۹ھش مطابق ۶ جون ۱۹۵۰ء صہ ۳

مشرقی افریقہ:- ۱۵؍ ماہِ احسان (جون) کو مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر نے لینڈی میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔[۱]

انگلستان مشن:- امام مسجد لندن چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے ومبلڈن سپرچولسٹ چرچ میں تقریر کی جس میں جماعتِ احمدیہ کے مخصوص علمِ کلام کی روشنی میں پیغامِ حق پہنچایا۔ رسالہ دی لندن سپرچولسٹ ("THE LONDON SPIRTULIST")[۲] فزک نیوز (PSYCIC NEWS)[۳] اور دی فرینڈ (THE FRIEND)[۴] نے اِس تقریر پر عمدہ ریمارکس[۵] شائع کئے۔

(۲) چوہدری صاحب کی زیرِقیادت جماعتِ احمدیہ انگلستان کے ایک وفد نے وزیراعظم برما تھاکن نو کو قرآن مجید کی انگریزی تفسیر تحفۃً پیش کی۔ وزیراعظم نے اس مقدس تحفہ کو نہایت احترام اور جذباتِ تشکّر کے ساتھ قبول کیا۔[۶]

سوئٹزرلینڈ۔ انڈونیشیا:- اِس سال سوئٹزرلینڈ سے "DER ISLAM" اور انڈونیشیا سے "اسلام" کے نام سے نئے احمدی رسائل جاری ہوئے۔

امریکہ مشن:- (۱) سال کے آغاز سے احمدی جماعتوں کی تنظیم و تربیت کے لئے "احمدیہ گزٹ" جاری کیا گیا۔

(۲) امریکن نومسلموں کو اسلامی تعلیم سکھانے کے لئے نورالدین سکول کھولا گیا۔[۷]

(۳) جماعتِ احمدیہ امریکہ کا تیسرا سالانہ جلسہ ۲-۳؍ ماہِ تبوک/ستمبر کو انعقاد پذیر ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لجنہ اماء اللہ اور خدام الاحمدیہ کی تنظیموں نے مرکزی حیثیت سے اپنے اپنے اجتماع منعقد کئے۔ جلسہ کے دَوران چھ افراد نے قبولِ اسلام و احمدیت کا اعلان کیا۔ اِس دفعہ گذشتہ جلسوں کی نسبت بہت زیادہ مندوبین اور اراکین نے شرکت کی۔ جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کے آئندہ سال کے پروگرام کے

۱؎ الفضل ۲۲؍ وفا ۱۳۲۹ھ؁ صـ۳ ؞ ۲؎ شمارہ فروری ۱۹۵۰ء؁ صـ۲۹ ؞

۳؎ شمارہ ۲۵۔ فروری ۱۹۵۰ء؁ ؞ ۴؎ شمارہ ۲۴؍ فروری ۱۹۵۰ء؁ ؞

۵؎ ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۴؍ شہادت ۱۳۲۹ھ؁ صـ۴ ؞ ۶؎ (اسٹار) بحوالہ الفضل ۲۳؍ ہجرت ۱۳۲۹ھ؁ صـ۱ ؞ ۷؎ الفضل ۲۱؍ احسان ۱۳۲۹ھ؁ صـ۲ ؞

متعلق بعض نہایت ہی اہم فیصلے کئے مثلاً (۱) جنوبی ریاستوں میں ایک نیا تبلیغی مرکز قائم کیا جائے۔ (۲) امریکہ کی کم از کم سو لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر رکھوایا جائے (۳) آئندہ سال کے اندر اندر قبرستان کے لئے جگہ خرید کی جائے۔ وغیرہ وغیرہ[1]

مجاہدینِ احمدیّت کی مرکز میں تشریف آوری

اس سال مشرقی افریقہ، انڈونیشیا اور انگلستان کے بعض مجاہدین مرکز میں واپس تشریف لائے۔

چنانچہ مولوی نور الحق صاحب انور مبلّغ مشرقی افریقہ، مولانا رحمت علی صاحب مبلّغ انڈونیشیا، چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لندن بالترتیب ۱۲، ۳۰ ماہ شہادت و ۱۶ ماہِ ظہور کو اعلائے کلمۂ اسلام کا فریضہ بجا لانے کے بعد لاہور پہنچے۔ ممتاز بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ کثیر التعداد احمدیوں نے اپنے کامیاب مجاہد بھائیوں کا پُرجوش استقبال کیا۔[2]

مبلّغینِ احمدیّت کی بیرونی ممالک کو روانگی

اس سال مغربی و مشرقی افریقہ اور ہالینڈ کے لئے مرکز سے مندرجہ ذیل مبلّغینِ اسلام روانہ ہوئے۔

۱۔ سعود احمد خاں صاحب (روانگی از لاہور ۲۵ ماہِ امان ۱۳۲۹ھش)[3] برائے غانا
۲۔ مولوی عبد الخالق صاحب (" " " ") برائے ایران
۳۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری (" " ۱۳ ماہِ اخاء) برائے سیرالیون
۴۔ مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم (" " " ") برائے غانا
۵۔ مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی (" " " ") برائے نائیجیریا
۶۔ مولوی عبد الکریم صاحب (" " " ")[4] برائے سیرالیون
۷۔ مولوی ابوبکر ایوب صاحب (" " ۲۳ ماہ نبوت)[5] برائے ہالینڈ
۸۔ مولوی غلام احمد صاحب بشیر (" " " ") برائے ہالینڈ

---

[1] الفضل ۱۰ تبوک ۱۳۲۹ھش / ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ❊ [2] الفضل ۱۳ شہادت، ۲ ہجرت و ۱۶ ظہور ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ صفحہ ۱
[3] الفضل ۲۶ امان ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ ❊ [4] الفضل یکم نبوت ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ❊
[5] الفضل ۲۴ نبوت ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ ❊

علماءِ سلسلہ کی نئی مطبوعات

۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء میں جماعتِ احمدیہ کے مرکزی صیغہ نشر و اشاعت ربوہ کی طرف سے پمفلٹوں کی بکثرت اشاعت[1] کے علاوہ علماءِ سلسلہ کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں :-

۱ - "قیامِ پاکستان و جماعتِ احمدیہ" (از علامہ جلال الدین صاحب شمسؓ سابق مبلغ بلادِ عربیہ و امام مسجد لنڈن)

۲ - "چالیس جواہر پارے" (از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

۳ - "روزنامچہ مبلغین یا ڈائری ۱۹۵۰ء" (مرتبہ نظارت دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

۴ - "انقلابِ عظیم کے متعلق انذار و بشارات" (حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ)

فصل ہشتم

دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک، طلبہ انجینئرنگ کالج لاہور سے پُر اثر خطاب، نمائندہ عراق عبدالوہاب عسکری کی ربوہ میں آمد، احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں، بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ پر علمائے سلسلہ کا تبصرہ، محبّتِ الٰہی کے موضوع پر پُر معارف خطبات، احمدیہ مسجد سمندری کی آتشزدگی،

خلافتِ ثانیہ کا اڑتیسواں (۳۸) سال ۱۳۳۰ھش / ۱۹۵۱ء

دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک

پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کی مخالفت بہت ترقی کر رہی تھی اور احراری اور کانگرسی علماء کا ایک خاصہ گروہ ایسا میدانِ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۴۹ء-۱۹۵۰ء، ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء

مخالفت میں نکل آیا تھا کہ اس کا کام سوائے اس کے اور کوئی نہیں رہا تھا کہ وہ احمدیہ جماعت کے خلاف لوگوں میں جوش پھیلائیں اور ان کو فساد پر آمادہ کریں۔ ان تشویشناک حالات کے پیشِ نظر سیدنا امیرالمومنین حضرت مصلح موعودؓ نے ۲ تبلیغ ۱۳۳۰ھش / فروری ۱۹۵۱ء کو دعاؤں کے چلّہ اور سات نفلی روزوں کی تحریک فرمائی۔ حضور نے اِس تحریک کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"ہماری جماعت ..... ایک مذہبی جماعت ہے۔ اور پھر صرف مذہبی جماعت ہی نہیں وہ ایک انقلابی جماعت ہے۔ اس نے دنیا کے خیالات، دنیا کے افکار، دنیا کے عقائد اور دنیا کے عمل کو بدلنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ان کاموں کے لئے خدا تعالیٰ نے اسے کھڑا کیا ہے۔ اور انقلابی جماعتیں پہلے اپنے اندر انقلاب پیدا کیا کرتی ہیں۔ تم دوسروں میں اُس وقت تک انقلاب پیدا نہیں کر سکتے جبتک تم اپنی ذاتوں میں انقلاب پیدا نہیں کر لیتے، جب تک دنیا تمہیں دیکھ کر یا تمہاری صحبت میں آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ رہ کر چِلّا نہ اُٹھے کہ تم ویسے آدمی نہیں جن کو ہم جانتے تھے اس وقت تک تم تغیر پیدا نہیں کر سکتے۔

اِسی طرح انقلابی جماعتوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ دنیا ان کی مخالفت کرے۔ اگر دُنیا کسی انقلابی جماعت کی مخالفت نہیں کرتی یا وہ اس کی اتنی مخالفت نہیں کرتی جتنی وہ ایسے مواقع پر کیا کرتی ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے اپنے اندر کوئی نقص ہے۔ اگر ایک باز سے چڑیا ڈرتی نہیں تو سمجھ لو اس باز میں کوئی نقص ہے۔ اگر ایک ماں باپ کے سامنے اور ان کی موجودگی میں بچہ شرارتیں کرتا چلا جاتا ہے تو سمجھ لو ماں باپ میں کوئی نقص ہے۔ اگر کوئی استاد جماعت میں بیٹھا ہے اور لڑکے شرارتیں کر رہے ہیں اور کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں تو سمجھ لو استاد میں کوئی نقص ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جماعت انقلابی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن لوگ اس کی مخالفت نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ اس جماعت میں کوئی نقص ہے۔

پس مخالفت اپنی ذات میں عجیب نہیں بلکہ اس کا نہ ہونا عجیب ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے دوست نے ایک کام شروع کیا وہ بڑی عمر کے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ان سے چھوٹے تھے اِس لئے وہ آپ کا بے تکلفی سے نام لے دیتے تھے انہوں نے کہا نورالدین مَیں نے ایک کام شروع کیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا آپ کو یہ خیال کیونکر ہوُا کہ آپ کا وہ کام خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ انہوں نے کہا مَیں نے یہ کام دو تین ہفتہ سے شروع کر رکھا ہے لیکن ابھی تک اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اور جو کام خدا تعالیٰ کی طرف سے

ہوتے ہیں ان کی ضرور مخالفت ہؤا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک خدا تعالیٰ کو پسند نہیں دو تین دن کے بعد ان کو کسی کی طرف سے مغلظ گالیوں سے پُر ایک خط آیا۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے نور الدین مبارک ہو میں نے جو کام شروع کر رکھا ہے وہ خدا تعالیٰ کو پسند آ گیا ہے مجھے آج ایک شخص کی طرف سے مغلظ گالیوں کا ایک پلندا آیا ہے۔ غرض ہر الٰہی جماعت کی مخالفت لازمی ہے لیکن اسے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ آیا اس نے اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر لیا ہے کہ دنیا اس سے خفا ہو اور خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں پیدا نہیں ہوئیں اور خدا تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو گیا ہے اور دنیا بھی اس پر ناراض ہے تو وہ خسر الدّنیا والاٰخرۃ ہو گیا۔ دنیا میں بھی اسے گھاٹا ہؤا اور اگلے جہان میں بھی اسے گھاٹا ہو گا۔

پس ہماری جماعت جو انقلاب پیدا کرنے کی دعویدار ہے اس کی مخالفت تو ضروری ہے لیکن ہمارا مقام یہ ہے کہ ہم پہلے اپنی اصلاح کریں۔ یہ روحانی انقلابی جماعتوں کی مخالفت یکساں نہیں رہتی کبھی زوروں پر ہوتی ہے اور کبھی کم ہو جاتی ہے جیسے سورج چڑھتا ہے غروب ہوتا ہے اور دوسرے دن پھر چڑھتا ہے۔ انسان کو کسی وقت بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے اور کسی وقت وہ سیر ہوتا ہے اسی طرح مخالفت میں بھی اُتار اور چڑھاؤ پایا جاتا ہے کبھی مخالفت ایسی شدید ہوتی ہے کہ وہ انسانی مقابلہ سے بالاتر ہو جاتی ہے اور کبھی وہ اتنی کمزور ہوتی ہے کہ اس کا مقابلہ انسان کی طاقت کے اندر ہوتا ہے ایسے وقت میں وہ بوجھ خود اُٹھاتا ہے لیکن جب اس کا مقابلہ اس کی طاقت سے بالا ہو جاتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور اس سے استمداد کرتا ہے۔ ہماری جماعت پر بھی یہ مصائب مختلف رنگوں اور مختلف زمانوں میں آئے ہیں۔ ہم پر وہ وقت بھی آیا جب ہماری مخالفت اتنی شدید ہو گئی کہ اس کا مقابلہ ہماری طاقت سے بالا تھا ایسے مواقع پر ہم نے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اس سے مدد مانگی۔ اور جب ہماری دعائیں اور گریہ وزاری اس مقام پر پہنچ گئی جب عرش بھی ہل جایا کرتا ہے تو وہ سُنی گئیں اور مخالفت ھَبَآءً مُّنۡبَثًّا ہو کر رہ گئی۔ یہ زمانہ بھی ہم پر ایسا آ رہا ہے جب اندرونی اور بیرونی طور پر نیز بعض حکّام کی طرف سے بھی اور رعایا کی طرف سے بھی، علماء کی طرف سے بھی اور اُمراء کی طرف سے بھی، غرض ہر جتھہ اور ہر گروہ میں ایک حصہ ایسا ہے جو احمدیت کی مخالفت پر تُلا ہؤا ہے۔[۵]

۵؎ الفضل ۱۱ر تبلیغ ۱۳۳۰ھش/ ۱۱ر فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

"اِس قسم کے نازک مواقع پر مَیں جماعت کو اتنے حصّہ میں شریک کرتا رہا ہوں کہ مَیں انہیں دعا کی طرف تحریک کیا کرتا ہوں اور مخلصین نے ہمیشہ میری اِس تحریک کو قبول کیا ہے اور انہوں نے اس طرح دعائیں کی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مصیبت کو ٹلا دیا۔ سو مَیں ایک دفعہ پھر اِس نازک موقع پر جس کی اہمیت کو جماعت نہیں سمجھتی حتّٰی کہ قریب ترین لوگ اور اعلیٰ درجہ کے افسر بھی اسے نہیں سمجھتے جماعت میں دعا کی تحریک کرتا ہوں۔"[1]

اِس تمہید کے بعد فرمایا:۔

"یہ وقت بہت نازک ہے اور اس وقت مَیں جماعت کے مخلص دوستوں کو بُلاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ وہ دعاؤں میں لگ جائیں۔ اِس وقت سب سے زیادہ کام دینے والی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ دعا ہے

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ

کہ اے خدا ہم دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے ہم اس کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکتے اِس لئے چاہتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ہماری طرف سے تُو کھڑا ہو جا۔ ہم ان کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ دوسری بات جو اِس موقع پر زیادہ مفید ہُوا کرتی ہے وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کا وِرد ہے۔ تیسری چیز درود ہے اور چوتھی چیز نمازیں زیادتی ہے۔ جو لوگ تہجّد پڑھ سکتے ہیں وہ تہجّد کے وقت یہ دعا کیا کریں۔ اور جو تہجّد نہیں پڑھ سکتے وہ کسی اَور وقت دُو نفل پڑھ لیا کریں۔ خواہ اشراق کے وقت یعنی ۹ بجے کے قریب یا عصر سے پہلے دُو نفل پڑھ لیا کریں اور ان نفلوں میں خصوصیت سے یہ دعائیں مانگا کریں۔ ہم اپنا پہلا چِلّہ چالیس دن کا مقرر کرتے ہیں۔ چونکہ خطبہ کے شائع ہونے میں کچھ دیر لگے گی اِس لئے جو احباب اِس چِلّہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں اُن کی سہولت کے لئے ہم آج سے چودہ ۱۴ دن بعد یہ چِلّہ شروع کریں گے یعنی یہ چِلّہ ۱۶ ؍ فروری سے شروع ہوگا اور چالیس دن جاری رہے گا یعنی ۲۷ ؍ مارچ تک۔ اِس کے ساتھ ہی مَیں یہ تحریک بھی کرتا ہوں کہ ان ایام میں سات روزے رکھے جائیں۔ ہر ہفتہ میں پیر کے روز روزہ رکھا جائے۔ پہلا پیر ان ایام میں ۱۹ ؍ فروری کو آئیگا اور ۱۲ ؍ اپریل تک یہ سات روزے ختم ہوں گے۔ یہ روزے اِس طرح بھی رکھے جاسکتے ہیں کہ جن پر

[1] الفضل ۱۱۔ تبلیغ ھش ۱۳۳۰ / فروری ۱۹۵۱ئ صہ ۲۔

کوئی فرضی روزے ہوں وہ ان ایام کے روزوں کو اپنے فرضی روزوں کی جگہ رکھ لیں۔ عورتیں جن کو بعض ایّام میں روزے منع ہوں یا بیمار رہوں ہفتہ میں جمعرات کو یا اگلے ہفتوں میں جمعرات میں روزے رکھ کر اپنی کمی پوری کر سکتی ہیں۔

شاید لوگ ہنسیں گے کہ اتنے بڑے مجموعی ارادوں کے مقابلہ میں انہوں نے کیا تیر مارا ہے لیکن جو ہنستے ہیں انہیں ہنسنے دو۔ ہمارے خدا کو انہوں نے نہیں دیکھا، ہمارے خدا کے تیروں اور ہتھیاروں کو انہوں نے نہیں دیکھا لیکن ان کے نہ دیکھنے کی وجہ سے تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ ان کے نہ دیکھنے کی وجہ سے تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ کی گرفت کوئی معمولی گرفت ہے۔ ہمارا خدا وہی ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ تو جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلّت دیتا ہے۔ تمام خیر اور نیکیاں تیرے قبضہ میں ہی ہیں یہی وہ چیز ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے انبیاء ہمیشہ فتح پاتے رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس کونسی فوج تھی، حضرت نوحؑ کے پاس کونسی فوج تھی۔ کوئی دس سال کی کوشش سے اور اربوں ارب روپیہ خرچ کرنے کے بعد امریکہ نے ایٹم بم ایجاد کیا ہے اور اب رُوس اس کی نقل کر رہا ہے۔ لاکھوں آدمی اس کام پر لگے رہے اور سینکڑوں سائنسدان اس کی تیاری میں دن رات مشغول رہے۔ لیکن نوحؑ کو دیکھو وہ رات دن تبلیغ میں لگا رہا۔ اس نے ایک تیر اور کمان بھی نہیں بنائی وہ صرف دعاؤں اور لوگوں کو تبلیغ اور نصیحت میں لگا رہا۔ اس کے لئے آسمان پر ایٹم بم تیار ہو رہے تھے، عرش پر اس کے لئے توپیں بن رہی تھیں۔ چنانچہ ایک دن آیا کہ آسمان سے بھی پانی برسا اور زمین نے بھی پانی اُگل دیا اور اس سے اتنا وسیع علاقہ برباد ہو گیا جس کو دس ہزار ایٹم بم بھی برباد نہیں کر سکتے۔ پس جو کچھ مَیں تمہیں دیتا ہوں وہ بہت زیادہ طاقت ور ہے۔ اتنی طاقت اور قوت دُنیا کی حکومتوں کے پاس نہیں ہوتی لیکن ضرورت ایمان کی ہے، ضرورت یقین کی ہے، ضرورت عمل کی ہے۔ جو خدا کی طرف ایک قدم بڑھتا ہے خدا اس کی طرف دو قدم بڑھتا ہے۔ اور جو خدا کی طاقت پر یقین رکھتا ہے اس کے سامنے دُنیا کی ساری طاقتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔“ [1]

---

[1] الفضل ۱۱ر تبلیغ ۱۳۳۰ھش/ فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ و ۷ فرمودہ ۲ر فروری ۱۹۵۱ء

تحریکِ دُعا کی اہمیّت پر مزید روشنی

حضور نے ۲۳ تبلیغ / فروری کو بھی اس تحریک کی اہمیّت و ضرورت پر مزید روشنی ڈالی اور ارشاد فرمایا:۔

"ہم میں سے ہر شخص کو اس مخالفت کے دیکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا اس میں وہ تقویٰ پایا جاتا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیا اس میں کامل سچائی پائی جاتی ہے۔ کیا وہ فریب تو نہیں کرتا۔ کیا وہ دھوکہ بازی سے تو کام نہیں لیتا۔ کیا وہ نمازوں کا پابند ہے۔ کیا وہ انصاف سے کام لیتا ہے۔ کیا وہ خدا تعالیٰ سے سچّی محبّت رکھتا ہے۔ کیا وہ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیا وہ بنی نوع انسان کا ہمدرد ہے۔ اگر یہ تمام باتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اِس مخالفت کے ذریعہ خدا تعالیٰ اسے مارنے نہیں لگا کیونکہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو۔ لیکن اگر افرادِ قوم میں کثرت ایسے لوگوں کی ہو جو یہ کہیں کہ ہم میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ نہ ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ کی سچّی محبّت پائی جاتی ہے۔ نہ ہم اس کے لئے قربانی کرتے ہیں۔ نہ ہمارے اندر دین کی خدمت کا کوئی جوش پایا جاتا ہے۔ نہ ہم نمازوں کے پابند ہیں۔ نہ ذکرِ الٰہی کے عادی ہیں۔ نہ جھُوٹ اور فریب سے بچتے ہیں۔ نہ ظلم اور فساد سے پرہیز کرتے ہیں۔ نہ اخلاق کے معیار پر پورے اُترتے ہیں تو پھر انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مخالفت کسی نشان کے ظہور کا پیش خیمہ نہیں ہو سکتی یہ انہیں گناہوں کی سزا دینے کے لئے پیدا کی جا رہی ہے۔ اِس صورت میں انہیں بہت زیادہ شکر کرنا چاہیئے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ عام حالات میں انسان کا غافل رہنا بعض دفعہ قابلِ معافی بھی ہو جاتا ہے لیکن اگر سامان ایسے ظاہر ہو رہے ہوں جن سے یہ خطرہ ہو کہ یہ سامان شاید ہماری سزا کے لئے پیدا کئے جا رہے ہیں تو اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی اصلاح نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان اور اپنی قوم کو تباہ کرتا ہے۔ پس یہ معمولی حالات نہیں۔ جماعت کو اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہیئے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اگر کچھ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے یہ سزا کا سامان بھی ہو تب بھی وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیں کہ یہ عذاب رحمت کا موجب بن جائے جیسے یونا نبی کے زمانہ میں ہُوا کہ خدا تعالیٰ نے یونا نبی کی قوم پر اپنا عذاب نازل کرنا چاہا مگر جب اس قوم نے اپنی اصلاح کی اور توبہ اور گریہ وزاری سے کام لیا تو وہی عذاب اس کے لئے رحمت بن گیا۔ پس ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ عذاب آتے ہیں مگر وہ انسانوں

کے لئے رحمت بن جاتے ہیں۔ اسی لئے مَیں نے یہ تحریک کی ہے کہ اِن دنوں اپنی کامیابی اور دشمن کی ناکامی کے لئے متواتر دعائیں کی جائیں اور ہر پیر کے دن روزہ رکھا جائے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی خرابی یا نقصان اِس وقت ہمارے لئے مقدر ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بدل دے ہمیں طاقت اور غلبہ عطا فرمائے اور ہمارے دشمنوں کو ان کی کوششوں میں ناکام بنا دے"۔ [1]

احمدی جماعتوں کا والہانہ لبیک

حضور کی اِس خصوصی تحریک پر دُنیا بھر کی احمدی جماعتوں نے والہانہ طور پر لبیک کہا اور مخلصینِ جماعت نے نہ صرف ۶ ماہِ تبلیغ/فروری سے لے کر ۲۷ ماہِ امان/مارچ تک متضرعانہ اور نیم شبی دعائیں کیں اور آنسوؤں سے اپنی سجدہ گاہوں کو تر کر دیا بلکہ نفلی روزوں کا بھی التزام کیا۔ یہ ایّام گویا پاکستان میں طاغوتی اور رحمانی طاقتوں کی کشمکش کے تھے۔ ایک طرف باطل کے پرستار تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ قریہ قریہ میں حق و صداقت کے خلاف نفرت و حقارت کی آگ بھڑکا رہے تھے تو دوسری طرف حضرت مہدیٔ موعودؑ کی مظلوم جماعت جو حقیقی معنوں میں خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی عاشق و فدائی تھی شبانہ روز دعاؤں کے باعث حضرت مہدی موعودؑ کے اِس شعر کا مصداق بنی ہوئی تھی کہ ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

"ملتان کانفرنس" کے جواب میں الفضل کا خصوصی نمبر

احراریوں نے ۲۹ ھش ۱۳/ ۱۹۵۰ء کے آخر میں "تحفظ ختم نبوت" کے نام پر ملتان میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں احراری لیڈروں نے جماعتِ احمدیہ پر بے بنیاد اعتراضات کئے۔ احراری ترجمان "آزاد" نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں اِس کانفرنس کی روداد شائع کر کے ملک بھر میں اس کے زہریلے اثرات پہنچا دیئے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ ناظر تالیف و تصنیف نے ان اعتراضات کے جواب میں ایک مبسوط و مدلّل مقالہ سپردِ قلم فرمایا جو ۲۸ر فروری ۱۹۵۱ء (مطابق ۲۸ تبلیغ ۳۰ ھش ۱۳) کے الفضل میں شائع کیا گیا۔ مولانا شمسؔ صاحبؓ نے ۳۲ صفحات کے اِس خاص نمبر میں نہ صرف ہر احراری لیڈر کی تقریر پر

---

[1] الفضل ۴ر امان ۳۰ ھش ۱۳/ مارچ ۱۹۵۱ء صد ۲۔

محققانہ تبصرہ کیا بلکہ اُن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا نہایت خوبی سے ازالہ کیا جس سے مُلک کے سنجیدہ اور اہلِ علم طبقہ کو احراری تحریک کے خدوخال سمجھنے اور جماعتِ احمدیہ کا علمِ کلام سمجھنے میں بھاری مدد ملی۔

طلبہ انجنیئرنگ کالج لاہور سے حضرت امیر المومنین کا پُراثر خطاب

۲ رماہِ شہادت/ اپریل کو بعد نماز عصر انجنیئرنگ کالج لاہور کے احمدی نوجوانوں نے حضرت مصلح موعودؓ کے اعزاز میں ایک دعوتِ عصرانہ دی۔ یہ دعوت تعلیم الاسلام کالج کے احاطہ میں دی گئی جو اُس دَور میں لاہور ہی میں تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اِس موقع پر ایک پُرمعارف لیکچر دیا۔ حضور نے سورہ ممتحنہ کے آخری رکوع کی آخری آیت کی روشنی میں جس میں خدا تعالیٰ کی صفتِ مصوّر کا ذکر ہے فنِ انجنیئری کے اصول کا ذکر فرمایا۔ اِس تقریب میں انجنیئرنگ کالج کے پرنسپل (ڈاکٹر ایس۔ ڈی۔ ظفر مرحوم) اور پروفیسروں کے علاوہ اکابرِ سلسلہ میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شرکت فرمائی[1]

عبدالوہاب العسکری کی ربوہ میں آمد

الحاج الدکتور عبدالوہاب عسکری (ایڈیٹر "السلام البغدادیہ") جو عراق کی طرف سے مؤتمر عالم اسلامی کے نمائندہ تھے ۱۳۳۰ھش/ ۱۹۵۱ء کے شروع میں سلسلہ احمدیہ کے جدید مرکز ربوہ میں تشریف لائے۔ ۲۴ رماہِ صلح/ جنوری کو جامعۃ المبشرین میں آپ کے اعزاز میں ایک اہم جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ دمشق نے کی۔ اِس جلسہ میں الدکتور عبدالوہاب عسکری نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا :۔

"تقسیم ملک کے بعد جو تباہی آئی اس سے جس طرح دوسرے مسلمان محفوظ نہیں رہے آپ لوگ بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے۔ لیکن اتنی بڑی تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد اِس علاقہ میں آپ جس قسم کی جدّوجہد کر رہے ہیں اور اپنی زندگی کا جو ثبوت آپ لوگوں نے پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے اور مَیں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ سبقت کی جو رُوح آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے اور آپ جو تیز رفتاری سے ترقی کر رہے ہیں بلاشک یہ حضرت صاحب المقام الجلیل امام جماعتِ احمدیہ کی خاص توجہات کا نتیجہ ہے۔"

پھر کہا :۔

"مَیں نے آپ کی جماعت کو بہترین جماعت پایا ہے جو نیکی کا حکم دیتی ہے۔ نماز قائم کرتی ہے۔ زکوٰۃ

---

[1] الفضل ۴ رشہادت ۱۳۳۰ھش صفحہ ۱، و مکتوب چوہدری خالد سیف اللہ صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر واپڈا ۱۰۷/۴ سمن آباد۔ لاہور

السید عبدالوہاب عسکری عراقی نمائندہ موتمر عالم اسلامی جامعۃ المبشرین میں تقریر فرمارہے ہیں

السید عبدالوہاب عسکری جامعۃ المبشرین کے اساتذہ طلبہ اور بزرگان سلسلہ کے ہمراہ

دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ انہیں دیا ہے خرچ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رستہ میں جہاد کرتی ہے۔ ان صفات کی مالک جماعت اِس لائق ہے کہ اس کا مستقبل شاندار اور روشن ہو کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے"۔ [1]

احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں

موتمر عالم اسلامی ممالک اسلامیہ کی اس عالمی تنظیم کا نام ہے جس کا قیام فروری ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے پہلے دار السلطنت کراچی میں ہوا۔ اِس موقع پر مسلم نمائندگان نے مؤتمر کا ایک دستور مرتب کیا جس کی بنیاد قرآنِ عظیم کے ارشادِ ربانی "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" پر رکھی۔

مؤتمر کا دوسرا سالانہ اجلاس اِس سال ۹ سے ۱۳ ر فروری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں ۳۵ اسلامی ملکوں کے مندوبین نے شرکت کی اور دُنیائے اسلام کو درپیش مسائل پر اپنے ممالک کی نمائندگی کی اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ کشمیر، فلسطین اور دوسرے ان تمام اسلامی ممالک کو آزاد کرانے کی متحدہ کوشش کی جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دیرینہ خواہش تھی کہ عالمِ اسلامی کے متفرق اجزاء کسی طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی عالمگیر مشکلات حل کرنے کی راہ سوچیں اور ایک دوسرے سے اُن کا رابطہ اور تعلق قائم ہو۔ چنانچہ ہجرت ۱۳۲۶ھ ش / مئی ۱۹۴۷ء کے بعد حضور نے لاہور، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ اور کراچی میں متعدد تقریریں فرمائیں جن میں اِس اہم ضرورت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ علاوہ ازیں ۱۳۲۹ھ ش / ۱۹۵۰ء میں کراچی کے صحافیوں کی کانفرنس میں مسلمانوں کی تنظیم اور اتحاد پر بہت زور دیا۔

"مؤتمر عالم اسلامی" چونکہ وحدتِ عالم اسلام کے لئے پہلا خوشکن قدم تھا جس کو اُٹھانے کی توفیق پاکستان کو میسر آئی تھی اِس لئے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادِ مبارک پر مؤتمر کے اِس دوسرے اجلاس میں مرکزِ احمدیت سے ایک احمدی وفد نے خاص طور پر شرکت کی۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ اِس وفد کے امیر تھے اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ وکیل التبشیر تحریک جدید

---

[1] الفضل، تبلیغ ۱۳۳۰ھ ش صہ ۲ وطن جانے کے بعد الدکتور عبد الوہاب عسکری نے اپنی کتاب "مشاھداتی فی سماء الشرق" میں بھی یہی رائے ظاہر کی۔ ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۸ صہ ۱۴۰۔

اور ملک عمر علی صاحب نائب وکیل التبشیر اس کے رُکن۔ احمدی وفد کو مؤتمر کے ہر اجلاس کی کارروائی میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ نمائندگان وفود سے الگ الگ ملاقاتیں کیں، ان کی تقاریر سُنیں اور اُن تقاریب میں شریک ہُوا جو مؤتمر کے نمائندوں کو سرکاری طور پر دی گئیں۔ جماعتِ احمدیہ کراچی نے اِس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ کی ھ۱۳۲۹ھش /۱۹۵۰ء کی کراچی پریس کانفرنس کو عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع کیا جو بیرونی ممالک کے مندوبین میں سے ایک معتدبہ حصّہ کو دیا گیا تا وہ اپنے ملکوں میں واپس جائیں تو حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے قیمتی افکار و خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر اختیار کریں۔

امیرِ وفد حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اپنے ایک مفصّل بیان میں مؤتمر عالمِ اسلامی کو عالمِ اسلامی میں وحدت اور اتحاد پیدا کرنے کی مبارک تحریک قرار دیا اور اپنے ایک مفصّل بیان میں اس کی سرگرمیوں کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے بتایا کہ :۔

"تمام عرب مندوبین نے اِس بات پر زور دیا کہ تمام باہمی فرقہ بندیوں کی حدود سے بالاتر رہ کر اس مؤتمر عالمِ اسلامی کی بنیاد اُٹھانی چاہیئے ورنہ یہ سانس لیتے ہی موت کا مُنہ دیکھے گی۔ اقوامِ عالم کے مشترکہ اسٹیج سے یہ آواز ایک احمدی کے دل میں کس قسم کی خوشی پیدا کر سکتی ہے اِس کا اندازہ اس مسلمہ حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ عرصہ ... سے ہماری جماعت کے اسٹیج سے یہ آواز بار بار بلند کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مشترکہ اغراض کی خاطر ایک سٹیج پر جمع ہو کر رُوحِ تعاون کے ساتھ اپنی عالمگیر مشکلات کا حل سوچنا اور اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے اکٹھا ہو جانا چاہیئے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہماری آواز بازگشت بے نتیجہ نہیں رہی اور اب ممالکِ اسلامیہ کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی غرض سے مؤتمر عالمِ اسلامی کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔"

اُن دنوں پاکستان اور بیرونی ممالک کے بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مؤتمر عالمِ اسلامی کا قیام محض ایک سیاسی سٹنٹ ہے جس سے حکومتِ پاکستان اپنی ہر دلعزیزی اور مقبولیت بڑھانا چاہتی ہے تاکہ ملکی انتخابات کے لئے موافق اور سازگار حالات پیدا ہوں۔ عرب نمائندگان میں سے بھی ایک نمائندہ نے اِس قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ اِن وفود کے پاس اُن کی حکومتوں کی طرف سے کوئی اختیار نہیں اور نہ حکومتیں ایسا اختیار دے سکتی ہیں بلکہ اگر اختیار دے بھی دیتیں تو اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہماری آواز کے ساتھ اپنی مقررہ اور مستقل پالیسی کو ہم آہنگ کریں گی۔ امیرِ وفد حضرت سید

ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اس عرب نمائندے کو بھی جواب دیا اور اپنے بیان میں بھی بتایا کہ مؤتمر عالمِ اسلامی کے قیام اور بقاء سے کم از کم جو فائدہ ہمیں پہنچ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ باہمی تعارف و ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ عالمِ اسلامی کے اتحاد کی ضرورت کا شعور اور احساس پیدا ہو جانا خود ایک بڑی نعمت ہے۔ تقریباً ہر ایک نمائندے نے بلند آواز اور مؤثر انداز میں بار بار سُنایا کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے تم مسلمان بنو یہ آواز بھی احساس بیداری پیدا کرنے والی ہے۔ اور جب قوم میں ایک دفعہ احساس پیدا ہو جائے تو اُمید کی جاتی ہے کہ دوسرا قدم بھی اُٹھایا جائے۔ پس احساسِ بیداری سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے نہ کہ مایوسی سے اس کو ضائع کر دینا چاہیئے "

حضرت شاہ صاحبؓ نے اِس بیان میں مزید فرمایا کہ :-

"مَیں نے محسوس کیا ہے کہ جمعیتِ علماء میں بھی قابلِ قدر ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو سمجھتی ہیں کہ اسلامی فرقوں کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کی نوعیت زیادہ تر تاویلی اور اصطلاحی ہے ہمیں ان اختلافات سے بلند اور بالا رہ کر عالمِ اسلامی کے لئے تنظیمِ وحدت، کا سٹیج کھڑا کرنا چاہیئے۔ مجھ سے ایک عالم نے کہا کہ نبوت اور ختمِ نبوّت کی تعریف میں جو اختلاف آپ کے اور ہمارے درمیان ہے وہ در اصل اصطلاحی تعریف کا اختلاف ہے ورنہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ اختلاف ایسا نہیں کہ ایک دوسرے سے آپس میں دست و گریبان ہوں۔ آپ بھی مانتے ہیں کہ اسلام کی شریعت کامل ہے اور اس کے بعد کوئی شریعت نہیں اور نبوّت کی تعریف میں صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا اور نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صاحبِ شریعت بھی ہو اور ہمارے علماء نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ تو یہ صرف اختلاف تعریف کا ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں کہ آپس میں دست و گریبان ہو جائے علماء کے طبقہ میں اِس قسم کی آزاد خیالی کا پیدا ہونا خوش کُن ہے۔ جوں جوں ہمارا نقطۂ نظر وسعت اختیار کرتا جائے گا اور رواداری کی رُوح ہم میں کارفرما ہو گی ہم ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے جائیں گے اور جو ہمارے درمیان خلیج ہے کم سے کم ہوتی چلی جائے گی۔ اِس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ مؤتمر عالمِ اسلامی کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان وحدت کی صورت پیدا ہونے کے امکانات موجود ہیں "[1]

---

[1] الفضل ۱۷ اماں ۱۳۳۰ھش / ۱۷ مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۶

سندھیوں میں حلقۂ تبلیغ وسیع کرنے کی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۰؍امان/مارچ کو ناصر آباد سندھ کے مقام پر ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں احمدی جماعتوں کو تحریک فرمائی کہ وہ صُوبہ کے اصل باشندوں یعنی سندھیوں میں حلقۂ تبلیغ کو وسیع کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

" جب تک تم سندھیوں میں احمدیت کی تبلیغ نہیں کرتے یا جب تک تم ان کے ساتھ اِس طرح رل مل نہیں جاتے کہ تمہارا تمدن بھی سندھی ہو جائے، تمہارے کپڑے بھی سندھیوں جیسے ہو جائیں، تمہاری زبانیں بھی سندھی ہو جائیں اُس وقت تک تمہاری حیثیت محض ایک غیر ملکی کی رہے گی۔ یہ کتنی واضح چیز ہے جو نظر آ رہی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کتنے آدمی ہیں جنہوں نے اِس حقیقت پر کبھی غور کیا ہے۔ اِس وقت بیرونی جماعتوں میں سے سَو ڈیڑھ سَو آدمی یہاں آیا ہوُا ہے اور ہم خوش ہیں کہ جماعت میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں کہ ایک جنگل میں اتنے آدمی اکٹھے ہو گئے ہیں لیکن اگر ہم غور سے کام لیں تو یہ زندگی کے کیا آثار ہیں کہ جس ملک میں ہم بیٹھے ہیں اُس ملک کے باشندے ہمارے اندر موجود نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے ہم انگلستان میں ایک بہت بڑا جلسہ کریں اور اس میں پاکستان کے پاکستانی، افریقہ کے حبشی، انڈونیشیا کے انڈونیشین، سیلون کے سیلونی، برما کے برمی، افغانستان کے افغان اور عرب ممالک کے عرب سب موجود ہوں لیکن انگلستان کا کوئی آدمی نہ ہو اور ہم بڑے خوش ہوں کہ ہمارا جلسہ نہایت کامیاب ہوُا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ جلسہ کیا کامیاب رہا جس میں اَور ممالک کے لوگ تو موجود تھے اور انگلستان کا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ اِس طرح تو ہم نے اپنے روپیہ کو ضائع ہی کیا کیونکہ جس ملک کے لوگوں پر ہم اپنا اثر پیدا کرنا چاہتے تھے اُس ملک کا کوئی فرد اس میں موجود نہیں تھا۔ اسی طرح ہم جب سندھ میں آئے ہیں تو سندھ کے لوگوں کی خاطر آئے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سندھیوں میں اپنی تبلیغ کے حلقہ کو وسیع کریں اور ان کو اپنے اندر زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل کریں۔ غرض اگر غور سے کام لیا جائے اور سوچنے کی عادت ڈالی جائے تو یہ چیز ہمارے سامنے آجاتی ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اِس صوبہ میں رہتے ہوئے ہم نے اپنی ذمّہ داری کو سمجھا ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس ملک کے رہنے والوں کا حق پنجابیوں سے زیادہ ہے اور ہمارے لئے خوشی کا دن دراصل وہ ہوگا جب ہمارے جلسہ میں اگر پانچ سَو آدمی ہوں تو ان میں سے چار سَو سندھی ہوں اور ایک سَو پنجابی ہو۔ اگر ہم ایسا

تغیر پیدا کرلیں تب بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنے فرض کو ادا کر دیا۔" ؎۱

بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ پر علمائے سلسلہ کا تبصرہ

پاکستان میں دستور سازی کی جو مہم تین سال سے جاری تھی اُس نے ۶ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک معین صورت اختیار کر لی یعنی ملک کی دستور ساز اسمبلی نے بنیادی حقوق کی کمیٹی کی عبوری رپورٹ منظور کر لی۔ اِس رپورٹ کے سارے پہلوؤں پر غور و فکر کے لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے ارشادِ مبارک پر ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں مندرجہ ذیل ممتاز علمائے سلسلہ شامل تھے :-

۱۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر دعوت و تبلیغ سابق پروفیسر تاریخ الادیان کُلّیہ صلاح الدین ایوّبی بیت المقدس۔ ۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ ناظر تالیف و تصنیف سابق مبلّغ بلادِ عربیہ و امام مسجد لنڈن۔ ۳۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ و سند یافتہ از صدر مدرّس مدرسہ فتح پوری دہلی سابق مدرّس دار العلوم دیوبند۔ ۴۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ سابق مبلّغ بلادِ عربیہ۔ ۵۔ حضرت مولوی فضل الدین صاحب مشیر قانونی سلسلہ عالیہ احمدیہ ۶۔ مولوی خورشید احمد صاحب شادؔ پروفیسر جامعۃ المبشّرین سند یافتہ شیخ الحدیث ڈابھیل۔ ۷۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقبؔ پروفیسر جامعۃ المبشّرین و سند یافتہ صدر مدرّس مدرسہ فتح پوری دہلی سابق مدرّس دار العلوم دیوبند۔ ۸۔ ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین۔ ۹۔ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بار ایٹ لاء مشیر قانونی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ ۱۰۔ مولوی تاج الدین صاحب قاضی سلسلہ عالیہ احمدیہ ۱۱۔ مولوی محمد صدیق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین سند یافتہ شیخ الحدیث ڈابھیل۔

اِن علماء نے قرآن و سُنّت کی روشنی میں عبوری رپورٹ کی دفعات کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس کے اہم پہلوؤں پر ایک سیر حاصل تبصرہ لکھا جو الفضل (۲۴ر امان ۱۳۳۰ھش) میں شائع ہوُا۔ اِس تبصرہ کے بعض اہم نکات حسبِ ذیل تھے :-

اوّل :- جہاں تک حدودِ شرعیہ کا سوال ہے جیسے قصاص، زنا، سرقہ وغیرہ اِن میں قرآن مجید اور سُنّت نے کسی کا استثناء نہیں کیا لہٰذا حدودِ شرعیہ میں نہ تو صدرِ مملکت کا استثناء مناسب ہے اور

؎۱ الفضل ۲۸ر امان ۱۳۳۰ھش صفحہ ۶۔

نہ صدرِ صوبہ کا نہ کسی اَور کا۔ البتہ جن احکام کے نافذ کرنے کا قانون نے کسی عہدیدار کو حق دیا ہے ان کے نفاذ کے بارہ میں کوئی فوجداری نالش نہیں کی جاسکتی خواہ اس فیصلہ سے لوگوں کو اختلاف ہی ہو ایسے امور کی سماعت صرف مجلسِ شوریٰ یعنی اسمبلی میں ہوگی۔

دوم :۔ صدرِ مملکت یا صدرِ صوبہ کی گرفتاری، قید یا حاضری کا حکم اُس کے عہدہ کے دَوران کسی عدالت کی طرف سے جاری کیا جاسکتا ہے۔

سوم :۔ صدرِ مملکت کو حدودِ شرعیہ کے معاف کرنے کا حق نہیں مثلاً قتل اور جروح میں قصاص کی معافی یا دیت کی صورت میں سزا کی تبدیلی کا صرف مقتول کے وارث یا زخم خوردہ کی رضامندی سے صدر کو حق حاصل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں اور باقی امور میں مصالحِ ملکی اور سیاسی کے ماتحت حق دیا جاسکتا ہے۔

چہارم :۔ اسلام میں صدرِ مملکت کو دستور معطّل کرنے کا اختیار کبھی حاصل نہیں البتہ اگر کسی دِقت کی وجہ سے وقتی طور پر دستور پر عمل کرنا ناممکن ہوجائے تو اُس وقت صدرِ مملکت کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ یہ اعلان کرے کہ چونکہ موجودہ حالات میں دستور پر عمل کرنا ناممکن ہوگیا ہے اِس لئے مَیں حالات کی درستی تک جس کے لئے میعاد معیّن مذکور ہونی چاہیئے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں یا فلاں فلاں نمائندوں کو یہ اختیار سپرد کرتا ہوں۔

پنجم :۔ اسلام نے عدالتی فیصلہ کے بغیر کسی شخص کو قید میں رکھنا جائز نہیں رکھا۔ البتہ خاص حالات میں ہنگامی ضرورت کے وقت اگر کسی کو گرفتار کیا جائے تو اس کا معاملہ قریب سے قریب وقت میں عدالت کے سامنے پیش کیا جانا چاہیئے۔ البتہ اگر ضرورت سمجھی جائے تو عدالت کو از خود یا حکومت کی درخواست پر مقدمہ کی سماعت بند عدالت میں کرنے کا اختیار ہے۔ یہ اسلامی اصول کہ کسی کو عدالتی فیصلہ کے بغیر قید میں نہیں رکھا جاسکتا آئینی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جو حکومت یہ سمجھے گی کہ وہ عدالت کے فیصلہ کے بغیر کسی کو قید میں نہیں رکھ سکتی تو وہ لازماً اپنے قانون کو زیادہ مکمّل کرنے کی کوشش کرے گی۔

ششم :۔ عبوری رپورٹ کے تتمہ دوم دفعہ ۱۱-۱۳ میں مذہبی تعلیم و آزادی کے لئے اسلامی فرقوں کے ساتھ "مسلّمہ" کا اضافہ کیا گیا تھا جس پر علمائے سلسلہ نے حسبِ ذیل رائے دی کہ :۔

"لفظ مسلّمہ خود تشریح طلب ہے اگر مسلّمہ سے مُراد قرآن کریم اور حدیث کی رُو سے مسلّمہ لیا جائے تو اس کے لئے کسی قید کے بڑھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن و سُنّت کا حکم سب کے لئے ماننا ضروری ہے اور اس کے خلاف چلنا ناجائز ہے۔ اور اگر مسلّمہ سے مراد حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی وغیرہ فرقے لئے جائیں تو ایسی قید کسی طرح جائز نہیں سمجھی جاسکتی۔ قرآن مجید میں یہ کہیں بیان ہوا ہے کہ فلاں صدی تک کے لوگوں کو امورِ شرعیہ میں استنباط کرنے کا حق ہوگا اور فلاں صدی کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہوگا۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اجتہاد کرنے کا حق تھا تو یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ کسی خاص فرقہ کے ساتھ اس حق کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایک مُجتہد کی جماعت کو بھی مسلّمہ جماعت قرار دیا جائے تو پھر لازماً ہر مسلمان کہلانے والی جماعت کو مسلّمہ جماعت قرار دینا پڑے گا۔ اور دوسری طرف اگر کسی جماعت کو یا اس کے عقائد کو غیر مسلّمہ قرار دیا گیا تو پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سلسلہ کو بھی مسلّمہ قرار دینا جائز نہیں ہوگا۔"

محبّتِ الٰہی کے موضوع پر پُر معارف خطبات

تحریکِ احمدیت کے قیام اور حضرت مہدی موعودؑ کی بعثت کا مقصدِ وحید محبّتِ الٰہی ہے جیساکہ حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہوگئی ہے اس کو دُور کر کے محبّت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں۔"[1]

پھر فرماتے ہیں :۔

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرّک یہ ہے کہ مَیں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اِس قدر قیمت ہے کہ اگر مَیں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہوجائیں گے جس کے پاس آج دُنیا میں سب سے بڑھ کر سونا اور چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچّا خدا۔ اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچّا ایمان اس پر لانا اور سچّی محبّت کے ساتھ اُس سے تعلق پیدا کرنا اور سچّی برکات اُس سے پانا۔"[2]

---

[1] لیکچر لاہور صفحہ ۴۷ ۔ [2] اربعین ۲

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ چونکہ حُسن و احسان میں حضرت مہدیٔ مسعود علیہ السلام کے مثیل و نظیر تھے اس لئے آپ کو اپنے بابرکت دَورِ خلافت کے آغاز ہی سے سب سے بڑا فکر یہی دامنگیر رہا کہ جماعتِ احمدیہ کا ہر فرد کسی طرح خدا تعالیٰ سے مخلصانہ تعلق پیدا کرلے اور اُن کا مولیٰ اُن سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ حضور انور نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء پر اپنے اِس درد اور تڑپ کا اظہار بایں الفاظ کیا کہ :۔

"مجھے ہمیشہ یہ تڑپ رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تمہارے دِلوں میں پیدا ہو جائے اور اس سے سچّا اور مخلصانہ تعلق تم کو حاصل ہو۔ اور مَیں اِس غرض کے لئے ہمیشہ کئی قسم کی کوششیں کرتا رہا ہوں۔ مَیں نے ہزاروں رستے اور ہزاروں ذرائع تمہارے سامنے رکھے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ان ذرائع پر عمل کر کے سینکڑوں اور ہزاروں مخلص بھی پیدا ہوئے مگر پھر بھی ہماری جماعت میں حقیقی اخلاص کی ابھی کمی ہے جس کے لئے مَیں اللہ تعالیٰ سے متواتر دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ اب اِس موقع پر مَیں ایک دفعہ پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ یاد رکھو کہ میری موت یا حیات تو کوئی چیز نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت بڑی چیز تھی اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ان سے بھی بڑی چیز تھی مگر اس حقیقت کے باوجود مَیں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اگر جماعت حقیقی ایمان پر قائم ہو اور وہ خدا تعالیٰ سے سچّا اور مضبوط تعلق رکھتی ہو تو کسی بڑے سے بڑے نبی کی وفات بھی اس کے قدم کو متزلزل نہیں کر سکتی بلکہ بعض برکات اور ترقیات ایسی ہوتی ہیں جو انبیاء کی وفات کے بعد قوم کو حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ قوم صحیح رنگ میں ایمان پر قائم ہو۔ پس اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو اور اپنے نفوس میں ایسا تغیر رُونما کرو کہ تمہارے دِلوں میں یہ بات گڑ جائے کہ ہم نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے وابستہ کرنا ہے اور اُس کی محبت اور پیار حاصل کرنا ہے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت کو تحریکِ احمدیت کے اِس بنیادی نقطہ کی طرف ایک بار پھر توجہ دلانے کے لئے اِس سال محبتِ الٰہی کے پیارے موضوع پر متعدد خطبات دیئے۔ یہ سلسلۂ خطبات ۲۰ ماہِ امان سے لے کر ۲۰ ماہِ شہادت تک جاری رہا۔

اِن پُر معارف خطبات میں حضور نے کمال وضاحت سے بتایا کہ مذہب کے عملی حصّہ کی بنیاد محبتِ الٰہی

---

[1] الفضل ۲۲ صلح ۱۳۳۹ھش / جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۱ ؎

پر ہے جسے عام اصطلاح میں تعلق باللہ کہتے ہیں خدا تعالیٰ سے ملنے کے لئے کسی جنتر منتر کی ضرورت نہیں بلکہ اُن فطرتی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر انسان میں پائی جاتی ہیں جس طرح لوگ اپنے ماں باپ، بیٹے بیٹی اور بھائی بہنوں سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں جس طرح لوگ کسی کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں وہی فطری طریق خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ماں باپ سے ہر ایک انسان محبت کرتا ہے اِس لئے کہ اُن کی طرف آپ ہی آپ توجہ ہو جاتی ہے اور وہ خود بھی اسے یاد دلاتے رہتے ہیں کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں لیکن اُستادوں سے لوگوں کو بہت کم محبت ہوتی ہے اِس لئے کہ وہ عام طور پر اپنے احسانات کو دُہراتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ماں باپ اور استاد سے بھی زیادہ مخفی ہے اِس لئے وہاں توجہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس کی محبت پیدا کرنے اور اس کے قُرب کو حاصل کرنے کے لئے چیزیں وہی ہیں، گو وہی ہیں لیکن ضرورت صرف توجہ کی ہے۔ بعض موٹی موٹی چیزیں ہیں جن پر لوگ عمل نہیں کرتے اِس لئے وہ قُربِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کھانا کھاؤ تو پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ اب کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنے کے یہی معنے ہیں کہ یہ کھانا مجھے خدا تعالیٰ نے دیا ہے۔ بسم اللہ کے لفظی معنے تو یہ ہیں کہ مَیں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں لیکن اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کھانا خدا تعالیٰ کا ہے میرا کوئی حق نہ تھا کہ اسے کھاؤں مگر خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے اور اس نے کہا ہے تم کھالو اِس لئے مَیں کھا رہا ہوں۔ نہ گندم میری پیدا کی ہوئی ہے، نہ پانی میرا بنایا ہوُا ہے، نہ نمک میرا بنایا ہوُا ہے، نہ مرچ میری پیدا کی ہوئی ہے، نہ گوشت میرا پیدا کیا ہے، نہ ترکاریاں مَیں نے پیدا کی ہیں، یہ سب چیزیں میرے باپ دادا کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہیں۔ بڑے سے بڑے خاندان کا ذکر بھی سَو پُشتوں سے آگے نہیں جاتا لیکن گندم، پانی، ترکاری، گوشت، نمک، مرچ اور لونگ وغیرہ ہزار پُشتوں سے بھی پہلے سے موجود ہیں اور جب یہ سب اشیاء میری پیدائش بلکہ میرے باپ دادا کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہیں تو یہ میری نہیں ہو سکتیں۔ بسم اللہ کے معنے ہی یہ ہیں کہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں لیکن اُس نے ہمیں اجازت دی ہے کہ تم اسے کھالو اور ہم کھا رہے ہیں۔ پھر یہ بات بھی اسلام نے سکھائی ہے کہ جب تم کھانا کھا چکو تو الحمد للہ کہا کرو اور دوسری دفعہ خدا تعالیٰ کو یاد کر لیا کرو۔ گویا الحمد للہ کہنا خدا تعالیٰ کے احسان کا دوسری بار شکریہ ادا کرنا ہے۔ اگر کوئی انسان اس پر مداومت اختیار کرے تو آپ ہی آپ اس کے دِل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی۔"

محبّتِ الٰہی کا دوسرا اہم نسخہ حضور نے یہ بیان فرمایا کہ :-

"خدا تعالیٰ کے حُسن کو الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اسے بار بار دُہرایا جائے اور آنکھوں کے سامنے اس کی تصویر لائی جائے تا انسان مجبور ہو جائے کہ اس سے پیار کرے۔ اور اس کا نام قرآن کریم میں ذکرِ الٰہی رکھا گیا ہے۔ رب، رحمٰن، رحیم، مالکِ یوم الدین، ستّار، قدوس، مومن، مہیمن، سلام، جبّار، قہّار، اور دوسری صفاتِ الٰہیہ یہ سب نقشے ہیں جو ذہن میں کھینچے جاتے ہیں جب متواتر ان صفات کو ذہن میں لاتے ہیں اور ان کے معنوں کو ترجمہ کر کے ذہن میں بٹھا لیتے ہیں تو کوئی صفت خدا تعالیٰ کی کان بن جاتی ہے تو کوئی صفت آنکھ بن جاتی ہے۔ کوئی صفت ہاتھ بن جاتی ہے۔ اور یہ سب مل کر ایک مکمل تصویر بن جاتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں محبّتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔" [۱]

احمدیہ مسجد سمندری کی آتشزدگی

گذشتہ سال "تحفّظِ ختمِ نبوّت" کی آڑ میں بعض پاکستانی احمدیوں کو شہید کر دیا گیا تھا اِس سال نام نہاد "محافظینِ ختمِ نبوّت" نے ۱۳ ماہِ ہجرت / مئی کو سمندری (ضلع لائل پور) کی احمدیہ مسجد کو آگ لگا دی[۲] جیسا کہ اخبار الفضل کے نامہ نگار نے اطلاع دی :-

"احراری نقارہ پیٹ کر اپنے حواریوں کو اکٹھا کر کے مسجد احمدیہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے آگ لگا دی۔ یہ ہجوم نہایت ہی فساد انگیز نعرے لگاتا ہوا مسجد کے اندر داخل ہوا اور اس میں مقیم احمدیوں کو زخمی کر دیا واٹر پمپ اُکھاڑ کر اس کا سامان اٹھا کر لے گئے۔" [۳]

ضلع لائلپور کے معزّز مسلمانوں کا کھلا اظہارِ نفرت

اِس خلافِ اسلام حرکت اور شر انگیز اقدام سے قُرب و نواح کے علاقوں میں نہایت ہی نفرت اور غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ اِس حقیقت کا اندازہ درج ذیل خطوط سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے جو اُن دنوں ضلع لائلپور کے شرفاء اور سربرآوردہ مسلمانوں کی طرف سے اخبار الفضل میں شائع ہوئے۔

(۱) سمندری کے معزّز مسلمانوں کا احتجاج :-

"ہم حنفی المذہب مسلمان ہیں ہمارا جماعتِ احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں مگر ہم اِس بات پر نفرت کا

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۰-۱۳-۱۹ روفا ۱۳۳۰ھش / جولائی ۱۹۵۱ء

[۲] الفضل ۱۶ ہجرت ۱۳۳۰ھش / مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۱ [۳] ایضاً

اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سمندری میں جن لوگوں نے احمدیہ مسجد کو جلایا ہے ان لوگوں نے نہایت گندہ فعل کیا ہے اور ان کی یہ حرکت پاکستان کے مسلمانوں کو سخت بدنام کرنے کا موجب ہے۔ صرف ہم ہی نہیں ہر شریف انسان کے دل میں ایسی حرکت کرنے والوں کے متعلق نفرت اور غصّہ کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ عبادت گاہوں کو جلانا خواہ وہ کسی مذہب اور فرقہ کی ہوں نہایت ہی شرمناک حرکت ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ مہربانی فرما کر ہماری یہ رائے اخبار میں شائع کر دیں۔ ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اِس مکروہ فعل پر نفرت کا اظہار کریں تاکہ ملک کی فضا خراب نہ ہو۔ (دستخط ۱۔ محمد حسین بقلم خود ۲۔ محمد شفیع بقلم خود ۳۔ اللہ دین بقلم خود ۴۔ محمد دین ۵۔ محمد عبداللہ سمندری خاص)

(۲) چک ۴۸۸/۳ گ۔ب متصل سمندری کے مسلمان شرفاء کے تاثرات:۔

"سمندری میں احمدیوں کی مسجد کو جلا کر شرارت پسند عنصر نے بہت ہی گندہ نمونہ پیش کیا ہے عبادت گاہ کو جلانا خواہ وہ کسی فرقہ کی ہو نہ صرف اسلام کی رُو سے گناہ ہے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی بہت قابلِ شرم فعل ہے۔ پاکستان خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک امن پسند جمہوری ملک ہے اِس ملک میں کسی فرقہ کی عبادت گاہ کو جلانا ایسا فعل ہے جس کی ہندو، سکھ، یہودی اور عیسائی سے بھی توقع نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے مسلمان اسلام کی خدمت سے تو محروم تھے ہی اب ان میں سے چند شرارت پسند لوگوں نے اپنے اعمال سے اسلام کو بدنام کرنے والی حرکتیں شروع کر دی ہیں جن کو تمام شریف الطبع پاکستانی مسلمان نہایت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا جماعتِ احمدیہ سے مذہبی اختلاف ہے مگر ہم اِس فعل کو بہت بُرا اور ظالمانہ فعل سمجھتے ہیں۔

دستخط ۱۔ محمد شفیع ۲۔ جلال الدین ۳۔ محمد حسین ۴۔ HAKAMALI ۵۔ MOHAMMAD RAFI"۔

(۳) چک ۴۸۷/۳ گ۔ب متصل سمندری کے مسلمان شرفاء کے تاثرات:۔

جن لوگوں نے سمندری کی احمدیہ مسجد کو جلایا ہے انہوں نے اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم کے بالکل اُلٹ کر کے پاکستان کے مسلمانوں کو بدنام کرنے اور پاکستان کی پُرامن فضاء کو برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم باوجود جماعتِ احمدیہ سے مذہبی اختلاف رکھنے کے اِس فعل پر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں

اور توقع رکھتے ہیں کہ حکومت ایسے شریر لوگوں سے باز پرس کرے گی اور جو لوگ مجرم ثابت ہوں ان کو سزا دیکر آئندہ کے لئے ملک کی فضا کو پاکیزہ بنائے گی۔

دستخط ۱۔ غلام محمد ۲۔ سردار محمد

(۴) احراریوں کی حرکت اسلام کو ذلیل کرنے والی ہے:۔

"مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض شر پسند عناصر نے سمندری میں ایک مسجد کو جلا دیا ہے۔ مَیں اور میرے دوست اِس فعل پر انتہائی نفرت کرتے ہیں۔ جب ہم ان واقعات کو شرقی پنجاب کی سرزمین پر دیکھتے تھے تو انہیں دشمنانِ اسلام کے صریح مظالم قرار دیتے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تخریب پسند عناصر کے حد سے گذرنے کی وجہ سے پاکستان میں بھی عبادت گاہیں محفوظ نظر نہیں آتیں۔ پاکستان ایک ایسی مملکت ہے جس کے حصول کے لئے لاکھوں انسانوں نے اپنی زندگیاں اِس لئے قربان کیں کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو سکے۔ کیا ان کی رُوحیں اِس ظالمانہ حرکت کو دیکھ کر تڑپ نہ گئی ہونگی۔ ہم آج بھی اسلام کے نام پر ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن پاکستان میں اسلام کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی حکومت کو اِس چیز کی اجازت دے سکتے ہیں کہ مسجدیں جلتی دیکھ کر حکومت کی مشینری میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو۔

مَیں اور میرے احباب حکومت سے پُر زور استدعا کرتے ہیں کہ پاکستان کی سالمیّت کے ان دشمنوں اور خدا کے باغیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔

خاکسار محمد الطاف حسین طالب علم بی۔ ایس سی (زراعت) زراعتی کالج لائل پور"

(۵) احراریوں کی حرکت سراسر خلافِ اسلام ہے:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب الفضل! السلام علیکم

سمندری میں مسجد کو جو آگ لگائی گئی ہے یہ سراسر غلطی ہے اور خلافِ اسلام حرکت ہے۔ مسجد خدا کا گھر ہے اس میں جس فرقہ یا خیال کا آدمی بھی عبادت کرنا چاہے کر سکتا ہے مسجد اس کو نہیں روکتی کہ فلاں آدمی نماز پڑھے اور فلاں نہ پڑھے مسجد فرقہ پرستی سے بالا جگہ ہے۔

مسجد میں ایک شیعہ بھی نماز پڑھ سکتا ہے، ایک اہلحدیث بھی پڑھ سکتا ہے، ایک احمدی فرقہ کا آدمی بھی پڑھ سکتا ہے۔ مسجد کا نام سب کے لئے قابلِ عزّت ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ

اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کی جائے بعض لوگوں نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ دوسروں کو عبادت کرنے سے روکا جائے اور ان کی مسجد کو جلایا یا گرایا جائے مسجد کو آگ لگانا اسلام کے سراسر خلاف ہے ایسے لوگوں کو دین سے کیا محبت ہوسکتی ہے جو دوسروں کو خدا کی عبادت کرنے سے روکیں۔

(دستخط) عبدالرزاق پروپرائٹر اقبال پرنٹنگ پریس۔ لائل پور)

(۶) یہ فعل ازحد شرمناک ہے:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب الفضل! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مَیں ایک حنفی المذہب مسلمان مہاجر ہوں۔ جب مَیں نے سمندری میں احمدیہ جماعت کی مسجد کو جلانے کی خبر سُنی تو مجھے بہت دُکھ ہوُا کہ ہم لوگ سِکھوں کے مظالم پر روتے تھے خود ہمارے پاکستان میں بھی بعض ایسے گندے اور ظالم لوگ موجود ہیں جو مسجد کو جلا دینے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ مَیں حیران ہوں کہ جب یہ خبر دوسرے ملکوں کے لوگ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ یہ فعل بہت ہی شرمناک ہے۔ پاکستان کی رعایا اور حکومت دونوں کو مل کر کوشش کرنی چاہیئے کہ اِس قسم کے فسادی لوگ ایسی حرکتیں نہ کرسکیں جن سے پاکستان اور اسلام کی بدنامی ہو اور ملک کا امن خراب ہوجائے۔

(عبدالغنی چک نمبر ۶۹ ج۔ب تحصیل وضلع لائل پور)

(۷) مذہب کے نام پر دھبّہ:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب الفضل! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کچھ دن ہوئے مَیں نے خبر سُنی کہ سمندری میں ایک مسجد کو آگ لگا دی گئی۔ میرے خیال میں جس نے بھی مسجد کو آگ لگائی ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہے یہ اس نے اپنے مذہب کے نام پر دھبّہ لگایا ہے کیونکہ مذہب اسلام یہ کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دیتا کہ کسی بھی عبادت گاہ کو آگ لگائی جائے۔

محمد ابراہیم بقلم خود منشی محلہ لائل پور [1]

روزنامہ "جدید نظام" کا احتجاج

لاہور کے اخبار "جدید نظام" نے اپنی ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں اِس افسوسناک سانحہ پر حسبِ ذیل احتجاجی نوٹ لکھا:۔

---

[1] الفضل ۹ احسان ہش ۱۳۳۰ / جون ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

"کچھ عرصہ سے حکومتِ پاکستان کو پاکستان کی دیرینہ دشمن اور مخالف جماعت مجلسِ احرار کے ارکان نے یہ یقین دلانے کی ناکام کوشش کر رکھی ہے کہ مجلسِ احرار کی سیاسی پالیسی بالکل ناکام ہو چکی ہے اس لئے وہ لوگ جو کل تک یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ ہندوستان میں کوئی ایک بھی ایسا مسلمان موجود نہیں ہے جو پاکستان کا قیام تو درکنار پاکستان کی صرف پ ہی بنا کر دکھا دے۔ لیکن آج جبکہ خدا کے فضل و کرم سے پاکستان کا قیام ہی عمل میں نہیں آیا بلکہ دُنیا کی بہترین طاقتور حکومتوں میں سے ایک اعلےٰ پایہ کی حکومت کے طور پر شمار ہونے لگا ہے تو دشمنانِ پاکستان کی تحریک پر پاکستان کی بعض ایسی جماعتوں نے جو ہمیشہ مشرکین اور کفّار کی سٹیج سے تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان اور بانئ پاکستان کے خلاف ذلیل قسم کے خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں اور بانئ پاکستان حضرت قائدِ اعظم مرحوم ومغفور کو عام جلسوں میں نعوذ باللہ کافرِ اعظم کے خطاب سے نوازتے رہے آج وہی لوگ حکومتِ پاکستان کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منافرت پھیلا کر آپس میں سر پھٹول کرانا اپنا شیوہ بنا چکے ہیں جیسا کہ ضلع لائل پور کی ایک مسجد کو آگ لگا کر تماشا دکھایا گیا ہے۔

عبادت گاہ خواہ کسی کی ہو ہر لحاظ سے قابلِ احترام ہے۔ مرزائیوں سے ہمیں بھی مذہبی اور عقیدہ کے لحاظ سے احراریوں سے زیادہ اختلافات ہیں مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کی عبادت گاہوں کو آگ لگا کر جلا دیں۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ کو خدا کا آخری نبی اور سچا نبی نہ مانیں۔ کچھ عرصہ ہوا امپروومنٹ ٹرسٹ کانپور نے سڑکوں کی فراخی کی سکیم کے پیشِ نظر کانپور کی ایک مسجد کا پیشاب خانہ گرا دیا تو طول وعرضِ ہند میں مسلمانوں نے پُر زور احتجاج کیا اور اتنا زبردست پروٹسٹ کیا کہ اس عظیم سانحہ کا ذکر کئے بغیر برِّ عظیم ہند کی تاریخ مکمل نہیں کی جا سکتی۔

پھر ابھی کل کی بات ہے کہ لنڈے بازار میں صدہا مسلمان ظفر الملّت حضرت مولانا ظفر علی خاں کی زیرِ قیادت مسجد شہید گنج کے تحفظ کے لئے زخموں سے چُور خاک وخون میں لت پت ہو کر تڑپ رہے تھے اور اس حالت میں ان کی لاٹھیوں اور گولیوں سے زخمی جسموں پر گھوڑ سوار دستے سرپٹ دوڑائے گئے تھے لیکن مسجد کے عاشق مسلمان کا پائے ثبات ڈگمگا نہ سکا۔ ہزاروں مسلمان زخمی ہوئے اور بیشمار

جامِ شہادت نوش کرکے مسجد کی عزّت کے تحفظ پر اپنے نفسوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قربان کر گئے۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر کیا کسی کو یقین آسکتا ہے کہ مسلمانوں نے مسجد کو آگ لگا کر راکھ کر دیا ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مسلمانوں سے اِس قسم کی توقع کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ہمارے احراری بھائی جو مسجد شہید گنج کے تحفظ کے لئے جانیں دینے والوں کو حرام موت مرنے والے کہتے تھے کسی مسجد کو آگ لگا کر راکھ کر دیں تو یہ دُور از قیاس امر نہیں۔ خانۂ خدا (مسجد) کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد احراری بھائیوں کا منارِ خصوصی اخبار" آزاد" مسجد کو مرزائیوں کا گرجا کہہ کر اِس خفت کو محو کرنا چاہتا ہے جو دنیا کی نظروں میں رہتی دُنیا تک ہمیشہ ان کے شاملِ حال رہے گی۔ لیکن اختلافِ عقائد کی بناء پر دوسرے فرقہ والوں کی مسجد کو گرجا گھر کہہ کر جلا دینے کا جو دروازہ کھولا گیا ہے یہ قطع نظر آسمانی حکومت کی غداری کے کہ جس نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید میں گرجا، مندر اور مسجد وغیرہ ہر قسم کے عبادت گھروں کی یکساں تعظیم کا تاکیدی حکم دیا ہے ملک کے خرمنِ امن کو جلانے کا باعث ہوگا۔

ذرا سوچیئے کہ مرزائیوں کی مسجد کیوں جلائی گئی، اِس لئے کہ علماء نے انہیں کافر کہا ہے لیکن کیا علماءُ نے دیوبندی عقائد والوں کو کافر نہیں کہا۔ کیا ہمارے احراری بھائی جو عموماً دیوبندی خیال کے ہیں بریلوی علماء احناف و اہل سُنّت والجماعت کے فتاوٰی کفر بھُول گئے اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ مذہبی طور پر ملّتِ اسلامیہ کا کوئی گروہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس پر کُفر کا فتویٰ نہ لگایا گیا ہو۔ یہاں تک کہ مفتیانِ عرب شریف بھی اِس ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

شمس العلماء مولانا حالیؒ" حیاتِ جاوید" میں سرسیّد مرحوم پر اس قسم کے فتاویٰ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مکّہ معظمہ کے اربعہ مذاہب کے مفتیوں کے فتاویٰ کا خلاصہ لکھتے ہیں کہ

" یہ شخص (سرسیّد مرحوم) ضال اور مضل ہے بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے۔ اس کا فتویٰ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ خدا اس کو سمجھے۔ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے۔"

ہم آخر میں حکومت اور عوام دونوں کو اِس طرف پوری توجہ دلاتے ہوئے اپیل کریں گے کہ اِس شر کو جلد سے جلد ختم کرنے کے لئے کوئی مؤثر اقدام کریں ورنہ پاکستان کے لئے یہ چنگاری کہیں آگ ثابت نہ ہو جس کا بُجھنا بے حد محال و مشکل ہوگا۔"

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ احراریوں کا چالان ہوا۔ سزا ہوئی اور ہائی کورٹ سے قرارداد مجرمیت قائم رہی اور ہائی کورٹ نے مبلغ چار صد روپیہ جرمانہ کی سزا دیکر یہ روپیہ پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کو ادا کرنے کا حکم دیا۔

تیسرا باب

جامعہ نصرت ربوہ کے افتتاح سے لیکر سالانہ جلسہ ربوہ ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء تک

ماہِ وفا ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء — ماہِ فتح ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء

فصلِ اوّل

جامعہ نصرت کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز خطاب

جامعہ نصرت ربوہ کا پس منظر

حضرت المصلح الموعودؓ کے زمانۂ خلافت میں احمدی خواتین نے دینی وعلمی میدان میں حیرت انگیز ترقی کی۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ قادیان اور ربوہ دونوں مراکزِ سلسلہ میں تعلیمیافتہ عورتوں کی تعداد غیر تعلیمیافتہ عورتوں سے ہمیشہ زیادہ رہی جس کا اصل سبب تعلیمِ نسواں کے باب میں حضور کی ذاتی دلچسپی تھی جو قرآنِ عظیم کے گہرے مطالعہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔

دراصل حضور نے ابتداء ہی سے یہ قرآنی راز پالیا تھا کہ وہی قوم ترقی کرسکتی ہے جس کی ساری عورتوں کا دینی معیار بلند ہو۔ چنانچہ آپ کلامِ ربانی "وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا"[1] سے یہ لطیف استدلال فرمایا

---

[1] النّبأ پ۳۰ ع۱

کرتے تھے کہ اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی برکتیں دے گا کہ جب وہ مقامِ مفاز میں پہنچیں گے تو اُن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہوگی کہ اُن کی عورتوں کا دینی معیار بھی اُونچا ہو جائے گا اور پھر وہ اس معیار میں ایک دوسری کے برابر ہوں گی۔ غرض کَوَاعِب میں اُن کے معیار کے اُونچے ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی عورتوں کا دینی معیار بلند ہوگا اور سب میں جوش اور جوانی اور بلندی پائی جائے گی اور اَتْرَاب سے اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اُن کی ترقی قومی ترقی ہوگی انفرادی نہیں۔ یعنی سب میں یہ جوش ایک دوسرے سے ملتا جلتا پایا جائے گا۔۔۔۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو کثرت سے ایسی عورتوں کی مثالیں نظر آتی ہیں۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ نے اسلام کے عہدِ ثانی کی تاریخ میں اسی بلند تخیل کو عملی شکل دینے کے لئے اوائل خلافت ہی سے اقدامات شروع کر دیئے تھے چنانچہ ۱۹۱۵ء میں پنجاب کے مختلف مقامات پر لڑکیوں کے لئے تین مدرسے کھلوائے[2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں جاری شدہ مدرسۃ البنات (گرلز سکول) کو جس کی جماعت بندی ۱۹۰۹ء سے ہو چکی تھی[3] مگر جو ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں سے گذر رہا تھا پرائمری سے ترقی دے کر پہلے مڈل پھر ہائی سکول تک پہنچایا۔ ازاں بعد بالکل اسی طرح نصرت گرلز ہائی سکول کے ساتھ اپریل ۱۹۳۶ء[4] سے ایک دینیات کلاس کا اضافہ فرمایا جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ساتھ ایک شاخ دینیات جاری فرمائی تھی جو خلافتِ اولیٰ میں مدرسہ احمدیہ جیسے عظیم دینی ادارہ کی شکل اختیار کر گئی۔ اِس ابتدائی دَور میں کلاس کی طالبات سے تعلیم کے ساتھ ساتھ مصابیح کے لئے باقاعدہ تربیتی مضامین لکھوائے جاتے تھے اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ[5] پروفیسر جامعہ احمدیہ کلاس میں نہایت قیمتی اور معلومات افروز لیکچر دیتے تھے جو طالبات میں اسلام سے وابستگی اور دلچسپی کا موجب بنتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اِس کلاس کے لئے شروع میں ایک عارضی نصاب تجویز فرمایا اور مستقل نصاب کے لئے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور قاضی محمد اسلم

---

[1] تفسیر کبیر (النبأ) صـ۵۲ کالم ۱۔ [2] الفضل (قادیان) ۲ فروری ۱۹۱۶ء صـ۱ کالم ۱

[3] "قادیان گائیڈ" صـ۵ (مرتبہ میاں محمد یامین صاحبؓ تاجر کتب قادیان) مطبوعہ ۲۵ نومبر ۱۹۲۰ء

[4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۵ء - ۱۹۳۶ء صـ۱۲۶

[5] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۶ء - ۱۹۳۷ء صـ۱۹۶

صاحب ایم۔اے (کینٹب) پر مشتمل کمیشن مقرر فرمایا جس کی رپورٹ پر حضور نے قیمتی ہدایات دیں[1] اور پھر حضور کی سکیم کے مطابق کلاس کی طالبات تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہوتی رہیں۔

ماہِ شہادت ۱۳۲۲ھش (اپریل ۱۹۴۳ء) میں کلاس کے نصاب میں انقلابی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں جبکہ مجلس تعلیم نے حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی ہدایت پر ایک نیا نصاب تجویز کیا[2] اور حضور کے اصولی ارشاد کے ماتحت مشورہ دیا کہ شاخ دینیات کے کورس کو دو دو سال کے چار درجوں میں یعنی کُل آٹھ سالوں میں پھیلا کر مقرر کیا جائے جس میں دینیات، اُردو، عربی، انگریزی، تاریخ، تدبیر منزل وغیرہ مضامین رکھے جائیں۔ دینیات کی تعلیم لازمی ہو اور اس پر زیادہ زور دیا جائے۔ عربی کی تعلیم ابتدائی چھ سالوں تک لازمی ہو اور اس کے بعد اختیاری ہو اور انگریزی کی تعلیم صرف ابتدائی چار سالوں تک لازمی ہو۔ مجلس[3] تعلیم کے معزز ارکان نے دو دو سال کے چار درجوں کے بالترتیب حسبِ ذیل نام تجویز کئے۔ درجہ صالحہ۔ درجہ راشدہ درجہ عالمہ۔ درجہ فاضلہ۔ ہر درجہ میں دینیات کا کورس قرآن مجید۔ حدیث۔ فقہ اور کلام کی کتابوں پر مشتمل تھا مجلس نے آخری درجہ میں پاس ہونے کے لئے ایک مفصّل تحقیقی مضمون کا سپردِ قلم کرنا بھی لازمی قرار دیا۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں جب مجلس تعلیم کے اس مجوّزہ نصاب کی تفصیلی رپورٹ بغرض منظوری پیش ہوئی تو حضور نے اپنے قلمِ مبارک سے بعض ناگزیر اور ضروری ترمیمات کے ساتھ حسبِ ذیل فیصلہ فرمایا:۔

"مَیں نے مجلسِ تعلیم کا نصاب تجویز کردہ برائے شعبہ دینیات مدرسہ بنات دیکھا ہے اس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں ہونی چاہئیں:۔

۱۔ درجات کے نام یہ ہوں: میٹرک کے مقابلہ پر درجہ ممہدہ۔ اس کے اُوپر عالمہ اور اس کے اُوپر

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۴ء۔۱۹۳۵ء صفحہ ۱۲۹۔

[2] اِس غرض کے لئے صدر مجلس تعلیم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صدارت میں ۷ر تبلیغ ۱۳۲۲ھش کو ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں حسبِ ذیل اصحاب نے شرکت فرمائی:۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے، خان بہادر چوہدری ابوالہاشم خاں صاحبؓ۔ مولوی عبد المنان صاحب عمر۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ پروفیسر عبد القادر صاحب۔ مولوی سیف الرحمن صاحب۔ مولوی ابوالمنیر نور الحق صاحب۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب دردؓ (سیکرٹری)۔ [3] تفصیلی نصاب اور اجلاس کی مفصّل کارروائی مجلس تعلیم کے قدیم ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

علیمہ اور اس کے اوپر علاّمہ اور اس کے اوپر ایک آخری انتہائی درجہ اکٹھا کر (کے) اس کا نام فقیہہ رکھا جائے۔

۲۔ شعبہ دینیات اور پنجاب یونیورسٹی کی تعلیم کو اکٹھا کر کے مخلوط نہ کیا جائے بلکہ دونوں کو الگ الگ رکھا جائے مگر کوشش کی جائے کہ شعبہ دینیات میں زیادہ سے زیادہ طالبات آئیں۔

۳۔ انگریزی کا کورس زیادہ رکھنا چاہیئے۔ درجہ عالمہ پاس کرنے کے بعد طالبات میں اتنی استعداد پیدا ہو جانی چاہیئے کہ وہ انگریزی سمجھ سکیں اور صحیح انگریزی بول اور لکھ سکیں۔

۴۔ درجہ علیمہ میں بھی انگریزی کا مضمون رکھا جائے تا جو طالبہ چاہے ان درجوں میں انگریزی کو پڑھ سکے۔ یہ مضمون اُردو کے مقابل پر انتخابی ہو۔

۵۔ اُردو میں پاس ہونا ضروری ہونا چاہیئے اور اپنی زبان ہونے کی وجہ سے اِس پر زیادہ زور دینا چاہیئے۔ درجہ علیمہ میں اُردو کو انگریزی کے ساتھ ALTERNATIVE رکھ دیا جائے تا جو اُردو پڑھنا چاہے وہ اُردو پڑھ سکے اور جو انگریزی پڑھنا چاہے وہ انگریزی پڑھ سکے۔

۶۔ تمام لازمی مضامین جن کا پڑھایا جانا ضروری قرار دیا جائے وہ درجہ علیمہ میں ختم کر دیئے جائیں۔

۷۔ درجہ علیمہ میں جو تمدّن، اقتصادیات، علم النفس (کے) مضامین تجویز کئے گئے ہیں ان کی جگہ ایک مضمون علم التعریفات و الاصطلاحات رکھا جائے اور اس میں صرف مذکورہ بالا مضامین ہی نہیں بلکہ تمام ضروری علوم حاضرہ کو شامل کیا جائے اور ہر علم کی تعریف اور مختلف کیفیت بتائی جائے۔ اس کے لئے ایک فہرست RECOMANDED BOOKS کی تجویز کر دی جائے جو طالبات خود پڑھیں اور ان کے لئے ہر مضمون پر چھ سات لیکچر سال میں مقرر کر دیئے جائیں جن میں انہیں تمام نفناً کے مضامین ضروری کی اصطلاحات اور تعریفات سمجھا دی جائیں اور اس کے لئے ضروری ماخذ وغیرہ بتا دیئے جائیں۔ انگریزی اور عربی اصطلاحات بھی حتی الوسع خطوط وحدانی میں دیدی جائیں۔

۸۔ درجہ علاّمہ میں صرف دو مضامین رکھے جائیں جو ہر طالبہ مندرجہ ذیل مضامین میں سے خود اپنی پسند کے مطابق منتخب کر سکے (ا) قرآن شریف (ب) حدیث (ج) فقہ و تصوف (د) کلام لشمول دینیات [1] وعلوم مناظرہ (ح) عربی (خ) تاریخ (س) انگریزی۔

[1] یہاں ایک لفظ صحیح پڑھا نہیں گیا (ناقل)

۹ ۔ درجہ فقیہہ میں صرف ایک مضمون لکھنا ہوگا جس کا موضوع منظور کردہ مجلس تعلیم ہوگا اور حسب شرائط مجلس تعلیم ۲ دو سال میں تحقیقات کر کے مکمل کرنا ہوگا نیز اس کے ساتھ اس مضمون کے متعلق مجوزہ کورس کا مطالعہ کرنا ہوگا۔"

دستخط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مورخہ ۲۰ ۴/۱۳۲۲ ہش [ل]

شاخ دینیات کے اس جدید نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قادیان میں ایک کامیاب آغاز ہوگیا اور طالبات کی ایک معقول تعداد نے جن میں امۃ الرشید شوکت صاحبہ (اہلیہ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ) نصیرہ نزہت صاحبہ (اہلیہ حافظ بشیر الدین صاحب مبشر ماریشس و بلادِ عربیہ و افریقہ) اور مبارکہ صاحبہ (اہلیہ حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ و انڈونیشیا) بھی شامل ہیں قادیان کے اس دینیات کالج سے علیمہ کی سند بھی حاصل کی مگر جلد ہی ملک تقسیم ہوگیا جس کے بعد مرکز ربوہ میں اس شاخ کا احیاء عمل میں لایا گیا۔

جامعہ نصرت کا افتتاح

بدلے ہوئے اور نئے ماحول اور مخدوش حالات میں صرف چند طالبات نے اس میں داخلہ لیا۔[۲] جس پر اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے غیور آسمانی قائد اور اولوالعزم امام حضرت مصلح موعودؓ کی توجہ کو اس طرف مبذول کر دیا کہ مرکزِ احمدیت ربوہ میں شاخ دینیات کو بند کر کے اس کی بجائے عورتوں کا کالج قائم کر دینے کا وقت آن پہنچا ہے چنانچہ حضور نے خالص الٰہی منشاء کے مطابق ۱۳۳۰ھش مطابق ۱۹۵۱ء میں جامعہ نصرت کی بنیاد رکھی۔ ۱۶ ماہ احسان کو اس کا اجراء عمل میں آیا اور اس کا افتتاح اپنے مقدس ہاتھوں سے ۱۴ احسان ۱۳۳۰ھش کو فرمایا۔

افتتاحی تقریب کا آغاز

یہ مبارک تقریب سات بجے صبح شروع ہوکر ساڑھے آٹھ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ ربوہ کی احمدی خواتین کا ایک جم غفیر اس تقریب سعید کے موقع پر دعا کی غرض سے جامعہ نصرت میں جمع تھا۔ حضور کی تشریف آوری پہ کالج کی ایک طالبہ امۃ المجید بیگم صاحبہ نے تلاوتِ قرآن کریم کی۔

ل ریکارڈ مجلس تعلیم ۔ ۲ "تاریخ لجنہ اماء اللہ" پہلی جلد صفحہ ۳۲۳ (رقم فرمودہ حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ مدظلہا العالی) ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ ۔ سال اشاعت ۔ دسمبر ۱۹۷۰ء ۔

حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطاب

تلاوت کے بعد حضور پُر نور نے تشہد و تعوذ اور سُورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

" زمانہ کے حالات بدلتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ انسان بھی بدلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک عام قانون ہے جو دنیا میں جاری ہے۔ دریا چلتے ہیں اور پہاڑوں اور میدانوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے ان کے بعض حصّوں پر دباؤ پڑتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کچھ دُور جاکر دریا کا رُخ بدل جاتا ہے۔ بعض دفعہ دس دس، پندرہ پندرہ، بیس بیس، تیس تیس میل تک دریا بدلتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بدلتے ہیں اور ان کے ساتھ زمانہ بدل جاتا ہے۔ یہ دونوں قسم کے نظارے ہمیں دُنیا میں نظر آتے ہیں۔ کبھی زمانہ کے بدلنے سے انسان بدلتے ہیں اور کبھی انسانوں کے بدلنے سے زمانہ بدلتا ہے۔ انسان کمزور ہوتا ہے تو زمانہ کے بدلنے سے وہ بدل جاتا ہے اور جب طاقتور ہوتا ہے تو اس کے بدلنے سے زمانہ بدل جاتا ہے۔ کمزور قومیں اپنی حاصل شدہ عظمت اور طاقت کو زمانہ کے حالات کے مطابق بدلتی چلی جاتی ہیں۔ وہ اپنے ہمسایوں سے بدرسُوم کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے بداخلاق کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے سُستی اور جہالت کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے جھُوٹ اور فریب کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے ظلم اور تعدّی کو لیتی ہیں، اور وہی قوم جو کسی وقت آسمان پر چاند اور ستاروں کی طرح چمک رہی ہوتی ہے نہایت ذلیل اور حقیر ہو کر رہ جاتی ہے۔ تم اپنے ہی اسلاف کو دیکھو اگر تمہیں اپنے بناؤ اور سنگھار سے فرصت ہو کہ تمہارے اسلاف کیا تھے اور اب تم کیا ہو؟

مجھے بتایا گیا ہے کہ کالج کی طالبات نے جب مضمونوں کا انتخاب کیا تو ان میں سے اکثر نے تاریخ سے بچنے کی کوشش کی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے ہم کسی بچّہ کو کہیں کہ آؤ ہم تمہیں تمہارے ماں باپ کا نام بتائیں اور وہ بھاگ جائے۔ تاریخ کیا ہے۔ تاریخ تمہیں بتاتی ہے کہ تمہارا باپ کون تھا؟ تمہارا دادا کون تھا؟ تمہاری ماں کون تھی؟ تمہاری نانی کون تھی؟ تاریخ تمہیں بتاتی ہے کہ تمہارے آباء واجداد کیا تھے؟ اور اب تم کیا ہو؟ تاریخ سے کسی شخص کا بھاگنا یا اس مضمون کو بوجھل سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے آباء واجداد کی بات سُننے کے لئے تیار نہ ہو۔ حالانکہ اگر دنیوی لحاظ سے کوئی مضمون ایسا ہے جس کے حصول کے لئے ہمیں لڑنا چاہیئے تو وہ تاریخ ہی ہے۔ تاریخ سے بھاگنے کے معنے ہوتے ہیں طبیعت میں مُردہ دلی ہے۔ جیسے کسی کمزور آدمی کو زخم لگ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے نہ دکھاؤ میں نہیں دیکھتا میرا دل ڈرتا ہے۔ تاریخ

سے بھاگنے والی قوم وہی ہوتی ہے جو ڈرپوک ہوجاتی ہے اور ڈرتی ہے کہ اگر میرے ماں باپ کی تاریخ میرے سامنے آئی اور اس میں میرا بھیانک چہرہ مجھے نظر آیا اور مجھے پتہ لگا کہ مَیں کون ہوں تو میرا دل برداشت نہیں کرے گا چونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس آئینہ میں میری شکل مجھے نظر آئے گی اِس لئے وہ اپنی شکل کے خیال اور تصوّر سے کہ وہ کتنی بدصورت ہوگی اسے دیکھنے سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات فطرتِ انسانی میں داخل ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد اور اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اپنی شکل کا دیکھنا چاہتا ہے۔ کئی ماں باپ جن کے ہاں کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے بدصورت بچے پیدا ہوجاتے ہیں ان سے ان کی مائیں بھی نفرت کرنے لگتی ہیں اور وہ بدصورت بچے اپنے دوسرے بھائیوں سے نفرت کرتے ہیں اِس خیال سے کہ یہ ہم سے اچھے ہیں۔ اس طرح جب تاریخ میں انسان اپنے آباء کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے یہ یہ کارنامے سرانجام دیئے اور ان کی یہ شان تھی اور اس کے مقابلہ میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ اور پھر وہ اس چلن اور طریق کو دیکھتا ہے جو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا ہوا ہے تو دیانتداری کے ساتھ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ میری غفلت اور میری سہل انگاری اور میری اپنے فرائض سے کوتاہی اور میری عیش و آرام کی زندگی مجھ کو مجرم بنانے کے لئے کافی ہے۔ اسے تاریخ کے اس آئینہ میں اپنا گھناؤنا چہرہ نظر آجاتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جب مَیں پُرانے حالات پڑھوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ لوگ جو میرے آباء تھے ان کاموں سے نفرت کیا کرتے تھے تو مجھے بھی اپنے اندر تغیر پیدا کرنا پڑے گا پس وہ اپنے بدصُورت چہرہ کو ان کے خوبصورت چہرہ سے ملانے سے گھبراتا ہے اور اِس لئے تاریخ سے دُور بھاگتا ہے۔ جب آج کل کا مسلمان تاریخ کے آئینہ میں یہ دیکھتا ہے کہ اس کے باپ اور ماں ہمالیہ سے بھی اُونچے قدوں والے تھے۔ آسمان بھی ان کے دبدبہ سے کانپتا تھا اور اس کے مقابلہ میں وہ اپنی تصویر کا خیال کرتا ہے کہ بالکل ایک بالشتیہ نظر آتا ہے اور اس کی مثال ایک کارک جتنی بھی نہیں جو دریا میں بہتا چلا جاتا ہے۔ سمندر کی لہریں اُٹھتی ہیں اور اس کے آباء واجداد کی مضبوط چٹان سے ٹکراتی ہیں اور وہ بلند و بالا ہونے والی لہریں جن کو دیکھ کر بسا اوقات انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دُنیا کو بہا کر لے جائیں گی وہ اس کے آباء واجداد کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتی ہیں۔ ان کا پانی جھاگ بن کر رہ جاتا ہے اور اس چٹان کے قدموں میں وہ جھاگ پھیلی رہی ہوتی ہے۔ ہوا میں بلبلے پھٹ پھٹ کر غائب ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کو نظر آتا ہے کہ اس کے آباء واجداد کی کیا شان تھی پھر وہ اپنی

طرف دیکھتا ہے کہ ایک چھوٹی سی ندی جس کی حیثیت ہی نہیں ہوتی اس میں وہ ایک کارک کی طرح اِدھر اُدھر پھر رہا ہے کبھی وہ کسی چٹان سے ٹکراتا ہے اور کبھی کسی سے۔ کبھی دائیں طرف چلا جاتا ہے اور کبھی بائیں طرف۔ کبھی وہ خس و خاشاک کے ڈھیروں میں چھپ جاتا ہے اور کبھی گندی جھاگ میں، اور ہر شخص اس کی لرزتی اور کپکپاتی ہوئی حالت کو دیکھ کر اس سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے یہ کیا ہی ذلیل چیز ہے تاریخ سے بھاگنے والا وہی بزدل ہوتا ہے جس میں یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ حقائق کے آئینہ میں اپنے باپ دادا کی شکل کے سامنے اپنی شکل رکھ سکے۔ بہادر اور ہمت والا انسان خود جاتا ہے اور اس آئینہ کو اٹھاتا ہے اور وہ اس آئینہ میں اپنی شکل کو دیکھ کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں میرے آباء و اجداد اگر چٹان تھے تو میں بھی چٹان بن کر رہوں گا۔ وہ اگر طوفان تھے تو میں ان سے بھی اونچا طوفان بنوں گا۔ وہ اگر سمندر کی لہروں کی طرح اٹھتے تھے تو میں ان سے بھی اونچا اٹھوں گا۔ تم جانتی ہو کہ وہ لڑکی جس کے نمبر کلاس میں زیادہ ہوتے ہیں وہ نمبروں کو چھپاتی نہیں بلکہ ہر ایک کو بتاتی ہے۔ نمبروں کا بتانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسان کا اپنا منہ دکھانا۔ وہ اپنا اندرونہ دکھاتی ہے۔ اور جس کے نمبر کم ہوتے ہیں وہ ان کو چھپایا کرتی ہے۔ پس تاریخ کے پڑھنے سے گریز درحقیقت بزدلی کی علامت ہے۔ درحقیقت یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اپنے مکروہ چہرے کا پتہ ہے اور اس شخص کو اپنے آباء و اجداد کے حسین چہرے کا بھی پتہ ہے۔ مگر ان دونوں باتوں کے معلوم ہونے کے بعد وہ یہ جرأت نہیں رکھتا کہ ایک آئینہ میں دونوں کی اکٹھی شکل دیکھ سکے۔

یہاں تک تو میں نے صرف عام پیرایہ میں اس مضمون کی اہمیت بیان کی ہے اگر مذہبی پہلو سے لو تو تاریخ ہی ایک مسلمان کو بتا سکتی ہے کہ کس طرح ایک ریگستان سے ایک انسان اٹھا اور اس نے اپنی مقناطیسی قوت سے اپنے اردگرد کے فولادی ذرّوں کو جمع کرنا شروع کیا پھر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ایک علاقہ میں پھیل گیا، پھر ملک میں پھیل گیا، پھر زمین کے تمام گوشوں میں چپے چپے پر اس کی جماعت پھیل گئی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ ان کا نام "بَرَرَة" اور "سَفَرَة" رکھا ہے یعنی ان کے قدم گھر میں ٹکتے ہی نہیں تھے۔ دنیا کے گوشوں گوشوں میں پھیلتے چلے جاتے تھے اور جہاں جاتے تھے اپنی خوش اخلاقی اور اعلیٰ درجہ کے چلن کی خوشبو پھیلاتے جاتے تھے لیکن کجا وہ پھیلنے والا مسلمان اور کجا آج کا سمٹنے والا مسلمان۔ کجا وہ زمانہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں فرمایا کہ مردم شماری کرد

اور دیکھو کہ اب کتنے مسلمان ہو چکے ہیں۔ مردم شماری کی گئی اور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو نکلی۔ تم جانتی ہو کہ ربوہ کی آبادی اِس وقت اڑھائی ہزار کے قریب ہے گویا تمہاری ربوہ کی آبادی کا ۱/۴ حصہ تھے۔ اور یہ وہ مردم شماری تھی جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی تھی کیونکہ اس وقت مدینہ سے باہر مسلمان بہت تھوڑے تھے سوائے حبشہ کے کہ وہاں کوئی پچاس کے قریب مسلمان ہوں گے یا مکہ میں کچھ مسلمان تھے جو ڈر کے مارے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کرتے تھے اور کھلے بندوں اسلام میں شامل نہیں تھے۔ غرض مردم شماری کی گئی اور سات سو کی آبادی نکلی۔ وہ صحابہؓ جن کے سپرد یہ کام تھا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسلمانوں کی آبادی سات سو نکلی ہے۔ پھر انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مردم شماری کا حکم کیوں دیا تھا؟ کیا آپ کو یہ خیال آیا کہ مسلمان تھوڑے ہیں؟ یا رسول اللہ! اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں اب ہمیں دُنیا سے کون مٹا سکتا ہے؟ آج کہا جاتا ہے کہ مسلمان ساٹھ کروڑ ہیں لیکن ان کا ساٹھ کروڑ کا دِل اتنا مضبوط نہیں جتنا اُن سات سو کا دِل مضبوط تھا۔ آخر یہ تفاوت جو دِلوں کے اندر ہے تمہیں اس کا کس طرح پتہ لگ سکتا ہے بغیر تاریخ کے مطالعہ کے۔ ایک ایک مسلمان نکلتا تھا اور دُنیا کی طاقتیں اس کے سامنے جُھک جاتی تھیں۔ وہ نقال نہیں تھا بلکہ خود اپنی ذات میں اپنے آپ کو آدم سمجھتا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا کہ دُنیا میری نقل کرے گی میرا کام نہیں کہ مَیں اس کی نقل کروں۔ تم اگر تاریخ پڑھو تو تمہیں پتہ لگے گا کہ آج تم ہر بات میں یورپ کی نقل کر رہی ہو تم بعض دفعہ کہہ دیتی ہو فلاں تصویر میں مَیں نے ایسے بال دیکھے تھے اُف جب تک مَیں بھی ایسے بال نہ بنالوں مجھے چین نہیں آئے گا، فلاں پوڈر نکلا ہے جب تک مَیں اسے خرید نہ لوں مجھے قرار نہیں آئے گا۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ تم سمجھتی ہو کہ تمہارا دشمن بڑا ہے اور تم چھوٹی ہو۔ اگر تم بڑی ہو تو اس کا کام ہے کہ وہ تمہاری نقل کرے اور اگر وہ بڑا ہے تو پھر تمہارا کام ہے کہ تم اس کی نقل کرو۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی لشکر ایران کے ساتھ ٹکر لے رہا تھا کہ بادشاہ کو خیال آیا کہ یہ عرب ایک غریب ملک کے رہنے والے بھوکے ننگے لوگ ہیں اگر ان کو انعام کے طور پر کچھ روپیہ دے دیا جائے تو ممکن ہے یہ لوگ واپس چلے جائیں اور لڑائی کا خیال ترک کر دیں۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے کمانڈر انچیف کو کہلا بھیجا کہ اپنے چند آدمی میرے پاس بھجوا دیئے جائیں مَیں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ ملنے کے لئے آئے تو اُس وقت بادشاہ بھی اپنے دار الخلافہ سے نکل کر کچھ دُور آگے آیا ہُوا تھا اور

عیش اور تنعّم کا ہر قسم کا سامان اس کے ساتھ تھا۔ نہایت قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے کاؤچ اور کُرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ مسلمان سپاہی آپہنچے۔ سپاہیوں کے پاؤں میں آدھے پھٹے ہوئے چمڑے کی جُوتیاں تھیں جو مٹی سے اٹی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جس وقت وہ دروازے پر پہنچے چوبدار نے آواز دی کہ بادشاہ سلامت کی حضوری میں تم حاضر ہوئے ہو اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ پھر اس نے مسلمان افسر سے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ کس قسم کے قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں تم نے اپنے ہاتھوں میں نیزے اُٹھائے ہوئے ہیں اِن نیزوں سمیت قالینوں پر سے گذرو گے تو ان کو نقصان پہنچے گا۔ اس مسلمان افسر نے کہا تمہارے بادشاہ نے ہم کو بُلایا ہے ہم اپنی مرضی سے اس سے ملنے کے لئے نہیں آئے اگر ملنے کی احتیاج ہے تو اس کو ہے ہمیں نہیں، اسے اگر اپنے قالینوں کا خیال ہے تو اسے کہہ دو کہ وہ اپنے قالین اُٹھالے ہم جُوتیاں اُتارنے یا نیزے اپنے ہاتھ سے رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ اُس نے بہتیرا پروٹسٹ کیا اور کہا کہ اندر نہایت قیمتی فرش ہے جُوتیاں اُتار دو اور نیزے رکھ دو مگر انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا اس نے ہم کو بُلایا ہے ہم اپنی مرضی سے اس سے ملنے کے لئے نہیں آئے۔ غرض اسی حالت میں وہ اندر پہنچے۔ وہاں تو بڑے سے بڑا جرنیل اور وزیر بھی زمین بوس ہوتا اور بادشاہ کے سامنے سجدہ کرتا تھا مگر یہ تنی ہوئی چھاتیوں اور اُٹھی ہوئی گردنوں کے ساتھ وہاں پہنچے، بادشاہ کو سلام کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ بادشاہ تم نے ہمیں کیوں بُلایا ہے؟ بادشاہ نے کہا تمہارا ملک نہایت جاہل، پست، درماندہ اور مالی تنگی کا شکار ہے اور پھر عرب وہ قوم ہے کہ جو گوہ تک (ایک ادنیٰ جانور ہے) کھاتی ہے وہ عمدہ کھانوں سے ناآشنا ہے، عمدہ لباس سے ناآشنا ہے اور بھوک اور افلاس نے اسے پریشان کر رکھا ہے معلوم ہوتا ہے اس تنگی اور قحط کی وجہ سے تمہارے دِلوں میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ ہم دوسرے ملکوں میں جائیں اور اُن کو لُوٹیں، میں تمہارے سامنے تمہاری اِس تکلیف کو دیکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ تمہارا جتنا لشکر ہے اس میں سے ہر سپاہی کو ایک ایک اشرفی اور ہر افسر کو دو دو اشرفیاں دے دوں گا تم یہ روپیہ لو اور اپنے ملک میں واپس چلے جاؤ مسلمان کمانڈر نے کہا اے بادشاہ یہ جو تم کہتے ہو کہ ہماری قوم گوہ تک کھانے والی تھی اور ہم غربت اور ناداری میں اپنے ایّام بسر کر رہے تھے یہ بالکل درست ہے ایسا ہی تھا مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا خدا تعالیٰ نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا اور اس نے ہم کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور ہم نے اسے قبول

کرلیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم روپوؤں کے لئے نکلے ہیں مگر ہم روپوؤں کے لئے نہیں نکلے تمہاری قوم نے ہم سے جنگ شروع کی ہے اور اب ہماری تلواریں تبھی نیام میں جائیں گی جب یا تو کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوجاؤ گے اور یا پھر مسلمانوں کے باجگذار ہوجاؤ گے اور ہمیں جزیہ ادا کرو گے۔ ایران کا بادشاہ جو اپنے آپ کو نصف دُنیا کا بادشاہ سمجھتا تھا وہ اس جواب کو سُنکر برداشت نہ کرسکا۔ اُسے غصہ آیا۔ اُس نے چوبدار سے کہا جاؤ اور ایک بوری میں مٹی ڈال کر لے آؤ۔ وہ بوری میں مٹی ڈال کر لے آیا تو اس نے کہا یہ بوری اِس مسلمان سردار کے سر پہ رکھ دو اور اسے کہہ دو کہ مَیں تمہارے سروں پر خاک ڈالتا ہوں اور سوائے اِس مٹی کے تمہیں کچھ اَور دینے کے لئے تیار نہیں۔ وہ مسلمان افسر جس کی گردن ایران کے بادشاہ کے سامنے نہیں جُھکی تھی اِس موقع پر اُس نے فوراً اپنی گردن جُھکا دی پیٹھ پر بوری رکھی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جاؤ بادشاہ نے خود ایران کی زمین ہمارے سپرد کر دی ہے مُشرک تو وہمی ہوتا ہے بادشاہ نے یہ سُنا تو اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اِن لوگوں کو جلدی پکڑو مگر وہ اس وقت تک دُور نکل چکے تھے انہوں نے کہا اب یہ پکڑی جانے والی مخلوق نہیں ہے۔ پھر وہی بادشاہ جس نے یہ کہا تھا کہ مَیں تمہارے سروں پر خاک ڈالتا ہوں وہ میدان چھوڑ کر بھاگا، پھر ملک چھوڑ کر بھاگا اور شمالی پہاڑیوں میں جا کر پناہ گزین ہوگیا اور اس کے قلعے اور محلات اور خزانے سارے کے سارے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

ابوہریرہؓ، وہ غریب ابوہریرہؓ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سارا دن بیٹھے رہنے کے خیال سے کوئی گذارہ کی صورت پیدا نہیں کرتا تھا اور جسے بعض دفعہ کئی کئی دن کے فاقے ہوجایا کرتے تھے ایک دفعہ وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہیں کھانسی اُٹھی انہوں نے اپنی جیب میں سے رومال نکالا اور اس میں بلغم تھُوکا اور پھر کہا بَخٍ بَخٍ ابوہریرہ یعنی واہ واہ ابوہریرہ کبھی تو تُو فاقوں سے بیہوش ہوجایا کرتا تھا اور آج تُو کسریٰ کے اُس رومال میں تھُوک رہا ہے جسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے وقت اپنی شان دکھانے کے لئے خاص طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا۔ یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا مَیں آخری زمانہ میں مسلمان ہوُا تھا مَیں نے اِس خیال سے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں لوگوں نے بہت کچھ سُن لی ہیں اور اب میرے لئے بہت تھوڑا زمانہ باقی ہے یہ عہد کر لیا کہ مَیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے نہیں ہلوں گا سارا دن مسجد میں ہی رہوں گا تاکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب

بھی باہر تشریف لائیں مَیں آپ کی باتیں سُن سکوں۔ کچھ دن تو میرا بھائی مجھے روٹی پہنچاتا رہا مگر آخر اس نے روٹی پہنچانی چھوڑ دی اور مجھے فاقے آنے لگے بعض دفعہ سات سات وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا اور بھوک کی شدّت کی وجہ سے مَیں بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے۔ اور عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کو مرگی کا دَورہ ہوتا تو وہ اس کے سر پر جُوتیاں مارا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مرگی کا علاج ہے۔ جب مَیں بے ہوش ہوتا تو میرے سر پر بھی وہ جُوتیاں مارنی شروع کر دیتے حالانکہ مَیں بھوک کی شدّت کی وجہ سے بے ہوش ہوتا تھا۔ اب کجا وہ حالت اور کجا یہ حالت کہ ایران کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور اموال تقسیم ہوئے تو وہ رومال جو شاہِ ایران تخت پر بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا وہ میرے حصّہ میں آیا۔ مگر ایران کا بادشاہ تو آرائش کے لئے اِس رُومال کو اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا اور میرے نزدیک اِس رومال کی صرف اتنی قیمت ہے کہ مَیں اِس میں اپنا بلغم تھوک رہا ہوں۔

سوائے تاریخ کے کونسی چیز ہے جو تمہیں اپنے آباء کے اِن حالات سے واقف کر سکتی ہے اور تمہیں بتا سکتی ہے کہ تم کیا تھے اور اب کیا ہو۔ کسی ملک میں مسلمان عورت نکل جاتی تھی تو لوگوں کی مجال تک نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس کی طرف اپنی آنکھ اُٹھا سکیں آج کل ربوہ کی گلیوں میں احمدی عورتیں پھرتی ہیں تو ہمیں ڈر ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو باہر کا کوئی اوباش یہاں آیا ہُوا ہو اور وہ کوئی شرارت کر دے لیکن ایک وہ زمانہ گذرا ہے کہ مسلمان عورتیں دُنیا کے گوشے گوشے میں جاتیں اکیلے اور تنِ تنہا جاتیں اور کسی کو جراُت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھ سکے اور اگر کبھی کوئی ایسی غلطی کر بیٹھتا تو وہ اس کا ایسا خمیازہ بھگتتا کہ نسلوں نسل تک اس کی اولاد ناک رگڑتی چلی جاتی۔

مسلمان اپنے ابتدائی دَور میں ہی دُنیا میں پھیل گئے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی اسّی نوّے سال ہی گذرے تھے کہ وہ چین اور ملایا اور سیلون اور ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے۔ ادھر وہ افریقہ کے مغربی ساحلوں تک چلے گئے تھے اور ان کی لہریں یورپ کے پہاڑوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس ابتدائی دَور میں مسلمانوں کا ایک قافلہ جس کو سیلون کے بدھ بادشاہ نے خلیفۂ وقت کے لئے کچھ تحائف بھی دئے تھے سیلون سے روانہ ہوُا اور اُسے سندھ میں

لُوٹ لیا گیا۔ سندھ میں ان دنوں راجہ داہر کی حکومت تھی۔ جب اس قافلہ کے لُوٹ جانے کی خبر مشہور ہوئی تو گورنر عراق کا والیٔ مکران کو حکم پہنچا کہ ہمارے پاس یہ خبر پہنچی ہے کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ جو سیلون سے چلا تھا وہ سندھ میں لُوٹا گیا اور مسلمان مرد اور عورتیں قید ہیں تم اس واقعہ کی تحقیق کر کے ہمیں اطلاع دو۔ والیٔ مکران نے راجہ داہر سے دریافت کیا تو اس نے اس واقعہ سے انکار کر دیا۔ مسلمان چونکہ خود راستباز تھے اِس لئے وہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی سچ بولتے ہیں۔ جب راجہ داہر نے انکار کر دیا تو انہوں نے بھی مان لیا کہ یہ بات سچ ہو گی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اَور قافلہ انہوں نے اسی طرح لُوٹا اور اس میں سے بھی کچھ عورتیں انہوں نے قید کیں۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت نے کسی طرح ایک مسلمان کو جو قید نہیں ہوُا تھا یا قید ہونے کے بعد کسی طرح رہا ہو گیا تھا، کہا کہ میرا پیغام مسلمان قوم کو پہنچا دو کہ ہم یہاں قید ہیں اور مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہم کو بچائے۔ اس وقت خلیفہ بنو امیّہ افریقہ پر چڑھائی کی تجویزیں کر رہا تھا اور سپین فتح کرنے کی سکیم بن رہی تھی اور تمام علاقوں میں یہ احکام جاری ہو چکے تھے کہ جتنی فوج میسّر آسکے وہ افریقہ کے لئے بھجوا دی جائے۔ اُس وقت وہ پیغامبر پہنچا اور اس نے عراق کے گورنر کو جو حجاج نامی تھا اور جو سخت بدنام تھا یہ پیغام پہنچایا۔ اس میں بدنامی کی بھی باتیں ہوں گی مگر اس جیسا نڈر، بہادر اور اسلام کے لئے قربانی کرنے والا آدمی بھی اس زمانہ میں ہمیں شاذونادر ہی نظر آتا ہے۔ آنے والے نے حجاج سے کہا کہ مَیں سندھ سے آیا ہوں وہاں پیچھے بعد دیگرے دو مسلمان قافلے لُوٹے گئے اور کئی مسلمان قید ہیں۔ راجہ داہر نے گورنر مکران سے یہ بالکل جھوٹ کہا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوُا۔ حجاج نے کہا مَیں کس طرح مان لوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو درست کہہ رہے ہو۔ ہر بات کی دلیل ہونی چاہیئے بغیر کسی دلیل کے مَیں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ اُس نے کہا آپ مانیں یا نہ مانیں واقعہ یہی ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ حجاج نے کہا اوّل تو تمہاری بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہم نے گورنر مکران کو لکھا اور اُس نے جو جواب دیا وہ تمہارے اِس بیان کے خلاف ہے دوسرے تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خلیفۂ وقت کا حکم ہے کہ جتنی فوج میسّر ہو افریقہ بھیج دو پس اِس وقت ہم اپنی فوجوں کو کسی اَور طرف نہیں بھیج سکتے۔ غرض اس نے ہر طرح سمجھایا مگر حجّاج پر کوئی اثر نہ ہوُا اور اس نے کہا میرے حالات اِس قسم کے نہیں کہ مَیں اِس طرف توجہ کر سکوں۔ جب وہ ہر طرح دلائل دے کر تھک گیا تو اس نے کہا میرے پاس آپ کے لئے اور خلیفۂ وقت کے لئے ایک پیغام بھی ہے۔ حجّاج

نے کہا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا جب مَیں چلا ہوں تو ایک مسلمان عورت جو قید ہونے کے خطرہ میں تھی اور اِس وقت تک قید ہو چکی ہوگی اُس نے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ اسلامی خلیفہ اور عراق کے گورنر کو ہماری طرف سے یہ پیغام دے دیں کہ مسلمان عورتیں ظالم ہندوؤں کے ہاتھ میں قید ہیں اور ان کی عزّت اور ان کا ناموس محفوظ نہیں ہے۔ ہم مسلمان قوم سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرے اور ہمیں یہاں سے بچانے کی کوشش کرے۔ کوئی ملک نہیں کوئی قوم نہیں دو یا تین عورتیں ہیں اور بیس یا پچیس مرد ہیں جن کے بچانے کے لئے بعض دفعہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر بھی یہ کہہ دیتا ہے کہ میرے پاس سپاہی موجود نہیں یہ ایک معمولی واقعہ ہے اس کا حجّاج پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہی حجاج جو یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس فوج نہیں ہم یورپ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں وہ اِس پیغام کو سُنکر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اور جب اُس آنے والے آدمی نے پوچھا کہ اب آپ مجھے کیا جواب دیتے ہیں تو حجاج نے کہا اب کہنے اور سُننے کا کوئی وقت باقی نہیں اب میرے لئے کوئی اور فیصلہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب اس کا جواب ہندوستان کی فوج کو ہی دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو لکھا اس نے بھی یہی کہا کہ ٹھیک فیصلہ ہے اب ہمارے لئے غور کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں۔ اور اِس فیصلہ کے مطابق مسلمان فوج سندھ کے لئے روانہ کر دی گئی۔ درمیان میں کوئی ہزار میل کا فاصلہ ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور اس زمانہ میں موٹروں کے ساتھ بھی اِس فاصلہ کو آسانی کے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن بادشاہ نے حکم دیا کہ اب مسلمانوں کی عزّت اور ناموس کا سوال ہے بغیر کسی التواء کے جلد سے جلد منزلِ مقصود پر مسلمانوں کا پہنچنا ضروری ہے چنانچہ مسلمان درمیان میں کہیں ٹھہرے نہیں۔ انہوں نے اُونٹوں اور گھوڑوں پر رات اور دن سفر کیا اور بارھویں دن اس فاصلہ کو جو آج ریلوں اور موٹروں کے ذریعہ بھی اتنے قلیل عرصہ میں طے نہیں کیا جا سکتا اپنی انتھک محنت اور کوشش کے ساتھ طے کرتے ہوئے وہ ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گئے۔ اب تو تمہارا اپنا وجود ہی بتا رہا ہے کہ اِس مہم کا نتیجہ کیا ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آٹھ ہزار سپاہی جو بصرہ سے چلا تھا اس آٹھ ہزار سپاہی نے دو مہینہ کے اندر اندر سندھ، ملتان اور اس کے گرد و نواح تک کو فتح کر لیا اور وہ قیدی بچائے گئے۔ عورتیں بچالی گئیں۔ اور سندھ کا ملک جس میں راجہ داہر کی حکومت تھی اسے سارے کا سارا فتح کر لیا گیا اور پھر مسلمان لشکر ملتان کی طرف بڑھا۔

مگر بد قسمتی سے بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا اسے ان لڑائیوں میں بادشاہ

سے بھی اختلاف تھا اور افسروں سے بھی اختلاف تھا جب اپنے بھائی کی وفات کے بعد وہ حکومت کے تخت پر بیٹھا تو اس نے محمد بن قاسم کو جو ایک فاتح جرنیل تھا اور جو ارادہ رکھتا تھا کہ حملہ کر کے بنگال تک چلا جائے معزول کر کے واپس آنے کا حکم دے دیا اور جب وہ واپس آیا تو اسے قتل کروا دیا ورنہ ہندوستان کا نقشہ آج بالکل اَور ہوتا آج صرف یہاں پاکستان نہ ہوتا بلکہ سارا ہندوستان ہی پاکستان ہوتا۔ جن ملکوں کو عربوں نے فتح کیا ہے اُن میں اسلام اِس طرح داخل ہوا ہے کہ کوئی شخص اسے قبول کرنے سے بچا نہیں۔ غیر قومیں جو ہندوستان میں آئی ہیں ان کے اندر تبلیغی جوش نہیں تھا اِس لئے انہوں نے چند علاقوں کو فتح کیا ہے۔ وہاں کے رہنے والوں میں اسلام کی دشمنی بھی تھی، اسلامی تعلیم سے منافرت بھی تھی۔ اور پھر ان فاتح اقوام کا سلوک بھی زیادہ اچھا نہیں تھا۔ لیکن عرب تو اِس طرح پھیلتا تھا کہ وہ جس ملک میں جاتا اپنے آپ کو حاکم نہیں سمجھتا تھا بلکہ لوگوں کا خادم سمجھتا تھا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تھوڑے عرصہ میں ہی سارے کا سارا ملک مسلمان ہو جاتا۔ پس اگر اس زمانہ میں ہندوستان کو فتح کر لیا جاتا تو یقیناً آج ہندوستان، ایران اور مصر کی طرح ایک مسلمان ملک ہوتا کیونکہ وہ لوگ عربوں کا نمونہ دیکھتے تھے، ان کی خدمت اور حُسنِ سلوک کو دیکھتے تھے۔ ان کی دیانت اور راستبازی کو دیکھتے تھے اور ان اخلاق سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ان کے سامنے عرب اور غیر عرب کا سوال نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف سچائی کا سوال ہوتا تھا۔ اس کے بعد بُغض اور کینے آپ ہی آپ مِٹ جاتے ہیں۔

تمہارے باپ دادا کے یہ حالات سوائے تاریخ کے تمہیں اَور کس ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، یہی چیز ہے جو تمہیں فائدہ پہنچا سکتی ہے ورنہ محض "دو دونے چار" سے یعنی دو کو دو سے ضرب دی جائے تو چار حاصل ہوتے ہیں تمہیں کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم تاریخ پڑھو اور تم ذرا بھی عقل رکھتی ہو ذرا بھی جستجو کا مادہ اپنے اندر رکھتی ہو تو تمہاری زندگی ضائع نہیں ہو سکتی۔

مضمون تو مَیں نے اَور شروع کیا تھا مگر مَیں رَو میں بہہ کر کہیں کا کہیں چلا گیا۔ مَیں کہہ یہ رہا تھا کہ کبھی زمانہ بدلتا ہے اور لوگ اس کے ساتھ بدلتے چلے جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ زمانوں کو بدل دیتے ہیں۔ مسلمان قوم وہ تھی جو زمانہ کے ساتھ نہیں بدلی بلکہ زمانہ کو اس نے اپنے ساتھ بدل دیا۔ وہ جہاں جہاں گئے انہوں نے لوگوں کو اپنے اخلاق کی نقل پر مجبور کر دیا، اپنے لباس کی نقل پر مجبور کر دیا، اپنے تمدّن کی نقل پر مجبور کر دیا اور وہ دُنیا کے استاد اور رہنما تسلیم کئے گئے۔

آج مسلمان عورت یورپ کی بے پردگی کی نقل کر رہی ہے حالانکہ کبھی وہ زمانہ تھا کہ مسلمان عورتوں کے پردہ کو دیکھ کر یورپ کی عورتوں نے پردہ کیا چنانچہ ننز (NUNS) کو دیکھ لو یورپ ایک بے پردہ ملک تھا اور بے پردگی ان میں فیشن سمجھا جاتا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان عورت پردہ کرتی ہے تو بہت حد تک انہوں نے بھی پردہ لے لیا۔ چنانچہ ننز (NUNS) میں گو پورا پردہ نہ ہو لیکن ان کی نقاب بھی ہوتی ہے ان کی پیشانی بھی ڈھکی ہوئی ہوتی ہے اور ان کے جسم پر کوٹ بھی ہوتا ہے جس سے ان کے تمام اعضاء ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور گو ہم اسے پورا اسلامی پردہ نہ کہہ سکیں مگر نوّے فیصدی پردہ ان میں ضرور پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ عورت تھی جو اسلام کے یورپ میں جانے سے پہلے ننگی پھرتی تھی اور جیسے بندریا کو ایک گھگھری پہنا دی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے ایک گھگھری پہنی ہوتی تھی چنانچہ یورپ کی پرانی تصویریں دیکھ لو عورتوں کے بازو، ٹانگیں اور سینہ وغیرہ سب ننگا ہوتا تھا مگر جب مسلمان عورتوں کو انہوں نے پردہ کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی پردہ کے بہت سے حصوں کو لے لیا مگر یورپ اب پھر اسی پہلے زمانہ کی طرف جا رہا ہے اور مسلمان عورت بھی پردہ اُتار کر خوش ہوتی ہے کہ وہ یورپ کی نقل کر رہی ہے آج کی مسلمان عورت یہ کہتی ہے کہ ہم زمانہ کے ساتھ چلیں اور پرانی مسلمان عورت یہ کہتی تھی کہ زمانہ میرے ساتھ چلے۔ یہ اپنی غلامی کا اقرار کرتی ہے اور وہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرتی تھی کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں دوسروں کی نقل کروں لوگوں کا کام ہے کہ وہ میری نقل کریں۔

غرض میں کہہ یہ رہا تھا کہ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے لئے تعلیم میں مشکلات تھیں، ایک عیسائی قوم ہم پر حاکم تھی اور مغربی تعلیم دلوانے میں ہمارے لئے مشکلات تھیں پس میں اِس بات پر زور دیتا تھا کہ ہماری لڑکیاں دینیات کلاس میں پڑھیں اور اپنا سارا زور مذہبی اور دینی تعلیم کے حصول میں صرف کریں۔ اور شاید جماعت میں اکیلا میں تھا جو اِس بات پر زور دیتا تھا ورنہ جماعت کے افسر کیا اور افراد کیا ان سب کی مختلف وقتوں میں یہی کوشش رہی کہ ہائی سکول کے ساتھ ایک بورڈنگ بنانے کی اجازت دے دی جائے تاکہ بیرونجات سے لڑکیاں آئیں اور وہ قادیان میں رہ کر انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ اِسی طرح اِس بات پر بھی زور دیا جاتا رہا کہ لڑکیوں کے لئے کالج کھولنے کی اجازت دی جائے مگر میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی لیکن آج میں اس زنانہ کالج کا افتتاح کر رہا ہوں۔ یہ تیسری قسم کی چیز ہے نہ میں زمانہ کے ساتھ بدلا نہ زمانہ میرے ساتھ بدلا بلکہ خدا تعالیٰ نے زمانہ میں ایسی خوشگوار

تبدیلی پیدا کر دی کہ اب تعلیم کو اسلامی طریق کے ماتحت ہم کالج میں رائج کر سکتے ہیں۔ یہ کہ اس تعلیم کی آئندہ کیا تفصیلات ہوں گی اس کو جانے دو لیکن یہ کتنا خوشگوار احساس ہے کہ پاکستان بننے کے بعد یونیورسٹی کے مضامین میں ایک مضمون اسلامیات کا بھی رکھا گیا ہے جس میں اسلامی تاریخ پر خاص طور پر زور دیا جائے گا۔ پس ہم زمانہ کے ساتھ نہیں بدلے، زمانہ بھی ہمارے ساتھ نہیں بدلا کیونکہ جو زور ہمارے نزدیک اسلامی تعلیم پر ہونا چاہیئے وہ ابھی نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ نے زمانہ کو سمو دیا ہے اور اسے کچھ ہمارے مطابق کر دیا ہے پس ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق جبکہ ہم سہولت کے ساتھ کالج میں بھی دینیات کی تعلیم دے سکتے ہیں میں نے فیصلہ کیا کہ دینیات کلاسز کو اُڑا دیا جائے اور اسی کالج میں لڑکیوں کو زائد دینی تعلیم دی جائے تاکہ وہ کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی لحاظ سے بھی اعلیٰ درجہ کی معلومات حاصل کرلیں اور اسلام پر ان کی نظر وسیع ہو جائے۔ عیسائی حکومت جو تعلیم میں پہلے دخل دیا کرتی تھی وہ اب باقی نہیں رہی پس میں نے فیصلہ کیا کہ اب ہمیں کالج قائم کر دینا چاہیئے تاکہ ہماری لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان میں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ عورتیں ہیں ان کی برابری کر سکیں اور ایک مقام پر ان کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ گو ہونا تو یہ چاہیئے کہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد تمہاری دماغی کیفیت اور تمہاری قلبی کیفیت اور تمہاری ذہانت دوسروں سے بہت بالا اور بلند ہو اور جب بھی تم انکے پاس بیٹھو وہ محسوس کریں کہ تمہارا علم اَور ہے اور ان کا اَور۔ تمہارا علم آسمانی اور ان کا زمینی۔ اور اگر تم قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اس پر غور کرنے کی عادت ڈالو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

تم انٹرنس پاس ہو لیکن میں انٹرنس میں فیل ہوا تھا بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ میں مڈل پاس بھی نہیں کیونکہ میں مڈل میں بھی فیل ہوا تھا۔ درحقیقت قانون کے مطابق میری تعلیم پرائمری تک ختم ہو جانی چاہیئے تھی کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پرائمری کا امتحان بھی پاس نہ کیا تھا مگر چونکہ گھر کا سکول تھا اس لئے اساتذہ مجھے اگلی کلاسوں میں بٹھاتے چلے گئے پس میں پرائمری پاس بھی نہیں تھا اور تم تو میٹرک کا امتحان پاس کر چکی ہو پھر ایف۔ اے بنو گی اس کے بعد بی۔ اے بنو گی اور پھر انشاء اللہ ایم۔ اے کی کلاسز کھل جائیں گی اور تم ایم۔ اے ہو جاؤ گی۔ اگر تم یہ سمجھو کہ قرآن کریم کے علوم کے مقابلہ میں دُنیا کے علوم بالکل ہیچ ہیں تو یقیناً تم تلاش کرو گی کہ قرآن کریم میں وہ علوم کیوں پائے جاتے ہیں۔ پہلے ہمیشہ ایمان پیدا ہوتا ہے اور پھر عمل پیدا ہوتا ہے اگر تمہیں یقین ہو کہ قرآن کریم میں وہ علم بھرا ہوا ہے جو دُنیا میں نہیں تو یقیناً تم تلاش

کروگی کہ وہ ہے کہاں؟ اور جب تم تلاش کروگی تو وہ تمہیں مل جائے گا۔ قرآن کریم خود بتاتا ہے کہ وہ ایک بند خزانہ ہے اس کے الفاظ ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔ اس کی سورتیں ہر ایک کے لئے کھلی ہیں۔ مگر اُس کے لئے کھلی ہیں جو پہلے ایمان لاتا ہے۔ وہ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1] وہ لوگ جو ہماری برکت اور رحمت سے ممسوح کئے جاتے ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں کیا کچھ بیان ہوا ہے۔ باقی عربی کتابیں عربی جاننے سے سمجھی جا سکتی ہیں لیکن قرآن کریم ایمان سے سمجھا جا سکتا ہے اگر تمہیں کامل ایمان حاصل ہو اور پھر تم اس کو دیکھو تو اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ دُنیا کی کسی مجلس میں دُنیا کی کسی یونیورسٹی کی ڈگری یافتہ عورت سے تم نیچی نہیں ہو سکتیں وہ تمہیں اِس طرح دیکھیں گی جس طرح شاگرد اپنے اساتذہ اور معلّمین کو دیکھتے ہیں کیونکہ تمہارے پاس وہ چیز ہو گی جو اُن کے پاس نہیں ہو گی۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ احمدی نوجوان بھی ابھی اِس بات پر تو ایمان لے آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنا مامور بھیجا۔ وہ اِس بات پر بھی ایمان لے آیا ہے کہ احمدیت سچی ہے مگر ابھی اِس بات پر اسے پختہ ایمان حاصل نہیں ہوا کہ قرآن کریم میں ہر چیز موجود ہے اگر یہ بات حاصل ہو جاتی تو آج ہماری جماعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ اگر تمہاری جیب میں روپیہ موجود ہو تو کیا ضرورت ہے تم صندوق کھولنے جاتی ہو تم اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتی ہو اور روپیہ نکال لیتی ہو۔ اگر واقعہ میں ایک احمدی مرد اور عورت کے دِل میں یہ ایمان ہو کہ قرآن کریم میں ہر چیز موجود ہے تو وہ کسی اَور طرف جائے گا کیوں؟ وہ قرآن پر غور کرے گا اور اسے وہ کچھ ملے گا جو اسے دوسری کتابوں سے مل سکتا ہی نہیں تب اُس کی زندگی دوسروں سے زیادہ اعلیٰ ہو گی اور وہ ان میں ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہو گا۔ بے شک بعض مجبوریوں کی وجہ سے اُسے بھی یونیورسٹیوں میں پڑھنا پڑے گا مگر اس کو آخری ڈگری دینے والا کوئی چانسلر نہیں ہو گا، کوئی گورنر نہیں ہو گا، کوئی وزیر نہیں ہو گا بلکہ اُسے آخری ڈگری دینے والا خدا ہو گا اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی ڈگری کے مقابلہ میں انسانوں کی ڈگری کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی۔

غرض یہ کالج مَیں نے اِس لئے کھولا ہے کہ اب دین اور دُنیا کی تعلیم چونکہ مشترک ہو سکتی ہے اِسلئے اِسے مشترک کر دیا جائے۔ اِس کالج میں پڑھنے والی دو قسم کی لڑکیاں ہو سکتی ہیں۔ کچھ تو وہ ہوں گی جن کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دُنیوی کام کریں اور کچھ وہ ہوں گی جن کا مقصد یہ ہو گا

---

[1] الواقعۃ: ۷۹

کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کی خدمت کریں۔ میں دونوں سے کہتا ہوں کہ دینی خدمت بھی دُنیا سے الگ نہیں ہو سکتی اور دُنیا کے کام بھی دین سے الگ نہیں ہو سکتے۔

اسلام نام ہے خدا تعالیٰ کی محبت اور بنی نوع انسان کی خدمت کا۔ اور بنی نوع انسان کی خدمت ایک دنیوی چیز ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی محبت ایک دینی چیز ہے۔ پس جب اسلام دونوں چیزوں کا نام ہو اور جب وہ لڑکی جو اس لئے پڑھتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دُنیا کا کام کرے اور وہ لڑکی جو اِس لئے پڑھتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کا کام کرے دونوں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ جو لڑکی اِس لئے پڑھتی ہے کہ وہ دُنیا کا کام کرے اُسے کیا معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنا بھی دین کا حصّہ ہے اور جو لڑکی اِس لئے پڑھتی ہے کہ وہ دین کا کام کرے اسے کیا معلوم ہے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا بھی دین کا حصّہ ہے پس دونوں کا مقصد مشترک ہو گیا جو دینی خدمت کی طرف جانے والی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا بھی دین کا حصّہ ہے۔ دین کے معنے صرف سُبحان اللہ سُبحان اللہ کرنے کے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنے اور اُن کے دُکھ درد کو دُور کرنے میں حصّہ لینے کے بھی ہیں۔ اور جو لڑکیاں دُنیا کا کام کرنا چاہتی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام نے خدا تعالیٰ کی محبت پر بھی زور دیا ہے پس انہیں دُنیوی کاموں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی محبت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اُس کی محبت اپنے دِلوں میں زیادہ سے زیادہ پیدا کرتے چلے جانا چاہیئے۔ اور چونکہ دونوں قسم کی لڑکیاں درحقیقت ایک ہی مقصد اپنے سامنے رکھتی ہیں اِس لئے وہ جو اختلاف تمہیں اپنے اندر نظر آ سکتا تھا وہ نہ رہا اور تم سب کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی مدّعا ہو گیا۔

پس یہ مقصد ہے جو تمہارے سامنے ہو گا اور اس مقصد کے لئے تمہیں دینی رُوح بھی اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے اور بنی نوع انسان کی خدمت کا جذبہ بھی اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے تاکہ وہ مقصد پُورا ہو جس کے لئے تم اِس کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئی ہو۔ دوسرے کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بُھلا کر دُنیوی کاموں میں ہی مُنہمک ہو جائیں مگر چونکہ یہ کالج احمدیہ کالج ہے اِس لئے تمہارا فرض ہو گا کہ تم دونوں دامنوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو اگر ایک دامن بھی تمہارے ہاتھ سے چُھٹ جاتا ہے تو تم اس مقصد کو پُورا نہیں کر سکتیں جو تمہارے سامنے رکھا گیا ہے

اور جس کے پُورا کرنے کا تم نے اقرار کیا ہے۔ پس اِن ہدایات کے ساتھ میں احمدیہ زنانہ کالج کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ جو اِس کالج میں پڑھانے والی ہوں گی وہ بھی اِس بات کو مدِنظر رکھ کر پڑھائیں گی کہ طالبات کے اندر ایسی آگ پیدا کی جائے جو اُن کو پارہ کی طرح ہر وقت بیقرار اور مُضطرب رکھے۔ جس طرح پارہ ایک جگہ پر نہیں ٹکتا بلکہ وہ ہر آن اپنے اندر ایک اضطرابی کیفیت رکھتا ہے اسی طرح تمہارے اندر وہ سیماب کی طرح تڑپنے والا دل ہونا چاہیئے جو اس وقت تک تمہیں چَین نہ لینے دے جب تک تم احمدیت اور اسلام کو اور احمدیت اور اسلام کی حقیقی رُوح کو دُنیا میں قائم نہ کر دو۔ اِسی طرح پروفیسروں کے اندر بھی یہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ وہ صحیح طور پر تعلیم دیں۔ اخلاقِ فاضلہ سکھائیں اور سچّائی کی اہمیت تم پر روشن کریں۔ تمہیں بُرا تو لگے گا مگر واقعہ یہی ہے کہ عورت سچ بہت کم بولتی ہے۔ اس کے نزدیک اپنے خاوند کو خوش کرنے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اور سچّائی کی کم۔ جب اسے پتہ لگتا ہے کہ فلاں بات کے معلوم ہو لینے پر میرا خاوند ناراض ہوگا تو بھی اس معاملہ میں جھُوٹ ہی بولتی ہے سچّائی سے کام نہیں لیتی کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر مَیں نے سچ بولا تو میرا خاوند ناراض ہوگا۔ وہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ مَیں محکوم نہیں مجھے مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں اور دوسری طرف وہ مرد سے ڈرتی ہے۔ اگر اس کا مرد سے ڈرنا ٹھیک ہے تو پھر وہ محکوم ہے، اُسے دُنیا کے کسی فلسفہ اور کسی قانون نے آزاد نہیں کیا۔ اور اگر وہ مرد کے برابر قویٰ رکھتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ جھُوٹ بولے اور اسی طرح صداقت پر قائم نہ رہے جس طرح آزاد مرد صداقت پر قائم رہتے ہیں یہ ایک چھوٹا مسئلہ ہے لیکن تمہاری اصلاح کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے دِل میں یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ تم آزاد ہو یا نہیں۔ اگر تم آزاد نہیں ہو تو کہو کہ خدا نے ہم کو غلام بنا دیا ہے۔ اور چھوڑ دو اِس بات کو کہ تمہیں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ اور اگر تم آزاد ہو تو خاوند کے ڈر کے مارے جھُوٹ بولنا اور راستی کو چھُپانا یہ لغو بات ہے۔ اِسی طرح مَیں دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک کی عورت میں کام کرنے کی عادت بہت کم ہے۔ لجنہ بنی ہوئی ہے اور کئی دفعہ مَیں اسے اِس طرف توجہ بھی دلا چکا ہوں مگر ہنوز روزِ اوّل والا معاملہ ہے۔

تمہیں اپنے کالج کے زمانہ میں اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ عورت کی زندگی زیادہ سے زیادہ کس طرح مفید بنائی جا سکتی ہے۔ یہ پُرانا دستور جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اب بھی ہے کہ کھانا پکانے

کا کام عورت کے ذمہ ہے اِس میں اب تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں عورت صرف کھانے پینے کے کام کے لئے ہی رہ گئی ہے اس کے پاس کوئی وقت ہی نہیں بچتا جس میں وہ دینی یا مذہبی یا قومی کام کر سکے۔ یورپ کے مدبرین نے مل کر اِس کا کچھ حل سوچا ہے اور اس وجہ سے انکی عورتوں کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔ مثلاً یورپ نے ایک قسم کی روٹی ایجاد کر لی ہے جسے ہمارے ہاں ڈبل روٹی کہتے ہیں۔ یہ روٹی عورتیں گھر میں نہیں پکاتیں بلکہ بازار سے آتی ہے اور مرد، عورتیں اور بچے سب اسے استعمال کرتے ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ بادشاہ کے ہاں کیا دستور ہے آیا اُس کی روٹی بازار سے آتی ہے یا نہیں لیکن یورپ میں ایک لاکھ میں سے ننانوے ہزار نوسو ننانوے یقیناً بازاری روٹی ہی کھاتے ہیں اور اِس طرح وہ اپنا بہت سا وقت بچا لیتے ہیں۔ اِس کے علاوہ انہوں نے اِس قسم کے کھانا پکانے کے برتن (COOKER) نکالے ہوئے ہیں جن سے بہت کم وقت میں سبزی اور گوشت وغیرہ تیار ہو جاتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی زندگیاں اِس طرح ڈھال لی ہیں کہ عام طور پر وہ ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ یورپ میں بالعموم چار کھانے ہوتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا، شام کا ناشتہ اور رات کا کھانا۔ عام طور پر درمیانی طبقہ کے لوگ صبح کی چائے گھر پر تیار کر لیتے ہیں باقی دوپہر کے کھانے اور شام کی چائے وہ ہوٹل میں کھا لیتے ہیں اور شام کا کھانا گھر پر پکاتے ہیں۔ پھر سرد ملک ہونے کی وجہ سے ایک وقت کا کھانا کئی وقت چلا جاتا ہے۔ اور پھر کھانے انہوں نے اِس قسم کے ایجاد کر لئے ہیں جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے مثلاً COLD MEAT ہے۔ روٹی بازار سے منگوا لی اور کولڈ میٹ کے ٹکڑے کاٹ کر اس سے روٹی کھا لی لیکن ہمارے ہاں ہر وقت چولہا جلتا ہے۔ جب تم کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتی ہو تو تمہیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ تم اپنی زندگی کس طرح گذارو گی۔ اگر چولہے کا کام تمہارے ساتھ رہا تو پھر پڑھائی بالکل بیکار چلی جائے گی۔ تمہیں غور کر کے اپنے ملک میں ایسے تغیّرات پیدا کرنے پڑیں گے کہ چولہے پھونکنے کا شغل بہت کم ہو جائے اگر یہ شغل اِسی طرح جاری رہا تو پڑھائی سب خواب و خیال ہو کر رہ جائے گی۔ یہی چولہا پھونکنے کا شغل اگر کم سے کم وقت میں محدود کر دیا جائے مثلاً اِس کے لئے ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام رکھ لیا جائے تب بھی اَور کاموں کے لئے تمہارے پاس بہت سا وقت بچ سکتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ تم نوکر رکھ لوگی، نوکر رکھنے کا زمانہ اب جا رہا ہے اب ہر شخص نوکر نہیں رکھ سکے گا بلکہ بہت بڑے بڑے

لوگ ہی نوکر رکھ سکیں گے کیونکہ نوکروں کی تنخواہیں بڑھ رہی ہیں اور ان تنخواہوں کے ادا کرنے کی متوسط طبقہ کے لوگوں میں بھی استطاعت نہیں ہو سکتی۔ جب میں یورپ میں گیا ہوں تو اُس وقت تک ابھی نوکروں کی تنخواہیں اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھیں تب ہم نے جو عورت رکھی ہوئی تھی اسے ہم ۲۱ شلنگ ہفتہ وار یا ساٹھ روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی کھانا بھی دیتے تھے۔ پھر ان کی یہ شرط ہوا کرتی تھی کہ ہفتہ میں ایک دن کی پوری اور ایک دن کی آدھی چھٹی ہوگی۔ ڈیڑھ دن تو اِس طرح نکل گیا جس میں گھر والوں کو خود کام کرنا پڑتا تھا۔ آقا بہتیری شور مچاتی رہے کہ کام بہت ہے وہ کہیگی میں نہیں آسکتی کیونکہ میری چھٹی کا دن ہے۔ پھر جتنا وقت مقرر ہو اُس سے زیادہ وہ کام نہیں کرے گی کتنا بھی کام پڑا ہو وہ فوراً چھوڑ کر چلی جائے گی اور کہے گی کہ وقت ہو چکا ہے۔ دراصل اِس میں ان کا کوئی قصور نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتا کہ زیادہ کام کریں کیونکہ وہاں ہر طبقہ کے لوگوں کی الگ الگ انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔ کوئی گھر کے نوکروں کی انجمن ہے، کوئی قلیوں کی انجمن ہے، کوئی انجمن میں کوئلہ ڈالنے والوں کی انجمن ہے، کوئی استادوں کی انجمن ہے، اِن انجمنوں کی سفارش کے بغیر کسی کو نوکری نہیں ملتی۔ اگر وہ زائد کام کریں تو انجمن کی ممبری سے اُن کا نام کٹ جاتا ہے اور پھر انہیں کہیں ملازمت نہیں ملتی۔ ہمیں وہاں مضمون لکھنے کے لئے ایک ٹائپسٹ کی ضرورت تھی دفتر نے ایک عورت اِس غرض کے لئے رکھی جو چیکوسلوکیا کی رہنے والی تھی۔ اسے ہمارے ... مضامین پڑھنے کے بعد سلسلہ سے دلچسپی ہوگئی مگر مشکل یہ تھی کہ اُس کا وقت ختم ہو جاتا اور ہمارا کام ابھی پڑا ہوا ہوتا۔ بعض دفعہ ہمیں دوسرے ہی دن مضمون کی ضرورت ہوتی اور وہ کہتی کہ میں اب جا رہی ہوں کیونکہ وقت ہو گیا ہے مگر چونکہ اُسے ہمارے سلسلہ سے دلچسپی ہوگئی تھی اِس لئے وہ کہتی کہ میں زائد وقت کی ملازمت تو نہیں کر سکتی لیکن میں یہ کر سکتی ہوں کہ مضمون ساتھ لے جاؤں اور گھر پر اسے ٹائپ کروں انجمن والے مجھے گھر کے کام سے نہیں روک سکتے اس وقت میرا اختیار ہے کہ میں جو چاہوں کروں آپ مجھے اُس وقت کی تنخواہ نہ دیں میں آپ کا کام مُفت میں کر دوں گی اگر آپ مجھے کچھ دینا چاہیں تو بعد میں انعام کے طور پر دے دیں۔ اِس طرح وہ مشن کا کام کیا کرتی تھی کیونکہ ڈرتی تھی کہ اگر انہیں پتہ لگا کہ میں چھ گھنٹہ سے زیادہ کہیں کام کرتی ہوں تو وہ مجھے نکال دیں گے اور پھر مجھے کہیں بھی نوکری نہیں ملے گی۔ یہ چیزیں ابھی ہمارے ملک میں نہیں آئیں لیکن جب آئیں تو

پھر لوگوں کے لئے بہت کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اب تو وہ پانچ سات روپیہ میں نوکر رکھ سکتے ہیں لیکن جس دن نوکر کی پچاس روپیہ تنخواہ ہوگئی اور سَو روپیہ تمہیں ملا تو تم نوکر کہاں رکھو گی۔ آجکل یورپ میں نوکر کی تنخواہ تین پونڈ ہفتہ وار ہے جس کے معنے آجکل کے پاکستانی روپیہ کی قیمت کے لحاظ سے ایک سَو بیس روپیہ ماہوار کے ہیں اور کھانا بھی الگ ہی دینا پڑتا ہے۔ اِس زمانہ میں اُوپر کے طبقوں کی تنخواہیں گر رہی ہیں اور نیچے کے طبقہ کی تنخواہیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص سات آٹھ سَو روپیہ ماہوار لیتا ہے وہ بھی ملازم نہیں رکھ سکتا صرف ہزاروں روپیہ ماہوار کمانے والا ملازم رکھ سکتا ہے۔ ایسی صُورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ ایک وقت کا کھانا دو تین وقتوں میں کھا لیا یا ایک وقت ہوٹل میں جا کر کھا لیا اور دوسرے وقت کے کھانے میں کولڈ میٹ استعمال کر لیا۔ اِس طرح بہت سا وقت اَور کاموں کے لئے بچ سکتا ہے۔

پھر ہمارے ہاں یہ بھی ایک نقص ہے کہ بچوں کو کام کرنے کی عادت نہیں ڈالی جاتی۔ بچے دسترخوان پر بیٹھے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ امّی نوکر پانی نہیں لاتا کہ ہم ہاتھ دھوئیں، امّی نوکر نے برتن صاف نہیں کئے۔ امریکہ میں ہر بچہ اِس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ اپنے کھانے کے برتن کو خود دھو کر رکھے اور اگر وہ نہ دھوئے تو اُسے سزا ملتی ہے کیونکہ ماں اکیلی تمام کام نہیں کر سکتی اگر وہ کرے تو اُس کے پاس کوئی وقت ہی نہ بچے۔ وہ اِسی طرح کرتی ہے کہ کچھ کام خود کرتی ہے اور کچھ کاموں میں بچوں سے مدد لیتی ہے۔ غرض یورپ میں اوّل تو روٹی بازار سے منگوائی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے کولڈ میٹ اور اِسی قسم کی اَور چیزیں ایسی بنائی ہیں جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اور بجائے اِس کے کہ ہر وقت گرم کھانا کھایا جائے وہ اس سے روٹی کھا لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت کا پکا ہؤا کھانا دو وقتوں میں کھا لیتے ہیں اور پھر کام میں بچوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے اور اِس طرح بہت سا وقت بچا لیا جاتا ہے۔ تھوڑے ہی دِن ہوئے مَیں نے ایک لطیفہ پڑھا جو امریکہ کے ایک مشہور رسالہ میں شائع ہؤا تھا اور جس سے اُن لوگوں کے کیریکٹر پر خاص طور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک باپ کہتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ میرے بچوں کو کبھی کبھی یہ تو بھُول جاتا ہے کہ آج ہم نے سکول جانا ہے۔ کبھی یہ بھی بھُول جاتا ہے کہ ہم نے اپنے برتن صاف کرنے ہیں۔ کبھی یہ بھی بھُول جاتا ہے کہ ہم نے اپنے کپڑے بدلنے ہیں کبھی یہ بھی بھُول جاتا ہے کہ ہم نے اتنے بجے سونا ہے لیکن اگر کبھی ہنسی میں مَیں نے اپنے بچوں سے

کوئی وعدہ کیا ہؤا ہوتا ہے اور اُس پر پانچ سال بھی گذر چکے ہوں تو وہ اُن کو نہیں بھولتا۔ اِس مثال سے ان کے کیریکٹر کا پتہ لگتا ہے کہ وقت پر سونا، وقت پر سکول جانا، وقت پر کپڑے بدلنا اور کھانے کے برتن دھونا یہ سب بچوں کو سکھایا جاتا ہے اور یہ باتیں ان کے فرائض میں شامل کی جاتی ہیں۔ اِس رنگ میں انہوں نے ایسا انتظام کیا ہؤا ہے کہ ان کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔ پھر بچوں کے پالنے کا کام ایسا ہے کہ جس میں بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یورپ میں تو عورتیں بچے کو پنگھوڑے میں ڈالتی ہیں، چوسنی تیار کر کے اس کے پاس رکھ دیتی ہیں اور مکان کو تالا لگا دفتر میں چلی جاتی ہیں۔ جب بچے کو بھوک لگتی ہے وہ خود چوسنی اُٹھا کر مُنہ سے لگا لیتا ہے لیکن ہمارے ہاں اگر ماں دو منٹ کے لئے بھی بچے سے الگ ہو جائے تو وہ اتنا شور مچاتا ہے کہ آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ ماں بچے کو الگ نہیں کرتی اسے ہر وقت اپنے ساتھ چمٹائے پھرتی ہے۔ بچہ پیدا ہؤا اور اسے گود میں ڈال لیا اور پھر تین چار سال تک اسے گود میں اُٹھائے پھرتی ہیں۔ بلکہ ہمارے ملک میں تو پانچ پانچ سال تک لاڈلے بچوں کو اُٹھائے پھرتی ہیں۔ یہ سارے رواج اِس قابل ہیں کہ ان کو بدلا جائے۔ جب تم ہمت کر کے اِن رسوم کو بدلو گی تو آہستہ آہستہ باقی عورتوں میں بھی تمہارے پیچھے چلنے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔

مَیں نے بتایا ہے کہ سب سے پہلے روٹی پکانے کے طریق میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ عربوں میں بھی بازار سے روٹی منگوانے کا طریق ہے مگر وہاں تنور کی خمیری روٹی ہوتی ہے انگریزی روٹی کا رواج نہیں جتنے ملکوں میں بازار سے روٹی منگوانے کا طریق رائج ہے ان سب میں خمیری روٹی کھائی جاتی ہے۔ خمیری روٹی ہمیشہ تازہ ہی پکا کر کھانی پڑتی ہے۔ بہرحال بغیر اس کے کہ روٹی کا سوال حل ہو ہماری عورتیں فارغ نہیں ہو سکتیں۔ اور بغیر اس کے کہ بچہ پالنے کے طریق میں تبدیلی ہو ہماری عورتیں فارغ نہیں ہو سکتیں۔ جب تک بچہ گود میں رہے گا یا ماں بیکار رہنے پر مجبور ہو گی یا بیٹی مجبور رہے گی۔ کام کے لئے فراغت اسے اسی وقت ہو سکتی ہے جب بچہ کو پیدا ہوتے ہی پنگھوڑے میں ڈال دیا جائے اور پھر وقت پر اسے دُودھ پلا دیا جائے۔ گود میں اسے نہ اُٹھایا جائے۔ غرض جب تک یہ سوال حل نہیں ہوتا ماں کی زندگی بیکار رہے گی، اور جب تک کھانے کا سوال حل نہیں ہوتا عورت کی زندگی بیکار رہے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روزانہ چار وقت کے کھانے کی بجائے صرف دو وقت کا کھانا رکھ لیا جائے اور ناشتہ کا کوئی سادہ دستور نکالا جائے اور کھانے ایسے تیار کئے جائیں جو کئی کئی وقت کام آ سکیں اور روٹی بازار

سے منگوائی جائے. لیکن اگر صبح شام کھانا پکانے کے برتن مانجھنے کا کام عورت کے ہی سپرد رہے گا تو وہ بالکل بیکار ہو کر رہ جائے گی اور کسی کام کے لئے وقت صرف نہیں کرے گی۔

پس جہاں دینی مسائل کو مدِنظر رکھنا تمہارے لئے ضروری ہے وہاں ان عائلی مشکلات کو حل کرنا بھی تمہارے لئے ضروری ہے. ہندوستان میں مسلمانوں کے تنزّل اور ان کے انحطاط کی بڑی وجہ یہی ہوئی ہے کہ جب ان کے پاس دولت آگئی تو انہوں نے اس قسم کے مشاغلِ بیکاری کو اختیار کر لیا. گھروں میں مرد بیٹھے چھالیا کاٹ رہے ہیں، گلوریاں بنا رہے ہیں اور عورت بھی کھانے پکانے میں مصروف ہے کبھی یہ چیز تلی جا رہی ہے کبھی وہ چیز تلی جا رہی ہے. کبھی کہتی ہے اب مَیں چٹنی بنالوں کبھی کہتی ہے اب مَیں میٹھا بنا رہی ہوں. نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو کھانے تیار کرنے میں مشغول ہو گئے اور حکومت انگریزوں نے سنبھال لی. یہ مصیبت جتنی ہندوستان میں ہے باہر نہیں. عرب میں جا کر دیکھ لو سارا عرب بازار سے روٹی منگواتا ہے مصر میں جا کر دیکھو سارا مصر بازار سے روٹی منگواتا ہے اور سالن بھی وہ گھر پر تیار نہیں کرتے بازار سے ہی منگوا لیتے ہیں. وہاں لوبیا کی پھلیاں بڑی کثرت سے ہوتی ہیں. صبح کے وقت مکّہ میں چلے جاؤ. قاہرہ میں چلے جاؤ بازاروں میں لوبیا کی دیگیں تیار ہوں گی اور ہر شخص اپنا برتن لے جائے گا اور تنور کی روٹیاں اور لوبیا کی پھلیاں لے آئے گا. غریب اسے یُونہی کھا لیتے ہیں ــــ اور امیر آدمی گھی کا تڑکا لگا لیتے ہیں. اِسی طرح دوپہر کے وقت روٹی بازار سے آتی ہے اور سالن کے طور پر بھی وہ کوئی سستی سی چیز لے لیتے ہیں اور گزارہ کر لیتے ہیں. مگر ہمارے ہاں یہ حالت ہے کہ لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم وہ ماما رکھنا چاہتے ہیں جو ایک سیر آٹے میں اسّی پُھلکے پکا سکتی ہو. بازار والوں نے اپنا کام اِس طرح ہلکا کر لیا کہ سیر آٹے میں چھ روٹیاں تیار کر لیں اور انگریزوں نے سیر میں چار اور بعض دفعہ دو اور انہوں نے اپنے کام کو اِس طرح بوجھل بنا لیا کہ اسّی اسّی پُھلکے بنانے لگے. یہ سب شغلِ بیکاری ہیں جن کو دُور کرنا پڑے گا اور جن کو دُور کر کے ہی تم اپنا وقت بچا سکتی ہو. آخر علم کے استعمال کے لئے تمہارے پاس وقت چاہیئے. اگر تم نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا کہ تمہارے پاس کچھ بھی وقت نہ بچا تو تم نے کرنا کیا ہے پس پہلا سوال وقت کا ہے تم کو اپنی زندگی ایسی بنانی پڑے گی کہ تم ان کاموں کے لئے اپنے اوقات کو فارغ کر سکو پھر تمہارے لئے آسانی ہی آسانی ہے اور تم اس وقت سے فائدہ اُٹھا کر بیسیوں ایسے کام کر سکتی ہو جو تمہاری ترقی کے لئے ضروری ہیں پس یہ مسئلہ بھی تمہیں ہی حل کرنا پڑے گا اور اگر تم حل کر لو

تو تمہاری مائیں آپ ہی آپ تمہاری نقل کرنے پر مجبور ہوں گی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ لڑکی پرائمری پاس ہوتی ہے تو جاہل مائیں اپنی لڑکی کے آگے پیچھے پھرتی ہیں اور کہتی ہیں ہماری یہ بیٹی پرائمری پاس ہے بڑی عقلمند اور ہوشیار ہے۔ اگر مائیں اپنی پرائمری پاس لڑکیوں کی بات رد نہیں کرسکتیں تو تم بی۔ اے ہو گی تمہاری بات وہ کیوں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔

یہ کام جو میں نے بتایا ہے اسے معمولی نہ سمجھو یہی وہ چیز ہے جس نے ہمارے ملک کی عورت کو بیکار بنا دیا ہے۔ دوسری قوموں نے تو اِس مسئلہ کو حل کر لیا اور چھ سات گھنٹے بچا لئے لیکن تمہیں کھانے پکانے کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اگر تم بھی چھ سات گھنٹے بچا لو تو یقیناً تم اُن اقوام سے بہت زیادہ ترقی کرسکتی ہو کیونکہ اگر وہ چھ گھنٹے بچاتی ہیں تو دو گھنٹے قومی کاموں میں صرف کرتی ہیں اور چار گھنٹے ناچ گانے میں صرف کرتی ہیں لیکن تم اپنا سارا وقت قومی اور مذہبی کاموں میں صرف کرو گی اِس لئے یورپ کی عورت کے مقابلے میں تمہیں اپنے کاموں کے لئے تین گُنا وقت مل جائے گا۔ اور جب وہ چھ گھنٹوں میں سے چار گھنٹے ناچ گانے میں صرف کرے گی اور تمہارا تمام وقت خالص دینی کاموں میں صرف ہو گا اور اس طرح تم ان سے تین گُنا کام کرو گی تو تمہاری فتح یقینی ہے کیونکہ وقت کے لحاظ سے یورپ کی تین تین عورتوں کے مقابلے میں تمہاری ایک، ایک عورت ہو گی۔ اِس وقت تمہاری سَو عورت بھی یورپ کی ایک عورت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ تمہارا علم بھی کم ہے اور تمہارے پاس اپنے قومی کاموں کے لئے بھی وقت نہیں بچتا لیکن جب تم علم حاصل کر لو گی تو قومی کاموں کے لئے وقت بھی ان سے زیادہ صَرف کرو گی تو تمہاری ایک عورت کے مقابلہ میں یورپ کی سَو عورت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھے گی۔ جب تک یورپ کا ماحول ایسا ہے اور اس کا طریقِ عمل ایسا ہے کہ اس کی ایک عورت تمہاری سَو عورت کے برابر ہو گی اس کا جیتنا یقینی ہے۔ لیکن جب تم اپنے آپ کو ایسی بنا لو گی کہ تمہاری ایک عورت ان کی سَو عورت کے برابر ہو گی تو پھر تمہارا جیتنا یقینی ہے۔

اِن ریمارکس اور نصیحتوں کے ساتھ میں اپنے خطبہ کو ختم کرتا ہؤا کالج کا افتتاح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے زنانہ کالج کی اِس چھوٹی سی بنیاد کو اپنی عظیم الشان برکتوں سے نوازے اور یہ چھوٹا سا ادارہ دنیا کے تمام علمی اداروں پر چھا جائے۔" [1]

---

[1] الفضل ۱۵ ؍وفا ۱۳۳۰ ہش / جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ تا ۵۔

اس ایمان افروز خطاب کے بعد حضور نے لمبی دعا فرمائی اور یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

ابتدائی سٹاف سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے حضرت سیدہ اُم متین صاحبہ کو جامعہ نصرت کی نگران اور محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ (اہلیہ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ) کو پرنسپل مقرر فرمایا اور پہلے سال تعلیمی و تدریسی ذمہ داریاں مندرجہ ذیل اساتذہ کے سپرد کی گئیں:۔

حضرت سیدہ اُم متین مریم صدیقہ صاحبہ	(عربی)
مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری	(دینیات)
محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ	(انگریزی و اقتصادیات)
حضرت پروفیسر علی احمد صاحب ایم۔اے	(اُردو، فارسی)
چوہدری علی محمد صاحب بی۔اے، بی ٹی	(تاریخ)
محترمہ استانی سردار صاحبہ	(عربی)

عمارت جامعہ نصرت جو سالِ اوّل کی صرف سولہ طالبات پر مشتمل تھا حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی ذاتی کوٹھی میں جاری ہوا۔ ۱۳۳۱ھش / ۱۹۵۲ء میں اس کو دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ میں کھولا گیا ۱۳۳۲ھش / ۱۹۵۳ء میں جامعہ نصرت کی موجودہ مستقل عمارت کے پہلے چار کمرے تیار ہوئے تو یہ اس میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۳۴۰ھش / ۱۹۶۱ء میں اس کی وسیع عمارت میں بارہ دری کا اضافہ ہوا۔ ۸۔امان ۱۳۴۹ھش / ۸ مارچ ۱۹۷۰ء کو سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دستِ مبارک سے اس کے سائنس بلاک کا سنگ بنیاد رکھا اور اسی سال ایف۔ایس سی میڈیکل اور نان میڈیکل کلاسز کا اجراء ہوا۔ ۱۳۵۰ھش / ۱۹۷۱ء میں اس کی طالبات پہلی بار ایف۔ایس سی کے امتحان میں شامل ہوئیں۔

دوسرے کوائف جامعہ نصرت کے ساتھ دارالاقامہ (ہوسٹل) کا قیام عمل میں آیا اور محترمہ استانی سردار صاحبہ اس کی پہلی ناظمہ (سپرنٹنڈنٹ) تھیں۔

تبلیغ ۱۳۳۱ھش / فروری ۱۹۵۲ء میں جامعہ نصرت کا پہلا ٹورنامنٹ ہوا۔ اسی سال سے جلسہ تقسیم انعامات کا آغاز ہوا اور پہلی بار حضرت اُم داؤدؓ نے صدارت فرمائی ۱۳۳۲ھش / ۱۹۵۳ء کی تقریب انعامات

یں حضرت مصلح موعودؓ رونق افروز ہوئے اور ایک اہم خطاب فرمایا[۵]۔ ۱۳۴۰ھش / ۱۹۶۱ء و ۱۳۴۱ھش / ۱۹۶۲ء میں بالترتیب حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

۱۳۴۱-۴۲-۱۳۴۲ہش / ۱۹۶۲-۱۹۶۳ء میں پہلی بار جلسہ ہائے تقسیم اسناد کی سادہ اور مؤثر تقریب منائی گئی جس میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے شرکت فرمائی۔ ۱۳۴۲ھش / ۱۹۶۳ء میں رسالہ "النصرت" جاری کیا گیا۔ ۱۳۴۷ھش / ۱۹۶۸ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اور ۱۳۴۸ھش / ۱۹۶۹ء میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرمائی اور خطاب سے نوازا[۶]۔ اسی سال حضرت سیدہ ام متین صاحبہ نے نظارت تعلیم کے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کے لئے "نصرت جہاں میڈل" عطا کرنے کا اعلان فرمایا۔ ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء و ۱۳۵۰ھش / ۱۹۷۱ء کے جلسہ ہائے تقسیم اسناد میں بالترتیب بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دُعاؤں کے نتیجہ میں جامعہ نصرت کی حیرت انگیز اور فقید المثال ترقی

جامعہ نصرت ایک زندہ جماعت کی مثالی درس گاہ، حضرت مصلح موعود اور امام ہمام ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کا زندہ اعجاز اور قرآنی آیتؔ "وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا" کی عملی تعبیر و تفسیر ہے جس نے اپنے بائیس سالہ دور میں تعلیمی، تربیتی اور دینی ہر اعتبار سے حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ اور محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ جیسی بزرگ ہستیوں کی سرپرستی اور نگرانی میں فقید المثال ترقی کی ہے۔ وہ جامعہ جو گنتی کی صرف چند لیکچرر خواتین سے جاری ہوا اب اس کے سٹاف میں ۳۲ سند یافتہ فرض شناس اور شفیق و مونس پروفیسر اور لیکچرر خواتین شامل ہیں۔ اور جہاں پہلے سال صرف سولہ طالبات کالج میں داخل ہوئیں وہاں ۱۳۵۲ھش / ۱۹۷۳ء میں طالبات کی تعداد ساڑھے تین سو سے بھی بڑھ چکی ہے۔

جامعہ نصرت کی کامیابی کا تناسب کیفیت و کمیت کی رُو سے یونیورسٹی اور بورڈ کے تناسب سے

---

۵ مصباح ماہ نبوت ۱۳۳۴ہش / نومبر ۱۹۵۵ء و الازہار لذوات الخمار حصہ دوم صفحہ ۱۳۴، صفحہ ۱۴۶۔

۶ حضور کا پُر معارف خطبہ صدارت مصباح ماہ احسان ۱۳۴۷ہش / جون ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۸ میں شائع شدہ ہے۔

ہمیشہ ہی زیادہ رہا ہے اور اِس کی طالبات نے مخصوص مضامین میں اچھی پوزیشن لے کر طلائی تمغے ہی حاصل نہیں کئے بلکہ بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانات میں بھی اوّل آتی رہی ہیں۔

جامعہ نصرت کا خالص اور مثالی اسلامی ماحول

دینیات کا مضمون جامعہ نصرت میں لازمی اور اس کی علمی و تربیتی سرگرمیوں کا نقطۂ مرکزیہ اور رُوحِ رواں ہے اور مغربی دنیا کے اِس چیلنج کا واقعاتی اور مسکت جواب ہے کہ پردہ عورت کی ترقی میں روک ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ نصرت کے پاک اور بابرکت اسلامی ماحول نے قرن اوّل کی علم پرور مسلم خواتین کی یاد تازہ کردی ہے جس کا اعتراف دوسروں کو بھی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر علی محمد صاحب پرنسپل لاہور کالج نے اِس کے معائنہ کے بعد اپنے تاثرات درج ذیل الفاظ میں لکھے:۔

"ربوہ اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے لحاظ سے تمام پنجاب میں سبقت لے گیا ہے۔ عجب سماں ہے پڑھنے والیاں اور پڑھانے والے ایک ہی مقصد کے تحت رواں دواں ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی توجہ کسی اور طرف نہیں اِس بے لوث جذبہ کو دیکھ کر بے اختیار کہنے پر مجبور ہوں کہ صحیح اسلامی تعلیم کی فضاء ربوہ ہی میں پائی جاتی ہے۔"

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اظہارِ خوشنودی

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے یکم وفا ۱۳۳۴ہش/ جولائی ۱۹۵۵ء کو جامعہ نصرت کے خوشکن نتائج پر غایت درجہ خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"امسال یونیورسٹی کے امتحانات کے نتائج صرف بائیس فیصدی نکلے لیکن ہمارے ربوہ کی لڑکیوں کے کالج (جامعہ نصرت) کا نتیجہ تریسٹھ فیصدی رہا اور ان پاس ہونے والی طالبات میں سے اکثر وہ ہیں جن کی فیس ہر ماہ میں خود ادا کرتا تھا وہ کالج کی فیس مہیّا نہیں کرسکتی تھیں لیکن ہم نے اُن کے اخراجات کو برداشت کیا اور اِس طرح عورتوں کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا وہاں پر کُل تعلیم کا تناسب باسٹھ فیصدی تھا۔ لڑکوں کی تعلیم کا تناسب نوّے فیصدی تھا اور عورتوں کی تعلیم کا تناسب سَو فیصدی تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی قوم پردہ میں ترقی نہیں کرسکتی لیکن ہماری طرف دیکھو کہ ہماری بچیوں کو جو عورتیں پڑھاتی ہیں وہ بھی پردہ کی پابند ہیں۔ خود میری اپنی بیوی[لہ] کالج کی پرنسپل ہے وہ عربی میں ایم۔اے ہے اور وہ

لہ اُن دنوں محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ لاہور میں ایم۔اے کی تیاری کر رہی تھیں اور حضور کی حرم حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ مدظلہا پرنسپل کے فرائض بھی انجام دے رہی تھیں۔

اِس کام کا کچھ معاوضہ نہیں لیتی لیکن وہ خود بھی پردہ میں رہتی ہیں۔ اگر ضرورت کے موقعہ پر کالج میں بعض مرد تعلیم کے لئے لگائے جاتے ہیں تو وہ بھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور لڑکیاں بھی پردہ میں ہوتی ہیں لیکن اِس کے باوجود یونیورسٹی کے بائیس فیصدی نتائج کے مقابل میں ان کا نتیجہ تریسٹھ فیصدی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی عورتیں پختہ عزم اور ارادہ کرلیں گی تو وہ علم حاصل کرلیں گی اور دُنیا کو دکھا دیں گی کہ پردہ میں رہ کر بھی ہر چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔" [1]

فصلِ دوم

تحریکِ جدید کی طرف سے سیلون مشن کا قیام اور اسکی عظیم الشان اسلامی خدمات

۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء کا نہایت اہم واقعہ تحریکِ جدید کی طرف سے سیلون مشن کا قیام ہے۔

سیّدنا حضرت مہدیٔ معہودؑ کی تحریرات مالدیپ اور سیلون میں

سیدنا حضرت مہدیٔ معہود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں حضورؑ کی تحریرات یورپ، امریکہ اور افریقہ کی طرح جنوبی ہند سے آگے مالدیپ اور سیلون (سری لنکا) کے جزائر تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ اُس دَور کی قدیم دستاویزات سے ثابت ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی ایک تصنیف سے متأثر ہو کر محل دیپ کے ایک بزرگ" اغ السلطان حاج محمد عماد الدین تو تومنفرط" صاحب حضورؑ کی زندگی میں ہی حضور کے دعویٰ پر ایمان لے آئے اور اپنا بیعت کا خط [2] (جو دو صفحات پر مشتمل تھا) حضورؑ کی خدمتِ اقدس میں قادیان بھیجا۔ سلسلہ کے لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ محل دیپ کی طرح سیلون میں بھی ۱۹۰۸ء کے دَوران حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کی برکت سے ایک سیلونی عالم دین آئی ایل ایم عبدالعزیز صاحب

---

[1] الفضل ۱۹ ظہور ۱۳۳۴ہش / اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۔ [2] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ لجنہ اماء اللہ" جلد دوم مرتبہ امۃ اللطیف صاحبہ ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ طبع اوّل جنوری ۱۹۷۲ء۔ [3] یہ تاریخی خط شعبۂ تاریخ احمدیت ربوہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

ایڈیٹر "مسلم گارڈین" داخل احمدیت ہوئے اور حضور کو محبت بھرا مکتوب بھی[1] لکھا تاہم سیلون کے پبلک حلقوں تک احمدیت کی پہلی مؤثر اور منظم آواز خلافتِ ثانیہ کے اوائل میں بلند ہوئی جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ممتاز صحابی حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے رضی اللہ عنہ قادیان سے ماریشس جاتے ہوئے ۱۴ مارچ ۱۹۱۵ء کو سیلون (سری لنکا) کے مرکزی شہر کولمبو (COLOMBO) پہنچے اور تین ماہ تک وہاں قیام کر کے مہدی معہود کے ظہور کی پُرجوش منادی کرتے رہے۔

حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ کی تبلیغی مساعی

حضرت صوفی صاحبؓ نے سیلون میں تبلیغ احمدیت کا آغاز ینگ مسلم لٹریری ایسوسی ایشن کولمبو کے زیرِ اہتمام ایک لیکچر سے کیا جس میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور آپ کی پیشگوئیوں اور نشانات پر جو اپنی آنکھوں سے آپ نے مشاہدہ کئے مفصّل روشنی ڈالی۔ ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو آپ کا سیلو آئی لینڈ میں کامیاب انگریزی لیکچر ہوا جس کی ترجمانی کے فرائض مسٹر ٹی۔ کے۔ لائی نے انجام دیئے۔ یہ لیکچر بہت مقبول ہوا۔ جلسہ کے اختتام پر اکثر حاضرین نے نہایت ارادت مندی کے ساتھ آپ سے مصافحہ کیا اور ہاتھ چومے۔ جلسہ کے پریذیڈنٹ ایک بیرسٹر تھے جنہوں نے صوفی صاحب کو بتایا کہ مَیں دل سے احمدی ہوں۔ نیز اُن کے بھائی قریش اور مسٹر ٹی۔ کے۔ لائی اور بعض اَور سعید روحیں باقاعدہ بیعت کر کے حلقہ بگوشِ احمدیت ہو گئیں اور اِس طرح چند ماہ کے اندر اندر سیلون کی ایک مخلص احمدیہ جماعت معرضِ وجود میں آ گئی جو تیس کے قریب معمر، سمجھدار اور تعلیمیافتہ افراد پر مشتمل تھی[2]۔

حضرت صوفی صاحبؓ نے کولمبو میں انجمن احمدیہ تشکیل کی اور مسٹر ٹی۔ کے۔ لائی (T. K. LYE) کو اس کا سیکرٹری مقرر کر کے ماہوار چندہ کا انتظام کیا۔[3]

یکم مئی کو آپ کانڈی (KANDY) بھی تشریف لے گئے اور گرینڈ ہوٹل کانڈی میں مقیم ہوئے۔ شام کو آپ کے پاس عبدالجواد شمس الدین اور غوث نامی تین مسلمان بغرض ملاقات آئے۔ ۲ مئی کی رات کو غوث محمد کی دعوت پر آپ مولود کی ایک مجلس میں پہنچے یہاں آپ نے اس رسم کے خلاف انگریزی میں فی البدیہہ تقریر کی اور عبدالجواد نے اس کا ترجمہ کیا۔ اِس تقریر کا پورے شہر میں بہت چرچا ہوا۔ بعض نے

[1] یہ مکتوب آپ نے کولمبو سے ۲۹ فروری ۱۹۰۸ء کو لکھا اور ریویو آف ریلیجنز انگریزی دسمبر ۱۹۱۶ء (صفحہ ۴۶۷۔۴۶۸) میں اس کا متن شائع شدہ ہے۔

[2] الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۳ [3] الفضل ۲۳ مئی ۱۹۱۵ء صفحہ ۱

آپ کو وہابی مشہور کر دیا اور بعض آپ کی تائید میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی خدمت میں تلاشِ حق کے لئے آنے لگے۔

۹ رمئی کو آپ نے کانڈی مسلم ینگ مین ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ کو خطاب کیا جس میں کُھلے اور واضح لفظوں میں جماعتِ احمدیہ کے مخصوص علمِ کلام خصوصاً وفاتِ مسیح اور صداقتِ مسیح موعودؑ کے دلائل پر بڑی شرح وبسط سے روشنی ڈالی اور کانڈی کے باشندوں پر حُجت تمام کر دی[۱]۔ اِس لیکچر کی اگرچہ ملّاؤں نے مخالفت کی اور ہر طرف ایک شور برپا کر دیا مگر حق کے طالب حضرت مہدیٔ موعودؑ کے دعوے اور حالات کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے ہوٹل میں آپ کے پاس آتے رہے اور آپ انہیں دن دن تک پورے زور شور سے پیغامِ حق پہنچانے کے بعد واپس کولمبو میں آگئے اور سیلون میں احمدیت کا بیج بونے کے بعد اگلے ماہ ماریشس روانہ ہو گئے۔

مشکلات کے باوجود جماعتِ احمدیہ سیلون کی مخلصانہ خدمات

حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ کے بعد ۱۹۱۵ء میں ہی جماعتِ احمدیہ سیلون مشکلات میں گھر گئی سیلون کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ اِس ملک میں احمدی مبلّغین کو داخلہ کی اجازت نہ دی جائے گی[۲]۔ اِن حالات کے باوجود سیلون کے مخلص احمدیوں نے اشاعتِ احمدیت کا

---

[۱] اخبار "سیلون انڈی پینڈنٹ" نے ۱۳ رمئی ۱۹۱۵ء کے پرچہ میں اِس کامیاب لیکچر کی بایں الفاظ خبر شائع کی:۔

"ایک بہت دلچسپ اور پُر معلومات لیکچر اسلام کے متعلق مولوی غلام محمد بی۔اے نے کانڈی مسلم ینگ مین ایسوسی ایشن کے ہال میں دیا۔ مسٹر این۔ ڈی۔ ایمٹ صدرِ جلسہ تھے انہوں نے لیکچرار کا حاضرین سے تعارف کرایا اور فاضل لیکچرار نے اسلام کی پاکیزگی کو قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ کے حوالجات سے ثابت کیا اور بتایا کہ وہ تمام باطل خیالات جو مسلمانوں کے اندر باہر سے آگئے ہیں نکال دئے جائیں اور اسلام کو اصل پاکیزگی کے ساتھ اختیار کیا جائے۔ اِس لیکچر کو نہایت قابلیت کے ساتھ مسٹر ایس۔ ٹی۔ صابق مدار ضلع کانڈی نے تامل زبان میں ترجمہ کر کے حاضرین کو سُنا دیا۔ خاتمہ لیکچر پر مسٹر اے۔ ایم۔ اے عزیز ممبر ایسوسی ایشن نے لیکچرار کیلئے شکریہ کا ووٹ تجویز کیا اور آئی۔ ایم۔ یوسف آنریری سیکرٹری نے تائید کرتے ہوئے مترجم کا بھی شکریہ ادا کیا نیز مسٹر سی ایچ منتارا (C.H. MANTARA) (احمدی) آنریری سیکرٹری اور سینٹ انتھونیز کلب سیلو آئی لینڈ کا ان کی تشریف آوری اور امداد کیلئے شکریہ ادا کیا گیا۔ مسٹر ایس۔ ایم۔ احسان نے حاضرین کی تشریف آوری کا تامل میں شکریہ ادا کیا۔ صاحب صدرِ جلسہ کیلئے شکریہ کا ووٹ پاس کرنے کے بعد جلسہ بخیر و خوبی برخاست ہوا۔" ترجمہ (بحوالہ الفضل ۲۳ رمئی ۱۹۱۵ء صفحہ ۲)

[۲] الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۲

کام نہایت سرگرمی سے جاری رکھا اور ہر سال باقاعدگی سے سالانہ جلسوں کا انعقاد کرتے رہے[۱]۔ علاوہ ازیں تبلیغی ٹریکٹوں کا ایک سلسلہ نیز ۱۹۱۷ء سے "THE MASSAGE" (تامل نام تمودن) کے نام سے ہفتہ وار اخبار بھی جاری کیا جو ۱۹۲۳ء تک چھپتا رہا[۲] جس سے احمدیت کا پیغام جزیرہ کے علمی طبقوں تک پہنچا۔ اِس ابتدائی دَور میں سیلونی احمدیوں کو کئی تکالیف پہنچیں۔ بعض پر جھوٹے مقدمے بنائے گئے بعض کو احمدیت کی پاداش میں زدوکوب کیا گیا[۳]۔ مگر یہ مصائب کے طوفان سیلونی احمدیوں کے ایمان و اخلاص کو متزلزل کرنے کی بجائے مستحکم کرنے کا موجب بنے جس پر خود حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے سالانہ جلسہ ۱۹۱۹ء پر اُن کی خاص تعریف فرمائی۔ ایک اَور موقع پر مجلس شوریٰ کے اجلاس میں فرمایا "سیلون کی جماعت ... میں سے بعض میں کمزوری ہو لیکن ان میں بڑے بڑے مخلص بھی ہیں[۴]"۔ ۱۹۲۰ء کے آخر میں جماعت احمدیہ سیلون نے ایک نہایت ہی عمدہ موقع کا مکان مسجد اور پریس کے لئے دو ہزار روپیہ میں خریدا[۵]۔ ستمبر ۱۹۲۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ممتاز صحابی حضرت سردار عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے رضی اللہ عنہ سیلون میں چند روز کے لئے تشریف لے گئے۔ جماعت احمدیہ سیلون نے ٹاؤن ہال میں آپ کا پبلک لیکچر دلایا۔ سامعین سب کے سب تعلیم یافتہ تھے۔ اِس سے قبل کسی مسلمان کا پبلک لیکچر اس ہال میں نہیں ہؤا تھا۔ اِس لیکچر کے علاوہ آپ قریباً روزانہ ہی انگریزی میں لیکچر دیتے رہے جس کا ترجمہ تامل میں سُنایا جاتا رہا[۶]۔

جولائی ۱۹۲۳ء میں حکومت نے سیلون میں احمدی مبلّغین کے داخلہ پر ۱۹۱۵ء سے عائد شدہ پابندی محدود رنگ میں بعض شرائط کے ساتھ واپس لے لی۔ یہ پابندی سر ہیوک الفورڈ سابق گورنر نائیجیریا کی آمد پر دُور ہوئی جو نائیجیریا میں جماعت احمدیہ سے خوب واقف تھے[۷]۔

اِس سلسلہ میں سیلون گورنمنٹ کے نائب کالونیل سیکرٹری ایچ۔ آر۔ بلٹ نے ۲۶ر جولائی ۱۹۳۰ء کو آنریری سیکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن سیلون ۳۰۔ شارٹس روڈ کولمبو کو جو خط بھیجا اس کا ترجمہ

---

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس سال جماعتِ احمدیہ سیلون نے گھیمپولا (GAMPOLA) میں تیرھواں سالانہ جلسہ منعقد کیا۔ [۲] اِس آرگن نے ایک اپنا وسیع حلقہ اثر پیدا کیا۔

[۳] الفضل ۲۷ر مئی ۱۹۱۹ء صفحہ ۲ و ۳۱ر مئی ۱۹۱۹ء صفحہ ۲۔ [۴] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۶۔ [۵] الفضل ۸ر نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۔ [۶] الفضل ۲۹ر ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۸۔ [۷] رپورٹ مجلس مشاورت قادیان ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۹۔

حسبِ ذیل ہے:۔

جنابِ من! آپ کے خط مرسلہ ۹؍ جولائی ۱۹۲۳ء بنام کالونیل (COLONIAL) سیکرٹری کے بارے میں جو مسلمان احمدی مبلغین کی پابندیوں کے متعلق تھا، مجھے آپ کو اس بات پر مطلع کرنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ ہز ایکسی لینسی گورنر بہادر نے بخوشی حکم صادر فرمایا ہے کہ احمدی مبلغین کے سیلون میں داخل ہونے کے متعلق جو ممانعت تھی اس کو دُور کیا جائے اور یہ کہ وہ حسبِ ذیل پابندیوں کے ساتھ سیلون میں داخل ہو سکتے ہیں:۔

(۱) تمام جلسے جن میں کہ یہ مبلغین اپنے ایڈریس اور لیکچر دیں سیلون کی احمدیہ جماعت کے ہیڈ کوارٹر میں ہونے چاہئیں جو کہ سیلو آئی لینڈ کے شہر کولمبو میں واقع ہے۔

(۲) کوئی وعظ یا گلیوں میں جلسہ کرنے کی ان مبلغین کو اجازت نہ ہوگی۔

(۳) اور ایسے تمام مشنری جزیرہ میں وارد ہونے کے بعد چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر بذاتِ خود حاضر ہو کر کالونیل سیکرٹری کے دفتر میں اپنے آنے کی رپورٹ دیں۔

مشنریوں کو یہ شرائط منظور کرنا ہوں گی اور ایک تحریر کالونیل سیکرٹری کو دینی ہوگی کہ اگر وہ لوگ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو اس جرم میں جزیرہ سے فوراً باہر نکل جانا ہوگا بشرطیکہ ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔ میں ہوں آپ کا خادم۔ ایچ۔ آر۔ بلڈ نائب کالونیل سیکرٹری [1]

اِس جزوی آزادی کے بعد سیلون کے احمدیوں کی تبلیغی جدوجہد میں نمایاں اضافہ ہوا اور مرکز کی طرف سے مولوی اے۔پی ابراہیم صاحب سیلون مشن کے انچارج مقرر کئے گئے۔[2]

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی تشریف آوری اور جزیرہ میں احمدیت کا زبردست چرچا

۱۰؍ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو حضرت مہدئ موعودؑ کے محبّ صادق مدیر بدر اور احمدیہ مسلم مشن امریکہ کے بانی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سیلون میں تشریف لائے[3] اور ۷؍ نومبر ۱۹۲۷ء تک یہاں قیام فرما رہے۔[4] حضرت مفتی صاحبؓ کی آمد نے حضرت

---

[1] اخبار "ٹائمز آف سیلون" مورخہ ۲۲؍ اگست ۱۹۲۳ء (بحوالہ الفضل ۱۱؍ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳) ؛

[2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۹ ؛ [3] الفضل ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ ؛

[4] الفضل ۱۸؍ نومبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ ؛

صوفی غلام محمد صاحبؓ کے زمانہ کی یاد تازہ کر دی اور جزیرہ بھر میں احمدیت کی گویا دھوم مچ گئی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے کولمبو کی مختلف سوسائٹیوں میں اسلام اور احمدیت سے متعلق متعدد کامیاب لیکچر دیئے آپ نے ایک لیکچر "اسلام اور عیسائیت" کے موضوع پر دیا اور مسلمانوں نے تسلیم کیا کہ اسلام کی تائید میں انہوں نے کبھی ایسی زبردست تقریر نہیں سنی۔ ایک لیکچر بدھسٹ انجمن کے ہال میں ہوا جس کا تمام انتظام بدھ لوگوں نے کیا۔ جلسہ میں غیر معمولی حاضری تھی۔ مفتی صاحبؓ نے بدھوں کے کالج کا بھی معائنہ کیا۔ نیز کولمبو میں بدھوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا سے بھی ملاقات کی اور انہیں خبر دی کہ اِس زمانہ کا بدھ قادیان میں آچکا ہے بدھ لیڈر نے کہا کہ بدھ آسمان سے آئے گا اور ہم اُس کو آسمان سے نازل ہوتے خود دیکھیں گے۔ آپ کا ایک عیسائی مناظر ڈی سلوا کے ساتھ الوہیت مسیح اور دعویٰ مسیح موعودؑ کی صداقت پر دوبارہ مناظرہ بھی ہوا جس میں پادری صاحب لاجواب ہوگئے۔ اِن لیکچروں اور آپ کی نجی ملاقاتوں کے نتیجہ میں کئی غیر احمدی معززین احمدیت کے بہت قریب آگئے بلکہ بعض علماء نے یہاں تک مشہور کر دیا کہ مفتی صاحبؓ فی الواقع ولی اللہ ہیں جو محض اتفاق سے احمدیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں مگر دراصل وہ احمدی نہیں ہیں۔
ابتدائی چند لیکچروں کے سوا اکثر لیکچروں کا انتظام غیر احمدی معززین نے اپنے خرچ پر کیا اور نہایت خوشی کے ساتھ اپنی گرہ سے ہال کا کرایہ اور اشتہار وغیرہ کے اخراجات ادا کئے۔

حضرت مفتی صاحبؓ نے عیسائیوں کے ویزلی کالج کی لٹریری سوسائٹی میں بھی ایک لیکچر دیا۔ یہ لیکچر امریکہ کے عام حالات پر تھا اور صدرِ جلسہ خود پرنسپل تھے جو لندن کے پادری تھے۔ حضرت مفتی صاحبؓ سیلونی بدھوں کے مرکزی شہر کانڈی میں بھی تشریف لے گئے جہاں آپ کے دو لیکچر ہوئے۔ ایک کا عنوان تھا "پیغامِ اسلام" یہ لیکچر ٹاؤن ہال میں ایک معزز وکیل جارج ڈی سلوا صاحب نے صدارت کی۔ ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا آخر میں معززینِ شہر نے کہا کہ ہمیں یہ خوشی ہے کہ اسلام اِس قدر خوبیوں سے پُر ہے جیسا کہ مفتی صاحبؓ نے بیان کیا ہے۔ دوسرا لیکچر اِسی شہر کے بدھسٹ ہال میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے اپنے لیکچر میں دَورِ جدید کے بدھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پیش کیا۔ یہ لیکچر بھی بہت مقبول ہوا۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے اپنے لیکچروں میں صداقتِ اسلام کے علاوہ تحریکِ احمدیت کے مخصوص مسائل پر بھی روشنی ڈالی اور اپنے عقائد کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ چنانچہ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے ایک لیکچر کے دَوران جس کے صدر مسٹر برہان ایک وکیل تھے کسی اہلحدیث دوست نے

دعویٰ کیا کہ قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں جن میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے فرمایا مولوی صاحب تو کہتے ہیں بہت سی آیات ہیں اگر وہ ایک بھی ایسی آیت دکھا دیں جس میں لکھا ہو کہ عِیْسٰی حَیٌّ فِی السَّمَاءِ تو مَیں اسی مجلس میں مولوی صاحب کو مبلغ تین سَو روپے انعام دوں گا۔ اِس پر لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں اور سب مولوی صاحب کی طرف دیکھنے لگے کہ اب وہ تین سَو روپے انعام لینے ہی والے ہیں مگر مولوی صاحب دم بخود ہو کر بیٹھ گئے۔ اِس پر ایک اَور صاحب نے اُٹھ کر کہا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ آسمان پر نہیں تو اُن کی قبر دکھاؤ۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ آپ کے دادا کا دادا زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ اگر مر گیا ہے تو اُس کی قبر دکھاؤ ورنہ کہا جائے گا کہ وہ بھی آسمان پر ہے۔ اِس جواب پر دوسرے صاحب نے بھی چُپ سادھ لی۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے لیکچروں کا سیلون پریس میں بہت چرچا ہوُا بطور نمونہ دو انگریزی اخبارات کے دو نوٹ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

اخبار "سیلون ڈیلی نیوز" (۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء) نے لکھا کہ:۔

ولزلے کالج لٹریری ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر ایم۔ صادق نے کل طلباء کے سامنے زیرِ صدارت پرنسپل کالج ہذا ریورنڈ ہیچنسن اپنے وہ تجربات بیان فرمائے جو آپ کو قیامِ یورپ و امریکہ کے زمانہ میں حاصل ہوئے تھے۔ دَورانِ تقریر آپ نے کئی ایک دلچسپ واقعات بیان کئے اور غیر ممالک میں زندگی بسر کرنے کے متعلق طلباء کو وہاں کے اخلاق اور طرزِ معاشرت کے بارے میں مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ (ترجمہ)

اخبار "سیلون انڈی پینڈنٹ" نے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں ایک نامہ نگار کے حوالہ سے لکھا:۔

ینگ مسلم لیگ (جو کہ روشن دماغ اور آزاد خیال افراد پر مشتمل ہے) کے اجلاس میں دو معزز اشخاص ڈاکٹر صادق اور مسٹر حمید کو نیو مور سٹریٹ کے سکول میں حفظانِ صحت کے متعلق حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان کرنے کا موقع دیا گیا۔

نامہ نگار نے مزید لکھا کہ مَیں بخوشی اِس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کے ممبروں نے اخوّت اور رواداری کا نمونہ دکھایا ہے۔ گذشتہ سال جب خواجہ کمال الدین صاحب سیلون میں لیکچروں کے متعلق

خط و کتابت کر رہے تھے تو اس کے خلاف ایک عام مخالفت کی لہر پیدا ہوگئی تھی اور وہ اِس جزیرہ میں نہیں آسکے تھے۔ اب حالات تبدیل ہوگئے ہیں اور قومی بیداری کے ساتھ رواداری کی رُوح بھی پیدا ہورہی ہے۔ غیر مسلم اصحاب نے فاضل ڈاکٹر کے ساتھ مختلف مسائل پر لیکچر اور ملاقاتوں کا انتظام کیا۔ ڈاکٹر صاحب یہاں قلیل عرصہ ہی ٹھہریں گے اس لئے عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ تعدد ازواج، غلامی، اکراہ فی الدین اور جہاد کے متعلق لیکچر دلوانے کا انتظام کرکے صحیح مذہب اسلام کی تبلیغ کا موقع بہم پہنچائیں"۔[1]

حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ مالاباری کی پُرجوش تبلیغی جدّوجہد

صدر انجمن احمدیہ قادیان کی سالانہ رپورٹ (یکم مئی ۱۹۳۲ء۔ ۳۰ اپریل ۱۹۳۳ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۲ء تک جزیرہ سیلون میں کولمبو۔ نیگمبو (NEGOMBO) گیمپولا اور الکام میں احمدیہ جماعتیں قائم ہوچکی تھیں اور سیلونی احمدیوں کی تعداد اسّی تک پہنچ چکی تھی۔ اِس جزیرہ کی تبلیغی مہم ان دنوں مرکز کی طرف سے حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ مالاباری چلا رہے تھے جو عربی، ملیالم اور انگریزی کے عالم و فاضل اور بڑے بلند پایہ مقرر تھے اور سیلون اور مالابار میں باری باری سے اعلائے کلمۃ الحق میں مصروفِ عمل رہتے تھے اور اشاعتِ اسلام و احمدیت کا کوئی تقریری اور تحریری موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء تک سیلون میں بڑے مؤثر رنگ میں اشاعتِ احمدیت کے جہاد میں دیوانہ وار منہمک رہے۔ حضرت مولوی صاحب نے اِس جزیرہ میں کس جانفروشی اور خلوص سے اشاعتِ احمدیت کا فریضہ ادا کیا ہے؟ اس کا اندازہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی قبل از تقسیم مطبوعہ رپورٹوں سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ بطور نمونہ حضرت مولوی صاحبؓ کے قلم سے دارالتبلیغ سیلون کی صرف ایک رپورٹ (بابت ۱۹۳۷ء-۱۹۳۸ء) ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:-

"دوسال زیرِ رپورٹ (۳۶-۳۷ تا ۳۷-۳۸ء) میں ساڑھے تین ماہ خاکسار سیلون میں مقیم رہا۔ مقررہ اندازہ کے لحاظ سے ۴ ماہ سیلون میں ٹھہرنا تھا لیکن کالی کٹ میں مصری فتنہ کے زیرِ اثر بعض افراد کے ہلاکت میں پڑنے اور جماعت کا اس سے متاثر ہونے کا خطرہ پیدا ہوجانے کی وجہ سے مقررہ میعاد کے گذرنے سے دو ہفتہ پہلے مجھے سیلون سے مالابار کو واپس جانا پڑا۔ سیلون میں چار مقامات پر جماعتیں موجود ہیں جن میں مرکزی

---

[1] حضرت مفتی صاحبؓ کے سفرِ سیلون کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو الفضل ۲۱ اکتوبر۔ ۱۱ نومبر۔ ۱۵ نومبر ۱۹۲۷ء

جماعت کولمبو کی ہے۔ جس طرح شہر کولمبو جزیرہ سیلون کا صدر مقام ہے کولمبو کی جماعت بھی دیگر جماعتوں سے بڑی اور اہم ہے اس لئے خاکسار کا قیام زیادہ تر اسی جماعت میں رہا ہے۔ اِس کے علاوہ پانا دورا (PANADURA) نیگومبو۔ گیمپولا کی جماعتوں میں بھی کئی دفعہ دورہ کرتا رہا۔ پھر مٹرٹا (MATURATA) اور پوسلاوا (PUSSULAWA) دو مقامات کے بھی دورے کئے گئے۔ سیلون میں بھی انفرادی گفتگو، تحریر اور تقریر کے ذریعہ تبلیغ کے فرائض اور خطبات و نصائح اور درس و تدریس کے ذریعہ جماعتوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ قریباً ڈیڑھ صد افراد کو پرائیویٹ گفتگو کے ذریعہ تبلیغِ حق پہنچائی گئی اور اسلام اور احمدیت کے متعلق ۷ علمی لیکچر دیئے گئے جن میں اسلام کی برتری، احمدیت کی صداقت اور غیر اسلامی عقائد کی تردید بیان کی گئی۔ اِن میں سے زیادہ لیکچر راوترکمپنی کے صحن میں دیئے گئے تھے اور کچھ لیکچر یہاں کی سنٹرل جیل میں دیئے گئے جہاں ہر اتوار کو جا کر قیدیوں میں لیکچر دینے کے لئے جیل خانہ جات کے انسپکٹر جنرل سے اجازت حاصل کی گئی تھی اور دو لیکچر میدانوں میں اور ایک لیکچر ہندوؤں کے ایک مشہور ہال میں دیا گیا تھا۔ جماعت کا ہفتہ واری اخبار مالی مشکلات کے سبب بند ہو جانے کی وجہ سے اشاعت تحریر کے ذریعہ تبلیغ کرنا مشکل ہو گیا تھا اِس لئے عرصہ زیرِ رپورٹ میں ٹریکٹوں کی اشاعت سے یہ کام لیا گیا چنانچہ خاکسار نے اِس عرصہ میں چار ٹریکٹ لکھے۔ ایک چار صفحات کا اور تین چار صفحات کے۔ اور جماعت کے خرچ پر یہ ٹریکٹ ہزاروں کی تعداد میں طبع کرا کر لوگوں میں تقسیم کئے گئے۔

اِس کے علاوہ خطبات، انفرادی نصائح اور درس و تدریس کے ذریعہ سے جماعتوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کیا گیا۔ ہر ہفتہ انصار اللہ کی میٹنگ میں حاضر ہو کر ان کو ضروری ہدایات دینا اور علمی باتیں بتاتا رہا۔ بعض دوستوں کو قرآن کریم کا درس سناتا رہا۔ خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کرنے کے علاوہ دیگر مقامات کی جماعتوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے بھی سیلون سے مالابار اور رساتان کولم وغیرہ مقامات میں کئی خطوط بھیجے گئے .... الغرض اِس عرصہ میں سیلون کی مختلف جماعتوں میں ٹھہر کر پرائیویٹ گفتگو، تقریر اور تحریر کے ذریعہ تبلیغِ حق پہنچانے اور نصائح اور درس و تدریس سے جماعتوں کی تعلیم و تربیت کرنے کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ خاکسار عبداللہ مالاباری از کولمبو" [1]

---

[1] رپورٹ (یکم مئی ۱۹۳۷ء - ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء) صفحہ ۱۴۴، صفحہ ۱۴۵ ۔

"اسلامیہ سورین" کا اجراء

اخبار تھودن چونکہ عرصہ سے بند ہو چکا تھا اِس لئے احبابِ جماعت کو روحانی غذا بہم پہنچانے کے لئے جماعتِ سیلون کے مخلص دوست او۔عبدالمجید صاحب نے اسلامیہ سورین نامی رسالہ جاری فرمایا۔ چونکہ عبدالمجید صاحب ۱۹۱۵ء سے ہی جماعت کے اخبار تھوون سے وابستہ چلے آرہے تھے اِس لئے اُن کی ادارت میں اِس رسالہ نے جماعت کو تبلیغی و علمی میدان میں آگے بڑھانے میں بہت مدد دی۔ پھر بعض احباب کی مالی مدد سے انہوں نے اسلامیہ سورین پریس بھی قائم کر لیا جس سے جماعت کے لٹریچر کی طباعت میں مزید آسانی پیدا ہو گئی۔ کچھ عرصہ مفید کام کرنے کے بعد جب تھودن دوبارہ جاری ہؤا تو یہ رسالہ بھی تھودن میں مدغم ہو گیا۔

تحریک جدید کے سیلون مشن کا قیام

۱۶ ظہور ۱۳۳۰ہش/اگست ۱۹۵۱ء کو جماعتِ احمدیہ سیلون کی تاریخ کا ایک نیا اور انقلاب انگیز دَور شروع ہؤا جبکہ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے حکم سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مُنیر (مع اہلیہ) اِس جزیرہ میں پہنچے اور تحریکِ جدید کے زیرِ انتظام مستقل مشن کی بنیاد رکھی۔ مولوی صاحب قریباً پونے سات برس تک سیلون کے طُول و عرض میں نہایت جوش، اخلاص اور مستعدی سے اشاعتِ احمدیت میں سرگرمِ عمل رہے اور بالآخر جنوبی اور وسطی ہند کا طویل سفر کرتے ہوئے ۸ شہادت ۱۳۳۷ہش/اپریل ۱۹۵۸ء کو ربوہ میں تشریف لائے۔ آپ اگرچہ مقامی زبان سے واقف نہ تھے[1] ماحول سراسر اجنبی تھا۔ ویزا صرف تین ماہ کا ملا تھا اور ایک ایسے نازک موقع پر مرکز کی طرف سے بھجوائے گئے تھے جبکہ جماعتِ سیلون اندرونی اور خارجی مشکلات سے دوچار تھی مگر خدا کے فضل اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کی برکت سے انتہائی بے سروسامانی کے باوجود آپ کے دَور میں اشاعتِ حق کے نئے سے نئے رستے کھلے اور آپ کی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈالی گئی۔ جماعتِ احمدیہ سیلون نے آپ کے زمانۂ قیام میں جو نمایاں خدمات سرانجام دیں اُن میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

جماعتی تربیت و اصلاح کا نظام

جماعتِ سیلون کو ایک نظام سے منسلک کرنے کے لئے ہر سیلونی احمدی خاندان کے ہر فرد کے مختصر اور

---

[1] تبلیغی اور تربیتی تقاریر کے موقع پر اُردو سے تامل میں ترجمانی کے فرائض بھائی جے بشیر احمد صاحب اور اے۔ ایس محمود احمد صاحب نے اور انگریزی سے تامل میں ترجمہ کے فرائض ٹی۔ اے۔ احمد صاحب اور ایم۔ جمال الدین صاحب نے انجام دیئے۔

ضروری کوائف[1] کا ریکارڈ تیار کیا گیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ، مجلس اطفال الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کی مرکزی تنظیموں میں نئی حرکت پیدا ہوئی اور احمدیوں کی نوجوان نسل کی تربیت و اصلاح کے لئے مختلف تدابیر بروئے کار لائی گئیں۔ اور احمدی عورتوں نے بھی محترمہ مبارکہ نسرین صاحبہ (اہلیہ مولوی صاحب موصوف) کی رہنمائی میں تبلیغ و تربیت کے پروگرام میں اہم کردار ادا کیا۔

احمدیہ باغ جماعتِ احمدیہ سیلون نے کولمبو میں اپنے مستقل مشن ہاؤس اور مرکزی مسجد کی تعمیر کے لئے قریباً پندرہ ہزار روپے[2] جمع کئے جن میں سے پانچ ہزار روپے کی لاگت سے مسجد احمدیہ نیگمبو کے دائیں جانب ایک ایکڑ زمین خریدی گئی اور اس طرح جماعت کی وسعت کے پیشِ نظر ایک احمدیہ باغ کی صورت میں اس مسجد کی توسیع عمل میں آئی۔ یہ مسجد آپ کے زمانہ میں سیلون مشن کی واحد مسجد تھی۔

انجمن احمدیہ کے قدیم کمرہ کی مرمت کولمبو میں انجمن احمدیہ کا ایک قدیم کمرہ تھا جماعتِ سیلون نے ایک بھاری رقم سے اس کی بھی مرمت کرائی اور اس میں لائبریری کا اجراء ہوا۔

مالی قربانیوں میں ترقی اس عرصہ میں جماعتِ احمدیہ سیلون کے چندوں میں نمایاں ترقی ہوئی اور سیلون کے مخلص احمدی مردوں اور عورتوں نے وصیت، تحریکِ جدید، وقفِ جدید اور دوسری مرکزی تحریکوں میں شامل ہونے کے علاوہ مقامی اور ہنگامی چندوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مالی قربانیوں میں بھی ایک عمدہ مثال قائم کی۔

لائبریریوں کا قیام کولمبو اور نیگمبو میں احمدیہ لائبریریاں قائم کی گئیں۔ کولمبو کی فضل عمر لائبریری میں سات سو کے قریب جلدیں آپ کی واپسی کے وقت موجود تھیں اور ریویو آف ریلیجنز انگریزی کے تقریباً مکمل فائل مہیا ہو چکے تھے۔ نیگمبو لائبریری کے لئے مولوی محمد اسمٰعیل

---

[1] مثلاً تاریخ ولادت۔ تاریخ بیعت۔ ولدیت۔ سکونت۔ پیشہ۔ آمد اور چندہ جات۔ [2] اس فنڈ سے وفا ۱۳۳۶ہش / جولائی ۱۹۵۷ء میں ایک سہ منزلہ عمارت کولمبو شہر کے وسط میں خریدی گئی۔ یہ عمارت ۳۲ ہزار میں خریدی گئی تھی اور ۱۵ ہزار روپے قرض کے عوض مکان رہن رکھا گیا تھا۔ یہ بہت شاندار عمارت تھی جو افسوس مولوی صاحب کے بعد مخالفین کی شرارت کے باعث جماعت کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

صاحب منیر نے اپنی ایک الماری اور بہت سی کتابیں بطور عطیہ دیں۔

"دی میسیج" کا احیاء اس دور میں جماعت احمدیہ سیلون کا پہلا انگریزی اخبار "دی میسیج" (THE MESSAGE) جو ۱۳۲۲ ہش/ ۱۹۴۳ء سے بند ہو چکا تھا دوبارہ پوری آب و تاب کے ساتھ ماہ ظہور ۱۳۳۴ ہش/ اگست ۱۹۵۵ء سے نکلنا شروع ہوا۔ یہ انگریزی و تامل اخبار سیلون کے علاوہ جنوبی ہند، بورنیو، برما اور ملایا میں بھی بھیجا جاتا تھا۔ اور تعلیمیافتہ مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ ماہ صلح ۱۳۳۶ ہش/ جنوری ۱۹۵۷ء میں اس اخبار کے سنہلی ایڈیشن کا بھی اجراء کیا گیا۔ اس زبان میں یہ پہلا اسلامی اخبار تھا اور اس کی اشاعت پر سنہلی پریس نے قابل قدر تبصرے کئے۔ سنہلی ایڈیشن کے پہلے پرچہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی شبیہہ مبارک کے ساتھ حضور کا حسب ذیل افتتاحی مضمون اشاعت پذیر ہوا:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ھوالناصر

سنہالیز برادران! جماعت احمدیہ کا سنہالی رسالہ نکل رہا ہے اور اس کے لئے تمہیدی نوٹ مَیں لکھ رہا ہوں۔ مَیں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ سیلون کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق آج کا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ سیلون کے بادشاہ نے حجاج کو جو امیہ خلافت کی طرف سے مشرقی صوبہ کا گورنر تھا ان مسلمانوں کے یتامیٰ بھجوائے جو کہ سیلون کے بادشاہ کے علاقہ میں فوت ہوئے تھے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک غیر مصدقہ روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیلون کا بادشاہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا اور امیہ خلیفہ کو باج بھیجا کرتا تھا۔ ہندوستان پر محمد بن قاسم کے حملہ کی وجہ بھی یہی تھی کہ سیلون کے بادشاہ نے جو مسلمان یتامیٰ خلیفہ اسلام کو بھجوائے تھے ان پر سندھ کے ساحل کے قریب کچھ ہندو ڈاکوؤں نے حملہ کر کے انہیں گرفتار کر لیا تھا انہیں کے بچانے کے لئے محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہوئے تھے اور یہی بنیاد عالم اسلام اور ہندوستان میں جنگ کی تھی۔ پس قدیم سیلون سے مسلمانوں کا ایک ہزار سال سے (زائد۔ ناقل) کا تعلق ہے ہم اس تعلق کو زندہ کرنے

کے لئے پھر اس ملک میں آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ بھی ہمارے مشن سے وہی سلوک کریں گے جو کہ آٹھویں صدی عیسوی کے سیلون بادشاہ نے مسلمانوں سے کیا تھا خدا تعالیٰ آپ کے دلوں کو... ہدایت کے لئے کھول دے اور جس طرح ہم قدیم زمانہ میں بھائی بھائی تھے اس زمانہ میں بھی ہم بھائی بھائی ہو جائیں اور اس خطرناک زمانہ میں اپنے ملک و ملت کی حفاظت کے لئے دوش بدوش ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اللّٰھم آمین

خاکسار

(دستخط) مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

۱۲/۶/۵۶

مشرقی صوبہ میں ذیلی مشن کی بنیاد

پہلی بار سیلون کے مشرقی صوبہ میں جو مسلم اکثریت کی وجہ سے سیلون کا پاکستان کہلاتا ہے یکم اخاء ۱۳۳۴ہش / اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جماعتِ احمدیہ کا ایک ذیلی مشن قائم کیا گیا جس کے انچارج مولوی محمد تمیم صاحب تھے۔ جماعت احمدیہ سیلون نے اس مشن کے لئے اپنی بلڈنگ خریدی۔

سنہلی زبان میں سلسلہ احمدیہ کا وسیع لٹریچر

۱۳۳۱ہش / ۱۹۵۲ء میں سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ پر بذریعہ رؤیا یہ انکشاف کیا گیا کہ "ہمارے سلسلہ کا لٹریچر سنہالیز زبان میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا ہے اور اس کے نتائج اچھے نکلیں گے۔" حضور فرماتے ہیں:۔ میں خواب میں کہتا ہوں کہ سنگھالیز زبان تو ہے یہ سنہالیز کیوں لکھا ہے۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ سنہالیز زبان کونسی ہے"۔[1]

۱۳۳۱ہش / ۱۹۵۲ء میں اگرچہ یہ زبان ملک میں بکثرت بولی جاتی تھی لیکن اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی لیکن ۱۳۳۵ہش / ۱۹۵۶ء میں حالات نے حیرت انگیز پلٹا کھایا اور نئی پارٹی "سری لنکا فریڈم پارٹی" (SRI LANKA FREEDOM PARTY) برسرِ اقتدار آئی جس نے دو ماہ کے اندر سنہلی زبان کو واحد سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ اس وقت جماعتِ احمدیہ سیلون کے لئے اس زبان میں کتابیں شائع کرنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ نہ روپیہ تھا نہ مترجم اور نہ اس خواب کی عملی تعبیر کے لئے کوئی ذرائع موجود تھے لیکن جلد ہی پردۂ غیب سے ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ مترجم بھی میسر آ گیا

[1] الفضل ۱۴/ فتح ۱۳۳۱ہش / دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

اور سنہلی لٹریچر کی اشاعت کے فنڈ بھی غیر احمدی دوستوں ہی نے فراہم کر دئیے اور پھر سنہلی لٹریچر بڑی کثرت سے چھپا اور ملک بھر میں خدائی خبر کے مطابق مقبول بھی بہت ہوا جو صداقتِ احمدیت کا ایک چمکتا ہوا نشان ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیرؔ اِس ایمان افروز نشان کی تفصیل میں فرماتے ہیں:۔

"وہاں کے احمدیہ مشن کے پاس قطعاً ایسے وسائل موجود نہیں تھے کہ وہ اس زبان میں لٹریچر کی اشاعت کا انتظام کر سکتی دفعتہً خدائی تقدیر حرکت میں آئی اور نہایت غیر معمولی طور پر اس زبان میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا خود بخود انتظام ہو گیا اور وہ اِس طرح کہ ابھی سنہلی کو سرکاری زبان کا درجہ ملے ہوئے چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ ایک معزز شخص ڈاکٹر اے۔سی۔ایم سلیمان صاحب (DR. A.C.M. SULAIMAN) جن کے نام سے بھی مَیں واقف نہ تھا موٹر کار میں احمدیہ مشن ہاؤس تشریف لائے اور انہوں آتے ہی یہ سوال کیا کہ آپ لوگ سنہلی میں اسلامی لٹریچر کیوں شائع نہیں کرتے؟ مَیں نے مالی اور بعض دوسری مشکلات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا آپ مجھے کوئی کتاب دیں مَیں اس کا سنہلی زبان میں ترجمہ کرنے کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر سلسلہ کی ایک کتاب دے دی جس کا نام LIFE AND TEACHINGS OF H.P. MOHAMMAD تھا ہفتہ عشرہ کے بعد جب وہ دوبارہ آئے تو کتاب کا ترجمہ اور طبع شدہ پروف ساتھ لے کر آئے۔ چنانچہ چند یوم میں نظرثانی کے بعد انہوں نے وہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوا دی۔ اِس کے بعد انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معرکۃ الآراء تصنیف "اسلامی اصول کی فلاسفی" دی گئی۔ اسے بھی انہوں نے بعد ترجمہ نہایت قلیل مدت میں پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوانے کا انتظام کر دیا۔ چونکہ اس وقت حکومت سنہلی کو خاص اہمیّت دے رہی تھی اِس لئے خود وزیرِ اعظم نے اِس زبان میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا حتّٰی کہ انہوں نے ہماری درخواست پر اِس کتاب کے ساتھ اشاعت کے لئے بخوشی اپنا ایک پیغام بھی بھجوا دیا چنانچہ وہ پیغام بھی کتاب کے ساتھ شائع ہوا۔ کتاب کی طباعت کے بعد اس کی اشاعت کا آغاز ایک خاص تقریب میں کیا گیا جس میں بعض وزراء اور حکومت کے اعلیٰ افسران بھی شریک ہوئے[1]"

---

[1] وزیرِ اعظم سیلون (S.W.R.D. BANDARANAIKE) نے اِس تقریب پر ایک خصوصی پیغام دیا جس میں کہا "بدھسٹ اور سنہلیز ہونے کے لحاظ سے مَیں اِس کتاب "ISLAM DHARMAYA" کے لئے مختصر پیغام بھیجنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ اِس ملک کی تاریخ کے اِس اہم دَور میں سنہلی زبان میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ ان وجوہ کی بناء پر کتاب کا ملک بھر میں بہت چرچا ہوا اور لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ الغرض نہایت بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالےٰ نے محض اپنی قدرت نمائی کے ذریعہ حضور کے کشف کو پورا کرنے کے خود سامان فرمائے اور اس طرح یہ امر ہم سب کے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب بنا"۔ لہ

"اسلامک لٹریچر سنٹر" اسی دور میں جماعتِ احمدیہ سیلون کے ایک مستقل اشاعتی ادارہ "اسلامک لٹریچر سنٹر" کی بنیاد پڑی جس کا حساب و کتاب اور کلرک الگ تھا اور جس کی نگرانی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مشن انچارج اور جماعتِ احمدیہ کے نہایت مخلص بزرگ ایم۔ای۔ایم۔حسن صاحب جنرل احمدیہ پریذیڈنٹ آل سیلون وسیکرٹری مال کولمبو کرتے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اسلامی کتاب کا شائع ہونا باعثِ اطمینان ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھیں گے۔ یہ کتاب جو عام فہم زبان میں تیار کی گئی ہے یقیناً سنہلی زبان میں اسلامی لٹریچر کی ضرورت کو پورا کرنے والی ہوگی اور مجھے امید ہے کہ یہ بہت سے لوگوں تک پہنچے گی"۔ کتاب کے مترجم مسٹر پی۔ایچ۔ ویدیگے نے اپنی تقریر میں بتایا کہ "جب وہ ترجمہ کر رہے تھے تو کئی غیر مسلموں نے ان کی شدید مخالفت کی مگر انہوں نے اس قومی اور مذہبی خدمت کو تکمیل تک پہنچانا ضروری سمجھا اور اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انہیں اس سے عقیدت ہوگئی جس کی وجہ سے اس کا ترجمہ بہت کم وقت میں ختم ہوا"۔ اس تقریب پر کتاب کے ترجمہ کی اشاعت کا اعلان سیلون کے وزیر ڈاکخانہ جات وبراڈکاسٹ نے کیا۔ ملک کے ہر روزنامے نے اس موقع کا نمایاں ذکر مع تصاویر کے کیا اور احمدیہ مشن کے اس کارنامے کو قومی خدمت قرار دے کر خوب سراہا۔ اسی طرح سیلون ریڈیو میں مسلسل کئی ایام تک جماعتِ احمدیہ کی اس عظیم الشان خدمت کی خبر نشر ہوتی رہی حالانکہ قبل ازیں امیر جماعتِ احمدیہ کے خلاف زبردست پراپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ اسی طرح ایک حلقہ کے ممبر آف پارلیمنٹ آنریبل سر رازک فرید (SIR RAZIK FAREED) نے جماعتِ احمدیہ سیلون کی درخواست پر اس کتاب کی پہلی کاپی وزیر ڈاکخانہ جات وبراڈکاسٹنگ اور سنہلی کے بلند پایہ شاعر آنریبل عبدالستار ماریکر (A.S. MARIKAR) کی خدمت میں پیش کی۔ اس تقریب میں پاکستان میں سیلون کے مشہور ہائی کمشنر مسٹر ٹی۔بی۔جایا (T.B. JAYA) بھی تشریف لائے اور جماعت کی اس شاندار اسلامی و قومی خدمت پر خراجِ تحسین ادا کیا ؛

حاشیہ صفحہ ھذا:۔ لہ الفضل ۲۲ ہجرت ۱۳۳۷ ہش /مئی ۱۹۵۸ءصلا ؛

تھے۔غیر احمدی دوست کثرت کے ساتھ اس ادارہ کی کتابیں خرید تے تھے۔سنٹر سے سیلون کے علاوہ پاکستان ہندوستان، ملایا اور برما کو بھی کتابیں بھجوائی جاتی تھیں۔مولوی صاحب نے جب واپسی پر نئے مبلّغ محترم شیخ عبدالرحمٰن صاحب شاہد سیلونی کو چارج دیا تو اس ادارہ کے سٹاک میں پچاس ہزار سے زائد کتابیں تھیں جن کی قیمت اُس وقت تیس ہزار روپے کے لگ بھگ ہو گی۔مختلف کتب فروشوں کے پاس سنٹر کی جو کتابیں برائے فروخت رکھی تھیں اُن کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔اِس سنٹر کی آمد کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیہ سیلون نے سکول کے مسلم طلباء کے لئے بعض مفید کتابیں شائع کیں۔سنہلی ریڈرز (ا تا ۴) کا مسودہ ابھی محکمہ تعلیم کے پاس اغراض منظوری پڑا تھا کہ مولوی صاحب کو سیلون سے روانہ ہونا پڑا۔اِس سنٹر کی نگرانی میں ریویو آف ریلیجنز انگریزی کی توسیع اشاعت کے لئے بھی جدّوجہد کی جاتی تھی نیز سلسلہ احمدیہ کا مرکزی لٹریچر اور غیر ملکی احمدی اخبارات بھی منگوائے جاتے تھے۔اِس ادارہ کے انچارج کلرک عباس مبارک احمد صاحب تھے۔آپ کا وجود مغتنمات سے تھا۔آپ نے نہایت ذوق وشوق سے یہ قومی فریضہ ادا کیا۔

شائع ہونیوالے اسلامی لٹریچر کی تفصیل

اِس دَور میں نہایت وسیع پیمانہ پر انگریزی، تامل، سنہلی زبانوں میں تراجم ہوئے اور اسلامی لٹریچر شائع ہوا جسکی تفصیل یہ ہے: "اسلامی اصول کی فلاسفی" "لیکچر لاہور" (حضرت مسیح موعودؑ)۔ "ہمارا رسول" "تحفہ شہزادہ ویلز" (حضرت مصلح موعودؓ)۔ نماز مترجم، احادیث النبیؐ، قرآن مجید کی دو سورتیں، صداقت مسیح موعودؑ، وفات مسیح، مسئلۂ نبوت، اسلامی قاعدہ (سنہلی)۔ اسلام کا خلاصہ (تامل، انگریزی) معترضین کے جوابات، رُوحِ اسلام۔ اِس کے علاوہ لاکھوں کی تعداد میں ٹریکٹ بھی شائع کئے گئے۔[۱]

لائبریریوں میں احمدیہ لٹریچر

جماعت کے مرکزی لٹریچر جس میں انگریزی تفسیر القرآن بھی شامل تھی اور مقامی لٹریچر کے سیٹ ملک بھر کی پچیس ۲۵ اہم لائبریریوں میں رکھوائے گئے۔

مُلک بھر کے وسیع دَورے اور اُن کا اثر

ملک کے سب علاقوں کے وسیع دَورے کر کے گوشہ گوشہ میں پیغام حق تقاریر کے ذریعہ پہنچایا اور اسلامی

۱؎ تحریک جدید کے سیلون مشن کی مندرجہ بالا معلومات اِس مشن کے قدیم ریکارڈ (۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء تا ۱۳۳۸ ہش / ۱۹۵۹ء) سے حاصل کی گئی ہیں۔یہ ریکارڈ دفتر وکالتِ تبشیر ربوہ میں موجود ہے۔

لٹریچر کی بکثرت تقسیم کی جس کی وجہ سے مشن کا دائرۂ واقفیت بڑا وسیع تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ پاکستانی ہائی کمشن کے فسٹ سیکرٹری مسٹر انور کے ایک لمبے دَورے کا انتظام ہُوا تو جہاں بھی وہ گئے وہاں احمدی مبلغ کی تقریر کے مطالبہ کو پاکر وہ خوش ہوئے جو ان کے ہمسفر ہی تھا۔

قرآنی اسباق کی وسیع اشاعت

قرآنِ عظیم کی تعلیمات کو پھیلانے کی غرض سے "قرآنی اسباق" بذریعہ ڈاک بھجوانے کا سلسلہ شروع ہُوا جس پر حضرت المصلح الموعودؓ نے خوشنودی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ "مسلمانوں کو قرآن سے محبت ہے اس لئے اِس سلسلہ کو جاری رکھو" چنانچہ یہ اسباق اتنے مقبول ہوئے کہ بعد میں کتابی شکل میں AN OUTLINE OF ISLAM کے نام سے شائع ہوئے اور میٹرک کے طلبہ کو اسلامیات کے مضمون میں اپنے ممد ثابت ہوئے کہ غیر مسلم طلبہ نے بھی اِس کتاب کو پڑھ کر اِس مضمون کا امتحان دیا اور اعلیٰ نمبر حاصل کرکے امتحان پاس کیا۔ بعدۂ اِس کتاب کا تامل ترجمہ بھی بڑا مقبول ہُوا۔

مشن کی اسلامی خدمات کا ردِّ عمل

احمدیہ مسلم مشن کی اسلامی خدمات سے عوام الناس کے علاوہ خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نوجوان تو بڑی کثرت سے احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کرنے لگے۔ یہ بات بعض متعصب اور خود غرض علماء کو پسند نہ آئی تو ان میں سے ایک نے اپنی تقریریں (جو سیلون ریڈیو سے نشر ہوئی) جماعت احمدیہ پر کچھ جھوٹے الزامات عائد کئے جس کا فوری نوٹس اِس شکل میں بھی لیا گیا کہ وزیر براڈ کاسٹنگ سے پارلیمنٹ کے ایک ممبر (MR. CHELVANAYAKAM) نے ذیل کے چند سوال کئے جن کے جوابات پارلیمنٹ میں وزیر براڈ کاسٹنگ نے دیئے تھے وہ ان کے سامنے درج ہیں:۔

سوال:۔ کیا وزیر ڈاکخانہ جات اور براڈ کاسٹنگ کو علم ہے کہ ۹ر نومبر ۱۹۵۷ء کو سیلون ریڈیو نے ایک ایسی تقریر نشر کی ہے جس میں جماعتِ احمدیہ کے بانی حضرت احمد کو نا ملائم اور نامناسب الفاظ میں یاد کیا گیا۔

جواب:۔ ہاں

سوال:۔ کیا وزیر موصوف کو یہ علم ہے کہ سیلون میں احمدیہ جماعت کے پیرو کار بکثرت ہیں۔

جواب:۔ ہاں

سوال :- کیا وزیرِ موصوف یہ جانتے ہیں کہ حضرت احمد کی عزت نہ صرف اس کے پیرو کرتے ہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں۔

جواب :- ہاں

سوال :- نیز کیا اس اخلاق سوز تقریر نے نہ صرف احمدیوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہوگی بلکہ دوسرے لوگوں کی بھی ناراضگی کا موجب بنی ہوگی۔

جواب :- ہاں

سوال :- کیا وزیرِ موصوف نے ملزم کو پکڑنے اور اسے سزا دینے کے لئے کوئی فوری اقدام کیا ہے۔

جواب :- متعلقہ افراد کے خلاف محکمانہ اقدام کیا گیا ہے۔

سوال :- آئندہ اس قسم کی بات کا اعادہ نہ ہونے کے لئے کیا کچھ کیا گیا ہے۔

جواب :- براڈ کاسٹنگ کے ڈائریکٹر جنرل کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کی بات کا اعادہ نہ ہونے دیں۔

سوال :- جن لوگوں کے جذبات کو اس تقریر نے ٹھیس پہنچائی ہے ان کی تلافی کیسے کی گئی ہے۔

جواب :- براڈ کاسٹنگ کے ڈائریکٹر جنرل نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۷ء کو اپنے خط DB/NS/6 کے ذریعہ جنرل سیکرٹری سیلون احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن کو معذرت نامہ بھجوا دیا ہے[۱]

مستقبل کیلئے انتظامیہ کی تشکیل

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر نے ایک آخری اور اہم قدم یہ اٹھایا کہ سیلون سے روانگی سے قبل سربرآوردہ سیلونی احمدیوں کے مشورہ[۲] سے مشن کو چلانے کے لئے ایک انتظامیہ تجویز کی جس کو تقسیم کار کے اصول پر مشن کے ضروری فرائض سپرد کئے مثلاً اخبار THE MESSAGE کے تینوں ایڈیشنوں کی ادارت۔ مالی امور اور تقسیم۔ لٹریچر سنٹر کی حفاظت، اس کے حسابات اور نگرانی۔ لائبریری کا انتظام، خط و کتابت مشن ہاؤس سے متعلق معاملات۔ جماعتِ سیلون کی عمومی نگرانی وغیرہ یہ سب تفصیلات مولوی صاحب کے

۱۔ PARLIAMENTARY DEBATES VOL 30

۲۔ اس مشورہ میں نئے انچارج مشن قریشی عبدالرحمٰن صاحب شاہد، مبارک احمد صاحب ایڈیٹر میسیج اور ایم۔ ای۔ ایم حسن صاحب جنرل پریذیڈنٹ جماعت سیلون شامل تھے۔

مکتوب مورخہ ۱۲/ ماہِ تبلیغ ۱۳۳۷ ہش / فروری ۱۹۵۸ء میں درج ہیں جو انہوں نے مرکز سلسلہ سے مزید مشورہ اور راہ نمائی کے لئے ربوہ لکھا تھا اور جو اُس احساسِ ذمہ داری کا آئینہ دار ہے جو اسلام کے ایک مخلص سپاہی اور فرض شناس مبلغ کے دل میں ہمیشہ موجزن رہنا چاہیئے۔

فصل سوم

رسالہ "التبلیغ" کا اجراء، صوبہ سرحد کے دو[۲] احمدیوں کی شہادت۔ نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان کا سفاکانہ قتل اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز تبصرہ

سیلون مشن کے حالات پر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ماہِ ظہور ۱۳۳۰ ہش / اگست ۱۹۵۱ء اور اس کے بعد رُونما ہونے والے واقعات کا بالترتیب ذکر کرتے ہیں۔

ربوہ سے رسالہ "التبلیغ" کا اجراء اس زمانہ میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر دعوت و تبلیغ ربوہ کی نگرانی میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے صیغہ نشر و اشاعت نے (جس کے مہتمم ان دنوں مکرم شیخ عبد القادر صاحبؓ نو مسلم تھے) احرار کی مغالطہ انگیزیوں کے بروقت ازالہ کے لئے کم و بیش پچاس ٹریکٹ لاکھوں کی تعداد میں شائع کئے[۱] جو تبلیغ احمدیت کا نہایت مفید، مؤثر اور کارگر ذریعہ ثابت ہوئے۔ چونکہ مرکز سے ان کو انفرادی طور پر بھجوانے کا ڈاک خرچ زیادہ ہوتا تھا اس لئے "التبلیغ" کے نام سے ایک مختصر رسالہ کا ڈکلیریشن اور رائیل نمبر (۵۶۹۵) حاصل کیا

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان (۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء و ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء) میں ان ٹریکٹوں کے عنوانات درج شدہ ہیں۔

گیا۔ یہ رسالہ یکم ظہور ۱۳۳۰ہش/اگست ۱۹۵۱ء سے ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۲ء کے شروع تک مکرم شیخ عبدالقادر صاحبؓ کی ادارت میں جاری رہا۔

رسالہ "التبلیغ" جو ٹریکٹ کی صورت میں چھپتا تھا گورنر، وزراء، سرکاری عہدیداران، ڈاکٹر، وکلاء، ائمہ مساجد، تجار، اساتذہ، طلباء، ایڈیٹر، لائبریریوں کے ناظم غرضکہ پاکستان کے ہر طبقہ کے لوگوں کو بھجوایا جاتا تھا اس کے اجراء کے ساتھ ہی غیر احمدی معززین کی ایک کثیر تعداد نے خود بخود خواہش کی کہ یہ اُن کے نام جاری کر دیا جائے چنانچہ اُن کی اِس خواہش کو پورا کیا گیا۔ شروع میں یہ رسالہ بذریعہ ڈاک اڑھائی ہزار کے قریب بھجوایا جاتا تھا لیکن ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء میں اِس کی ماہوار تعداد اشاعت ساڑھے چھ ہزار اور ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء میں چودہ ہزار تک پہنچ گئی۔

احرار نے احمدیت کے خلاف ملکی فضا کو مسموم کرنے کی جو خطرناک راہ بھی اختیار کی "التبلیغ" نے اس کا ڈٹ کر علمی تعاقب کیا اور دلائل و شواہد کی روشنی میں تحریکِ احمدیت کے صحیح خدوخال نمایاں کرنے کی بھرپور جدّوجہد کی۔

"التبلیغ" چونکہ ۱۳۳۰-۱۳۳۲ہش/۱۹۵۱-۱۹۵۳ء کی مدافعانہ مہم کا ایک یادگار حصہ ہے اس لئے اِس میں شائع شدہ اہم مضامین کے عنوانات کا ذکر کرنا اُس دَور کی تبلیغی معرکہ آرائیوں کی نوعیت کو سمجھنے میں ممد و معاون ہوگا۔

پہلی جلد کے عنوانات

ا[1]۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ ۲۔ جماعتِ احمدیہ کے عقائد ۳۔ وفاتِ مسیح ۴۔ کاذب مدعی نبوت کے متعلق قانونِ الٰہی ۵۔ خیر خواہانِ پاکستان سے دردمندانہ اپیل ۶۔ منصب نبوّت اور اس کی خصوصیات ۷۔ نشانِ رحمت کی عظیم الشان پیشگوئی ۸۔ روحانی نظام کی تکمیل کے لئے قرآنی اصول ۹۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے آسمانی اور زمینی نشان ۱۰۔ پیشگوئی نشانِ رحمت کے تعلق میں چمکتے ہوئے بیسیوں نشانات ۱۱-۱۲۔ نشانِ رحمت کا انذاری حصہ کیونکر پورا ہوا ۱۳۔ جہاد کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۴۔ پیشگوئی نشانِ رحمت محکمات اور متشابہات کی کسوٹی پر ۱۵۔ نشانِ رحمت کا انذاری حصہ محکمات اور متشابہات کی کسوٹی پر ۱۶۔ شرعی تعزیر کے متعلق صحیح اسلامی

---

[1] وہ نمبر جس میں یہ مضمون شائع ہوا۔

تعلیم ۱۷-۱۸- نشانِ رحمت ۱۹- زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار۔

دوسری جلد کے عنوانات

۱- زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار ۲- احرار کی دفاعِ پاکستان کے نام سے ملک کے امن کو برباد کرنے کی ناپاک کوشش۔

۳- تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام مع دس شرائط ۴-۵- مسیح ابنِ مریمؑ ایک سو بیس برس زندہ رہے ۶- مسلمانوں کے آپس میں اختلافات مٹانے کا واحد ذریعہ قرآن مجید ہے ۷- اظہارِ حق ۱ ۸- اظہارِ حق ۲ ۹- ایک اعتراض کا جواب ۱۰- احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ۱۱- نئی جماعت بنانے کی وجہ ۱۲- حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا اہلِ بیت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت و اخلاص ۱۳- ایسٹر کے موقع پر عیسائی صاحبان کے نام پیغام ۱۴- احمدیوں کو دوسری جماعتوں سے علیحدہ رکھنے کی وجہ ۱۵- مسلمانوں کی اصلاح کے لئے پہلا اور نہایت ضروری قدم ۱۶- اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۱۷-۱۸- احراری مقررین کی جلسہ چنیوٹ منعقدہ ۱۹ اپریل میں غلط بیانیاں۔ ایک ہزار روپیہ انعام ۲۳- واقعۂ کراچی کے متعلق رائے عامہ ۲۴- آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ۲۵- جماعتِ احمدیہ صدقِ دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتی ہے ۲۶- کیا مولوی عبد الحامد صاحب بدایونی کو جرأت ہے؟ ۲۷- جو خاتم النبیین کا مُنکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے ۲۸-۲۹- احمدیت کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ۱-۲ ۳۰- فیصلہ کی آسان راہ۔ ۳۱-۳۲- ہماری جماعت کا نام احمدیہ جماعت کیوں رکھا گیا ۳۵- حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک عظیم خدمت ۳۶- بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ نبوت کی وضاحت خود اپنی قلم سے ۳۸- ختمیتِ محمدیہ کے متعلق جماعتِ احمدیہ کا عقیدہ۔

تیسری جلد کے عنوانات

۲- مسئلہ ختمِ نبوت اور احمدیت ۳- مدیرانِ زمیندار کی انگریز پرستی کے واضح ثبوت۔

مندرجہ بالا مضامین کا ایک حصہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعودؓ کے اقتباسات پر مشتمل ہے جو نہایت عمدگی کے ساتھ انتخاب کر کے سپردِ اشاعت کئے گئے بعض مضامین حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ اور بعض دوسرے اہلِ قلم بزرگوں اور دوستوں کی محنت و کاوش کا نتیجہ تھے مگر ایک معتدبہ حصہ مدیر "التبلیغ" مکرم شیخ عبد القادر صاحبؒ کے قلم سے نکلا۔

رسالہ کی جبری بندش

"التبلیغ" باقاعدگی سے چھپ رہا تھا کہ ۱۳۳۲ ہش / ۱۹۵۳ء کے اوائل میں مغربی پنجاب کی دولتانہ وزارت کی طرف سے سیفٹی ایکٹ کے تحت غیر معیّن عرصہ کے لئے بند کر دیا گیا۔[1]

حضرت امیر المومنین کے دو پیغام یوم تحریکِ جدید کے موقع پر

۲ ؍ تبوک ۱۳۳۰ ہش / ستمبر ۱۹۵۱ء کو تحریکِ جدید کے مطالبات کو ذہن نشین کرانے اور دوستوں کو اس کے مالی جہاد میں شمولیت کی دعوت دینے کے لئے پاکستان بھر میں یوم تحریکِ جدید منایا گیا۔ بانی تحریکِ جدید سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۲۸ ظہور / اگست کو جماعتوں کے نام حسب ذیل پیغام دیا اور ہدایت فرمائی کہ "میرا یہ پیغام تحریکِ جدید کے جلسہ ۲ ستمبر کے موقع پر جماعت میں پڑھ کر سنایا جائے۔"

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۞ نحمدہٗ ونصلّی علٰے رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّـــــــــاصر

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اے دوستو احرار اور ان کے ہم نوا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھوٹا، کذّاب، دجّال اور دشمنِ اسلام کہتے ہیں۔ باقی سب دنیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی قسم کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ دنیا میں اِس قدر گالیاں کسی سابق نبی کو نہیں دی گئیں بلکہ دسواں حصہ بھی نہیں دی گئیں جتنی کہ مسیحی اور آریہ لٹریچر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھیں۔ صرف ایک احمدیہ جماعت ہے جو سب راست بازوں کو مانتی ہے اور ان کی سچّائی کو دنیا پر ظاہر کرنے کی مدعی ہے۔ جماعتِ احمدیہ کی تعداد اتنی کم ہے کہ اتنے بڑے حملہ کا جواب دینے کی اس میں طاقت نہیں سوائے اِس کے کہ وہ انتہائی قربانی سے کام لے اور خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرے۔

---

[1] یہ تفاصیل صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی سال ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲ ہش کی سالانہ رپورٹوں میں مذکور ہے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس قسم کی قربانی کے قریب بھی ابھی جماعت نہیں آئی اس لئے ایک دفعہ پھر مَیں آپ لوگوں سے خواہ مرد ہوں خواہ عورت خواہ بچے ہوں کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کو مارنے کے لئے دشمن جمع ہیں۔ اپنی غفلت چھوڑ دو۔ قربانی کو بڑھاؤ اور اس کی رفتار کو تیز تر کر دو۔ تحریکِ جدید کے چندوں کو جلد سے جلد ادا کرو۔ سادہ زندگی اور پیسہ بچانے کی عادت ڈالو اور تبلیغ کو وسیع کر دو۔ دنیا پیاسی مر رہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ارواح مومنوں کو روحانی جہاد کے لئے آگے بُلا رہی ہیں تم کب تک خاموش رہو گے۔ کب تک بیٹھے رہو گے قربانی کرو اور آگے بڑھو اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرو۔

خاکسار مرزا محمود احمد [1]

اگلے سال مخلصینِ سلسلہ کو تحریکِ جدید کی مالی قربانیوں کی طرف دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے ۵ / اخاء / اکتوبر کو دوسرا "یومِ تحریکِ جدید" منایا گیا جس کے جلسوں میں حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اور ولولہ انگیز پیغام پڑھا گیا جس نے مخلصین کو قربانی و ایثار کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔ یہ پیغام حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ فرمایا:۔

"تحریکِ جدید کی طرف سے جماعت کو ہوشیار کرنے کے لئے اور وعدہ کرنے والوں کو وعدے یاد دلانے کے لئے ۵ / اکتوبر کو یومِ تحریکِ جدید منایا جا رہا ہے مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ مَیں اس دن کے لئے ایک پیغام جماعت کے نام دوں مَیں اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے چند سطور لکھوا رہا ہوں لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ پیغام خود آپ کے دِل سے پیدا ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کا دل آپ کو اِس موقع پر کوئی پیغام نہیں دے رہا تو میرا پیغام کچھ لوگوں کے لئے تو ضرور مفید ہو جائے گا لیکن اُن لوگوں کی اکثریت کے لئے مفید نہیں ہو گا جن کا دل اِس موقع پر انہیں کوئی پیغام نہیں دے رہا۔

تحریکِ جدید کی غرض نوجوانوں میں احمدیت کی رُوح پیدا کرنا ہے اور تبلیغِ اسلام و احمدیت کو دنیا کے کناروں تک پھیلانا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی تھی کہ مصلح موعود زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ اس کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلانے کے سوائے اس کے کوئی معنے نہیں کہ احمدیت اس کے ذریعہ سے دنیا کے کناروں تک پہنچے۔ پس درحقیقت اِس پیشگوئی میں

---

[1] الفضل ۲۸ ظہور ۱۳۳۰ ہش / اگست ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

تحریکِ جدید کے قیام کی پیشگوئی تھی اور تحریکِ جدید کا قیام اسی پیشگوئی کے ذریعہ سے ۱۹۳۴ء سے نہیں بلکہ ۱۸۸۶ء سے بنتا ہے یعنی اڑتالیس سال پہلے سے خدا تعالیٰ اس کی بنیاد قائم کر چکا تھا۔ اور اگر اَور گہرا غور کریں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ درحقیقت ۱۳۴۸ سال پہلے تحریکِ جدید کا قیام ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ اس نے اسلام کو اس لئے بھیجا لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٖ کہ تاکہ اسلام کو دنیا کے سب مذاہب پر غلبہ ہو جائے۔ اور مفسرین لکھتے ہیں کہ جس زمانہ کے متعلق یہ خبر ہے وہ آخری زمانہ یعنی مسیح اور مہدی کا زمانہ ہے۔ پس تحریکِ جدید درحقیقت اسی پیشگوئی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہے اور ہر احمدی جو اس تحریک میں حصّہ لیتا ہے اور پھر اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہے اور وقت پر پورا کرتا ہے وہ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ[1] کی پیشگوئی کا مصداق ہے اور بہت بڑا خوش نصیب ہے کہ خاتم النبیّین کی بعثت کی غرض کو پورا کرنے والوں میں شامل ہوتا ہے اور محمدی فوج کے سپاہیوں میں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔ اور بدقسمت ہے وہ جس کو اِس کا موقع ملا اور وہ تحریکِ جدید میں شامل نہ ہوا۔ اِسی طرح بدقسمت ہے وہ جس نے مُنہ سے تو اِس میں شامل ہونے کا اقرار کیا لیکن عملاً اس میں کمزوری دکھلائی۔

پس اے عزیزو! تم احمدیوں میں سے کوئی احمدی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو اِس تحریک میں شامل نہ ہو اور کوئی ایسا نہ ہونا چاہیئے جو وعدہ کر کے اس میں کمزوری دکھائے بلکہ چاہیئے کہ کوئی شریف الطبع اور نیک غیر احمدی بھی اِس تحریک سے باہر نہ رہے خواہ ابھی اسے جماعت میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی ہو۔"[2]

صُوبہ سرحد میں دو احمدیوں کی دردناک شہادت

احراری فتنہ کا اصل مرکز اگرچہ اوّل نمبر پر پنجاب اور پھر بلوچستان تھا مگر اِس سال اِس کی چنگاریاں صوبہ سرحد کے کنارے تک بھی پہنچ گئیں اور مخالف علماء کی اشتعال انگیز تقریروں نے علاقہ مانسہرہ کے سادہ مزاج عوام کے جذبات بھی احمدیوں کے خلاف بھڑکا دیئے جس کا تکلیف دہ نتیجہ ۱۲ تبوک ۱۳۳۰ ہش / ستمبر ۱۹۵۱ء کو یہ برآمد ہوا کہ کوئٹہ، اوکاڑہ اور راولپنڈی کے بعد یہاں بھی دو مظلوموں کا خون بہایا گیا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص صحابی حضرت مولوی عبد الغفور صاحب اور ان کے سات سالہ معصوم بچے عبد اللطیف نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔

مولوی صاحب موضع تمر کھولہ ڈاک خانہ بھر کنڈ تحصیل مانسہرہ کے باشندے تھے۔ دس برس کی عمر

---

[1] الصّف: ۱۰ ٭ [2] الفضل یکم اخاء ۱۳۳۱ ہش / اکتوبر ۱۹۵۲ء ٭

میں قادیان پہنچے اور ۱۹۰۶ء میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کو قادیان کی پیاری اور پُرانوار و برکت بستی سے اِس قدر محبت و عقیدت پیدا ہو گئی کہ اپنے بڑے بھائی حضرت حکیم نظام جان صاحبؓ کو بھی آنے کی تحریک کی جس پر حکیم صاحب مستقل ہجرت کر کے قادیان ہی کے ہو گئے۔

مولوی عبدالغفور صاحب کی قادیان میں ایک لاکھ روپے کی جائداد زمین اور مکانات کی صورت میں تھی۔ اِس کے علاوہ دریائے سرن سے پار دو گاؤں مصر اور ماڑی میں بھی ایک لمبا سلسلہ آپ کی مملوکہ اراضی کا تھا جو آٹھ سو گھماؤں پر پھیلا ہوا تھا جس کا ایک سرا ضلع ہزارہ سے اور دوسرا سرا ریاست امب سے جا ملتا تھا۔ اِس کے علاوہ دریائے سرن کے کنارے آپ کی چار پن چکیاں تھیں جن میں سے ایک کی وصیت آپ نے بحق صدر انجمن احمدیہ ربوہ کر دی تھی۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ اذان سے پہلے اُٹھتے اور اپنے ملازم کو ہمراہ لے کر دریا سے پار چکیوں پر چلے جاتے تھے۔ نماز فجر وہیں ادا کرتے اور اسی عرصہ میں اُن کا سات سالہ بچہ عبداللطیف چائے لیکر وہاں پہنچ جاتا دونوں ناشتہ کرتے اور زمین کی دیکھ بھال کے بعد اپنے گاؤں لوٹ آتے۔

۲۱ر تبوک/ستمبر کو بوقت صبح آٹھ بجے آپ اپنے ننھے بچے (عبداللطیف) کو لے کر اپنے گھر سے پن چکیوں کی نگہداشت کے لئے نکلے۔ آپ چار فرلانگ تک گئے تھے کہ ایک کمین گاہ سے آپ پر بندوق کا فائر کیا گیا جس کے بعد آپ کو اور آپ کے بچے کو کلہاڑی سے شہید کر دیا گیا۔ ظالم قاتل بھاگ گئے اور بے گور و کفن لاشوں کی نگرانی آپ کا گھریلو کُتا کرتا رہا جو کبھی آپ کی لاش کی طرف جاتا اور کبھی اُن کے بچے کی نعش کی طرف بھاگتا تھا۔

مولوی عبدالغفور صاحب نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں[۲]

نوابزادہ لیاقت علی خان کی مخالفت اور سفاکانہ قتل

پاکستان کے دشمنوں نے محض اختلاف رائے کی بناء پر اشتعال اور قتل و تشدد کا جو خونی چکر چلا رکھا تھا اور جس طرح اسلام کے نام پر عوام کی ذہنیت کو بدامنی اور شورش کے لئے باقاعدہ تیار کیا جا رہا تھا اُس کا خمیازہ پاکستان کو اپنے محبوب قائدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں کے سفاکانہ قتل

---

[۱] آپ کے تفصیلی واقعات اپنے مقام پر آئیں گے۔ انشاء اللہ۔ [۲] الفضل ۲۵ رتبوک ۱۳۳۰ ہش (مضمون حکیم عبدالواحد صاحب مانسہرہ) و الفضل ۱۴ راخاء ۱۳۳۰ ہش (مضمون حمید قریشی صاحب ابن حکیم نظام جان صاحبؓ)۔

کی صُورت میں بھگتنا پڑا۔

نوابزادہ لیاقت علی خاں جو قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کے منصب کا بار اُٹھائے ہوئے تھے ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء (مطابق ۱۶/ اخاء ۱۳۳۰ھش) کو کمپنی باغ راولپنڈی کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابھی آپ "برادرانِ اسلام" کے دو نہایت پیارے لفظ ہی کہہ پائے تھے کہ ہزارہ سے آنے والے ایک بدبخت شخص سید اکبر نے آپ پر گولی چلادی قائدِ ملّت ڈائس پر گر پڑے اور تھوڑی دیر بعد زخموں کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہو گئے۔

نوابزادہ لیاقت علی خاں ایک عظیم قومی لیڈر تھے جنہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری ۱۹۴۶ء کی عبوری حکومت میں قائدِ اعظم کے نائب ہونے کی حیثیت سے اور پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم ہونے کی حیثیت سے بھی نمایاں سیاسی خدمات انجام دی تھیں تاہم باوجود اپنی اِن خدمات کے وہ بھی عمر بھر قائدِ اعظم کی طرح جماعتِ اسلامی کے سیاسی لیڈروں اور اخباروں کے تنقیدی نشتروں کا ہمیشہ نشانہ بنے رہے چنانچہ اس کے بانی و امیر مودودی صاحب نے ایک سال قبل اُن پر دَورۂ امریکہ کے دَوران قوم کا ۲۵ لاکھ روپیہ خرچ کرنے کا الزام بھی لگایا جس کی خان لیاقت علی خاں نے کراچی کے جلسۂ عام میں پُر زور تردید کی اور کہا:-

"اِس الزام میں پانچ فیصدی بھی صداقت نہیں۔۔۔ہم علماء کا احترام کرتے ہیں لیکن اگر علماء ہی جھوٹ پر اُتر آئیں تو ملّت کا خدا حافظ۔" [۱]

ایک اَور موقع پر ان کو واشگاف لفظوں میں کہنا پڑا:-

"مولانا مودودی انتشار پھیلاتے ہیں۔ وہ پاکستان کے امیر المومنین بننا چاہتے ہیں۔" [۲]

افسوسناک طرزِ عمل

خان لیاقت علی خاں کی دردناک موت سچ مچ ایک قومی المیّہ تھی جس پر سوائے ملک کے انتشار پسند عناصر کے کوئی خوش نہ ہو سکتا تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کے بعض ممتاز سیاسی لیڈروں نے اِس موقع پر افسوسناک ذہنیت کا ثبوت دیا مثلاً جناب

---

[۱] "امروز" ۷/ اگست ۱۹۵۰ء (بحوالہ "جماعتِ اسلامی کا رُخ کردار" صفحہ ۱۱۳ از چوہدری حبیب احمد صاحب مطبوعہ پاکستان ٹائمز پریس لاہور۔ مارچ ۱۹۶۳ء)

[۲] "مولانا مودودی کی نظربندی کیوں" صفحہ ۲۲ ناشر شعبہ نشرو اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان۔

حمید نظامیؒ[1] مدیر "نوائے وقت" نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:۔

" لیاقت نے پچھلے دو ماہ جنگ کا اتنا زیادہ پروپیگنڈا کیا تھا اور لوگوں کے جذبات میں اتنا اشتعال پیدا کر دیا تھا کہ خدا کی پناہ۔ اس کے بعد لیاقت علی نے فقدانِ جرأت اور فقدانِ تدبّر کا جو ثبوت دیا اس سے عوام میں بڑی بددلی پھیلی۔ ممکن ہے یہ قتل اسی بددلی کا نتیجہ ہو۔ بہرحال جو کچھ ہوا بہت بُرا ہوا۔ خدا جانے اب ملک کا کیا حشر ہوگا؟ لیاقت علی نے نہ اپوزیشن بننے دی ہے نہ مسلم لیگ میں کوئی مضبوط آدمی رہنے دیا اب کہیں انتشار نہ پھیل جائے۔"[2]

پھر لکھا:۔

" لیاقت علی سے پاکستان کو حقیقی خطرہ تھا۔ وہ اِس ملک کو ڈکٹیٹر شپ کی طرف لے جا رہے تھے اور لازمی طور پر اس کی تباہی کا موجب بنتے۔ لیاقت علی میں ہٹلر کی کوئی خوبی نہ تھی مگر اس کی سب بُرائیاں موجود تھیں۔ دس سال بعد ہی مؤرخ لیاقت علی کے کام کا ٹھنڈے دِل سے جائزہ لے سکتا ہے۔ وہ پاکستان کے لئے ایسے ایسے مسائل پیدا کر گئے ہیں کہ ان کے جانشینوں کے لئے انہیں حل کرنا بڑا مشکل ہوگا۔"[3]

---

[1] اِن صاحب نے اِس حادثۂ قتل سے تھوڑا عرصہ قبل جبکہ خان لیاقت علی خاں نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہندوستان پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتا ہے اور اس نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحد پر جمع کر رکھی ہیں یہ نظریہ قائم کیا کہ "میرے خیال میں لیاقت علی نے انتہائی مبالغہ آرائی کی ہے۔ لیاقت علی کا اقتدار خطرے میں ہے وہ عوام کی توجہ کو اندرونی اور ملکی مسائل سے ہٹا کر دوسری طرف منتقل کر دینا چاہتا ہے نہرو جب تک ہندوستان کا وزیر اعظم ہے دونوں ملکوں میں جنگ نہیں ہوگی .... گو کشمیر کے بارے میں اُس کا رویہ انتہائی نامعقول ہے مگر وہ پاکستان سے جنگ کبھی پسند نہیں کرے گا البتہ پاکستان کشمیر کے حصول کے لئے جنگ شروع کر سکتا ہے مگر لیاقت علی بھی کشمیر کے لئے جنگ کبھی نہیں کرے گا وہ صرف سٹنٹ سے کام لے گا۔"

("نشانِ منزل" حمید نظامی مدیر "نوائے وقت" کے خطوط کا مجموعہ صـ۲۳ پرنٹر شعیب نظامی قندیل پریس لاہور طبع اوّل ۲ر فروری ۱۹۷۰ء)

[2] "نشانِ منزل" صـ۲۳ ۔ [3] "نشانِ منزل" صـ۳۳ ۔

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے گہرے رنج و غم کا اظہار اور خدمتِ ملک و قوم کے عزم کا اعلان

اِس اندازِ فکر و تصوّر کے برعکس جماعتِ احمدیہ کے امام حضرت مصلح موعودؓ نے درد بھرے دل کے ساتھ گورنر جنرل پاکستان فضیلت مآب جناب غلام محمد صاحب کو تعزیتی تار دیا جس میں خان لیاقت علی خاں کی اندوہناک وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار فرمایا اور گورنر جنرلِ پاکستان کو اپنے اور اپنی جماعت کے کامل تعاون اور حکومت اور اہلِ پاکستان کی ہر ممکن خدمت کا یقین دلایا۔

گورنر جنرل پاکستان کے نام تار کا متن یہ تھا :-

"مَیں اپنی طرف سے اور جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم مسٹر لیاقت علی خاں کی نہایت اندوہناک وفات پر جو ایک نہایت بزدل اور سفّاک قاتل کے ہاتھوں واقع ہوئی گہرے رنج والم کا اظہار کرتا ہوں اور ملک پر اِس نازک وقت میں مَیں اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے آپ سے کامل تعاون اور حکومت و اہلِ پاکستان کی ہر ممکن خدمت کا یقین دلاتا ہوں۔" [1]

اِس کے علاوہ حضور نے مرحوم وزیرِ اعظم پاکستان کے صاحبزادہ نواب زادہ ولایت علی خاں کو بھی تعزیت نامہ تحریر فرمایا۔ نواب زادہ ولایت علی خاں نے حضور کی خدمت میں اِس کے جواب میں خاص طور پر شکریہ کا خط لکھا جو ضمیمہ میں شامل ہے۔

یہی نہیں حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر ۱۷/اخاء/اکتوبر کی رات کو اہلِ ربوہ کا ایک غیر معمولی تعزیتی جلسہ بھی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ ایم۔اے سابق مبلغ انگلستان و ناظر امورِ عامہ و خارجہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں خان لیاقت علی خاں کی سیاسی اور تنظیمی صلاحیتوں کو نہایت شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا اور مندرجہ ذیل قرارداد متفقہ طور پر پاس کی گئی :-

"ہم جماعتہائے احمدیہ پاکستان کی مرکزی جماعت کے ارکان اپنے محبوب وزیرِ اعظم خان لیاقت علی خاں کے قتل کے سانحہ عظیم پر دِلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس ناگہانی صدمہ کا دُکھ اور قلق اَور بھی شدید ہو جاتا ہے جب ایک طرف ان نازک حالات پر نظر پڑتی ہے جن میں ہمارا ملک (پاکستان) گذر رہا ہے اور دوسری طرف ہمارا ذہن اُن خداداد صلاحیتوں کی طرف جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے

---

[1] الفضل ۱۹/اخاء ۱۳۳۰ ہش صڈ

وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں کو عطا کی ہوئی تھیں اور وہ ان صلاحیتوں کی بدولت ان تمام گتھیوں کو بآسانی سُلجھا سکتے تھے جو اس نازک وقت میں ہماری اِس خدا داد مملکت کو درپیش ہیں۔ وہ عظیم قابلیت جس کا مظاہرہ قائدِ اعظم کی وفات کے بعد اُمورِ سلطنت کی انجام دہی میں لیاقت علی خاں نے کیا اس کی یاد ہمیشہ پاکستانیوں کے ذہنوں میں جاگزین رہے گی اور وہ ہمیشہ انتہائی تعظیم اور محبت کے جذبات کے ساتھ اپنے قائد کو یاد کرتے رہیں گے۔ ہم بیگم لیاقت علی خاں، اُن کے بچوں اور حکومتِ پاکستان سے اِس عظیم سانحہ پر اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اِس عزمِ صمیم کا پھر اعلان کرتے ہیں کہ ہم پاکستان کی خدمت اور تعمیر و تحفظ کے سلسلہ میں ہر ممکن قربانی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِس مصائب اور آزمائشوں کے دَور میں ہماری اِس مملکت کا محافظ اور کفیل ہو“ [1]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا حادثہ قتل پر بصیرت افروز تبصرہ

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے صرف تعزیتی تار، خط اور مرکزی جلسہ کے انعقاد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حضور نے ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۵۱ء / ۲۶ ر اخاء ۱۳۳۰ ہش کو ایک مبسوط خطبہ جمعہ دیا جس میں اِس حادثہ قتل کے پس منظر پر خالص دینی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی اور پیش آمدہ واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے دنیائے اسلام کو عموماً اور پاکستان کے باشندوں کو خصوصاً اسلام کی اِس بنیادی اور حقیقی تعلیم کی طرف توجہ دلائی کہ اسلام میں شرعی تعزیر کی اجازت کسی فرد کو نہیں بلکہ اِس کا اختیار صرف اور صرف حکومتِ وقت کو حاصل ہے۔ حضور کا یہ خطبہ جمعہ جو اسلام کے نظامِ حیات کے ایک اہم پہلو کی ترجمانی کا شاہکار ہے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

حضور نے سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

”پچھلے جمعہ کو عین اُس وقت جبکہ مَیں جمعہ میں آنے کی تیاری کر رہا تھا مجھے بخار چڑھنا شروع ہو گیا اور سر درد بھی ہونے لگی جس کی وجہ سے مَیں مسجد میں نہ آسکا۔ اس کے دو تین دن بعد نزلہ شروع ہو گیا جس کی وجہ سے بخار بھی ہو جاتا تھا۔ اب مرض میں کمی تو ہے لیکن گلے میں ابھی خراش باقی ہے اِس لئے مَیں زیادہ لمبا خطبہ نہیں پڑھ سکتا۔ گو مرض میں اتنا افاقہ ضرور ہے کہ مَیں خطبہ جمعہ پڑھ سکتا ہوں۔

---

[1] الفضل ۱۹ر اخاء ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۱

اِس وقت میرا ارادہ اس واقعہ کے متعلق کچھ کہنے کا ہے جو گذشتہ ہفتہ راولپنڈی میں وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ خان لیاقت علی خان کے ساتھ گزرا۔ جہاں تک انسانی زندگی کا سوال ہے ہر انسان نے بہرحال مرنا ہے۔ چاہے وہ قاتل کی چھری سے مر جائے۔ چاہے وہ ہیضہ سے مر جائے۔ چاہے وہ بخار کی شدّت سے مر جائے۔ اور چاہے وہ سِل اور دِق سے مر جائے۔ موت تو بہرحال آنی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ اِلَّا الْمَوْت ہر بیماری جب تک کہ وہ بیماری کی صورت میں ہے اس کا علاج ہے لیکن وہ چیز جو بظاہر بیماری ہے لیکن دراصل وہ موت کا پیغام ہے اس کا کوئی علاج نہیں پس انسان نے مرنا تو ہے لیکن بعض چیزیں تکلیف دہ پہلو اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ اگر کسی کو اچانک موت آجاتی ہے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ وہ حسرت ناک ہوتی ہے۔ گو دراصل اچانک حادثہ کی وجہ سے جو موت آتی ہے وہ مرنے والے کے لئے آرام دہ موت ہوتی ہے مثلاً اگر وہ آٹھ دس دن ٹائیفائڈ میں مبتلا رہتا۔ راتوں کو جاگتا۔ تکلیف کی وجہ سے کراہتا اور پھر اسے موت آجاتی تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت اسے بہرحال آنی تھی لیکن یہ موت اُس کے لئے تکلیف دہ ہوتی۔ لیکن اگر اس کا اچانک ہارٹ فیل ہو جاتا ہے یا اسے گولی لگتی ہے اور وہ فوراً مر جاتا ہے تو یہ موت بظاہر آرام دہ موت ہے لیکن اِس لحاظ سے تکلیف دہ ہوتی ہے کہ مرنے والے کو وصیّت کا موقع نہیں ملتا۔ اور قرآن کریم میں آتا ہے کہ اگر کسی کے سر ذمہ داری ہو جسے اُس نے ادا کرنا ہو تو اُس کے لئے وصیّت کرنا ضروری ہے جب کسی کے پاس قومی اسرار ہوتے ہیں تو باپ بیٹے کو وصیّت کرتا ہے۔ آگے بیٹا اپنے بیٹے کو وصیّت کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے بیٹے کو وصیّت کرتا ہے۔ اِسی طرح ایک سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے۔ اور کوئی قوم کامیاب اُسی وقت ہوتی ہے جب اُس کا تسلسل قائم ہو اور تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے نصیحت اور وصیّت کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن اگر کسی کی اچانک موت ہو جائے تو یہ موقع اُس سے چھین لیا جاتا ہے۔ اور جن باتوں کا مرنیوالے کو تجربہ ہوتا ہے۔ جن خطرات کا اُسے علم ہوتا ہے اور بعض فوائد جو اس کے علم میں اس کی قوم حاصل کر رہی ہوتی ہے اگر اُسے چند دن بیمار رہنے کے بعد موت آئے تو وہ اپنے جانشینوں کو بعض نصائح کر دیتا ہے۔ وہ انہیں بتا دیتا ہے کہ فلاں فلاں فائدہ تم اِس طرح حاصل کر سکتے ہو۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی بتا دیتا ہے کہ تمہارے سامنے فلاں فلاں قسم کے خطرات ہیں ان خطرات سے بچنے کا یہ طریق ہے۔ اِس رنگ میں اس کی موت زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اچانک موت کو تکلیف دہ اِسی لئے فرمایا ہے کہ مرنے والے کو وصیّت کا

موقع نہیں ملتا اور اِس طرح اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کی قوم اس کے تجربات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ لیکن سب سے اہم چیز یہ ہوتی ہے کہ ایسی موت جو اچانک آجاتی ہے مثلاً اگر کسی کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے اور وہ فوراً مرجاتا ہے تو کسی شخص پر افسوس نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ موت کسی انسان کے ہاتھوں سے ہو تو جہاں تک مرنیوالے کا سوال ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں اُس نے بہر حال مرنا تھا۔ بلکہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ موت مرنیوالے کے لئے آرام دہ ہے۔ گولی لگی اور مر گیا۔ اس طرح اسے زیادہ تکلیف نہ ہوئی لیکن خاندانی اور قومی لحاظ سے اس میں کئی قباحتیں ہوتی ہیں۔ ایک قباحت تو مَیں نے بتادی ہے کہ مرنیوالے کو وصیّت کا موقع نہیں ملتا اور اِس طرح اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کی قوم اس کے تجربات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ دوسری قباحت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی قومی خادم کسی انسان کے ہاتھوں مارا جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ قومی اخلاق میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو چکی ہے کیونکہ کام کے تسلسل سے قوم ترقی کرتی ہے اور جب افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہم آپ ہی آپ اپنا حق لے سکتے ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تسلسل قائم نہیں رہ سکتا اور قوم حکومت پر اعتبار کرنے کی بجائے خود بدلہ لے لیتی ہے۔ حالانکہ تسلسل حکومت سے قائم رہتا ہے۔ اگر افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ اپنا بدلہ آپ لے سکتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ حکومت کو بیکار سمجھتے ہیں۔ اگر یہ احساس کہ ہم اپنا بدلہ خود لے سکتے ہیں ساری قوم یا اس کے اکثر افراد یا اس کے بعض افراد میں پیدا ہو جائے تو حکومت قائم نہیں رہ سکتی وہ حکومت آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ٹوٹ جائے گی اور اس کا نظام باقی نہیں رہے گا۔

پس وہ واقعہ جو خان لیاقت علی خان کے ساتھ گذرا جہاں تک ان کا اپنا سوال ہے یہ کوئی غیر معمولی چیز نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نسبتاً آرام میں رہے کیونکہ اگر وہ کسی اَور ذریعہ سے وفات پاتے تو دس پندرہ دن بیماری کی تکلیف اُٹھاتے۔ اب چونکہ وہ گولی لگنے سے یکدم مرگئے ہیں اِس لئے یہ موت ان کی ذات کے لئے آرام دہ ثابت ہوئی ہے لیکن قومی لحاظ سے یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ پاکستان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں میں نظام کی پابندی کا احساس باقی نہیں رہا۔ مان لیا کہ قاتل کابل کا رہنے والا تھا لیکن وہ پاکستان میں آبسا تھا اور پاکستان کی قومیت کو اُس نے قبول کر لیا تھا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ قاتل کو کسی غیر قوم نے اِس ذلیل فعل کے لئے اُکسایا تھا لیکن ہم اُسے غیر قوم کا فرد نہیں کہہ سکتے۔ ہم سب باہر سے آئے ہیں۔ اگر وہ پاکستانی نہیں تو مغل بھی پاکستانی نہیں مغل بھی باہر سے آئے

ہیں۔ سید بھی پاکستانی نہیں کیونکہ وہ بھی مکہ اور مدینہ سے آئے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کی اکثر دوسری قومیں بھی باہر سے آئی ہیں۔ کوئی ایران سے یہاں آ بسا ہے۔ کوئی شام سے آیا ہے اور کوئی دوسرے ممالک سے آکر اِس ملک کی قومیّت کو اختیار کر چکا ہے۔ اِس طرح تو کوئی بھی پاکستانی نہیں۔ انگلستان کے ملک میں بھی جرمن اور فرانسیسی موجود ہیں اور وہ اسی ملک کے باشندے کہلاتے ہیں۔ انگلستان کے بادشاہ کا خاندان بھی جرمنی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ انگلستان کا رہنے والا نہیں۔ کیونکہ جو کسی ملک میں آ بستا ہے وہ اسی ملک کا باشندہ کہلاتا ہے۔ پس گو خان لیاقت علی خان کے قاتل کے تعلقات پر شُبہ ہے کہ افغانستان نے اُسے اُن کے قتل پر اُکسایا تھا۔ لیکن چونکہ قاتل پاکستان میں آ بسا تھا اور پارٹیشن سے پہلے کا یہاں رہتا تھا اِس لئے وہ پاکستانی تھا اور اس کے یہ معنی ہیں کہ بعض پاکستانیوں کو نظامِ حکومت پر اعتبار نہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ یہ ایک فرد کا فِعل تھا اور ایک فرد کا فِعل ساری قوم کا فِعل نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اِس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ ایک فرد کے فِعل سے ساری قوم ذلیل ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک ضرب المثل ہے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔ اِس لئے بیشک وہ ایک فرد کا کام تھا اور اس کی ساری قوم ذمہ دار نہیں ہو سکتی لیکن اِس کی وجہ سے ساری قوم ذلیل ہو گئی ہے۔ پس جہاں تک خدا تعالیٰ کے سامنے ذمہ داری کا سوال ہے یہ ایک فرد کا کام ہے لیکن جہاں تک شہرت کا سوال ہے اِس سے قوم ذلیل ہو گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قوم میں ذِلّت، عزّت اور زندگی کا کوئی احساس نہیں۔ اور یہ کتنی ذلّت کی بات ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اگر کسی خاندان میں سے کوئی لڑکا یا لڑکی بدکار ہو جاتا ہے تو اُس کی ذمہ داری خدا تعالیٰ کے سامنے اُس لڑکی یا لڑکے کے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر عائد نہیں ہو گی خدا تعالیٰ کے سامنے وہی لڑکی یا لڑکا مجرم ہو گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص اُس خاندان کی لڑکی لینے پر تیار نہیں ہوتا اور نہ کوئی اُس خاندان کے کسی لڑکے کو اپنی لڑکی دینے پر رضامند ہوتا ہے۔ حالانکہ اس میں خاندان کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وہ اس سے اُتنا ہی متنفّر ہوتا ہے جتنے دوسرے لوگ اس سے متنفّر ہوتے ہیں۔ لیکن بوجہ ایک لڑکی یا لڑکے کی بدکاری کے وہ خاندان دنیا کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ پس جہاں تک خدا تعالیٰ کے سامنے ذمہ داری اور سزا پانے کا سوال ہے خان لیاقت علی خان کا قاتل خود ذمہ دار ہے قوم ذمہ دار نہیں۔ لیکن جہاں تک عزّت اور شہرت کا سوال ہے اِس سے لوگوں میں بدظنّی پیدا ہو گئی ہے کہ اِس قوم کو نظامِ حکومت سے پیار نہیں۔ اور جب دشمن کو اِس چیز کا پتہ لگ جائے گا کہ رعایا نظامِ

حکومت سے پیار نہیں رکھتی تو وہ کتنا دلیر ہو جائے گا۔ غرض قومی لحاظ سے یہ واقعہ جو خان لیاقت علی خان کے ساتھ گذرا نہایت خطرناک ہے لیکن مجھے یہ مضمون خطبہ جمعہ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی میں اسکے متعلق الگ مضمون بھی لکھ سکتا تھا۔ مَیں نے اِس مضمون کو خطبہ جمعہ میں بیان کرنے کے لئے اِس لئے انتخاب کیا کہ اس کا ایک مذہبی پہلو بھی ہے یعنی یہ فعل نتیجہ تھا اسلام کی تعلیم کو بگاڑنے کا۔ یہ فعل نتیجہ تھا احراریوں کے وعظوں کا کہ احمدیوں کو قتل کر دو۔ جس قوم میں یہ رُوح پیدا کر دی جائے کہ جس کسی سے تمہیں اختلاف ہو تم اُسے خود قتل کر دو تو ملک کا کوئی آدمی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ایک احراری کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ احمدیوں کو مار دو لیکن ایک دوسرا شخص جس کو احمدیوں سے بُغض نہیں ہوتا وہ جب یہ سمجھتا ہے کہ جس کسی سے اختلاف ہو اُسے خود مار دینا چاہیئے تو وہ کسی دوسرے شخص کو جس سے اُسے اختلاف ہوگا مار دے گا۔ پس مَیں کہتا ہوں کہ بے شک قومی لحاظ سے خان لیاقت علی خان کا قتل نہایت افسوس کی بات ہے اور سیاسی لحاظ سے یہ امر ملک کے لئے نہایت نقصان دہ ہے لیکن اس کا مذہبی پہلو اَور بھی خطرناک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری سیاست تو گئی تھی اب مذہب پر بھی حملہ ہو گیا ہے اور دنیا سمجھتی ہے کہ ہم وحشی ہیں اور جسے چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے ؎

زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

سیاست پر تو ہمارے حملہ ہؤا ہی تھا اب مذہب پر بھی حملہ ہو گیا ہے۔ دُنیا اِس بات سے غافل نہیں کہ احراری کیا کہتے ہیں۔ احراری مولوی علی الاعلان سٹیجوں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ تم احمدیوں کو قتل کیوں نہیں کرتے لیکن کوئی انہیں منع نہیں کرتا۔ حکومت کا نظام موجود ہے۔ گورنر جنرل اور سنٹرل وزراء اور صوبائی گورنر اور صوبائی وزراء اور دوسرے سیکرٹری موجود ہیں لیکن احراری اس کے باوجود سٹیجوں پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ حکومت اپنے فرض کو ادا نہیں کر رہی۔ اے جانباز مسلمانو! تم خود رسول کریمؐ کی ہتک کا بدلہ لو (حالانکہ یہ احراری خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے والے اور ننگِ اسلام ہیں) اور احمدیوں کو قتل کر دو۔ اور جب یہ فتویٰ رعایا کے سامنے لایا جائے گا کہ اسلام، قرآن کریم اور قانون سب اِس بات پر متفق ہیں کہ جس کسی سے تمہیں اختلاف ہو تم اُسے مار دو تو صرف احمدیوں ہی کو نہیں مارا جائے گا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی جس سے کسی کو اختلاف ہوگا مار دیا جائے گا۔ خان لیاقت علی خان سیاسی اختلاف کی وجہ سے نہیں مارے گئے کیونکہ سیاست دوسرے شخص کے مارنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ مارنے

کا جواز جھوٹا مذہب دیتا ہے کیونکہ مولوی کھلے بندوں سٹیج پر چڑھ کر یہ کہتا ہے کہ جس شخص کی بات تمہیں بُری لگے تو تم اُسے مار دو۔ سُننے والے اسی نکتہ کو وسیع کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر بھی یہ فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جب تک حکومت اِس منبع کو ختم نہیں کرتی ملک میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو اِس بات کی تحقیقات کرے گا کہ حفاظتی تدابیر میں کیوں کوتاہی ہوئی ہے۔ مَیں نے بھی جب یہ خبر سُنی تھی تو مجھ پر یہی اثر تھا کہ منتظمین نے پوری طرح نگرانی نہیں کی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ حکومت پر بھی یہی اثر ہے۔ لیکن تم کتنی بھی ہوشیاری کرو جب افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ جس کسی سے اختلاف ہو تم اسے مار دو تو کونسی طاقت ہے جس کے ذریعہ تم کسی کو ۸ کروڑ افراد سے بچا لو۔ لاہور میں جو صوبہ کی حکومت کا مرکز ہے وہاں آکر احراری علماء نے یہ حدیثیں سُنائیں کہ تم جو چیز ناپسندیدہ دیکھو اسے ہاتھ سے دُور کر دو۔ اگر تم ہاتھ سے دُور نہیں کر سکتے تو زبان سے اس کی مذمّت کرو۔ اور اگر تم زبان سے بھی اسکی بُرائی نہیں کر سکتے تو دل میں ہی بُرا مناؤ۔ اور ان کو احمدیوں پر چسپاں کر کے کہا گیا کہ اے باغیرت مسلمانو! کیوں رسول اللہ صلعم کی ہتک کا بدلہ نہیں لیتے۔ ان مجالس میں جن میں یہ حدیثیں سُنائی جاتی تھیں حکومت کے بعض وزراء اور اس کے سیکرٹری موجود ہوتے تھے۔ جب کھلے بندوں اور حکومت کے ذمّہ دار کارکنوں کے سامنے یہ سُنایا جاتا تھا کہ اختلاف کا ازالہ جبر اور تعدّی سے کرنا جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اور اگر تم اختلاف کا ازالہ نہیں کرتے تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ جب ملک کے آٹھ کروڑ باشندوں میں یہ احساس پیدا کر دیا جائے تو پولیس تو ایک فرد سے بچا سکتی ہے۔ دُو افراد سے بچا سکتی ہے یا بیس افراد سے بچا سکتی ہے لیکن جب یہ شک ہو کہ ایڈی کانگ اور پولیس والوں نے بھی علماء سے یہ سبق لیا ہے کہ جس کسی سے اختلاف ہو اُسے قتل کر دو تو کسی کی جان کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ سو جب تک مولویوں کو بند نہیں کیا جائے گا کسی کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ نہ میری، نہ کسی وزیر، گورنر یا کمانڈر انچیف کی۔

انگلستان کی حکومت سینکڑوں سال سے قائم ہے لیکن ابھی تک اس میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ کوئی وزیر قتل کر دیا گیا ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بعض افسروں پر حکومت کو شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ زور سے حکومت کا تختہ اُلٹ دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابھی مقدمہ چل رہا ہے لیکن بہر حال اِس قسم کا واقعہ ہو چکا ہے۔ ادھر ہندوستان میں گاندھی جی کو جنہیں وہاں نبی وقت کہا جاتا تھا مار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ مولویوں اور پنڈتوں نے یہ شور ڈالنا شروع کیا ہے کہ جب تمہیں کسی شخص سے اختلاف پیدا

ہو جائے تو فوراً قانون ہاتھ میں لے لو۔ یہ ذہنیت جتنی جتنی پھیلتی جائے گی اُتنی اُتنی پولیس اور فوج بیکار ہوتی جائے گی۔ پولیس اور فوج محدود ہوتی ہے اور وہ ایک حد تک ملک میں کنٹرول کر سکتی ہے۔ صوبہ پنجاب کی پولیس کوئی آٹھ دس ہزار ہے لیکن آبادی دو کروڑ ہے۔ اب آٹھ دس ہزار پولیس سے یہ امید کرنا کہ وہ دو کروڑ کی نگرانی کر سکے گی درست نہیں۔ صوبہ میں زیادہ سے زیادہ پانچ فیصدی مجرم ہو سکتے ہیں گویا کوئی دس لاکھ آدمی ایسے ہو سکتے ہیں جو لوٹ مار، ڈاکے، نقب زنی اور قتل و غارت کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان دس لاکھ آدمیوں کو پولیس کہاں سنبھال سکتی ہے۔ اسی واسطے ملک میں کوئی چھ سات ہزار چوری ہوتی ہے لیکن کوئی نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہے۔ کیونکہ اس قدر نگرانی کی پولیس سے اُمید ہی نہیں کی جا سکتی یہ فردی خرابی ہے اور فرد کی نگرانی نہیں کی جا سکتی۔

اگر کوئی قومی خیال ہوتا ہے تو اس تنظیم کا کوئی پریذیڈنٹ ہوتا ہے۔ کوئی سیکرٹری ہوتا ہے اور اس طرح اس کا پتہ چل جاتا ہے لیکن جہاں فرد کے دماغ کو بگاڑ دیا جائے وہاں کوئی پولیس کام نہیں دے سکتی مثلاً اگر کوئی کمیونسٹ جماعت ہو تو اس کا کوئی پریذیڈنٹ ہوگا۔ کوئی سیکرٹری ہوگا اور کوئی کنوینر ہو گا۔ اور اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ فلاں فلاں ہیں اور فلاں فلاں جگہ ان کا مرکز ہے اور پھر ان کی نگرانی کی جا سکتی ہے لیکن اگر کوئی فرد کوئی ارادہ کرے تو اس کی نگرانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کی سکیم اس کے اپنے دماغ میں ہوتی ہے اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں کہ اُسے معلوم کیا جا سکے۔ مثلاً کوئی پریذیڈنٹ نہیں، کوئی سیکرٹری نہیں، کوئی دفتر نہیں جس میں جمع ہونیوالوں سے معلوم ہو سکے کہ کچھ لوگ مل کر کوئی کام کر رہے ہیں اور اس سے ان کی نگرانی کی صورت پیدا ہو جائے۔ یہاں بھی چونکہ ایک فرد تھا جس نے خباثت کی اِس لئے اس کی خباثت کا قبل از وقت پتہ نہیں لگ سکا تھا سب باتیں اس کے دماغ میں تھیں۔ پس فرد کے دماغ کو بگاڑ دینے سے امن برباد ہو جاتا ہے۔ جب کوئی سازش تنظیم سے ہوتی ہے تو اُس کا پتہ لگانا آسان ہوتا ہے لیکن جب افراد کے دماغ بگڑ جائیں تو کوئی چیز اُن کی نگرانی نہیں کر سکتی۔ چونکہ مولویوں نے افراد کے دماغوں کو گندہ کر دیا ہے اِس لئے مزید خباثت کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ ان مولویوں کو روکا جائے۔ یہی لوگ دماغ کو صحیح بنانے والے بھی ہیں بشرطیکہ ان میں ایمان ہو۔ اور یہی لوگ دماغ کو گندہ کر دیتے ہیں جب ان میں ایمان نہیں ہوتا۔ پس میرے نزدیک اِن خطرات کو دُور کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ مولویوں کو افراد کی ذہنیت خراب کرنے سے روکا جائے۔

حکومت کی طرح میرا خیال بھی یہ ہے کہ جلسہ کا انتظام ٹھیک نہ تھا۔ قادیان میں مساجد میں میری یہ ہدایت تھی کہ پہلی صف میں معروف لوگ بیٹھیں۔ اب پہرے لگا دیئے گئے ہیں مگر یہ ہرگز ویسے مفید نہیں۔ انسانی فطرت میں یہ بات ہے کہ جب کوئی دوسرا آدمی سامنے ہو تو انسان کسی پر وار کرنے سے گھبراتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ کسی دوسرے شخص کو گولی نہ لگ جائے۔ پھر وہ اِس وجہ سے بھی گھبراتا ہے کہ اگر اس کا پہلا وار بھی خالی گیا تو وہ پکڑا جائے گا۔ اِس لئے منتظمین کو چاہیئے تھا کہ وہ جلسہ کا انتظام کرتے وقت سٹیج کے سامنے معروف لوگوں کو بٹھاتے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ قاتل نے خان لیاقت علی خان کو مائوزر پستول سے مارا ہے۔ وہ بڑا پستول ہوتا ہے اور بڑے پستول کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اتنی بڑی چیز لے کر وہ شخص سٹیج کے سامنے بیٹھا ہوا تھا یا وہ جیب میں ڈالے ہوئے تھا لیکن کسی شخص کو قبل از وقت اس کا علم نہیں ہو سکا۔ پھر کہتے ہیں کہ وہ شخص چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ یہ بات اَور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہمارے ہاں بھی اتنی احتیاط کر لی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص ملاقات کے لئے آئے اور وہ چادر اوڑھے ہوئے ہو تو منتظم اس کی چادر اُتروا دیتے ہیں حالانکہ یہاں ملاقات والے اکثر مرید ہوتے ہیں بعض لوگ جوشیلے ہوتے ہیں اور وہ میرے پاس شکایت کرتے ہیں کہ ہماری اِس طرح ہتک کی گئی ہے تو مَیں انہیں سمجھاتا ہوں کہ آپ تو مخلص ہیں لیکن کوئی بدمعاش بھی تو اِس طرح یہاں آسکتا ہے۔

پچھلے دنوں مسلم لیگ کے ایک ممبر مجھے ملنے آئے۔ وہ مجھے اندر آتے ہی کہنے لگے کہ وہ اپنا پستول باہر چھوڑ آئے ہیں کیونکہ انہوں نے پسند نہیں کیا کہ پستول لے کر اندر آئیں۔ اور درحقیقت یہ عام اور ضروری احتیاط ہے۔ لیکن اس شخص کے پاس مائوزر پستول تھا جو بڑے سائز کا ہوتا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پستول پکڑے ہوئے ہے یا اُس کی جیب میں کوئی بڑی چیز ہے۔ پھر جب وہ شخص فائر کرتا ہے تب بھی اُسے کوئی نہیں دیکھتا۔ پھر وہ دوسرا فائر کرنے کی بھی جرأت کرتا ہے۔ اِس سے شبہ پڑتا ہے کہ اس کے دائیں اور بائیں اُس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ امر اَور بھی خطرناک ہے کہ وہ آدمی مارا گیا۔ تمام متمدن دنیا میں ایسے آدمی کو مارا نہیں جاتا تا سازش پکڑی جائے۔ اِس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کے ساتھ اُس کا کوئی دوسرا ساتھی بھی تھا۔ انارکسٹ اسی طرح کرتے ہیں۔ وہ جب کسی شخص کو کسی لیڈر کے مارنے پر مقرر کرتے ہیں تو ایک اَور شخص کو اُس کے مارنے پر بھی مقرر کر دیتے ہیں تا وہ پکڑا نہ جائے۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگوں

نے قاتل کو پیٹ پیٹ کر مار دیا تھا۔ اگر ایسا ہوُا تو یہ اَور بھی افسوسناک امر ہے کیونکہ اس سے سازش کے کھُلنے کا امکان بہت کم ہو گیا۔ پولیس کو فوراً اُس شخص کے گرد گھیرا ڈال لینا چاہیئے تھا اور اُسے زندہ گرفتار کرنا چاہیئے تھا تا اس کے ذریعہ سے اصل سازش کا سُراغ مل سکتا۔ اس کا بچانا اس کی خاطر ضروری نہیں تھا بلکہ اس کا بچانا ملک کی خاطر ضروری تھا تا اس سے سازش کا پتہ لگایا جاتا۔ ممکن ہے تحقیقات سے یہ معلوم ہو کہ حفاظت کا ہر ممکن انتظام کر دیا گیا تھا اور یہ محض وہم ہے کہ اس میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے بلکہ یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا جو ہو گیا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مجرم بھی مل جائے لیکن اِس سے یہ امر حل نہیں ہو سکتا کہ مولویوں نے افراد کی ذہنیت خراب کر دی ہے۔ جب تک یہ ہوتا رہے گا اور قانون ہاتھ میں لینے کا وعظ ہوتا رہے گا نہ پولیس کام دے سکے گی نہ فوج۔ کیونکہ جب افراد کے ذہنوں کو گندہ کر دیا جائے اور قانون کے ادب کو ختم کر دیا جائے اور اختلاف کی صورت میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی تعلیم دی جائے تو پھر کس کس پر شبہ کیا جائے گا یا کس کس کو شبہ سے بالا سمجھا جائے گا۔ اِس صورت میں خود وزراء کے ایڈی کانگوں پر بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اُن کے دل میں بھی قتل کا خیال ہو۔ کیونکہ اگر افراد کی ذہنیت کو بگاڑ دیا جائے تو پھر خواہ کوئی سیکرٹری ہو یا ایڈی کانگ وہ اپنے افسر سے ناراض ہو سکتا ہے اور اختلافِ رائے کی وجہ سے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کر سکتا ہے۔ جن ملکوں میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ حکومت کا کام ہے کہ کسی شخص کو مجرم قرار دے افراد کو یہ اختیار حاصل نہیں وہ ملک پُر امن ہیں۔ اِس قسم کی پابندی سب سے زیادہ انگلستان میں ہے اور وہ پُر امن ہے۔ امریکہ کتنی بڑی جمہوریت ہے لیکن وہاں افراد پر کنٹرول نہیں کیا جاتا اس لئے وہاں فساد ہوتے ہیں۔ جرمنی والے بھی قانون کے پابند ہیں اِس لئے وہاں فساد نہیں ہوتے۔ بے شک ہٹلر کے وقت میں حکومت کی طرف سے رعایا پر سختیاں ہوئیں لیکن یہ کہ افراد ایک دوسرے پر سختی کریں یہ کبھی نہیں ہوُا۔ اَور ملکوں میں بھی یہ طریق پایا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ محفوظ انگلستان ہے اور اس کے بعد جرمنی ہے۔ پھر دوسرے ممالک میں انسانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے والے بالعموم وہ ہوتے ہیں جو ملک میں بدنام ہوتے ہیں لیکن یہاں اندھیر یہ ہے کہ ہندوستان میں گاندھی جی کو مارا جاتا ہے جنہیں وہاں نبی کہا جاتا تھا اور اِدھر پاکستان میں خان لیاقت علی خان کو مارا جاتا ہے جن کو ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے والا اور اسکو ترقی دینے والا کہا جاتا ہے۔ یہ محض مولویوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ کھیل ہے جو وہ ہمارے ساتھ کھیل رہے

تھے لیکن حکومت نے اُن کو منع نہ کیا جس کی وجہ سے یہ گند زیادہ پھیل گیا۔ تم اگر کسی کو کہتے ہو کہ فلاں کو مارو مثلاً بچّے ہیں ماں باپ یا بہن بھائی کھیل کے طور پر بعض دفعہ انہیں سکھاتے ہیں کہ فلاں کو مارو تو وہ مارتے ہیں اور ماں باپ بہن بھائی اس پر ہنستے ہیں۔ دوسرے دن وہ بچے ماں باپ کے مُنہ پر تھپّڑ مارتے ہیں اور اُس وقت روکنا کوئی معنے نہیں رکھتا۔ ایک دفعہ اگر تم انہیں کہوگے کہ فلاں کو مارو تو وہ پھر دوسروں کو ماریں گے اور تم روک نہیں سکوگے۔

پس مَیں حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ افراد کی ذہنیت کو بدلے ورنہ امن قائم کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیڈر مرتے جائیں گے اور نئے لوگوں کو آگے آنے کا موقع ملے گا۔ پھر مولویوں اور دوسرے لوگوں کی جانیں بھی محفوظ نہیں ہوں گی۔ روس میں دیکھ لو زار نے جو طریق رعایا سے اختیار کیا تھا وہی طریق رعایا نے اُس کے خلاف چلایا۔ پس یہ کھیل محدود نہیں چلے گی۔ ہمارے خلاف یہ کھیل کھیلا گیا تھا لیکن آخر پاکستان کے نہایت اہم اور ابتدائی لیڈر کے خلاف ایک بدباطن نے وہی حربہ چلا دیا کیونکہ دلوں سے قانون کے ادب اور سوچنے اور نفس پر قابو پانے کا جذبہ مٹا دیا گیا تھا۔ اگر یہ بات جاری رہی تو ایک دن یہ مولوی خود بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ خود انہی کے متعلق کسی بات پر خفا ہو کر ان پر بھی حملے کریں گے۔ میری عُمر کوئی دس گیارہ برس کی ہوگی کہ مَیں امرتسر گیا اور دیکھا کہ ایک مولوی صاحب بڑی داڑھی والے جُبّہ پہنے ہوئے اور ہاتھ میں عصا لئے جا رہے تھے۔ اُن کے پیچھے پیچھے ایک اَور آدمی تھا جو ہاتھ جوڑتا اور اُن کی منّتیں کرتا جا رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ مَیں مفلس و غریب ہوں میری حالت پر رحم کھائیں۔ اور مولوی صاحب پیچھے مُڑ کر اُسے گھُورتے اور کبھی کبھی گالی بھی دے دیتے تھے۔ جب مولوی صاحب دُور نکل گئے مَیں نے اُس شخص سے پُوچھا کیا بات ہے؟ اُس نے بتایا کہ مَیں نے اِس خبیث کے پاس ایک سَو روپیہ رکھوایا تھا اب واپس مانگتا ہوں لیکن یہ واپس نہیں دیتا۔ سو مولویوں میں حرام خور بھی ہیں، ظالم بھی ہیں اور ان میں دوسرے عیوب بھی پائے جاتے ہیں۔ اِسلئے اگر انہوں نے ایسی تعلیم دی تو ایک نہ ایک دن ان پر بھی وار ہوگا۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ ان سے کسی اَور کو اختلاف نہ ہو۔

اصل امن والی تعلیم قرآن کریم کی ہے۔ یہ کتنی پاکیزہ تعلیم ہے کہ حکومت کے سوا کسی کو شرعی تعزیر دینے کا اختیار نہیں۔ اور حکومت بھی اسی تعزیر کا اختیار رکھتی ہے جس کا اختیار اُسے قرآن کریم نے دیا ہے۔ گویا پہلے عوام کے ہاتھ بند کئے پھر حکومت کے ہاتھ یہ کہہ کر بند کر دیئے کہ تم بھی قضاء کے ذریعہ ہی

تعزیر کا اختیار رکھتے ہو۔ ایک دفعہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں اپنی عورت کے پاس غیر مرد کو دیکھوں تو آیا مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت ہے ؟ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم اُسے قتل کرو گے تو اس کے بدلہ میں تمہیں قتل کیا جائے گا تم گواہ پیش کرو۔ اُس شخص نے کہا یا رسول اللہ اتنا دیّوث کون ہوگا کہ وہ اپنی عورت کے پاس غیر مرد دیکھے تو وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے۔ اسلام نے ایسے شخص کی سزا قتل رکھی ہے تو کیوں نہ میں اُسے مار دوں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پکڑے جاؤ گے۔ اُس وقت تک زانی کو رجم کیا جاتا تھا اور وہ صحابی بھی اُسے قتل کرنے کے لئے ہی اجازت چاہتے تھے لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ تم نے اپنی عورت کے پاس غیر مرد کو دیکھا لیکن تم قاضی کے پاس جاؤ وہ فیصلہ کرے گا کہ تم ٹھیک کہتے ہو یا غلط۔ اب یہ کتنی واضح دلیل ہے کہ اسلام نے کسی صورت میں بھی شرعی تعزیر کی جس میں قتل کرنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قید کرنا شامل ہیں کسی فرد کو اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض سزاؤں کی اجازت دی ہے مثلاً ایک باپ یا استاد بچے کو اس کے کسی قصور پر مار سکتا ہے۔ پھر قومی سزاؤں کا قوم کو اختیار ہے مثلاً کسی قصور پر ہم ایک شخص کو جماعت سے خارج کر دیتے ہیں تو اس کا ہمیں اختیار ہے کیونکہ یہ شرعی تعزیر نہیں۔ جو شرعی تعزیریں ہیں مثلاً قتل کرنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا، قید کرنا، کوڑے لگانا وغیرہ ان کا اختیار حکومت کو ہے اور وہ بھی قضاء کے ذریعہ۔ حکومت عارضی طور پر کسی کو قید کر سکتی ہے لیکن بعد میں اس کا فیصلہ قضاءً ہی کرے گی۔ اگر تم اسلام کی اِس تعلیم کو ملک میں جاری کر دو تو کوئی قتل ممکن ہی نہیں۔ نہ آگ لگائی جا سکتی ہے اور نہ کسی کو مارا پیٹا جا سکتا ہے۔ اِس تعلیم کو جاری کرنے کے بعد ہی ملک میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ تم پہلے اسلامی ذہنیت پیدا کرو۔ یہ نہیں کہ ایک طرف مولوی یہ کہے کہ ملک میں اسلامی تعلیم پھیلاؤ اور دوسری طرف یہ کہے کہ فلاں شخص اسلامی تعلیم کے خلاف چلتا ہے اِس لئے اسے قتل کر دو۔ ہم حکومت کو کئی دفعہ اِس طرف توجہ دلا چکے ہیں لیکن اس کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی نتیجہ یہ ہؤا کہ جو ذہنیت احمدیوں کے خلاف پھیلائی گئی تھی وہ پاکستان کے خلاف چل گئی۔ اور اگر اس ذہنیت کو جلدی تبدیل نہ کیا گیا تو صرف احمدیوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ لوگ ان مولویوں کے خلاف بھی جو یہ فتوے دیتے ہیں کارروائی کریں گے۔ غرض یہ ذہنیت نہایت خطرناک ہے اگر اسے جلد روکا نہ گیا تو یہ ملک کے لئے بہت بڑے خطرے کا موجب ہوگی۔ اگر مولوی حقیقت میں ملک میں اسلامی حکومت

قائم کرنا چاہتے تو وہ رعایا کو سکھاتے کہ شرعی تعزیر اُن کے اختیار میں نہیں شرعی تعزیر حکومت کے اختیار میں ہے بلکہ حکومت بھی شرعی تعزیر قضاء کے ذریعہ دے سکتی ہے۔ اگر واقعہ میں یہ تعلیم دی جائے تو خان لیاقت علی خان تو پاکستان کے پرمیئر تھے پاکستان کا ایک غریب سے غریب لڑکا بھی نہیں مارا جا سکتا۔ جب ہر شخص کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ ایسا فعل خدا تعالیٰ کے منشاء، اس کے رسول کی تعلیم، قرآن کریم، اخلاق، حُبّ الوطنی، رُوحِ نظام اور ملک و ملّت کے خلاف ہے تو کوئی شخص ایسا فعل کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اگر خان لیاقت علی خان جنگل میں بھی ہوتے اور سوائے اُن کے اور قاتل کے وہاں کوئی نہ ہوتا لیکن قاتل کے ذہن میں اسلام کی صحیح تعلیم ہوتی تو وہ کبھی نہ مارے جاتے۔ ایسی صورت میں پولیس وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پس اصل چیز یہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم کو قائم کرو۔ یہ مُلّاں جو ہلاکو کی تعلیم کو پھیلا رہے ہیں خان لیاقت علی خان کے قتل کے اصل ذمّہ دار ہیں جب تک حکومت انکے مُنہ بند نہیں کرے گی ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔" [1]

حادثہ قتل کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ

حکومتِ پاکستان نے اِس حادثہ قتل کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے اگرچہ متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وزیر اعظم مرحوم کا قتل، سید اکبر کا محض انفرادی فعل تھا یا کسی سازش کا نتیجہ تاہم کمیشن نے قاتل کے اِس شرمناک فعل کے امکانی محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے اس محرک کا بھی ذکر کیا کہ اِس جرم کی تہ میں اس کے انتہاء پسندانہ مذہبی نظریات کارفرما تھے اور یہ وہی امکانی پہلو تھا جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے خطبہ جمعہ میں مفصّل روشنی ڈالی تھی اور جس سے حضور کے نظریہ کی لفظاً لفظاً تائید ہوتی تھی۔ چنانچہ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس مذہبی محرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو رائے قائم کی اس کا خلاصہ جماعتِ اسلامی کے آرگن کوثر (۴ر ستمبر ۱۹۵۲ء) کے الفاظ میں یہ تھا:-

"اگر وجہ قتل یہ ہو کہ سید اکبر نے مسٹر لیاقت علی خاں کو اِس لئے موت کے گھاٹ اُتار دیا کہ وہ اسکے معیارِ اسلام پر پورے نہیں اُترتے تھے تو یہ ایک خوفناک صورتِ حال کا پتہ دیتا ہے۔ اور کمیشن حکومت کو توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر اِس قسم کے رجحانات ملک میں پنپ رہے ہوں تو ان کو سختی سے دبا دینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں کمیشن کی طرف سے اِس امر کا بھی ذکر کیا گیا تھا کہ اس کے سامنے بعض اخباروں

---

[1] الفضل ۱۶ر نبوت ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۳ تا ۵

کے مضامین اور بعض مصنفین کی تحریریں بھی پیش کی گئیں جن میں مسٹر لیاقت علی خاں کے خلاف نہایت سوقیانہ انداز میں رائے زنی کی گئی تھی۔ اس کے بعد کمیشن نے اُن لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیا جن کا تصورِ اسلام اس کے نزدیک نہایت بھونڈا اور خام ہے اور ان کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔"

رپورٹ کے حق میں پاکستانی پریس کی آواز جماعتِ اسلامی اور اس کے بعض حاشیہ برداروں کے سوا پاکستانی اردو اور انگریزی پریس نے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کے اِس زاویۂ نگاہ کی متفقہ طور پر تائید کی اور عوام اور حکومت کو فرقہ پرستی اور ملائیت کے اس خوفناک اور سنگین خطرہ سے خبردار کیا جو ملک میں ہر لمحہ اور ہر طرف سیلابِ رواں کی طرح بڑھتا چلا آرہا تھا۔

مثلاً اخبار "آفاق" نے لکھا:۔

"محبِ وطن پاکستانی ہم سے اتفاق کریں گے کہ کمیشن نے آزادیٔ صحافت اور اسلام کا نام لے کر عمائدینِ ملک کے خلاف گندگی اچھالنے والے اخبارات... کے اصل عزائم کو بے نقاب کرکے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی.... اسلام و صالحیت کے یہ اجارہ دار اور بزعمِ خویش ملک و قوم کے "مخلص خادم" اپنے سیاسی مخالفین کو فاسق و فاجر اور بددیانت کہتے رہے.... ہمیں یہ کہتے میں مطلق تامل نہیں کہ دراصل یہی لوگ قائدِ ملت کے قاتل تھے کیونکہ اِنہی لوگوں کی تحریروں نے وہ ماحول پیدا کیا جس کی پیداوار کمیشن کے الفاظ میں سید اکبر بھی تھا۔"

اخبار "احسان" (لاہور) نے یہ نوٹ سپردِ اشاعت کیا کہ:۔

"ہمیں کمیشن کی اِس رائے سے پورا پورا اتفاق ہے حقیقت یہ ہے کہ بعض طالع آزما جماعتیں جو اسلام کے نام کو استعمال کرتی ہیں، اقتدار کے بھوکے پٹے ہوئے سیاسی مُہرے لیاقت مرحوم کے خلاف تقریروں میں زہر اُگل رہے تھے..... اخبارات معاصر نوائے وقت بالخصوص اور اس کے انداز میں سوچنے والے ایک دو اور جرائد لیاقت مرحوم اور ان کی قابلِ احترام رفیقہ حیات کی بابت جھوٹے واقعات اختراع کرکے طرح طرح سے انہیں بدنام کرتے اور اُن کا تمسخر اُڑاتے رہے... نتیجہ ظاہر تھا نفرت و حقارت کا یہ زہر پھیلا اور اس نے سید اکبر کو جنم دیا۔"

اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے کمیشن کی رپورٹ پر حسبِ ذیل شذرہ لکھا:۔

ہماری سیاسی زندگی کے دامن پر جو سب سے زیادہ تاریک داغ ہے اس پر انگلی رکھ دی گئی ہے۔ یہ بات کہ ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان اسلام کے نام پر قتل کر دے یہ ایک نزاعی بحث نہیں ہے بلکہ مُلّاؤں کے مذہب کا ایک مسلّمہ ہے۔ ایک مسلمان خواہ وہ کتنا ہی دیانتدار اور زندگی میں پاکباز ہو اگر وہ مُلّا کے معیارِ اسلام پر پورا نہیں اُترتا تو اس کو فوراً "کافر" کا خطاب دے دیا جاتا ہے اور ایسی صورت میں یہ ایک بڑا دینی کارنامہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی جان لے لی جائے۔ اگر مذہبی جنون کا نظریہ قبول کر لیا جائے تو نوابزادہ لیاقت علی اسی نفسیات کا شکار ہوئے۔ جاہل مذہبی جنونی قاتل نے اپنے ہی اسلامی معیار پر ان کو پرکھا اور اس سے فروتر پایا۔ مُلّا کے مسلّمہ مذہبی معیار کے مطابق یہ بات اس امر کا کافی جواز تھا کہ اُن کی جان لے لی جائے۔ جو حادثہ وزیرِ اعظم مرحوم کو پیش آ چکا ہے وہ ہر وزیر کو پیش آ سکتا ہے بشرطیکہ عوام کے جوش کو اس کے خلاف کافی طور پر بھڑکا دیا جائے۔۔۔۔ اس رپورٹ نے اس خطرناک رُجحان کی طرف متوجہ کر کے بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔۔۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ رائے عامہ کو اس عظیم معاشرتی خطرے کے علاوہ منظم ہونا چاہیئے۔ مذہب کے نام پر تشدد اسلام میں بہت عام ہے۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات نے بڑے بڑے فساد برپا کئے ہیں اور لوگوں کے سر توڑے ہیں۔ مُلّا کے نزدیک مغربی لباس پہننا بھی "کفر" ہے۔ داڑھی مونچھ کا مُنڈا ہوا ہونا تو "کفر" کی سب سے بڑی علامت ہے۔۔۔ مُلّا کو اسلام کا آخری حکم بنا دینا اُس پاکیزہ دین کی توہین ہے جو محبت، وسعتِ نظر اور ہمدردیٔ انسانی کا پیغام لے کر آیا۔ علاوہ ازیں یہ پاکستان کی تخریب کا بھی یقینی راستہ ہے۔۔۔ ان دنوں حالات فی الواقع خوفناک ہوتے جا رہے ہیں۔ جسٹس محمد منیر کا انتباہ نہایت بر وقت اور برمحل ہے۔ مُلّا کا خطرہ بڑھ رہا ہے وہ موجودہ نظام کو اُلٹ دینے کے لئے باہر نکل آیا ہے اور اس کو بدنام کر رہا ہے۔ اس کا ہتھیار وہی پُرانا حربہ ہے کہ ہر چیز کو غیر اسلامی قرار دے دیا جائے۔ کافر سازی ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ انکوائری رپورٹ نے صحیح طور پر موجودہ رفتار میں پاکستان کی تخریب کے جراثیم کو دیکھ لیا ہے۔ (ترجمہ)

اخبار "پاکستان ٹائمز" نے کمیشن کی رپورٹ پر درج ذیل اداریتی نوٹ لکھا۔

مسٹر لیاقت علی خاں کے قتل کے متعلق کمیشن نے فوری حالات پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے کچھ کم اہم اور قیمتی اس کی وہ شدید تنقید نہ ہو گی جو ہماری قومی زندگی کے مذہبی جنون کے رُجحانات کے بارے میں کی گئی ہے۔۔۔۔ پاکستان کے قیام کے وقت ہی سے قومی زندگی کے تمام معقول اور ترقی پسند عناصر

افسوس اور خطرے کے احساس کے ساتھ اپنی قوم میں خطرناک متعصبانہ رُجحانات کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات کہ یہ حالات بالآخر مسٹر لیاقت علی خاں کے قتل کے کس حد تک ذمہ دار ہیں اس کا معلوم کرنا آسان نہیں ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ ہمارے جسدِ قومی میں داخل ہوگئے ہیں اور بہت سے لوگ پہلے ہی حیران ہیں کہ ہماری قومی زندگی ان سے کس طرح نجات حاصل کرے گی۔ پیشتر اس کے کہ وہ اس کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے ان رجحانات سے ملک کو کتنا خطرہ ہے۔ اس بات پر کمیشن نے پوری طرح زور دے دیا ہے اور حکومت کو اس نے متنبہ کر دیا ہے کہ اگر اُن کو اپنے رُخ پر جاری رہنے دیا گیا تو اس سے پاکستان کی ترقی میں بڑی رکاوٹ واقع ہوگی۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی پانچ اہم ہدایات جامعۃ المبشرین کی ایک الوداعی تقریب میں

۲۹۔اخاء ۱۳۳۰ہش/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو بعد نماز عصر جماعتِ احمدیہ کی جدید مرکزی درس گاہ ــــ جامعۃ المبشرین ــــ کی طرف سے سب سے پہلے کامیاب ہونیوالے مبلّغین کو الوداعی پارٹی دی جس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے بھی ازراہِ شفقت و ذرّہ نوازی شرکت فرمائی اور ایک معلومات افروز تقریر کے ذریعہ اساتذہ اور طلباءِ جامعہ کو پانچ نہایت اہم اور قیمتی ہدایات سے نوازا جو تحقیق و تفحص اور علمی ترقی کے میدان میں ہمیشہ خضرِ راہ ثابت ہوں گی۔

پہلی ہدایت

حضور پُر نور نے اپنے خطاب کے شروع میں پہلی ہدایت یہ فرمائی کہ "طلباء کی صحت کا خیال رکھا جائے اور وہ اس کے مقابل پر محنت کا خیال رکھیں۔"

دوسری ہدایت

دوسری اہم چیز جس کی طرف حضور نے توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ "عربی زبان میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کا ہر حرف الگ پڑھا جاتا ہے۔ جب تک ہر حرف کو الگ نہ پڑھیں تلفظ ٹھیک نہیں ہوتا۔ دوسری زبانوں میں ہم حروف کو ایک دوسرے میں مخلوط کر دیتے ہیں لیکن عربی زبان میں ہم حروف کو ایک دوسرے میں مخلوط نہیں کر سکتے... حروف کو ایک دوسرے میں مخلوط کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے معنی کچھ نہیں بنیں گے.... یہ دست درازی کم از کم قرآن کریم پر نہیں ہونی چاہیئے تیرہ سو سال سے مسلمانوں نے اس کو محفوظ رکھا ہے تمہیں بھی اسے محفوظ رکھنا چاہیئے اور قرآن کریم کی تلاوت پر خاص توجہ دینی چاہیئے۔"

---

[1] بحوالہ اخبار کوثر لاہور ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۴ (جماعتِ اسلامی کا ترجمان)

تیسری ہدایت تیسری ہدایت حضور نے مقررین کے لئے دی جو یہ تھی کہ " جب ایک واعظ کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت وہ سامعین کو کچھ بتلانے کے لئے کھڑا ہوتا ہے پس اسے لوگوں سے گھبرانے کی کیا وجہ ہے؟ جو اس سے سیکھنا چاہتے ہیں، پس تقریر آہستگی کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ پھر آہستہ آہستہ جب سامعین کے دماغوں اور تقریر کرنے والے کے دماغ میں توازن قائم ہو جائے تو بے شک وہ اپنی آواز بلند کرے اور الفاظ بھی جوش سے ادا کرے۔ لیکن اگر وہ شروع میں ہی جلدی جلدی بولنے لگ جاتا ہے تو سامعین تاڑ جاتے ہیں کہ وہ ان سے ڈر رہا ہے اِس لئے وہ اس کا اثر قبول نہیں کرتے۔"

چوتھی ہدایت حضور کی چوتھی ہدایت یہ تھی کہ "ہمارے طلباء مطالعہ کے لئے بہت کم وقت نکالتے ہیں اپنے وقت میں سے ہمیشہ ایک حصہ زائد مطالعہ کے لئے بھی نکالنا چاہیئے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ ایک اچھا پڑھنے والا ایک گھنٹہ میں اوسطاً ۲۰ صفحے پڑھتا ہے۔ عربی ٹائپ ذرا چھوٹا ہوتا ہے اور کتاب کے صفحات بڑے ہوتے ہیں اِس لئے اگر آپ لوگ زائد مطالعہ کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ بھی دیں تو اوسطاً دس پندرہ صفحات فی گھنٹہ پڑھے جاسکتے ہیں "۔ اِس ضمن میں حضور نے یہ بھی بتایا کہ "اسی لئے مَیں نے عربی کتابیں منگوا کر دی ہیں جن میں علمِ ادب، علمِ تاریخ، فلسفہ، منطق، صرف و نحو، علمِ نحو، علمِ معانی اور دوسرے علوم پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔۔۔ میرا منشاء یہی ہے کہ ایک دو سال میں دس پندرہ ہزار روپیہ صرف کر کے ایک لائبریری بنائی جائے جو کالج کے لحاظ سے مکمل لائبریری ہو چنانچہ اس سلسلہ میں مَیں نے انگریزی کی بعض کتابیں بھی منگوا کر دی ہیں۔ یہ کتابیں مختلف علوم کے متعلق ہیں۔"

پانچویں ہدایت مقالہ (THESIS) لکھنے کے بارے میں اساتذہ اور طلبہ دونوں کو مخاطب کر کے یہ خاص ہدایت فرمائی کہ :-

"مضمون ایسے رنگ میں بیان کرو کہ پڑھنے والا اسے سمجھ سکے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے بطنی عنوان مقرر کئے جائیں پھر ماہرین کی ایک کمیٹی اس پر غور کرے اور اس کی ترتیب بھی بتائے پھر لٹریچر بھی بتایا جائے کہ کون کون سی کتابوں میں یہ مضمون مل سکتا ہے ۔۔۔۔ پس تھیسس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عنوان مقرر ہوں، اس کی ترتیب بتائی جائے اور پھر مشورہ دیا جائے کہ یہ مضمون فلاں فلاں کتاب سے مل سکتا ہے۔ پھر مضمون زیادہ لمبا نہیں ہونا چاہیئے۔ ایم۔ اے میں جو تھیسس (THESIS) لکھے جاتے ہیں وہ بھی پچاس ساٹھ صفحات کے ہوتے ہیں۔ اگر مضمون چھوٹے ہوں گے تو خواہ لکھنے والا پہلے

دو ماہ میں ایک سطر بھی نہ لکھ سکے اور تیسرے ماہ وہ دس کالم روزانہ لکھے تب بھی وہ ۳۰۰ کالم لکھ لے گا جو پچاس مطبوعہ صفحات کے برابر ہوگا اور یہ کافی لمبا مضمون ہے۔ اس طرح مفید لٹریچر مل سکتا ہے اور تبلیغ میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔" لے

حضرت مصلح موعودؓ نے بیش قیمت ہدایات پر مشتمل تقریر کے بعد جامعۃ المبشرین کے اساتذہ، طلبہ اور فارغ التحصیل مبلغین کے لئے دعا فرمائی۔ اور یہ حضور کی دعا ہی کا اثر ہے کہ اس سال جامعہ پاس کرنے والے مبلغین کو جو جامعۃ المبشرین کے پہلے پھل کہلانے کے مستحق ہیں اندرون پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کی توفیق ملی ہے۔ ان میں سے اکثر اب بھی خدمتِ اسلام میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس پہلی کلاس کے بعض مبلغین کے نام مع ان کے ممالکِ تبلیغ کے حسبِ ذیل ہیں:۔

مرزا محمد ادریس صاحب (بورنیو۔ یوگنڈا۔ انڈونیشیا) مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد (غانا۔ سیرالیون) عبداللطیف صاحب پریمی (غانا) مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری (سیرالیون۔ غانا امریکہ) مولوی مبارک احمد صاحب ساقی (نائیجیریا۔ لائبیریا) میر مسعود احمد صاحب (ڈنمارک) صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (انڈونیشیا) مولوی محمد اجمل صاحب شاہد (نائیجیریا)۔

لے الفضل ۷ رفتح ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۵ پر حضور کا مکمل خطاب شائع شدہ ہے۔

فصلِ چہارم

سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا خصوصی پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام، اخبار "الرحمت" اور مسئلہ عزلِ خلفاء، ملتان اور لائلپور کے جلسہ ہائے سیرۃ النبی میں ہنگامہ آرائی، اخبار "بدر" کا دوبارہ اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا پُر معارف افتتاحی مضمون

سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا خصوصی پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام

اِس سال کے آخر میں جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی دوسری سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس کے لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایک خصوصی پیغام ارسال فرمایا جس میں انڈونیشیا کے مخلص احمدیوں کو اپنے عملی نمونہ تعلیم و تربیت۔ مرکزِ احمدیت سے گہری وابستگی اور غیر متزلزل ایمان کے ذریعہ انڈونیشیا کی اکثریت کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں شامل کرنے کی ولولہ انگیز تحریک فرمائی۔ اِس پیغام سے انڈونیشیا کی احمدی جماعتوں میں ایک نیا ذوق و شوق اور جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ ذیل میں حضرت مصلح موعودؓ کے اس پیغام کا متن درج کیا جاتا ہے:-

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ﴿ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

احبابِ جماعت انڈونیشیا! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے عزیزم شاہ محمد صاحب مبلّغ انچارج انڈونیشیا کے ایک خط سے یہ معلوم کر کے نہایت افسوس ہوا کہ گذشتہ سال باوجود ان کی تحریک کے مَیں جماعتِ انڈونیشیا کے سالانہ جلسہ میں کوئی پیغام نہ بھجوا سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں یہ مَیں بیمار تھا اُن دنوں میں ایسا خط پہنچا ہے ورنہ جماعتِ انڈونیشیا

جس نئے دَور میں سے گزر رہی تھی اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ میں اسے پیغام بھجواتا۔

جہاں تک امام جماعت کے پیغاموں کا سوال ہے چونکہ جماعتیں اب ساری دنیا میں پھیل گئی ہیں یہ تو ابعید از عقل ہے کہ امام جماعت کی طرف سے ہر جماعت کو ہر سال کوئی نیا پیغام پہنچے لیکن یہ خواہش ہو جماعت کی بالکل معقول ہے کہ کسی خاص اور اہم موقع پر جو اُسے پیش آئے اُس کے امام کی طرف سے اسکو کوئی تسلی، مبارکباد یا راہنمائی کا پیغام پہنچے۔ پس چونکہ انڈونیشیا کی جماعت ایک نئے نظام کے ماتحت چلائی جانے والی تھی میری طبیعت اچھی ہوتی تو مَیں ضرور مختصر پیغام اُن کی کانفرنس کے موقع پر بھجواتا لیکن گذشتہ سال جلسہ سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی مَیں رث۔ یڈ بیمار ہو گیا تھا۔

مجھے اِس بات پر نہایت خوشی ہے کہ جماعتِ انڈونیشیا جس کی ابتداء ۱۹۲۶۔۱۹۲۷ء[1] میں ہوئی تھی اب خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی ترقی کر چکی ہے اور منظّم ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھے اِس بات پر بھی خوشی ہے کہ انڈونیشیا کے نوجوان تعلیم کے لئے احمدیہ مرکز میں آتے رہتے ہیں۔ گو اتنی توجہ اس طرف نہیں ہوئی جتنی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ مَیں سمجھتا ہوں اور تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انڈونیشیا اُن ممالک میں سے ہے جن کے لئے خدا تعالیٰ نے سعادت مقدر کی ہوئی ہے۔ انڈونیشین لوگوں میں مجھے وہ کبر نظر نہیں آتا جو بعض دوسرے ممالک کے لوگوں میں نظر آتا ہے۔ ان کی طبائع میں صلاحیت اور نرمی ہے اور وہ سچ کے متلاشی معلوم ہوتے ہیں۔ پس مَیں سمجھتا ہوں اگر جماعتِ احمدیہ اپنے فرض کو اچھی طرح پہچانتی تو جماعت جو اس وقت دس ہزار کے قریب ہے یقیناً ایک لاکھ سے بھی زائد ہوتی۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں اور کم از کم یہ کوشش کریں کہ اُن کی جماعت اگلے سال دس ہزار سے بیس ہزار ہو جائے پھر اس سے اگلے سال بیس ہزار سے چالیس ہزار ہو جائے اور پھر اس سے اگلے سال چالیس ہزار سے اسّی ہزار ہو جائے اور اِسی طرح ہر سال جماعت اپنی تعداد میں بڑھتی چلی جائے مگر یہ تبھی ہو سکتا ہے جب ہر انڈونیشین احمدی اپنے فرض کو سمجھے اور مناسب لٹریچر کثرت کے ساتھ مہیا کیا جائے اور مبلّغوں کی تعداد موجودہ تعداد سے زیادہ ہو۔ موجودہ پولیٹیکل حالات ایسے ہیں کہ پاکستان کے مبلّغ اُس ملک میں زیادہ نہیں جا سکتے۔ پس مناسب تدبیر یہی ہے کہ انڈونیشیا کے نوجوان تعلیم کے لئے پاکستان آئیں اور پھر یہاں سے تعلیم پاکر

---

[1] سہو ہے یہ مشن ۱۹۲۵ء میں قائم ہؤا تھا (ناقل)

اپنے ملک کو واپس جائیں لیکن پچھلے ایک دو سال سے اِس طرف کچھ توجہ دیکھتا ہوں مگر وہ توجہ ضرورت سے ابھی بہت کم ہے۔

پھر جماعت کی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اُس کا امام سے براہِ راست تعلق ہو اور وہ اس کی دعاؤں سے حصّہ لے مگر مجھے افسوس ہے کہ امریکہ اور مغربی افریقہ کے مقابلہ میں جو دونوں علاقے امام کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں نہایت ہی آگے آگے ہیں انڈونیشیا کی جماعتوں نے اُس رنگ میں امام سے تعلق پیدا نہیں کیا۔ اب کچھ عرصہ سے ایک دو جماعت کے عہدیداروں نے اور چند افراد نے خط و کتابت شروع کی ہے اور یہ ایک نیک تبدیلی انڈونیشیا میں پیدا ہوئی ہے لیکن ابھی اس میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ جس کو بھی جس زمانہ میں خدا تعالیٰ ساری جماعت کا امام بناتا ہے وہ باقی جماعت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور جب تک افرادِ جماعت کا تعلق اُس سے ایسی صورت میں نہ ہو جیسا کہ شریف اور نیک بیٹے کا اپنے باپ سے ہوتا ہے اس وقت تک وہ شخص یا وہ قوم یا وہ ملک اُن روحانی برکات کا امیدوار نہیں ہو سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو اس کے مقرر کردہ خلیفہ کے ساتھ تعاون کرتے اور اس کے ناصر و مددگار بنتے اور اُس کے کام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ ہماری جماعت ایک روحانی جماعت ہے اور اگر وہ سچی ہے تو پھر یہ بھی سچی بات ہے کہ جو کوئی بھی اس جماعت کے نظام کی اتباع کرے گا اور اس کی قدر کرے گا اور اس کے ساتھ تعاون کرے گا وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہوگا۔ کیونکہ جب ایک ادنیٰ انسان بھی اپنے ساتھ تعاون کرنیوالے کی قدر کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے تو خدا تعالیٰ جو غیر محدود ذرائع رکھنے والا ہے اُس کی نسبت یہ کب اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے مقرر کردہ خلیفہ یا اُس کی مقرر کردہ جماعت کے ساتھ تعاون کرنے والوں اور محبت کرنیوالوں اور اخلاص رکھنے والوں کی قدر نہیں کرے گا اور ان کی مدد نہیں کرے گا۔ یقیناً جو لوگ اس رستہ کو اختیار کریں گے وہ اپنی رُوح کے اندر ایک تبدیلی پائیں گے اور اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کا روحانی بیٹا ثابت کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا اِس دنیا میں روحانی فرزند بننے کا فخر حاصل کریں گے اسلام کا خدا محبت کرنے والا خدا ہے اور وہ فرمانبردار بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے جتنا کہ محبت کرنیوالا باپ اپنے بیٹوں سے محبت کرتا ہے۔ مگر باپ کی محبت حاصل کرنے کے لئے بھی انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ صلاحیت اور نیک اطوار اور تعاون اور محبت ہی باپ کی طبعی محبت کو اُبھارتے

ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت کے اُبھارنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو اُس کے اظلال دنیا میں موجود ہوں اور جو اس کا نظام دنیا میں قائم ہو اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور اس کی مدد کی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے کام کو دنیا میں پھیلایا جائے۔

مجھے اِس بات سے خوشی ہے کہ انڈونیشیا اُن ممالک میں سے ہے جن میں ارتداد بہت کم ہوتا ہے جو مانتے ہیں وہ سچے طور پر مانتے ہیں بعض اُور ممالک میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ ایمان اور ارتداد بالکل اس طرح چلتے ہیں جس طرح دو متوازی لیکن مختلف اطراف میں بہنے والے دریا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اَور بھی زیادہ اپنے عملی نمونہ اور تعلیم اور تربیت کے ساتھ اِس بات کو ناممکن بنا دیں گے کہ کوئی شخص احمدیت میں داخل ہو کر پھر اس سے واپس لوٹے۔ اِسی طرح آپ لوگ ہمیشہ اِس بات کو مدِّنظر رکھیں گے کہ مرکزِ احمدیت سے آپ لوگوں کا تعلق مضبوط ہو۔ آپ کا ایمان غیر متزلزل ہو اور آپ کا رشتہ قطع نہ ہونے والا ہو۔ زمین و آسمان ٹل سکیں مگر آپ لوگ اُس وابستگی کو نہ چھوڑ سکیں جو خدا تعالیٰ نے آپ کے دلوں میں احمدیت اور اس کے مرکز سے پیدا کی ہے۔ میں امید اور یقین اور دعا کے ساتھ اِس پیغام کو ختم کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ لوگ ایک نئی طاقت اور نئی قوت کے ساتھ اشاعتِ احمدیت میں لگ جائیں گے اور مجھے وہ دن دیکھنے کی خوشی نصیب ہوگی جب انڈونیشیا کی اکثریت احمدی ہوگی اور احمدیت کی روشنی میں اسلام کے اوّلین علمبرداروں میں انڈونیشیا کا ملک بھی ہو جائے گا۔ اللّٰھم آمین

خاکسار

(دستخط) مرزا محمود احمد ۲۹/۹/۵۱

اخبار "الرحمت" اور عزلِ خلفاء

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کے عہدِ خلافت کا ایک زندہ، ناقابلِ فراموش اور دائمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے نظامِ خلافت کے قیام و استحکام کے لئے ہمیشہ ہی جو نکھی لڑائی لڑی اور جب بھی نظامِ خلافت کے خلاف کوئی خفیف سی آواز کسی گوشہ سے بھی بلند ہوئی آپ خدا کے ایک جری پہلوان اور شیر کی طرح میدانِ مقابلہ میں اُتر پڑے۔ آپ کا یہ قطعی عقیدہ تھا کہ اگر کلمہ شریف کی تفسیر کی جائے تو اس تفسیر میں اس مسئلہ کا مقام سب سے بلند ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے مگر یہ کلمہ اپنے اندر جو تفصیلات رکھتا ہے اور جن اُمور کی طرف اشارہ کرتا ہے اُن میں سے سب سے بڑا امر مسئلہ خلافت ہی

ہے"۔ ؎۱

جہاں تک عزلِ خلفاء کے ناپاک نظریہ کا تعلق ہے آپ اس کو اسلام کی رُوح کے سراسر خلاف سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ "گو خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن آیت (استخلاف) کی نصِ صریح اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ امّت کو اپنے فیصلہ کا اِس امر میں ذریعہ بناتا ہے اور اس کے دماغ کو خاص طور پر روشنی بخشتا ہے لیکن مقرر اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کہ وہ خود ان کو خلیفہ بنائے گا پس گو خلفاء کا انتخاب مومنوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا الہام لوگوں کے دلوں کو اصل حقدار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ ایسے خلفاء میں مَیں فلاں فلاں خاصیتیں پیدا کر دیتا ہوں اور یہ خلفاء ایک انعامِ الٰہی ہوتے ہیں ...... ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو اُمّتِ اسلامیہ معزول نہیں کر سکتی ایسے شخص کو تو شیطان کے چیلے ہی معزول کریں گے"۔ ؎۲

اللہ تعالیٰ کی مصلحتِ خاص نے حضرت مصلح موعودؓ کے فولادی قلم سے اِس سال عزلِ خلفاء کے ناپاک خیال کو پاش پاش کرنے کا ایک نیا موقع پیدا کر دیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ لاہور کے ایک ادبی اور علمی اخبار "الرحمت ؎۳" نے ایک مضمون قدوسی کے اخباری نام سے شائع کیا جس میں نادانستہ طور پر تاریخِ اسلام کا ایک ایسا ورق چھپ گیا جس میں دوسری روایتوں کے ساتھ جبلہ بن ایہم کے متعلق ایک ایسی کمزور روایت بھی آگئی جس میں نعوذ باللہ حضرت خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عبادہ بن صامت کے ملامت کرنے کا ذکر تھا جس سے یہ تاثر پیدا ہو سکتا تھا کہ گویا اسلام کی رُو سے معاذ اللہ خلیفہ برحق کا عزل بھی جائز ہے۔ لہذا حضرت امیر المومنین نے ۲۴/ اخاء ۱۳۲۰ ہش کو "اخبار الرحمت و عزلِ خلفاء" کے عنوان سے ایک پُر جلال تنقیدی نوٹ لکھا جس میں بتایا کہ قرنِ اوّل میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے نامور خلفاء نے مسئلہ عزلِ خلفاء کے خلاف زبردست جہاد کیا اور ہزاروں مسلمانوں نے محض اسی ؎لئے

؎۱ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ سالانہ ۱۹۳۹ء "خلافتِ راشدہ" صفحہ ۳۔ ؎۲ "خلافتِ راشدہ" صفحہ ۲۳۰، صفحہ ۲۳۱۔ ؎۳ یہاں مزید وضاحت کرنا ضروری ہے کہ جب الرحمت نے یہ مضمون شائع کیا اُس وقت نہ تو یہ اخبار شیخ روشن دین صاحب تنویر مدیر الفضل کی ادارت میں نکلتا تھا اور نہ اسے جماعت کے مذہبی ترجمان ہی کی حیثیت حاصل تھی۔

اپنی جانیں راہِ حق میں نچھاور کر دیں کہ وہ اس باطل نظریہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اسلام کے دَورِ ثانی میں حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے اس نظریہ کا باطل ہونا ثابت کر دکھایا پس یہ مسئلہ کسی نئے احمدی اور نسلِ احمدی کے لئے بھی کوئی نیا مسئلہ نہیں اور اس پر اسلام کے دَورِ اوّل اور ثانی میں ایک فیصلہ کُن مسلک اُمّتِ مسلمہ کے لئے متعین ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور نے نہایت درجہ قوت و شوکت بھرے الفاظ میں تحریر فرمایا:۔

"اگر خلیفہ اسلام میں معزول ہو سکتا تھا تو یقیناً حضرت علیؓ مجرم ہیں کیونکہ ان کی اپنی جماعت کے ایک بڑے حصہ نے کہہ دیا تھا کہ ہم آپ کو خلافت سے معزول سمجھتے ہیں لیکن بجائے اس کے کہ "قدوسی" کی رُوح کو خوش کرنے کے لئے حضرت علیؓ خلافت چھوڑ دیتے انہوں نے تلوار میان سے نکالی اور ہزاروں ہزار خارجی کو قتل کر کے رکھ دیا۔ اگر خلیفہ معزول ہو سکتا ہے تو ان لوگوں کا قصور کیا تھا۔ وہ تو وہی بات کرتے تھے جس کا قرآن نے ان کو حق دیا تھا۔ جب ایک مسلمان کا قتل بھی دوزخی بنا دیتا ہے تو کیا کہیں گے قدوسی صاحب حضرت علیؓ کے متعلق جنہوں نے ہزاروں ہزار مسلمان کو اس مسئلہ پر قتل کر کے رکھ دیا۔ دوسری مثال حضرت عثمانؓ کی ہے حضرت عثمانؓ سے بھی باغیوں کا یہی مطالبہ تھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں ہم آپ کو معزول کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے نرم مزاج ہونے کی وجہ سے تلوار تو نہیں نکالی لیکن خود اپنی جان قربانی کے لئے پیش کر دی اور عزل کا عقیدہ رکھنے والوں کا مُنہ کالا کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کی ضرورت کا مسئلہ ثابت کیا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے خلیفہ کے معزول نہ ہونے کا مسئلہ ثابت کیا۔ گویا ابتدائی خلافتِ راشدہ نے اپنے عمل اور اپنے فیصلہ سے ان مسائل کو حل کر دیا تھا اور پھر ہمارے زمانہ میں آکے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ سوال اُٹھا اور آپ نے فرمایا تم کون ہوتے ہو مجھے معزول کرنے والے گویا ابتدائے اسلام اور ابتدائے احمدیت میں یہ مسئلے زیرِ بحث آئے۔" [1]

خدائے ذوالجلال کے خلیفہ موعود کے قلمِ مبارک سے نکلے ہوئے اِن کلمات نے صورِ اسرافیل کا کام دیا جس کے نتیجہ میں دنیا بھر کے مخلصینِ احمدیت خصوصاً الرحمٰن کے مدیر اور اس اخبار کے نگران ناظرِ دعوۃ و تبلیغ کی خفتہ رُوحوں کو یکایک بیدار کر دیا اور خلافت سے محبت کا پاک چشمہ جو

---

[1] الفضل ۲۸ اخاء ۱۳۳۰ ہش / اکتوبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۳

اُن کے سینوں میں پہلے سے موجزن تھا اُن کی زبانوں اور قلموں سے بھی جاری ہوگیا اور وہ نظامِ خلافت کے حقیقی اور جانثار خادموں اور چاکروں کی طرح اپنے پیارے امام کے حضور ندامت بھرے الفاظ میں اپنی کوتاہی اور غفلت کا اظہار کر کے معافی کے خواستگار اور دعاؤں کے طلب گار ہوئے چنانچہ ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ کا معذرت نامہ الفضل میں چھپا اور ایڈیٹر صاحب "الرحمت" نے نہ صرف "قدوسی صاحب" کے مضمون کی الرحمت میں پُرزور تردید کی بلکہ حضور کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ :-

"گو الرحمت کا کوئی مستقل دفتر نہ تھا۔ ڈاک کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ مجھے دونوں طرف کام کرنا پڑتا تھا اور اکثر اِدھر اُدھر بیٹھ کر ہی پرچہ ترتیب پاتا تھا اور ڈاک اکثر دفتری دستبرد کی نذر ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود میں دفتری افراتفری کی آڑ نہیں لیتا۔ غلطی بہرحال غلطی ہے اور اسے تسلیم کرنے ہی میں نجات مضمر ہے اور میں اس پر سخت نادم ہوں۔

خلافت ایک رحمت ہے ایک برکت جس کے عنقا ہو جانے کی وجہ سے نہ صرف قوم کی جمعیّت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے بلکہ میرے نزدیک تو اس قوم پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارشیں بھی رُک جاتی ہیں۔ خلافت کے عزل کا ناپاک خیال بھی دل میں لانا اپنی عاقبت اور اپنے انجام پر اپنے ہاتھوں کلہاڑا چلانے کے مترادف ہے۔ میں نے حضور کے ارشادات اور مکرم جناب ناظر صاحب کا اعلان پڑھنے کے بعد جتنی دفعہ بھی اپنے دل کو ٹٹولا ہے مجھے اس میں خلافت سے محبت، ارادت اور والہانہ عقیدت کے سوا اَور کچھ نہیں ملا اور یہی میرا سرمایۂ حیات ہے۔" [1]

الغرض "الرحمت" کے کالموں میں مسئلہ عزل سے متعلق بظاہر چند ضمنی فقروں کی اشاعت جماعتِ احمدیہ میں خلافت کے بابرکت اور دائمی نظام کے ساتھ پہلے سے بڑھ کر عقیدت و اُلفت پیدا کرنے کا موجب بن گئی اِس طرح رحمتِ خداوندی نے شر کے اندر سے ہی بالآخر خیر و برکت کا نیا سامان پیدا کر دیا۔

ملتان اور لائلپور کے جلسہ ہائے سیرت النبیؐ میں ہنگامہ آرائی

۱۸ ماہِ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء کو جماعتِ احمدیہ کی طرف سے لائل پور اور ملتان میں حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی

[1] الفضل ۲۱ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

سیرت، فضائل و برکات اور ارفع اور فقید المثال شان پر روشنی ڈالنے کے لئے جلسے مقرر تھے جو ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سکیم کے ساتھ ہنگامہ آرائی، قانون شکنی، تشدد انگیزی اور غنڈہ گردی کی نذر کر دیئے گئے۔

جلسۂ سیرت النبیؐ ملتان

جماعت احمدیہ ملتان نے سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جلسہ کرنے کا انتظام پبلک جگہ باغ لنگے میں کیا تھا۔ ضلع کے ذمہ دار افسران جناب ڈی سی صاحب اور ایس پی صاحب ملتان کو جماعت کی طرف سے ایک وفد نے قبل از وقت اطلاع کر کے اجازت حاصل کر لی تھی نیز جلسہ کے جائے مقررہ پر انعقاد کا اعلان بذریعہ پوسٹر شہر بھر میں کر دیا گیا تھا۔ پولیس کی کافی جمعیت قبل از وقت پہنچ گئی تھی۔ بعد ازاں سٹی انسپکٹر صاحب، پراسیکیوٹنگ ڈی ایس پی صاحب اور دو سب انسپکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ صاحب بھی جلسہ شروع ہونے سے قبل پہنچ چکے تھے چنانچہ حسب اعلان ٹھیک دو بجے زیر صدارت مکرم مولوی احمد خاں صاحب نسیم سابق مبلغ برما[1] جلسہ کی کارروائی شروع کر دی گئی۔ تلاوت و نظم کے بعد صدر صاحب نے اعلان کیا کہ دوران تقاریر میں جس وقت ہمارے آقا و مولا سیدنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام آئے ہر شخص بلند آواز سے درود شریف پڑھتا رہے اور پہلی تقریر رحمۃٌ للعالمین کے موضوع پر مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر مولوی فاضل شروع کریں۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے اس پاکیزہ موضوع پر نہایت ادب و احترام کے جذبات سے محبت بھرے الفاظ میں ابھی چند تمہیدی کلمات ہی کہے تھے کہ احراریوں نے جو ایک خاص منصوبہ کے تحت پہلے ہی بھاری تعداد میں جمع ہو چکے تھے مقرر کی طرف ایک رقعہ بھیجا جو ابھی صدر جلسہ تک پہنچا بھی نہیں ہوگا کہ یہ لوگ ہلّہ کر کے جلسہ گاہ میں شور مچانے لگے "ہم جلسہ نہیں ہونے دیں گے" "پہلے ہماری باتوں کا جواب دو" "سر ظفر اللہ مُردہ باد" "مرزا محمود مُردہ باد" "مرزا غلام احمد مُردہ باد"۔ اس نعرہ بازی کے ساتھ ہی شامیانہ کے بانس اور کیلے اکھیڑنے شروع کر دیئے۔ دریاں کھینچنی شروع کر دیں اور احمدیوں سے دست و گریبان ہونے لگے اسی دوران میں پولیس کے جو آدمی پہلے دور بیٹھے ہوئے تھے شور و غوغا سن کر پہنچ گئے اور بیچ بچاؤ

---

[1] حال ناظر اصلاح و ارشاد مقامی ربوہ ؎

شروع کر دیا مگر مشتعل ہجوم اپنی امن شکن حرکات میں تیز تر ہوتا گیا۔ احمدیوں کو سختی سے روک دیا گیا تھا کہ وہ کسی گالی یا کمینہ حرکات کا جواب تک نہ دیں بلکہ صبر سے کام لیں چنانچہ احمدیوں نے اس ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جب صورتِ حال قابو سے باہر ہونے لگی تو پولیس نے چند سرغنوں کو ہتھکڑیاں لگا دیں مگر جلسہ گاہ سے باہر نہیں لے جا سکی۔ ڈپٹی مجسٹریٹ صاحب نے یہ محسوس کرکے کہ صورتِ حال ان کے قابو سے باہر ہے جلسہ بند کرنے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ اب جلسہ نہیں ہوگا لوگ چلے جائیں۔ اب جماعتِ احمدیہ نے تو ڈپٹی مجسٹریٹ صاحب کے اعلان پر جلسہ بند کر دیا مگر یہ شوریدہ سر اس مقام پر جماعتِ احمدیہ اور جماعت کے بزرگان کے خلاف انتہائی اشتعال انگیزی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے رہے اور پھر سارے شہر کا چکر لگا کر احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں کے سامنے کھڑے ہو کر خاص طور پر اشتعال انگیز اور دلآزار نعرے لگائے۔

چونکہ یہ جلسہ خالص مذہبی و دینی اور صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا جس میں اشتعال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی اس لئے شرفاءِ ملتان کی طرف سے "ختمِ نبوت" کے نام نہاد محافظوں کے اِس فعل پر اظہارِ نفرت کیا گیا۔[1]

جلسہ سیرت النبیؐ لائلپور جماعتِ احمدیہ لائل پور کا جلسہ سیرت النبیؐ کمپنی باغ لائلپور میں منعقد ہو رہا تھا جس کی اطلاع ایک روز پیشتر پولیس کو دے دی گئی تھی۔

دو بجے جلسہ کا وقت تھا لیکن ڈیڑھ بجے کے قریب احراریوں نے شہر کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور احمدیہ پنڈال کے قریب آکر اپنا اڈہ لگا دیا۔ اِس امر کی اطلاع فوراً پولیس کو کر دی گئی۔

ابھی پولیس نہیں پہنچی تھی کہ یہ لوگ احمدیوں کے پنڈال میں گھس آئے اور کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ احمدیوں کا جلسہ ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت احمدیوں پر حملہ کر دیا۔ کرسیاں اُٹھا کر احمدیوں پر پھینکنی شروع کر دیں اور سامان توڑنا شروع کر دیا۔ احمدیوں نے بمشکل تمام اِس حملے کو روکا۔ اتنے میں پولیس انسپکٹر صاحب معہ دو تین سپاہیوں کے پہنچ گئے مگر حملہ آوروں نے ان سے بھی صاف کہہ دیا کہ وہ احمدیوں کا جلسہ ہرگز نہیں ہونے دیں گے اور پھر دوبارہ انسپکٹر کی موجودگی میں پنڈال پر حملہ کر دیا جسے احمدی رضاکاروں نے بمشکل تمام

---

[1] الفضل ۲۱ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴

روکا۔ احراریوں کو بے قابو دیکھ کر اس اثناء میں انسپکٹر پولیس صاحب نے مزید جمعیت پولیس منگوائی احراریوں کا کثیر مجمع ہو چکا تھا جو مزید پولیس کے آنے پر کچھ تو منتشر ہو گیا اور باقی وہیں رہا۔ ازاں بعد ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور مجسٹریٹ صاحب موقع پر پہنچے اور انہوں نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اِس شور و شر کے دَوران جلسہ کی کارروائی بند رہی اور پھر لاؤڈ سپیکر کے بغیر تقریر کی اجازت ہو گئی اور سلسلہ احمدیہ کے ممتاز عالم مولانا ابو العطاء صاحب نے سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تقریر فرمائی۔ پولیس نے موقع پہ دونوں کے قریب فتنہ پردازوں کو گرفتار کیا اور ۲۵ احمدی جلسے کے اندر سے گرفتار کر لئے جو ۱۲ بجے شب ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔[1] یہ جلسہ ایک معزز غیر احمدی دوست اور لائل پور کے سابق سرکاری وکیل چوہدری شریف احمد صاحب ایڈووکیٹ لائل پور کی صدارت میں ہوا جنہوں نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر معزز سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر صاحب کو توجہ دلائی کہ احرار نے احمدیوں پر ظلم و تعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے باکانہ حملہ کیا ہے۔[2]

دراصل ضلع لائل پور میں احمدیوں کے خلاف منظم حملہ اور اعلانیہ قانون شکنی کا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا بلکہ اِس سے پیشتر مندرجہ ذیل واقعات حکومت اور پولیس کے نوٹس میں لائے جا چکے تھے:۔

۱۔ شوریدہ سروں نے اپنے اخبار میں اعلان کرنے کے بعد مولوی فضل دین صاحب بنگوی احمدی پر کارخانہ بازار لائل پور میں قاتلانہ حملہ کیا۔[3]

۲۔ ان کے صدر نے دھوبی گھاٹ کی گراؤنڈ میں نہایت اشتعال انگیز تقریر کی جس میں حضرت امام جماعتِ احمدیہ پر ناپاک حملے اور احمدیوں کے خلاف قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی تلقین کی۔

۳۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مبلغِ جماعتِ احمدیہ لائل پور پر بازار میں حملہ کیا گیا۔

۴۔ مسجد احمدیہ سمندری روزِ روشن میں نذرِ آتش کر دی گئی۔

۵۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں جن میں ایک مخلص احمدی پیر محمد یوسف صاحب بی۔ اے کے خلاف قتل اور حملہ کرنے کی تلقین کی گئی۔

۶۔ اِسی طرح آئے دن لائل پور کے اخبارات میں روز بروز من گھڑت جھوٹے قصے چھاپ کر لوگوں

---

[1] فریقین کا چالان ہوا اور دو سال تک مقدمہ چلتا رہا اور پھر یہ دونوں مقدمے حکومت نے واپس لے لئے۔
[2] الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ [3] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب صفحہ ۲۹۔ ۱۹۵۳ء

کو احمدیوں کے خلاف اُکسایا گیا[1]

الغرض لائل پور اور اس کے مضافات میں فتنہ انگیزی کا باقاعدہ سلسلہ جاری تھا اور اس کی ایک کڑی سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس جلسہ پر حملہ کی صورت میں ظاہر ہوئی جس نے "تحفظ ختم نبوت" سے متعلق احرار کے سب بلند بانگ اور بے بنیاد دعاوی کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

اخبار "بدر" کا دوبارہ اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا پُرمعارف افتتاحی مضمون

ہفتہ وار اخبار "بدر" جو اخبار "الحکم" کی طرح سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی دَور کی تاریخ کا امین و پاسبان اور حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود کا دست و بازو تھا اور ۱۳ ۱۹ء میں بند ہو چکا تھا. ۲۰ ماہِ فتح ۱۳۳۰ ہش / دسمبر ۱۹۵۱ء کو دوبارہ قادیان سے جاری کر دیا گیا۔ بدر کے دَورِ جدید کا پہلا پرچہ نمونے کا تھا جس کے بعد ۷ امان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء میں یہ باقاعدگی سے شائع ہونے لگا۔ شروع میں مولوی برکات احمد صاحب راجیکی اس کے ایڈیٹر اور مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری اس کے نائب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۷ تبلیغ ۱۳۳۳ ہش / فروری ۱۹۵۴ء سے لیکر ۲۸ ظہور ۱۳۳۵ / اگست ۱۹۵۶ء تک ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے اس کی ادارت کے فرائض انجام دئے جس کے بعد ۸ تبوک ۱۳۳۵ ہش / ستمبر ۱۹۵۶ء سے اِس وقت تک[2] مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری اِس کے ایڈیٹر ہیں اور نہایت جانفشانی اور کامیابی سے یہ اپنا فرضِ منصبی بجا لا رہے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے "بدر" کے باقاعدہ اجراء پر حسبِ ذیل افتتاحی مضمون سپردِ قلم فرمایا جو اس کی ۷ امان ۱۳۳۱ ہش کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر شائع کیا گیا:-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

---

[1] الفضل ۲۰ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء ص۲ ٭

[2] یہ سطور ۱۵ ماہِ فتح ۱۳۵۲ ہش (مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۷۳ء) کو لکھی جا رہی ہیں ٭

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو النّــــــــاصر

برادرانِ جماعتِ احمدیہ ہندوستان ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے خاص تصرّف کے ماتحت ہندوستان کی جماعتیں اب پاکستان اور ہندوستان کے نام سے دو حصّوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ سیاسی طور پر تقسیم ہو چکی ہیں بلکہ بین المملکتی اختلافات کی وجہ سے آپس میں میل جول بھی بہت ہی محدود رہ گیا ہے جسکی وجہ سے ہندوستان کی جماعتیں پاکستان میں شائع شدہ لٹریچر سے خواہ وہ موقّت الشیوع ہو یا مستقل ہو بہت حد تک محروم رہ گئی ہیں۔ اِن حالات میں یہ ضروری تھا کہ قادیان سے ایسے لٹریچر شائع کرنے کی تدبیر کی جاتی جو کہ آسانی کے ساتھ ہندوستانی جماعتوں تک پہنچ سکتا۔ چنانچہ اِس بات کے مدِّنظر مَیں نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بار بار ہدایت کی کہ وہ کم سے کم ایک ہفتہ واری اخبار قادیان سے جاری کرنا شروع کریں تاکہ قادیان اور ہندوستان کی دوسری جماعتوں میں اتصال واتحاد پیدا ہو۔ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ بدر کے نام سے ایسے اخبار کے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔ یہ مضمون مَیں اسی اخبار کے لئے بھجوا رہا ہوں۔

سب سے پہلے تو مَیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اِس اخبار کو بہتر سے بہتر کام کرنے کی توفیق بخشے۔ اور اِس اخبار کو چلانے والوں کو ظاہری اور باطنی علوم عطا کرے جن سے وہ قوم اور ملک کی صحیح راہنمائی کر سکیں اور جماعتِ احمدیہ کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اِس اخبار کو خرید کر اخبار کی اشاعت کو وسیع سے وسیع کرتے چلے جائیں اور ملک کے ہر گوشہ میں اسے پھیلا دیں یہاں تک کہ یہ اخبار روزانہ ہو جائے اور وسیع الاشاعت ہو جائے۔ اِس اخبار کا نام بدر رکھا گیا ہے اور یہ نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رؤیا اور کشوف شائع کرنے میں ایک زمانہ میں اِس اخبار کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ مفتی محمد صادق صاحب ہی اِس کے ایڈیٹر تھے اور مفتی محمد صادق صاحب ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرائیویٹ سیکرٹری کا کام کرتے تھے اِس لئے انہیں الہامات کے جلد سے جلد حاصل کرنے کا موقع دوسروں سے زیادہ مل جاتا تھا۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اب ان

الہامات کی تشریح اور تفسیر اور اُن کا مقصد اور مدعا بتانے اور شائع کرنے میں یہ اخبار پیش پیش رہے گا۔

برادران۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ وقت ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کے لئے بڑا نازک ہے اور جماعت کیلئے خصوصاً نازک ہے۔ مگر ہم ایک ایسے خدا کے بندے ہیں اور اس پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں جس کے ایک اشارہ سے دنیا میں پیدا ہوتی اور مٹتی ہیں اور قومیں اُبھرتی اور گرتی ہیں اور حکومتیں قائم ہوتی اور تباہ ہوتی ہیں۔ پس ہمارے حوصلے دوسرے لوگوں کے حوصلوں کی طرح نہیں ہونے چاہئیں۔ جن کا کام خدا نے کرنا ہے اُنہیں ایسے حالات کی طرف نگاہ کرنا جائز ہی نہیں ہوسکتا آپ لوگ خدا کا ہتھیار ہیں۔ آپ لوگ خدا کی تدبیر ہیں۔ آپ لوگ وہ نیا بیج ہیں جو خدا تعالیٰ نے دنیا میں بکھیرا ہے۔ نہ خدا کا ہتھیار کُند ہو سکتا ہے۔ نہ خدا کی تدبیر ضائع ہوسکتی ہے۔ نہ خدا کے پھینکے ہوئے بیجوں کو کیڑا کھا سکتا ہے۔ پس اپنی نظریں آسمان کی طرف رکھو اور زمین کی طرف مت دیکھو۔ یہ نہ دیکھو کہ تمہارے دائیں بائیں کون ہے بلکہ یہ دیکھو کہ تمہارے سر پر کس کا سایہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تمہارے ہاتھوں میں ہے اور فرشتوں کی فوجیں تمہارے پیچھے ہیں۔ سچائی اور حق اور انصاف کو تم نے قائم کرنا ہے۔ نیکی اور تقویٰ کو تم نے دنیا میں پھیلانا ہے۔ آئندہ دنیا کی زندگی اور اُس کی ترقی تمہارے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کائنات کی حرکت تمہارے اشاروں پر تیز یا سُست ہونے والی ہے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ تبلیغ کو وسیع کرو۔ زیادہ سے زیادہ یکجہتی، یکرنگی اور اتحاد پیدا کرو۔ اپنے مرکز کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرو اور ایسا کبھی نہ ہونے دو کہ تمہیں قادیان آنے کی فرصت حاصل ہو اور تم اس سے فائدہ نہ اُٹھاؤ۔

دنیا تم پر ہنس رہی ہے۔ اس لئے کہ تم پارہ پارہ ہو چکے ہو۔ لیکن خدا کے فرشتے آسمان پر تمہارے لئے ہنس رہے ہیں اس لئے کہ تم فاتح، کامیاب اور کامران ہو۔ اندھا جو کچھ بیان کرتا ہے وہ قابلِ اعتبار نہیں نابینا جو کچھ دیکھتا ہے وہ صحیح ہے۔ پس خدا کی باتوں پر یقین رکھو اور لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ ہوگا وہی جو خدا چاہتا ہے خواہ اس امر کے رستہ میں مشکلات کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور تم کو ایسے طریق پر کام کرنے کی توفیق دے کہ خدا کے فضلوں کی بارش تم پر ہو اور ہمیشہ ہوتی رہے۔ آمین [1]

---

[1] ہفت روزہ اخبار بدر قادیان ۷ امان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۳

اخبار "بدر" کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اخبار "بدر" کے ذریعہ ہندوستان بھر میں اسلام و احمدیت کا نور نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے اور قدیم الٰہی نوشتوں کے مطابق وہ دن جلد یا بدیر بہر حال آنے والا ہے جبکہ دوسری تمام دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی اسلامی حکومت کا پرچم پوری شان و شوکت سے لہرانا شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ حکیم الملت حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کشفی قوت اور آسمانی بصیرت کی روشنی میں یہ حیرت انگیز پیشگوئی کی :-

" اِنِ اتَّفَقَ غَلَبَةُ الْهُنُوْدِ مَثَلًا عَلٰى اِقْلِيْمِ هِنْدُوْسْتَان غَلَبَةً مُسْتَقِرَّةً عَامَّةً وَجَبَ فِيْ حِكْمَةِ اللهِ اَنْ يُلْهِمَ رُؤُسَائَهُمُ التَّدَيُّنَ بِدِيْنِ الْاِسْلَامِ كَمَا اَلْهَمَ التُّرْكَ " [1]

یعنی اگر ہندوؤں نے کسی زمانہ میں برِ صغیر ہند پر اپنا قبضہ و تسلط قائم کر کے غلبہ پا لیا تو حکمتِ خداوندی کی رُو سے بھی واجب ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہندوؤں کے لیڈروں کو دینِ اسلام کے قبول کرنے کا الہام کرے جیسا کہ اُس نے ترکوں کو الہام فرمایا تھا (اور وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کی غلامی میں شامل ہو گئے)۔

علاوہ ازیں زمانہ حاضر کے امام موعود مہدی مسعود علیہ السلام نے خدا سے علم پا کر یہ عظیم الشان خبر دی کہ :-

" مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہو گا " [2]

نیز فرماتے ہیں ؎

خوب کُھل جائے گا لوگوں پر کہ دیں کس کا ہے دیں ✧ پاک کر دینے کا تیرتھ کعبہ ہے یا ہردوار

اِن خدائی بشارتوں کی روشنی میں درویشانِ قادیان، جماعتِ احمدیہ ہندوستان اور ان کے واحد مرکزی ترجمان "بدر" کی ملک گیر تبلیغی جدوجہد کا حقیقی مقام بآسانی متعین کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] " التفہیمات الالٰہیہ " جلد اول صفحہ ۲۰۳ (از حجۃ الاسلام الشیخ قطب الدین شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ) طبع مدینہ برقی پریس بجنور۔ یوپی ✧ [2] اشتہار ۱۲ر مارچ ۱۸۹۷ء ✧

فصل پنجم

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی علم و معرفت سے لبریز تقاریر

سالانہ جلسہ ربوہ ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء کی مقدس تقریب پر

سالانہ جلسہ ربوہ ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء کا انعقاد

جماعتِ احمدیہ کا سالانہ جلسہ ربوہ حسبِ معمول اِس سال بھی ۲۶ تا ۲۸ ماہِ فتح/دسمبر کو اپنی مخصوص دینی روایات اور خالص اسلامی اور روحانی ماحول میں منعقد ہوا۔ ہزار ہا پاکستانی احمدیوں کے علاوہ امریکہ، انگلستان، ترکی، جرمنی، فرانس، سوڈان، حبشہ، چین، چینی ترکستان اور انڈونیشیا وغیرہ ممالک کے بعض احمدی بھی اِس بابرکت اجتماع میں تشریف لائے۔[1]

علاوہ ازیں پاکستان کے بعض ممتاز صحافیوں نے بھی شرکت کی اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی پُرجذب و کشش شخصیت، جماعتِ احمدیہ کی وحدت و تنظیم اور جذبہ ایثار و عمل سے غایت درجہ متاثر ہوئے جیساکہ ضمیمہ سے منسلک ایک پُرانی یادداشت سے بھی پتہ چلتا ہے جو الفضل کے موجودہ ایڈیٹر مسعود احمد خاں صاحب دہلوی کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔ آپ اُن دنوں اخبار الفضل کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے دوسرے صحافیوں کے ساتھ شاملِ جلسہ ہوئے تھے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اِس تقریب پر اپنے مستقل دستور کے مطابق مردانہ جلسہ گاہ سے تین بار خطاب[2] فرمایا اور آپ کی علم و عرفان سے لبریز تقریروں نے مومنوں کے دل و دماغ کو قرآنی انوار

---

[1] الفضل یکم صلح ۱۳۳۱ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ [2] قبل ازیں حضور جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدی خواتین میں الگ بھی تقریر فرمایا کرتے تھے لیکن اِس دفعہ خود عورتوں نے اپنے اس حق کو چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا البتہ یہ خواہش کی کہ حضور مردانہ جلسہ گاہ میں ہی عورتوں سے بھی کچھ خطاب فرما دیں چنانچہ حضور نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور لجنات کو تبلیغ، چندہ دفتر لجنہ اور چندہ مسجد ہالینڈ کی طرف توجہ دلائی۔ (الفضل ۲ صلح ۱۳۳۱ہش صفحہ ۳)

جلسہ سالانہ ربوہ ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء کے روح پرور نظارے

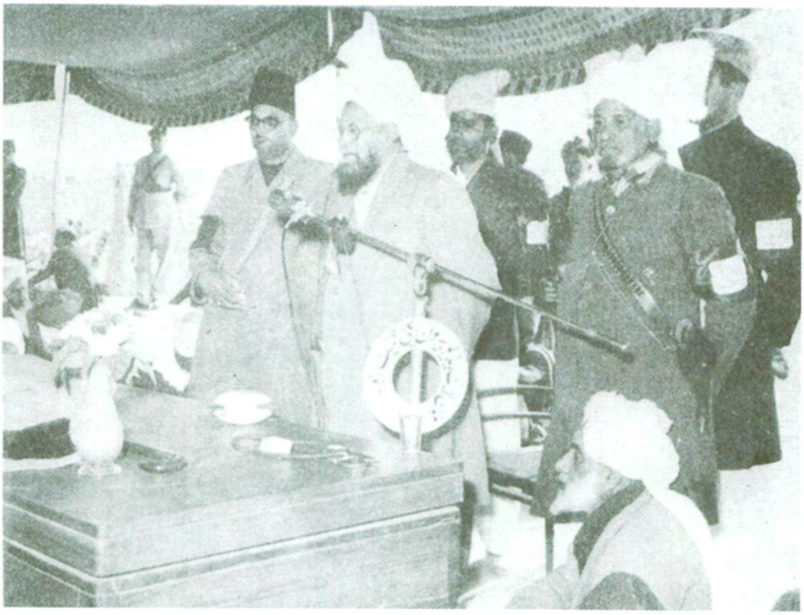

سے منور کیا اور جماعتِ احمدیہ کے افراد میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت و شیفتگی کی نئی شمعیں روشن کر دیں۔

مخالفت کو انعام سمجھنے اور سالانہ جلسہ کے ایّام کو شکر گذاروں کی طرح بسر کرنے کی تلقین

حضرت امیرالمومنین نے اپنی افتتاحی تقریر میں ارشاد فرمایا:-

"درحقیقت سب سے محفوظ مقام، سب سے عزّت والا مقام، سب سے مزے والا مقام اِس وقت اگر دنیا میں کسی کو حاصل ہے تو وہ آپ لوگوں کو ہی حاصل ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ، دنیا کے بڑے سے بڑے حاکم، دنیا کے بڑے سے بڑے حکمران، دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر انسانی امداد پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُن کی تکلیفوں کے وقت کچھ انسان آگے آتے ہیں مگر تمہاری تکلیفوں کے وقت خدائے واحد خود آسمان سے اُتر آتا ہے۔ پس یہ ایام بہترین ایّام ہیں جو کسی قوم اور کسی فرد کو کبھی حاصل ہوئے ہوں۔ یہی وہ انعام ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جماعت کو حاصل ہوا۔ یہی وہ انعام ہے جو حضرت عیسٰیؑ کی جماعت کو حاصل ہوا یہی وہ انعام ہے جو حضرت موسٰیؑ کی جماعت کو حاصل ہوا۔ اور یہی وہ انعام ہے جس کے لئے خدا نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ[۱] پس یہ چیز جو کہ بہترین انعاموں میں سے ہے اور وہ خلعت جو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کے خاص لوگوں کو پہنایا جاتا ہے وہ آج آپ لوگوں کو پہنایا گیا ہے اور درحقیقت ہم اِس لئے بھی یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ اپنے رب کے حضور میں اپنا اظہارِ شکریہ کریں اور اس کی خدمت میں عرض کریں کہ ہم اس انعام کی قدر کرتے ہیں جو آپ کی طرف سے ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ پس اپنے اِن ایام کو شکر گذاروں اور قدر دانوں کے ایّام کی طرح گذارو۔ لغو باتوں، فضول باتوں اور بیکار باتوں میں اپنے اوقات صرف مت کرو۔"[۲]

تغیّراتِ عالم اور جماعتِ احمدیہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دوسرے روز کی پُر معارف تقریر میں جو کم و بیش پونے چار گھنٹے تک جاری رہی جماعتِ احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی تربیتی اور مالی سرگرمیوں پر مفصّل تبصرہ کرنے اور اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا کہ:-

---

۱؎ الفاتحہ: ۶-۷ ۔ ۲؎ الفضل یکم صلح ۱۳۳۱ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴

"اِس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے تبلیغی مشنوں میں اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجہ میں ہماری تبلیغ میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور جماعت نے ترقی کی ہے جس مقام پر ہم آج ہیں یقیناً گذشتہ سال وہ مقام ہمیں حاصل نہ تھا اور جس قسم کے تغیرات اِس وقت رونما ہو رہے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جس مقام پر ہم آج ہیں آئندہ سال انشاء اللہ ہم اِس سے یقیناً آگے ہوں گے۔ یہ تغیرات نہ تمہارے اختیارات میں ہیں نہ میرے یہ خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ پس انسانی تدابیر کو نہ دیکھو بلکہ خدائی تقدیر کی انگلی کو دیکھو جو یہ بتا رہی ہے کہ حالات خواہ اچھے ہوں یا بُرے احمدیت کی گاڑی بہرحال چلتی چلی جائے گی۔ انشاء اللہ" [1]

عالَمِ اسلام کے مسائل پر تبصرہ اور دعائے خاص کی تحریک

حضور نے عالَمِ اسلام کے مختلف اہم مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"اِس سال ہمارے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی کافی مشکلات رہی ہیں۔ مثلاً کشمیر کا مسئلہ ہے جو حل ہونے میں ہی نہیں آتا۔ میرے نزدیک اِس مسئلہ کو یوں غیر معیّن عرصہ کے لئے ملتوی کرنا قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ ایک لمبے عرصہ تک باشندگانِ کشمیر کو ایک غیر ملکی حکومت کے ماتحت رہنے دینا اور پھر یہ امید کرنا کہ وہ ہمیں ووٹ دیں گے کوئی ایسی تشفی کی بات نہیں ہے۔ پھر ہمارے ملک میں اِسی سال نواب زادہ لیاقت علی صاحب کا قتل بھی ایک افسوسناک واقعہ ہے جو نتیجہ ہے مولویوں کے اِس پراپیگنڈا کا کہ جس سے اختلافِ رائے ہو بے شک اسے قتل کر دیا کرو۔ مسئلہ فلسطین بھی کشمیر کے مسئلہ سے کم اہم نہیں ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور وہاں لاکھوں مہاجرین کو آباد کرنے کا سوال درپیش ہے۔ پاکستان کو یہ سہولت تھی کہ یہ ایک وسیع ملک ہے جہاں مہاجرین کافی تعداد میں بسائے جاسکتے تھے لیکن وہاں یہ حالت نہیں ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری کے سوال کے علاوہ اِس مسئلہ کا ایک نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دشمنِ اسلام کو بسا دیا گیا ہے۔ میں نے تو ابتداء میں ہی اِس خدشہ کا اظہار کیا تھا لیکن اب تو یہودی علانیہ اپنی کتابوں میں مدینہ منورہ اور مکّہ معظمہ پر قابض ہونے کے ناپاک عزائم کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ علاوہ ازیں ایران میں تیل کا مسئلہ، مصر کا برطانیہ سے تنازعہ، سوڈان کی بے چینی اور شام کے فسادات یہ سب ایسے اُمور ہیں

[1] الفضل ۲ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳؂

جو مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہیں۔ ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اس لئے ان مشکلات کے ازالہ کے لئے عملاً زیادہ حصہ نہیں لے سکتے لیکن کم از کم دعا کا ہتھیار تو ہمارے پاس ہے پس آؤ ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ان مشکلات کو اپنے خاص فضل سے دُور کرے اور نقصان کی بجائے ان مشکلات کو اسلام کی ترقی کا ذریعہ بنائے۔" [1]

عقیدہ احمدیت کی فاتحانہ شان

اس جلسہ سے کچھ عرصہ پیشتر مخالفِ احمدیت اخبار نے حکومتِ پاکستان کو امام جماعتِ احمدیہ کے خلاف کارروائی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایسے اخبار نویسوں کو مخاطب کرتے ہوئے جلال انگیز الفاظ میں کہا:۔

"تمہارے کہنے پر حکومت بے شک مجھے پکڑ سکتی ہے قید کر سکتی ہے مار سکتی ہے لیکن میرے عقیدہ کو وہ دبا نہیں سکتی اس لئے کہ میرا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ ہے اور وہ یقیناً ایک دن جیتے گا تب ایسا تکبر کرنیوالے لوگ پشیمان ہونے کی حالت میں آئیں گے"

لیکن ساتھ ہی فرمایا:۔

"خواہ اُس وقت مَیں ہوں یا میرا قائم مقام تم سے بھی بہر حال یوسف والا سلوک ہی کیا جائے گا۔" [2]

حضرت مصلح موعودؓ نے عقیدہ احمدیت کی اس فاتحانہ شان کی ایک دوسرے موقع پر مزید تشریح بھی کی اور فرمایا کہ احمدیت صداقت اور سچائی پھیلانے آئی ہے* اس لئے ایک وقت آنے والا ہے کہ ۹۹ فیصدی لوگ اس میں داخل ہوجائیں گے اور اس وقت باقی لوگ یہ خیال کریں گے کہ شاید اب احمدی ان کے خلاف فتویٰ دیں گے لیکن ... جب خدا تعالیٰ ہمیں اکثریت عطا کرے گا تو ہم باقی لوگوں سے کہیں گے کہ جو باتیں تم نے پہلے کی ہیں ہم وہ بھی معاف کرتے ہیں اور آئندہ بھی تم اپنا اختلاف ہم سے ظاہر کر سکتے ہو۔"

"کبھی تم نے کوئی ایسی صداقت بھی دیکھی ہے یا دنیا میں کوئی ایسی سچائی بھی آئی ہے جس نے یہ اعلان کیا ہو کہ وہ گھٹے گی بڑھے گی نہیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ وہ بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں تو کیا وہ اس وقت فساد کرتے تھے اور سرزنش کے قابل تھے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں۔ اور جب وہ کہا کرتے تھے ہم بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں تو کیا وہ فساد کرتے تھے یا شرارت کرتے تھے

* اور چونکہ احمدیت سچائی اور صداقت پھیلانے آئی ہے۔

---

[1] الفضل ۲۰ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ ؛ [2] الفضل ۳ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲-۳

اور کیا وہ قابلِ مواخذہ تھے۔ پھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بات کہی کہ ہم بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں۔ اور جب آپؐ نے یہ بات کہی کہ ہم بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں تو کیا آپؐ فتنہ پھیلا رہے تھے۔ یہ بات تو عقل کے ہی خلاف ہے۔ جو صداقت بھی دنیا میں آئے گی وہ یہی کہے گی کہ ہم نے بڑھنا ہے۔ سچائی کی علامت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ بڑھے۔ کیا کسی کا کسی عقیدہ کو صحیح سمجھ کر مان لینا فتنہ ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر ہم انگلینڈ میں جا کر کہیں کہ ہم یہاں اتنی تبلیغ کریں گے کہ بادشاہ بھی احمدی ہو جائے گا تو یہ فتنہ نہیں ہوگا۔ یہ فساد نہیں ہوگا۔ وہ اتنا ہی کر سکتا ہے کہ کہہ دے کہ مَیں احمدی نہیں ہوتا ہم کہیں گے اچھا تم احمدی نہ ہوئے تو تمہاری اولاد احمدی ہو جائے گی۔ یہ صداقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کجا یہ کہ اسے فتنہ کہا جائے۔ جب ہم سمجھتے ہیں کہ احمدیت سچی ہے تو ہم یہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ نوے فیصدی تو کیا اس سے بھی زیادہ لوگ اِس میں داخل ہوں گے۔" [1]

تحریکِ احمدیت کے دس بنیادی اصول اور اُن کی برتری

عقیدہ احمدیت کیوں جیتنے والا ہے؟ اس کی تشریح و توضیح میں حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی اس تقریر کے دوران نہایت لطیف پیرایہ میں بتایا کہ عقیدہ وہی درست ہو سکتا ہے جس کی تائید عقل و نقل اور جذباتِ صحیحہ سے ہوتی ہے اور احمدیت کا ہر عقیدہ اس معیار پر پورا اُترتا ہے۔ اِس سلسلہ میں حضور نے بطور نمونہ احمدیت کے مندرجہ ذیل دس اصول کا ذکر فرمایا:۔

۱۔ تمام انسان جو اَب تک پیدا ہوئے اپنا کام ختم کر کے فوت ہو چکے ہیں۔ خواہ وہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے، خواہ روحانی بزرگ ہوں یا مادی۔

۲۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں خاتم النبیین تھے کہ تمام سابقہ نبیوں کی نبوت آپ کی تصدیق کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور آئندہ آنے والے مامورین بھی آپ کی مُہر سے ہی کسی درجہ کو پہنچ سکتے ہیں محض آخری ہونا کوئی فخر کی بات نہیں۔

۳۔ اسلام کا روحانی غلبہ تمام دنیا پر ہوگا۔

۴۔ الہامِ الٰہی کا دروازہ قیامت تک کھُلا ہے۔

۵۔ قرآن کریم ایک زندہ، ناقابلِ منسوخ اور ایک غیر محدود مطالب والی کتاب ہے۔

---

[1] الفضل ۱۳ تبلیغ ۱۳۳۱ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴

۶ ۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی قدرتوں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔

۷ ۔ مذہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔

۸ ۔ قانونِ شریعت اور قانونِ قدرت کا متشارک اور متشابہ ہونا ضروری ہے۔

۹ ۔ اسلام کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں اور اسی وجہ سے قرآن کریم کے مطالب میں ترتیب پائی جاتی ہے۔

۱۰ ۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ ایسے آدمی پیدا کرتا ہے جو تزکیہ نفس کریں۔

اس کے بعد حضور پُر نور نے اِن دس اصولوں میں سے ایک ایک کو لیا اور آفتاب عالمتاب کی طرح ثابت کر دکھایا کہ تحریکِ احمدیت کا ہر نظریہ، ہر اصول اور ہر عقیدہ عقل و نقل اور جذباتِ صحیحہ کے عین مطابق ہے اس لئے یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ عقائدِ احمدیت ہی دوبارہ دنیا میں قائم ہوں گے۔ [1]

اِسلام کے رُوحانی غلبہ کا شاندار تصور

مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُنیا کے سامنے یہ اصول پیش فرمایا کہ اسلام کا روحانی غلبہ تمام دنیا میں ہو گا حضرت مصلح موعودؓ نے نہایت اثر انگیز طریق اور ایک جدید اور سائنٹفک طرز سے اس اصول کی حقانیت بیان کی اور احمدیت کے نقطہ نگاہ سے اسلام کے روحانی غلبہ کا شاندار تصور پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

" یہ اصل بھی نہایت اہم ہے اور مسلمان بغیر اس مطمح نظر کے دنیا میں کبھی بھی حقیقی سربلندی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان پہلے تو اس اصل کو کسی نہ کسی شکل میں تسلیم کرتا تھا مگر اب ہماری مخالفت میں اُس نے اِس اصل کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ پہلے کہتا تھا کہ مسیح اور مہدی دنیا میں آئیں گے تو سب کفار کو مسلمان بنا لیں گے اور گو وہ کہتا یہی تھا کہ تلوار کے زور سے مسلمان بنائیں گے مگر یہ سیدھی بات ہے کہ جب مسیح اور مہدی نے آنا تھا تو کچھ نہ کچھ اس کے ذریعہ روحانیت نے بھی غلبہ پانا تھا مگر اب جوں جوں ہماری تبلیغ وسیع ہوتی جا رہی ہے اور جوں جوں وہ مسیح اور مہدی کی آمد سے مایوس ہوتا جا رہا ہے تعلیم یافتہ طبقہ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی مثیلِ مسیح اور مہدی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ گویا تھوڑا بہت جو وہ سچائی کے قریب

---

[1] تقریر دلپذیر کا یہ حصہ الفضل ۲۱ / امان ۱۳۴۱ ہش میں پہلی بار چھپا جس کے بعد خواجہ محمد شریف صاحب سیکرٹری اصلاح و ارشاد (حال پریذیڈنٹ) جماعت احمدیہ حلقہ دہلی دروازہ لاہور نے اسے کتابی شکل میں بھی "چشمہ ہدایت" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔

تھے وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب دنیا میں صرف ہماری ہی جماعت ہے جو اِس مسئلہ کو پیش کرتی ہے کہ اسلام روحانی طور پر ساری دنیا پر غالب آئے گا۔ مسلمان اِس بات کو رد کرتا ہے اور وہ کہتا ہے ہمیں اِس روحانی غلبہ کی ضرورت نہیں ہم چاہتے ہیں کہ سیاسی طور پہ ایران آزاد ہو جائے۔ شام آزاد ہو جائے۔ فلسطین آزاد ہو جائے لبنان آزاد ہو جائے۔ سعودی عرب آزاد ہو جائے۔ مصر سے انگریزی فوجیں نکل جائیں۔ پاکستان کی حکومت مضبوط ہو جائے۔ سوڈان کو آزادی حاصل ہو جائے۔ اگر یہ ممالک سیاسی رنگ میں مکمل آزادی حاصل کرلیں تو مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گئے مگر میں پوچھتا ہوں اگر یہ ساری باتیں ہم کو حاصل ہو جائیں۔ اگر پاکستان ایک مضبوط اسلامی ملک بن جائے اور تھوڑی بہت اس کی طاقت میں جو کمی ہے وہ دُور ہو جائے، اگر ایران کے تیل کے چشموں کا سوال حل ہو جائے اور پھر اس کی مالی حیثیت بھی اتنی مضبوط ہو جائے کہ اس کا خزانہ ہر قسم کا مالی بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائے۔ اگر سعودی عرب بھی آزاد ہو جائے اور اس کے تیل کے چشمے اُسی کے قبضہ میں آجائیں اور وہ موجودہ آمد سے دس بیس گنا آمد اسے دینے لگیں۔ اگر مصر میں سے بھی انگریزی فوجیں نکل جائیں۔ اگر شام کے جھگڑے بھی ختم ہو جائیں اور آئے دن جو وہاں قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور کبھی کوئی کمانڈر انچیف مارا جاتا ہے اور کبھی کوئی وزیر یہ سب باتیں ختم ہو جائیں۔ اگر پاکستان میں اندرونی طور پر جو جھگڑے پائے جاتے ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں اور دشمنوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جاتی رہیں تب بھی تم غور کر کے دیکھ لو کہ اِس موجودہ دنیا کے نقشہ پر روس اور امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیا اِن ممالک کی آزادی اور ان کی طاقت ہمارے لئے کوئی بھی فخر کی چیز ہو گی۔ یہ ساری حکومتیں آزاد بھی ہو جائیں تو دنیا کی پالیٹکس میں ان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ روس اور امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کے مقابلہ میں ان کا کیا درجہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک بادشاہ کے گھر کے پاس کسی غریب آدمی کا مکان ہو اور فرض کرو کہ اس کے پاس کسی وقت لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی آجائے تب بھی بادشاہ کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جس دن اس کا روپیہ ختم ہو جائے گا اسی دن اس کی ساری حیثیت جاتی رہے گی اور وہ پھر دنیا میں ایک بے حقیقت چیز بن کر رہ جائے گا۔ پس سوال یہ ہے کہ اگر وہ سب کچھ ہو جائے جو مسلمان چاہتے ہیں تب بھی دنیا میں مسلمان کی کیا حیثیت ہو گی کیا اس کا پھیلاؤ کیا اس کا روپیہ۔ کیا اس کی فوج۔ کیا اس کی تعداد اور کیا اس کی طاقت اس قابل سمجھی جا سکتی ہے کہ دنیا کی پالیٹکس پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا کر سکے اگر نہیں تو بتاؤ اس مطمح نظر سے اسلام کو کیا فائدہ۔ اور

مسلمان نوجوانوں کے اندر اس مطمح نظر سے وہ کونسا انقلاب پیدا ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان کا دل اُچھلنے لگے کہ مَیں بھی اس مطمح نظر کے حصول کے لئے کچھ کوشش کروں شاید کہ میرا نام بھی تاریخ میں محفوظ ہو جائے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو پولیٹکل دنیا میں ایک تیسرے درجہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور تیسرے درجہ کی حیثیت کوئی ایسی چیز نہیں جو انتہائی مقصود قرار دیا جا سکے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ممالک کی آزادی ضروری چیز ہے۔ کون چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ غلام بنا رہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مطمح نظر ایسا ہو سکتا ہے جس سے مسلمان نوجوانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگے اور کیا اس کے ذریعہ سے اسلام کو کوئی اہم پوزیشن دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے۔

پس سوال یہ نہیں کہ اسلامی ممالک کی آزادی اچھی چیز ہے یا نہیں سوال یہ ہے کہ اگر وہ آزادی انکو حاصل ہو جائے تو پھر ہم کیا بن جاتے ہیں۔ ایک غریب آدمی جس کے گھر میں آٹا بھی نہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ اسے آٹا نہ ملے مگر آٹا مل جانے سے کیا اس کی دنیا میں کوئی پوزیشن قائم ہو سکتی ہے۔ اگر سیر بھر آٹے کا اس کے لئے انتظام بھی ہو جائے تب بھی وہ جن کے پاس کئی کئی کروڑ روپیہ ہے ان کے مقابلہ میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔ پس ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان حکومتوں کو آزادی حاصل نہ ہو۔۔۔ ہم چاہتے ہیں مسلمان ممالک آزاد ہوں، ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان حکومتیں طاقتور ہوں لیکن جو سوال ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ اس آزادی کے بعد دنیا میں ہماری پوزیشن کیا بنتی ہے۔ مسلمان اِس بات کا مدعی ہے کہ وہ ساٹھ کروڑ ہے عیسائیوں نے جو تازہ جغرافیہ لکھا ہے اس میں انہوں نے مسلمانوں کی تعداد اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ مانی ہے لیکن دنیا کی آبادی دو ارب چالیس کروڑ ہے۔ دو ارب چالیس کروڑ میں اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ تمام آبادی کا چوتھا حصہ بنتے ہیں۔ گویا اگر سارے مسلمان آزاد ہو جائیں۔ اگر ہر اسلامی ملک میں اتنی ہی دولت ہو جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے، اتنا ہی اسلحہ ہو جتنا امریکہ میں پایا جاتا ہے، اتنی ہی تجارت ہو جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ پھر بھی روپیہ میں سے چوّنی انہیں حاصل ہو گی۔

اب تم خود ہی بتاؤ کہ بارہ آنے بڑے ہوتے ہیں یا چوّنی بڑی ہوتی ہے۔ چوّنی بہر حال چھوٹی ہوتی ہے اور بارہ آنے بڑے ہوتے ہیں۔ وہ ہندو جس کو ہمارے آدمی تحقیر کے طور پر کاڑ کماڑ کہا کرتے تھے وہ بھی آزادی کے بعد بتیس کروڑ آبادی کا مالک بن چکا ہے۔ پھر چین کو دیکھ لو۔ اس کی آبادی اور رقبہ کو لے لو اس کی آبادی پچاس کروڑ ہے۔ اگر مسلمان اڑتالیس کروڑ ہی ہوں تو خالی چین کے لوگوں کی تعداد مسلمانوں

سے زیادہ ہے پس سوال یہ ہے کہ اگر ایسا بھی ہو جائے تو یہ کونسا مقصد ہے جو ہر مسلمان کے سامنے رہنا چاہیئے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ اگر کوئی آدمی مر رہا ہو تو ہماری خواہش ہوگی کہ خدا کرے وہ بچ جائے لیکن کیا جو شخص مرنے سے بچ جائے وہ بادشاہ ہو جایا کرتا ہے یا کوئی بڑا عالم ہو جایا کرتا ہے مسلمانوں کی آزادی کے لئے جدّوجہد کے معنے صرف اتنے ہیں کہ مسلم باڈی پالیٹکس میں مرض پیدا ہو چکا ہے اور وہ اس مرض کو دُور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہوگی کہ وہ مرض دُور ہو جائے بلکہ ہماری دعا ہوگی کہ وہ مرض دُور ہو جائے۔ لیکن اگر یہ مرض دُور ہو جائے تب بھی دنیا کی قوموں میں بیٹھتے وقت ایک مسلمان کی کیا پوزیشن ہوگی؟ اگر ایران بھی آزاد ہو جائے۔ اگر مصر کے مسائل بھی حل ہو جائیں۔ اگر فلسطین اور شام اور لبنان بھی آزاد ہو جائیں۔ اگر سوڈان بھی آزاد ہو جائے۔ اگر تمام اسلامی ممالک کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ان کی طاقت بڑھ جائے۔ ان کا روپیہ زیادہ ہو جائے۔ ان کی عظمت ترقی کر جائے۔ تمام دولت ان کے ہاتھ میں آجائے۔ تمام تجارت جو اِس وقت امریکہ کے پاس ہے اس پر ان کا قبضہ ہو جائے پھر بھی بارہ آنے کے مقابلہ میں وہ چار آنے کے مالک رہتے ہیں۔ اور جب ان کی حالت یہ ہوگی کہ چونّی ان کے پاس ہوگی اور بارہ آنے غیر کے پاس ہوں گے تو اسلام کس طرح غالب آیا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس طرح قائم ہوئی۔ غرض جو شخص بھی اِس مسئلہ پر اس رنگ میں غور کرے گا اور عقل سے کام لے گا وہ بعثتِ محمدیہ کی یہ غرض قرار دینا کہ سیاسی لحاظ سے ایران آزاد ہو جائے، مصر آزاد ہو جائے۔ شام اور فلسطین آزاد ہو جائیں۔ لبنان آزاد ہو جائے۔ سوڈان آزاد ہو جائے۔ پاکستان مضبوط ہو جائے اپنی انتہائی پست خیالی تصوّر کرے گا۔ وہ شرمائے گا کہ مَیں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور کونسا مقصد ہے جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طرف منسوب کر رہا ہوں۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اِس لئے آئے تھے کہ یہ چھوٹے چھوٹے علاقے آزاد ہو جائیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس لئے آئے تھے کہ مسلمان دنیا میں ایک چونّی کی حیثیت حاصل کر لیں۔

مَیں تو سمجھتا ہوں اگر میرے واہمہ اور خیال میں بھی ایسا نظریہ آئے تو میرا ہارٹ فیل ہو جائے کہ مَیں کتنا پست نظریہ اُس عظیم الشان اور مقدّس انسان کی بعثت کے متعلق رکھ رہا ہوں جسے خدا نے اوّلین و آخرین کا سردار بنایا۔ مَیں تو سمجھوں گا میرے جیسا جھوٹا انسان دنیا میں اور کوئی نہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی طرف اتنا چھوٹا، اتنا معمولی اور اتنا ادنیٰ درجہ کا خیال منسوب

کر رہا ہوں کہ اتنا بڑا رسول اِس لئے آیا تھا کہ ایران کے تیل کے چشمے آزاد ہو جائیں۔ اِس لئے آیا تھا کہ مصر آزاد ہو جائے۔ اِس لئے آیا تھا کہ فلسطین اور شام اور لبنان کے جھگڑے دُور ہو جائیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ مخالف یہ کہیں گے کہ دیکھا ہم نہیں کہتے تھے یہ لوگ مسلمانوں کے دشمن ہیں انہیں اسلامی ممالک کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں لیکن مَیں ان کے اعتراضات کی پرواہ نہیں کرتا مَیں جانتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی شان کیا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اس عظمت اور شان کے مقابلہ میں اس ادنیٰ ترین مقصد پر آکر ٹھہر جانا قطعی طور پر اپنی نابینائی کا اظہار کرنا ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت ایران کے تیل کے چشموں کے آزاد ہونے سے قائم ہوتی ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت مصر سے انگریزی فوجوں کے نکل جانے سے قائم ہوتی ہے تو پھر جب انگریزوں نے ایک ایک ملک سے مسلمانوں کو کان پکڑ کر نکال دیا تھا تو تمہیں کہنا چاہیئے تھا کہ عیسیٰؑ کی عظمت ظاہر ہو گئی بلکہ عیسائیت کی موجودہ طاقت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے تمہیں اب بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ عیسائیت اسلام پر بازی لے گئی لیکن ہر با شعور انسان جو حقیقت کو جانتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ ملکوں کی آزادی بالکل اَور چیز ہے اور مذہب کا غلبہ ایک دوسری چیز ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر یہ اصول پیش فرمایا کہ تمہارا مطمحِ نظر نہایت ادنیٰ ہے تمہیں اپنے افکار کو بلند کرنا چاہیئے۔ تمہیں سمجھنا چاہیئے کہ تمہارا کیا منصب ہے اور کونسا کام ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ بے شک سیاست کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کی اصلاح ضروری ہے۔ بے شک دولت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو ترقی کی ضرورت ہے۔ بے شک تمدّن کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ اسلام کو روحانی طور پر دنیا میں غالب کیا جائے۔ اب اس کی تشریح کرو تو اس عظیم الشان مقصد کے یہ معنے بن جاتے ہیں کہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دلائل اتنی طاقت پکڑ جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتے وقت وہ کنّی کترانے لگیں۔ آج یورپ میں جو بھی لٹریچر شائع ہوتا ہے اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اسلام میں فلاں نقص ہے اور اسلام میں فلاں خرابی ہے، لیکن کل اسلام کو ایسا غلبہ حاصل ہو کہ یورپ کے رہنے والے اپنی کتابوں میں یہ لکھیں کہ اسلام میں فلاں بات بہت اعلیٰ ہے مگر عیسائیت بھی اس سے بالکل خالی نہیں مسیح کی فلاں فلاں بات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی دنیا کے سامنے یہی بات پیش کی تھی۔ آج کا یورپ زدہ مسلمان یورپ کی ڈیماکریسی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن سے بھی کچھ کچھ ایسے ہی اصول ثابت ہوتے ہیں اور یہ خوبی ہمارے اندر

بھی پائی جاتی ہے یہ اپالوجی (APOLOGY) ہے جو آج کا مسلمان پیش کر رہا ہے اور یہ اسلام کے لئے فخر کا دن نہیں۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہوگا جب یورپ اور امریکہ میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اسلامی پردہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں اِس کی کچھ کچھ انجیل سے بھی تائید ہوتی ہے اور ہمارے مسیح نے بھی جو فلاں بات کہی ہے اس سے یہی ثابت ہوتاہے کہ اِس قسم کا پردہ ہونا چاہیئے۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہوگا جب یورپ اور امریکہ کا عیسائی اپنی تقریروں میں یہ کہے گا کہ کثرتِ ازدواج کا مسئلہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں بے شک یہ بڑا اچھا مسئلہ ہے اور عیسائیوں نے کسی زمانہ میں اس کے خلاف بھی کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پوری طرح غور نہیں کیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ عیسائیت کے وہ بزرگ جو پہلی صدی میں گذرے ہیں انہوں نے بھی دو دو تین تین شادیاں کی ہیں، پس کثرت ازدواج کی خوبی صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ عیسائیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس دن یورپ اور امریکہ کے گرجوں میں کھڑے ہو کر ایک پادری اپنے مذہب کی اِس رنگ میں خوبیاں بیان کریگا وہ دن ہوگا جب ہم کہیں گے کہ آج اسلام دنیا پر غالب آگیا اب ہمیں اپالوجی (APOLOGY) کی ضرورت نہیں، اب دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوبیاں ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ہوگا اسلام کا غلبہ اور یہ ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا دن۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا وہ دن ہوگا جب دو ارب چالیس کروڑ کی دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان نہیں ہوگا بلکہ دو ارب مسلمان ہوگا اور چالیس کروڑ غیر مذاہب کا پیرو ہوگا۔ مگر یہ نظریہ کس نے پیش کیا یہ صرف حضرت مرزا صاحبؑ نے پیش کیا اور یہی وہ چیز ہے جس پر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور کہا گیا کہ اسلام کے غلبہ کا یہ کونسا طریق ہے۔ اسلام تو اس طرح غالب آسکتا ہے کہ تلوار ہاتھ میں لی جائے اور کفار کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ مگر غور کر کے دیکھ لو کہ کونسا نظریہ ہے جو اسلام کی عظمت کو قائم کرنے والا ہے اور کون سا مطمح نظر ہے جس پر ایک سچا مسلمان تسلی پا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ مطمح نظر پیش کیا ہے کہ اسلام کو روحانی غلبہ سب دنیا پر حاصل ہوگا اور روحانی غلبہ کے معنے یہ ہیں کہ دنیا کے سیاسی اور اخلاقی اور مذہبی معیاروں کو بدل دیا جائے گا۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ یورپ میں تہذیب کی فلاں فلاں بات کی وہ تائید کرتا ہے یا وہ ڈیماکرسی جو آج یورپ پیش کرتا ہے بڑی اچھی چیز ہے مگر اسلام نے بھی اس ڈیماکرسی کی تائید کی ہے یہ طریق جو آج مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے یہ ہرگز اسلام کے لئے کسی عزت کی بات نہیں۔ ہم تو اس دن کے منتظر ہیں جب امریکہ کے منبروں پر

کھڑے ہوکر عیسائی پادری یہ کہا کریں گے کہ وہ اسلامی حریت اور آزادی جس کو قرآن پیش کرتا ہے ہماری قوم بھی اس سے بالکل خالی نہیں اور ہم اس کی تائید میں اپنی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں یا وہ اخلاقی، مذہبی اور سیاسی معیار جو اسلام پیش کرتا ہے اسی سے ملتے جلتے معیار ہماری کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

غرض آج کل کا مسلمان آزادی کا تو دعویٰ کرتا ہے مگر ذہنی غلامی اختیار کرتے ہوئے وہ چاہتا ہے کہ وہ بھی مغربی تہذیب کے اچھے نقالوں میں سے بن جائے اور انہی کے نام پر اُن کی نقل کرنے میں عزت محسوس کرتا ہے اور اگر وہ آزادی ظاہر کرتا ہے تو صرف اتنی کہ کسی میں مغربی تہذیب کا نقال بننا چاہتا ہے اور کسی میں کمیونسٹ نظریہ کا نقال بننا چاہتا ہے۔ اور نقل خواہ دس متفرق آدمیوں کی کی جائے بہرحال نقل ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے سامنے یہ مطمح نظر رکھا کہ کسی دن یورپ بھی میرا نقال ہوگا اور امریکہ بھی میرا نقال ہوگا۔ اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بات کہی کہ دنیا کا سیاسی اور اخلاقی اور مذہبی نقطۂ نظر بدل کر ان کو مسلمان بنا لینا اور پھر اسلام کے مطابق ان کے اعمال کو ڈھال دینا یہ مطمح نظر ہے جو تمہیں اپنے سامنے رکھنا چاہیئے اس کا قرآن کریم سے بھی ثبوت ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (پ ۲۸ سورہ صف ع ۹) خدا ہی ہے جس نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا ہے ہدایت دے کر اور دینِ حق دے کر۔ تلوار دے کر اور ڈنڈا دے کر نہیں۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ وہ سارے دینوں پر اُسے غالب کرے سارے ملکوں پر نہیں کیونکہ ملکوں پر قبضہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں بڑی بات یہی ہے کہ دلوں پر قبضہ ہو۔ اب دیکھو اس آیت میں وہی چیز بیان کی گئی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ مقصد نہیں کہ ایران کے تیل کے چشمے آزاد ہو جائیں مصر سے انگریزی فوجیں نکل جائیں، شام اور فلسطین آزاد ہو جائیں۔ یہ باتیں ہوں گی اور ضرور ہوں گی مگر بہرحال یہ ابتدائی چیزیں ہیں مسلمان اِس کے لئے جد وجہد کر رہا ہے اور وہ ایک دن اپنی غلامی کا جامہ چاک چاک کر کے پھینک دے گا لیکن یہ آزادی اس کا مقصد نہیں۔ جب کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا ناک بھی پونچھتا ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بچہ پیدا ہو تو میں اس کا

تاک پوچھا کروں گا۔ مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ وہ بڑا عالم فاضل ہے عقل بھی یہی کہتی ہے کہ چند ریاستوں پر کسی کا قبضہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ دلوں کو بدل دینا اور ان کو فتح کر لینا یہ بڑی بات ہے۔

فرض کرو پاکستان کسی وقت اتنی طاقت پکڑ جائے کہ وہ حملہ کرے اور سارے امریکہ کو فتح کر لے اور امریکہ کے لوگ ہمیں ٹیکس دینے لگ جائیں لیکن امریکہ کا آدمی اسلام اور قرآن کو گالیاں دیتا ہو تو یہ بڑی فتح ہو گی یا امریکہ آزاد رہے لیکن امریکہ کے ہر گھر میں رات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر سونے والے لوگ پیدا ہو جائیں تو یہ بڑی بات ہو گی؟ پس عقل بھی یہی کہتی ہے کہ یہی مقصد سب سے بالا ہے۔ یا مثلاً پاکستان کی ہندوستان سے کسی وقت لڑائی ہو جائے اور پاکستان ہندوستان کو فتح کر لے تو بھی یہ کونسی فتح ہے۔ پہلے بھی یہی کہا گیا تھا ہندوستان کو فتح کر لیا گیا لیکن پھر وہ فتح کس طرح بے حقیقت بن کر رہ گئی اور کس طرح مسلمان سخت ذلت کے ساتھ وہاں سے نکلے کہ ہر شخص بزبانِ حال یہ کہہ رہا تھا کہ ؎

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

لیکن اگر پھر ــــ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے مقصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے مسلمان کھڑا ہو اور وہ پھر ہندوستان میں داخل ہو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ قرآن کے زور سے۔ بندوق کے زور سے نہیں بلکہ سچائی کے زور سے۔ شام لال ہندو عبداللہ بن جائے۔ سندر داس ہندو عبدالرحمٰن بن جائے۔ ویدوں کی جگہ قرآن پڑھا جانے لگے تو آج تو تم اِس طرح نکلے ہو کہ وہ تمہیں نکال کر خوش ہوئے ہیں لیکن اگر تم یہ فتح حاصل کر لو اور تم کسی دن اُن سے یہ کہو کہ اب ہمارا کام ہندوستان میں ختم ہو چکا ہے اب ہم چین کو جاتے ہیں تو تم دیکھو گے کہ اس دن سارے ہندوستان میں کہرام مچ جائے گا اور ہر شخص رونے لگ جائے گا اور کہے گا خدا کے لئے ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ تم ہمارے لئے خیر اور برکت کا موجب ہو۔ یہ چیز ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی اور اسی کی قرآن بھی تائید کرتا ہے اور عقل بھی تائید کرتی ہے اور جذباتِ صحیحہ بھی تائید کرتے ہیں کیونکہ

جذباتِ صحیحہ اِس بات کو کبھی تسلیم نہیں کرتے کہ کسی کو مُکّہ مار کر اس سے یہ کہا جائے کہ تو مجھے پیار کر لیکن محبت اور پیار کے ساتھ اسے اپنا غلام بنالو تو پھر تم اسے کبھی کہو کہ خدمت نہ کرو تو وہ کہے گا مجھے ثواب لینے دیں اپنی خدمت سے محروم کیوں کرتے ہیں"۔ [1]

عالم رُوحانی کا دربارِ خاص

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی تیسری تقریر سیرِ روحانی کے شہرۂ آفاق سلسلہ سے تعلق رکھتی تھی جس میں حضور نے خدا تعالیٰ کے دربارِ خاص کا قرآنِ مجید سے رُوح پرور نقشہ کھینچا اور پھر اس دربار کے روحانی گورنر جنرل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بے مثال مقام پر ایسے اچھوتے رنگ میں روشنی ڈالی کہ حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی اِس مبارک اور یادگار تقریر کے اختتامی الفاظ یہ تھے کہ :-

"اللہ تعالیٰ نے اس مقامِ محمود کی تجلیات کو اَور زیادہ روشن اور نمایاں کرنے کے لئے اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے بعد مجھے پیدا کیا اور ہم سے اُس نے آپؐ کے حُسن کی وہ تعریف کروائی کہ آج اپنے تو الگ رہے بیگانے بھی آپ کی تعریف کر رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درُود اور سلام بھیجتے ہیں مگر یہ تغیّر کیوں ہؤا اسی لئے کہ اس روحانی دربارِ خاص کا بادشاہ جس انعام کا اعلان کرتا ہے وہ انعام چلتا چلا جاتا ہے اور کوئی انسان اس کو چھیننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جب اس نے اپنے دربار میں یہ اعلان کیا کہ اے ہمارے گورنر جنرل ہم تجھے ایسے مقام پر پہنچانے والے ہیں کہ دنیا تیری تعریف کرنے پر مجبور ہو گی تو کون شخص تھا جو خدا تعالیٰ کے اِس پروگرام میں حائل ہو سکتا، اس نے محمدی انوار کی تجلیات کو روشن کرنا شروع کیا اور اس کے حُسن کو اتنا بڑھایا کہ دنیا کی تمام خوبصورتیاں اُس حسین چہرہ کے سامنے ماند پڑ گئیں اور دوست اور دشمن سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے کہ محمدؐ حقیقتاً محمدؐ اور قابلِ تعریف ہے، صلے اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] الفضل ۲۱ امان ۱۳۴۱ ہش / ۲۱ مارچ ۱۹۶۲ء صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۲۔

غرض یہ کیسا عظیم الشان دربار ہے کہ اس میں بادشاہ کی طرف سے اپنے درباری کو جو انعام دیا گیا وہ دنیا کی شدید مخالفت کے باوجود قائم رہا، قائم ہے اور قائم رہے گا۔ حکومتیں اُس روحانی گورنر جنرل کے مقابلہ میں کھڑی ہوئیں تو وہ مٹا دی گئیں، سلطنتوں نے اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا تو وہ تہ و بالا کر دی گئیں۔ بڑے بڑے جابر بادشاہوں نے اُس کا مقابلہ کیا تو وہ مچھر کی طرح مسل دیئے گئے، کیونکہ اس دربارِ خاص کا بادشاہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کے مقرر کردہ گورنر جنرل کی کوئی ہتک کرے یا اس کے پہنائے ہوئے جُبّہ کو کوئی اُتارنے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے درباریوں کے لئے بڑا غیور ہے اور سب سے بڑھ کر وہ اس درباری کے لئے غیرت مند ہے جس کا مبارک نام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے خدا تعالیٰ کی اُس پر لاکھوں برکتیں اور کروڑوں سلام ہوں۔ آمین یا رب العٰلمین"۔ [1]

تمّت بالخیر

---

[1] "سیرِ روحانی" جلد دوم صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ اپریل ۱۹۵۶ء

ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد چہاردہم

سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء میں شریک ہونے والے ہندوستانی احمدی۔ ۲ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا تعزیت نامہ الحاج صالح عودی کے انتقال پر ۳۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ایک غیر مطبوعہ ارشاد مبارک ۴۔ حضرت مصلح موعود اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا گروپ فوٹو ۵۔ حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے ایک مکتوب کا چربہ ۶۔ فوٹو السید عبد الوہاب عسکری مع بزرگانِ سلسلہ و اساتذہ و طلبہ جامعۃ المبشرین ربوہ ۷۔ لاہور ریڈیو کا نشریہ۔ ۸ نوابزادہ ولایت علی خان کا مراسلہ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں۔ ۹ "بدر" (قادیان) کے اجراء پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا برقی پیغام۔ ۱۰۔ حضرت مصلح موعودؓ کے رقم فرمودہ بعض سوالات کے جوابات ۱۱۔ سالانہ جلسہ ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء کے بارے میں بعض ممتاز صحافیوں کے تاثرات (انگریزی حصہ) سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۸ھش کی روداد، سول اینڈ ملٹری گزٹ میں۔ حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ امریکہ کی دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر ؛

۱۔ سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء میں شریک ہونیوالے ہندوستانی احمدی

۱۔ مولانا بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ مسلم مشن دہلی و امیر جماعت احمدیہ دہلی (امیر وفد) دہلی
۲۔ مکرم محمود حسین صاحب کمپونڈر دہلی ۳۔ مکرم نبی حسن صاحب احمدیہ فرنیچر سٹور "

۴۔ مکرم مختار احمد صاحب پسر بابو نذیر احمد صاحب رضؓ دہلی
سابق امیر جماعت احمدیہ دہلی۔

۵۔ مکرم محمد حسین صاحب 〃

۶۔ 〃 عبدالمجید صاحب 〃

۷۔ مکرمہ اہلیہ صاحبہ مولانا بشیر احمد صاحب مبلغ 〃

۸۔ 〃 اہلیہ ثانی بابو نذیر احمد صاحب رضؓ سابق امیر جماعت احمدیہ 〃

۹۔ 〃 زبیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ منیر احمد صاحب ابن بابو
نذیر احمد صاحب رضؓ سابق امیر جماعت احمدیہ 〃

۱۰۔ مکرم حافظ سخاوت علی صاحب شاہجہان پور۔ یوپی

۱۱۔ 〃 حاجی محمد نذیر صاحب 〃 〃

۱۲۔ 〃 الطاف خان صاحب رضؓ اودے پور کٹیا ضلع 〃 〃

۱۳۔ 〃 امام علی صاحب 〃 〃 〃

۱۴۔ 〃 قریشی محمد عقیل صاحب ۔ شاہجہان پور۔ یوپی

۱۵۔ 〃 سید قاسم میاں صاحب رضؓ 〃 〃 〃

۱۶۔ 〃 انوار محمد صاحب راٹھ ضلع ہمیر پور۔ 〃

۱۷ 〃 اسرار محمد صاحب 〃 〃 〃

۱۸۔ 〃 محمد تقی صاحب موودہا 〃 〃

۱۹۔ 〃 محمد کریم صاحب مکڑ 〃 〃

۲۰۔ 〃 دیدار محمد صاحب راٹھ 〃 〃

۲۱ 〃 محمد حنیف صاحب لکہریا 〃 〃

۲۲ 〃 سید ارشد علی صاحب مرحوم لکھنؤ 〃

۲۳۔ 〃 قریشی مختار احمد صاحب مرحوم لکھنؤ 〃

۲۴ 〃 اختر حسین صاحب لکھنؤ 〃

۲۵۔ مکرم حاجی بشیر احمد صاحب بجو پورہ ضلع سہارنپور۔ یوپی

۲۶۔ 〃 ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب بھگرہ ضلع مظفر نگر 〃

۲۷۔ 〃 مولوی عبداللطیف صاحب مبلغ رٹیٹر 〃 〃

۲۸ 〃 امیر احمد صاحب 〃 〃

۲۹ 〃 انوار احمد صاحب 〃 〃

۳۰ 〃 جمشید احمد صاحب 〃 〃

۳۱۔ 〃 سلیمان احمد سلیمان 〃 〃

۳۲ 〃 سجاد احمد صاحب 〃 〃

۳۳ 〃 فرمان احمد صاحب 〃 〃

۳۴ 〃 گیانی بشیر احمد صاحب مبلغ بجو پورہ ضلع سہارنپور یوپی

۳۵ 〃 مولوی محمد صادق صاحب مبلغ ۔ شاہجہان پور 〃

۳۶ 〃 مولوی عطاء اللہ صاحب مبلغ رسانڈہن ضلع آگرہ 〃

۳۷ 〃 بہادر خان صاحب 〃 〃 〃

۳۸ 〃 سردار خان صاحب 〃 〃 〃

۳۹ 〃 بشیر احمد خان صاحب 〃 〃 〃

۴۰ 〃 سعید احمد خان صاحب 〃 〃 〃

۴۱ 〃 عنایت اللہ خان صاحب 〃 〃

۴۲ 〃 منور احمد خان صاحب سائی نگر آگرہ 〃
(پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ)

۴۳۔ 〃 جعفر خان صاحب 〃 〃 〃

۴۴ 〃 محمود احمد خان صاحب 〃 〃 〃

۴۵ 〃 عزیز احمد خان صاحب 〃 〃 〃

۴۶ 〃 ماسٹر احسان الحق صاحب میرٹھ ۔ 〃

۴۷ مکرم ماسٹر بشیر احمد صاحب — میرٹھ - یوپی
۴۸ ، مولوی خورشید احمد صاحب — بنارس ،
۴۹ ، قریشی محمد یونس صاحب — بریلی ،
۵۰ ، قریشی حبیب احمد صاحب ، ،
۵۱ ، قریشی مسعود احمد صاحب ، ،
۵۲ ، حاجی عطاء اللہ صاحب — بھوپال
۵۳ ، افتخار احمد صاحب ،
۵۴ ، ملک علی بخش صاحب ،
۵۵ ، ارشاد احمد صاحب — امروہہ - یوپی
۵۶ ، ضمیر احمد صاحب ، ،
۵۷ ، محمد صدیق صاحب ، ،
۵۸ ، علاؤالدین صاحب ، ،
۵۹ ، محمد اسماعیل صاحب ، ،
۶۰ ، ننھے میاں صاحب ، ،
۶۱ ، منشی عبدالرحیم صاحب ، ،
۶۲ ، ماسٹر عبدالحمید صاحب ، ،
۶۳ ، رحیم اللہ صاحب ، ،
۶۴ ، عبدالحی صاحب ، ،
۶۵ ، بشیر احمد صاحب — مرادآباد یوپی
۶۶ ، شجاعت علی صاحب — کانپور یوپی
۶۷ ، مورخ احمدیت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی [illegible]
۶۸ ، حضرت مولوی فضل دین صاحب مبلغ
۶۹ ، [illegible] محمد الدین صاحب ،

۷۰ مکرم محمود احمد صاحب - حیدرآباد دکن
۷۱ ، حافظ محمد الدین صاحب ،
۷۲ ، مسیح الدین صاحب ،
۷۳ ، عبدالرؤف صاحب ،
۷۴ ، محمد احمد صاحب غوری ،
۷۵ ، سیٹھ محمد اعظم صاحب ،
۷۶ محترمہ اہلیہ صاحبہ سیٹھ محمد اعظم صاحب ،
۷۷ ، انیسہ بیگم صاحبہ بنت ، ،
۷۸ ، امینہ بیگم صاحبہ بنت ، ،
۷۹ ، محمد احمد صاحب ابن ، ،
۸۰ ، سیٹھ معین الدین صاحب ،
۸۱ ، محمد اسماعیل صاحب [illegible] (یادگیر) ،
۸۲ ، محمد یعقوب صاحب ،
۸۳ ، عبدالحی صاحب ،
۸۴ ، چوہدری بشیر احمد صاحب — بمبئی
۸۵ ، مولوی محمد دین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ ،
۸۶ ، عبدالحق صاحب ،
۸۷ ، بشیر احمد صاحب ،
۸۸ ، حضرت مولوی عبداللہ صاحب مالاباری مبلغ سلسلہ احمدیہ - مالابار
۸۹ ، عبدالرشید صاحب ،
۹۰ ، مولوی زین الدین صاحب ،
۹۱ ، صدیق امیر علی صاحب ،
۹۲ ، [illegible] عبداللہ صاحب ،

۹۳	مکرم محمد صاحب	مالابار
۹۴	〃 علی محی الدین صاحب	مدراس
۹۵	〃 شیخ محمد رفیق صاحب	〃
۹۶	〃 حضرت سید وزارت حسین صاحب ۔ اورین ۔ بہار	
۹۷	〃 ڈاکٹر سیّد منصور احمد صاحب ۔ مظفر پور ۔ بہار	
۹۸	〃 سیّد غلام مصطفیٰ صاحب	〃 〃
۹۹	〃 محمد عقیل صاحب کملی	〃 〃
۱۰۰	〃 دوست محمد صاحب	بہار
۱۰۱	〃 محسن احمد صاحب	〃
۱۰۲	〃 داؤد احمد صاحب	〃
۱۰۳	〃 تسنیم احمد صاحب	〃
۱۰۴	〃 حامد احمد صاحب	〃
۱۰۵	〃 محمد عاشق حسین صاحب خانپور ملکی	〃
۱۰۶	〃 محمد خورشید عالم صاحب 〃	〃
۱۰۷	〃 محمد نظام الدین صاحب 〃	〃
۱۰۸	〃 مولوی سمیع اللہ صاحب	〃
۱۰۹	〃 محمد ظریف صاحب	〃
۱۱۰	〃 حافظ الٰہی بخش صاحب	〃
۱۱۱	〃 حسن محمد صاحب	〃
۱۱۲	〃 حضرت حکیم خلیل احمد صاحبؓ مونگھیری	〃
۱۱۳	〃 سیّد عبد الغفار صاحب	
۱۱۴	〃 مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ کلکتہ ۔ مغربی بنگال	
۱۱۵	〃 چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعت احمدیہ کلکتہ	

۱۱۶	مکرم سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی	کلکتہ مغربی بنگال
۱۱۷	〃 میاں دوست محمد صاحبؓ 〃	〃 〃
۱۱۸	〃 ڈاکٹر اصغر حسین صاحب	〃 〃
۱۱۹	〃 بابو محمد صدیق صاحب	〃 〃
۱۲۰	〃 سید عبد الشکور صاحب	〃 〃
۱۲۱	〃 مقصود احمد صاحب	〃 〃
۱۲۲	〃 سیّد بشیر احمد صاحب	〃 〃
۱۲۳	〃 سیّد بشیر الرحمٰن صاحب	〃 〃
۱۲۴	〃 میاں شریف احمد صاحب	〃
۱۲۵	〃 میاں محمد انور صاحب	〃 〃
۱۲۶	〃 میاں شفیق احمد صاحب	〃 〃
۱۲۷	〃 مولوی فضل کریم صاحب	〃 〃
۱۲۸	〃 سہیل احمد صاحب	〃 〃
۱۲۹	〃 سیف الدین صاحب	〃 〃
۱۳۰	〃 مخلص الرحمٰن صاحب	〃 〃
۱۳۱	〃 حافظ عبد المنان صاحب	〃 〃
۱۳۲	〃 سراج الدین صاحب	〃 〃
۱۳۳	〃 مولوی عبد الرحیم صاحب مرحوم انسپکٹر بیت المال	〃 〃
۱۳۴	〃 کالے نعمان صاحب	اڑیسہ
۱۳۵	〃 رحیم بخش صاحب	〃 〃

۲۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا تعزیت نامہ (کبابیر کے پہلے احمدی حضرت الحاج صالح العودیؓ کے انتقال پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ربوہ"

۲۷ شباط سنہ ۱۹۵۰م

عزیزی السید محمد الحاج صالح سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وبعد فقد تلقینا بمزید الاسف الخبر الفاجع بوفاۃ والدکم الحاج صالح العودی رحمہ اللہ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

کل ابن انثی و ان طالت سلامتہ
یومًا علی آلۃ حدباء محمول

ان والدکم المرحوم کما علمتُ کان اوّل شخص دخل فی الجماعۃ الاحمدیۃ من الکبابیر وکان مثالًا للجد و النشاط والاخلاص فی سبیل نشر الدعوۃ الحقۃ بین ابناء وطنہ فجزاہ اللہ منّا خیر الجزاء علی ما أبدی من الاخلاص والمحبۃ وأدعو اللہ ان یتغمدہٗ برحمتہ الواسعۃ۔ و اسکنہ فسیح جنانہ و یجزل لہ الاجر والثواب فی دار النعیم ویلھمکم واخوانکم وبقیۃ أقربائکم علی فقدہ الصبر الجمیل، ووفقکم ان تکونوا خیر خَلَفٍ لخیر سلف و أدعو اللہ تعالیٰ ان یشفی المولوی محمد شریف شفاءً لا یغادر سقما وبَلِّغوا سلامی الی جمیع الاخوان فی الکبابیر ووصیتی بأن یکونوا قدوۃً حسنۃ ومثالًا أسمیٰ لِلّذین یاتون بعدھم والسلام علیکم میرزا محمود احمد الخلیفۃ الثانی للمسیح الموعود علیہ السّلام،

(رسالہ البشریٰ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹)

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربوہ

۲۷ ر ماہ شہادت ۱۹۵۰ء

عزیزم سید محمد صاحب ابن الحاج صالح صاحب۔ سلمکم اللہ تعالیٰ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کے بعد واضح ہو کہ آپ کے والد الحاج صالح العودی صاحب (اللہ کی رحمتیں ہوں اُن پر) کی وفات کی ناگہانی خبر سن کر ازحد افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کُلُّ ابْنِ اُنْثٰی وَ اِنْ طَالَتْ سَلَامَتُہٗ
یَوْمًا عَلٰی آلَۃٍ حَدْبَاءَ مَحْمُوْلُ

(ہر شخص، خواہ وہ کتنی ہی لمبی عمر پالے ایک روز موت کا شکار ہونے والا ہے)

آپ کے والد مرحوم، جیسا کہ مجھے علم ہے، کبابیر کے پہلے شخص ہیں جو جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔ وہ ابناء وطن میں دعوت حقہ کی اشاعت و تبلیغ کا فریضہ سعی و کوشش، بشاشت اور اخلاص سے بجا لانے میں ایک نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرف سے ان کے اخلاص و محبت کی بہترین جزا دے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لے۔ انہیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے اور دار النعیم میں اُن کا اجر و ثواب فراواں کرے اور آپ کے اور آپ کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے دل پر اپنی طرف سے صبر جمیل نازل فرمائے اور آپ کو اپنے نیک پیش رو کے نیک جانشین بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

نیز میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد شریف صاحب کو ایسی کامل شفاء عطا فرمائے جو مرض کا کوئی حصہ باقی نہ رہنے دے۔

کبابیر کے تمام بھائیوں کو میرا سلام پہنچا دیں اور میری یہ وصیت بھی کہ وہ اپنے سے بعد میں آنے والوں کے لئے نیک نمونہ اور اعلیٰ مثال بنیں۔ والسلام علیکم

مرزا محمود احمد
خلیفۃ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام "

۴۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم اور غیر مطبوعہ ارشاد مبارک

چوہدری انور حسین صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ کے نام

(مورخہ ۲۹ر وفا ۱۳۳۰ ہش / ۲۹ر جولائی ۱۹۵۱ء)

"میرے نزدیک حکومت سے مل کر اور اس کے تعاون سے کام کریں۔ اس کے اداروں میں آگے آکر ان کی اصلاح کریں۔ زیادہ سے زیادہ احمدیوں کو داخل کروائیں۔ شیخوپورہ بہترین محفوظ جگہوں میں سے ہے۔ ہمارے رشتہ دار لاہور سے صرف اس لئے آئے ہیں کہ حکام نے اشارہ کیا تھا کہ جنگی ضرورتوں کے لئے رتن باغ، جودھامل بلڈنگ لے لئے جائیں گے ورنہ وہ بھی نہ آتے۔ جماعت کو میری طرف سے تسلی دیں۔ مشکلات ہر کام میں آتی ہیں مگر انشاء اللہ فتح پاکستان کی ہے۔ یہ موقع بہت فائدہ اور ثواب اٹھانے کا ہے۔

مرزا محمود احمد"

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا گروپ فوٹو

(طلبہ انجینئرنگ کالج لاہور کے ساتھ)

دائیں سے بائیں کرسیوں پر) سید محمد خیر البشر صاحب۔ فضل الرحمٰن صاحب (زعیم مجلس خدام الاحمدیہ) ڈاکٹر ایس ڈی منظفر پی۔ ایچ ڈی وپرنسپل انجینئرنگ کالج۔ حضرت اقدس سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ پروفیسر بی اے ملک ایم ایس سی (انجینئرنگ) محمد احمد خان صاحب (نائب زعیم) عبد السمیع صاحب۔

(کھڑے ہونے والے) خوشی محمد صاحب (باڈی گارڈ) ظفر اقبال صاحب۔ عبد الحمید صاحب۔ حمید احمد صاحب (جنرل سیکرٹری) رشید احمد صاحب ملک۔ راجہ مجید اللہ صاحب۔ خالد سیف اللہ صاحب۔ محمد بشیر احمد صاحب۔ محمود احمد صاحب بھیر۔ محمد عالم صاحب باڈی گارڈ۔

۵۔ حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے ایک مکتوب کا چربہ

(مندرجہ ذیل مکتوب حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ماہ ہجرت / مئی ہش ۱۳۲۹ (۱۹۵۰ء) میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مبلغ بلادِ عربیہ مقیم لبنان کے نام تحریر فرمایا تھا)

عزیزم رشید احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فوراً اس خط کے ملتے ہی مصری کا
مکمل الف لیلہ جس میں سے کوئی حصہ چھوڑا نہ ہوا ہو (آج کل بعض
حصے حذف کر کے لوگ چھاپ رہے ہیں) بذریعہ ڈاک رجسٹری
کر کے مجھے بھجوا دیں۔ اس سلسلہ میں کے للمقدسی جو ارسال کر دیا گیا تھا۔
اسی طرح جس قدر اچھے مطالع سے شائع شدہ کتب جلد مجھے بھجوا دیں
مدتیں دینی۔ تاریخی۔ ادبی ہر قسم کی کتب کا ذخیرہ جمع کرنا ہے کیونکہ
لائبریری کو مکمل کرنا ہے۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

۶۔السید عبدالوہاب عسکری بزرگان سلسلہ اور اساتذہ وطلبہ جامعۃ المبشرین کے ساتھ (صفحہ ۲۹۴)

پہلی تصویر۔حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت سیدزین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، السید عبدالوہاب عسکری۔؟۔مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور، حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب،؟

(دوسری تصویر) دائیں سے بائیں (پہلی قطار) ۱۔ ۲۔مولوی عبدالکریم صاحب کاٹھ گڑھی

۳۔مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب ۴۔شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ۔۵۔السید عبدالوہاب العسکری

۶۔حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ۔ ۷۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ

۸۔عبداللہ رضوان صاحب (مرحوم) ۹۔مولوی محمد احمد صاحب ثاقب

پچھلی قطار۔ ۱۔مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب ۲۔

۳۔چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ ۴۔مولوی محمد احمد صاحب ۵۔مولوی محمد اشرف صاحب ناصر

۶۔کبیرالدین صاحب۔ ۷۔مولوی خورشید صاحب منیر چارکوٹ۔

۸۔مولوی غلام باری صاحب سیف۔ ۹سید سعید احمد صاحب،۱۰؟

۱۱۔ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔

۷۔ لاہور ریڈیو کا نشریہ

ربوہ میں منعقدہ تعزیتی جلسہ کی خبر ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے ۸بجے شام حسب ذیل الفاظ میں نشر ہوئی :۔

"کل ربوہ میں جماعت احمدیہ کا اجتماع ہوا۔ ربوہ پاکستان میں احمدیوں کا صدر مقام ہے۔ اس اجتماع میں قائد ملت کی وفات پر انتہائی رنج والم کی قرارداد پاس کی گئی۔"

اس سے قبل ۱۷؍اکتوبر کو شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے پیغام کا ایک حصہ نشر ہوا جس کے الفاظ یہ تھے

"قائد ملت کی وفات پر شیخ بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ایک بیان میں قوم کو پہلے سے بھی زیادہ متحد اور منظم ہونے کی تلقین کی ہے۔"

٨۔ نوابزادہ محمد ولایت علی خان کا مراسلہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں

(نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان کے سفاکانہ قتل پر حضرت مصلح موعود نے اُن کے فرزند نوابزادہ محمد ولایت علی خان صاحب کے نام تعزیت کا خط لکھا۔ جس کے جواب میں اُن کا مندرجہ ذیل مکتوب حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچا۔ لفافہ پر انگریزی میں یہ پتہ درج تھا

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رتن باغ لاہور"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ لارنس روڈ لاہور ۸ر نومبر ۱۹۵۱ء

محترمی السلام علیکم

پیغام تعزیت موصول ہوا اس جانگسل صدمہ میں آپ کی ہمدردی کا دلی شکریہ۔ ہمیں آپ سے اتفاق ہے کہ قائد ملت کی شہادت ایک قومی سانحہ اور ملی نقصان ہے۔ اس ناقابلِ تلافی نقصان میں ہم آپ کو برابر کا شریک تصور کرتے ہیں۔

ہم بھی آپ کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے قوم کو اتحاد، نظم و ضبط اور تنظیم کی دولت سے مالا مال کرے اور قائداعظم اور قائد ملت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوگوار

دستخط محمد ولایت علی خان

(غیر مطبوعہ)

٩۔ قادیان سے بدر کے اجراء پر قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا برقی پیغام

(ملک صلاح الدین صاحب ایم اے کے نام)

" میں بدر کے اجراء پر خوش آمدید کہتا ہوں کیونکہ یہ درحقیقت اس بدر کامل کا نیا ظہور ہے کہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں افق قادیان پر طلوع کیا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ اسے اس طور پر برکت دے کہ یہ اخبار اس جریدہ معادی کا سا رنگ اختیار کرے کہ جس کے نام کا یہ حامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے چار دانگ عالم میں آسمانی نور پہنچانے کا موجب بنائے۔ آمین" (ترجمہ)

(بدر ۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲)

۱۰۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کے رقم فرمودہ بعض سوالات کے غیر مطبوعہ جوابات

(۱۳۳۰ ہش مطابق ۱۹۵۱ء)

۱۔ مرزا عبدالوہاب صاحب شوکت نے ۲۴ وفا/جولائی ۱۳۳۰ ہش (۱۹۵۱ء) کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بذریعہ خط تین سوالات عرض کئے۔

الف۔ اگر امام اور مقتدی ایک ہی صف میں کھڑے کوئی نماز ادا کر رہے ہوں تو کیا صف بالکل سیدھی ہونی چاہیئے یا امام تھوڑا سا آگے ہو۔

ب۔ جمعہ کے وقت دو خطبے ہوتے ہیں ایک تو عام اردو یا جونسی زبان میں چاہیں پڑھیں اور دوسرا جو عربی میں ہوتا ہے کیا دوسرا خطبہ پڑھنے کی بجائے ہم دعائیں یا صرف درود شریف پڑھ سکتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

ج۔ جب الہام الٰہی نازل ہوتا ہے تو اس وقت ملہم کی کیا حالت ہوتی ہے۔

حضرت امیر المومنین نے اس کے بالترتیب مندرجہ ذیل جوابات لکھوائے:۔

"اگر امام اور مقتدی ایک ہی صف میں ہیں تو کوئی ضرورت نہیں کہ مقتدی پیچھے ہو۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور اگر امام یہ جاننے کے لئے کہ اصل مقام اس کا آگے ہے، آگے کھڑا ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں"

"دوسرا خطبہ وہی ہے جو مسنون عربی کا ہے پڑھنا ضروری ہے وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا ہے۔"

(کیفیت نزول الہام سے متعلق سوال پر ارشاد فرمایا:۔)

"کئی حالتیں ہوتی ہیں کبھی جاگ رہا ہوتا ہے اور یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جیسے کسی اور نے جسم پر قبضہ کر لیا ہے اور الفاظ زبان سے جاری ہو جاتے ہیں اور علائق دنیوی سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ کبھی سوتے

ہیں الفاظ زبان پر جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ جو دوسرے بھی سن لیتے ہیں۔ بسا اوقات جاگتے ہیں بھی وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے سن رہے ہیں مگر دوسرے نہیں سن رہے ہوتے۔ کبھی خواب دکھائی جاتی ہے اور آخر میں الہام سے بدل جاتا ہے کبھی جاگتے ہیں الہام ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا جسم دوسرے کے قبضہ میں چلا گیا۔ لیکن دوسرے لوگ نہیں محسوس کر رہے ہوتے۔

سوالات میں شرم نہیں کرتے ورنہ علم نہیں پڑھتا۔"

۳۔ ایک غیر احمدی خاتون رشیدہ وحید صاحبہ (معرفت چوہدری عبدالوحید صاحب محلہ مسجد کشمیری) نے سیالکوٹ سے اپنے خط میں تحریر کیا کہ :

" آج کل پاکستانی سرحدوں پر ہندوستانی فوجوں کے اجتماع کی وجہ سے جو صورتِ حالات پیدا ہو گئی ہے اس کے مدّنظر جہاں حفاظت خود اختیاری کے پیش نظر بہت سے اقدام اٹھائے جا رہے ہیں۔ وہاں عورتوں کو بھی جگہ جگہ ح. ج. ج. اور نرسنگ وغیرہ کی ٹریننگ دی جا رہی ہے .... اے آر پی، فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی ٹریننگ دینے کا انتظام تو ٹرینڈ نرسوں ہی کے سپرد ہے اور سب لڑکیاں ان چیزوں کے سیکھنے میں غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار بھی کر رہی ہیں.... اگرچہ دوران ٹریننگ میں تو ہم

کہ پردہ اتارنے کی ضرورت نہیں لیکن جنگ کے دنوں میں ہسپتال میں کام کرنے کے دوران میں پردہ مکمل طور پر اتارنا پڑے گا کیونکہ وہاں پر برقعہ اوڑھ کر زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کی اجازت تو نہیں ہوگی ... ہم آپ سے پوچھنا چاہتی ہیں کہ ہمارا اس طرح پردہ اتارنا اسلام کے خلاف تو نہیں ہے"

اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل جواب رقم فرمایا:

"آپ کا خط ملا۔ قرآن کریم میں جو پردہ کی آیت ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ حالات کے مطابق بدل سکتا ہے۔ پس جہاں تک مرہم پٹی اور خدمت کا سوال (ہے۔ناقل) یہ جائز ہے اور اس سے دریغ کرنا درست نہیں۔ مگر جہاں تک پردہ کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے وہ کیوں نہ کیا جائے؟

کیا ہمارا فرض یہی ہونا چاہیئے کہ ہر حکم شریعت کا توڑیں؟ مسیحی ننوں نے اٹھارہ سو سال سے اسلامی ضروری پردہ پر عمل کیا ہے۔ سر اور گردن ڈھانکتی ہیں۔ لاتوں کا لباس مناسب رکھتی ہیں۔ چھاتی پوری طرح ڈھانکتی ہے (نقل مطابق اصل) کیوں پاکستان میں یہ احتیاط نہ ہو اور خدمت قوم کے بہانہ سے لڑکیاں ڈاکٹروں سے کھیلتی ہنستی پھریں۔ اگر وہ اس سے بچیں اور حکومت اس میں ان کی مدد کرے جو اب نہیں کر رہی تو ہر مسلمان عورت کو خدمت قوم کے لئے نکل کھڑا ہونا چاہیئے۔"

۴۔ لائل پور کے کسی صاحب نے لکھا:۔

"میں نے اپنی خالہ کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا تھا کیونکہ میری والدہ فوت ہو گئی تھی۔ میری خالہ کی تین لڑکیاں ہیں کیا ان میں سے کسی کی شادی میرے ساتھ ہو سکتی ہے۔ دیوبندی مولوی سے دریافت کیا گیا تھا اس نے کتاب کنز الدقائق کی رو سے جائز قرار دیا ہے"

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا:۔

"آپ کی خالہ زاد بہنیں تمام کی تمام آپ کی حقیقی بہنیں ہی ہوں گی۔ آپ کا اُن میں سے کسی کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ یہ اُن مولوی صاحب نے غلط کہا ہے ذرا ان سے کہیئے کہ وہ ہمیں اس کتاب کا نام اور حوالہ لکھیں۔ ہاں اُن لڑکیوں کا رشتہ آپ کے بھائیوں سے ہو سکتا ہے۔ مگر آپ سے نہیں کیونکہ لڑکیوں نے اس صورت میں آپ کی والدہ کا دودھ بھی پیا ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل غلط ہے"

۵۔ چوہدری سردار خان صاحب نے مری روڈ راولپنڈی سے ۱۸ اگست ۱۹۵۱ء کو بذریعہ مکتوب دو سوال عرض کئے۔

۱۔ کیا موجودہ صورت میں اگر جنگ ہو خواہ ہندوستان پر پاکستان یا پاکستان ہندوستان پر حملہ کرے تو کیا جماعت احمدیہ کیلئے یہ جہاد ہوگا یا اگر جہاد ہوگا اور اس جنگ میں مرنے والے احمدی شہید کہلائیں گے تو دوسرے مسلمان (غیر احمدی) شہید کہلائیں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک سے اس کے جواب میں لفافہ پر ہی رقم فرمایا:۔

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِہٖ وَمَالِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ۔ دوسرے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شریک جہاد کے بارہ میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ سو جہاد کے بھی مدارج ہیں اور جہاد کا ثواب معتقدات کے مطابق ملتا ہے۔"

۶۔ مولوی علی محمد صاحب مسلم منٹگمری (ساہیوال) کے ایک سوال کے جواب میں اپنے قلم سے رقم فرمایا:۔

"ظہر کے بعد چار درست ہے لیکن مغرب کے بعد سنت دو ہی ہیں۔ اس کے بعد نفل جتنے چاہے پڑھے"

(۶ تبوک ۱۳۳۰ہش مطابق ۶ ستمبر ۱۹۵۱ء)

۷۔ شیر محمد صاحب قریشی نے نیروبی سے مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء / تبوک ۱۳۳۰ہش کو بذریعہ خط استفسار کیا کہ رخصتانہ کے موقع پر چائے پیش کرنا شریعت اسلامی یا احکام سلسلہ کے خلاف ہے یا مطابق؟

حضور نے اپنے قلم مبارک سے یہ جواب تحریر فرمایا کہ:۔

"یہ درست ہے کہ ہم نے اس چائے کی رسم کی ممانعت کر دی ہے۔ سنت سے ثابت نہیں اور غریبوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔"

۱۱۔ سالانہ جلسہ ۱۳۳۰ہش کے بارے میں لاہور کے بعض باثر اور ممتاز صحافیوں کے تاثرات

(ایک غیر مطبوعہ یادداشت الفضل کے خصوصی رپورٹر کے قلم سے)

"میاں محمد شفیع نے کہا

"حضرت صاحب جیسا ماہر نفسیات میں نے اپنی زندگی میں کوئی نہیں دیکھا میں سمجھتا ہوں ان جیسا

زیرک سیاستدان اور ماہر نفسیات شاید ہی اس صدی میں کوئی ہوا ہو۔"

اس پر پاکستان ٹائمز کے مسٹر خورشید نے کہا کہ حضرت صاحب نے مسلمانوں کے مصائب کا علاج خوب بتایا کہ سب اُن کے ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ سنتے ہی میاں شفیع جھٹ بول اُٹھے۔

"میں بھی کہتا ہوں کہ سارے مسلمان ان ہی کے ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں"

اس پر سردار الفضلی نے کہا

"میاں صاحب ایمان سلامت لے کر جاؤ گے یا نہیں"

وہ بولے " مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ سچ کہہ رہا ہوں کہ اگر سارے مسلمان ان کے ہاتھ پر جمع ہو جائیں تو یہ ساری قوم کو کہہ دیں گے۔ جاؤ آرام کرو اور سارا بوجھ خود اٹھائیں گے اور پھر ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کا موقع بھی نکل آئے گا۔"

ایک اور موقع پر میاں شفیع نے کہا:-

"تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت صاحب کیسے کیسے دقیق مسائل عام فہم طریق پر پیش کرتے ہیں اور پھر اس قدر مدلل کہ انکار کی گنجائش نہیں۔"

پھر میاں شفیع نے یہ بھی کہا:

"مجھے تو جلسہ میں جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ حفاظت کا انتظام تھا۔ کاش راولپنڈی کے جلسہ میں ایسا ہی انتظام ہوتا تو میرا لیڈر خان لیاقت علی کبھی قتل نہ ہوتا۔ لوگ تو شاید حفاظت کے ایسے کڑے انتظامات پر اعتراض کریں لیکن میرے نزدیک یہ چیز قابلِ ستائش ہے میں اس تاثر کا ذکر ڈائری میں ضرور کروں گا۔"

ربوہ میں گھومتے وقت ایک اور تاثر جس کا اظہار کیا یہ تھا کہ دیکھو ان لوگوں نے وہ کام کر دکھایا ہے جو دوسرے مہاجر تو کیا خود ہماری حکومت نہیں کر سکی۔ ربوہ

کے پیمانے کا کوئی ایک شہر بتاؤ جو اب تک حکومت نے آباد کیا ہو۔ اگر ہم لوگ بھی ایسے صاحب عزم ہوتے تو آج نہ معلوم کتنے ہی نئے شہر آباد ہو چکے ہوتے۔

جب جلسہ ختم ہوا اور جلسہ گاہ سے ہزاروں کی تعداد میں احباب باہر نکلنے شروع ہوئے تو ہم ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ میاں شفیع نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

"ان لوگوں کے انتشار میں بھی تنظیم کی جھلک موجود ہے۔ سب نے پوچھا "مطلب" کہا " ربوہ کے علاوہ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ہزاروں لوگوں اور کاروں کی آمدورفت کی وجہ سے ایسی شور زمین سے گردوغبار کے بادل اُٹھ رہے ہوتے۔ اور وہاں ہمارا تمہارا چلنا مشکل ہو جاتا لیکن یہ لوگ کیسے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہ سب ذہنی تربیت کے تحت غیر شعوری طور پر اُن سے ظہور میں آرہا ہے۔"

مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور۔

(5) Most of their educational institutions, hostels, etc. should also be restored to them as the education of Indian Ahmediyas was being seriously impaired.

(6) Adequate facilities should be allowed Indian Ahmediyas who wanted to perform frequent pilgrimage or receive religious education.

(7) Several of their mosques, graveyards, etc., were damaged or destroyed during the disturbances of 1947. These should be restored and suitable arrangements made for repair.

(8) Qadian is the religious centre of the Ahmediyas and although the Government has settled refugees under the stress of circumstances, the action of local Municipal Committee in changing Islamic names of streets and mohallas injures the religious susceptibilities of Ahmediyas. The Ahmediya Community requests the Government to restore the Islamic names and protect the religious rights of the community.

(The Civil & Military Gazettee, December 29, 1949, page 6)

Although Pakistan Ahmediyas were anxious to visit Qadian, which had acquired an international importance and had peculiar sanctity for their faith, because of circumstances beyond their control they could not do so. He, however, hoped that God's will would prevail in the long run and the reign of Satan, temporarily eclipsing the world, would soon disappear.

SIMILARITY OF TEACHINGS

The Jalsa consisted of discourses on religious subjects relating to the existance of God, deeds and prophecies of the founder, some of his miracles, and the teachings of the Ahmediya faith. The speakers laid great emphasis on the similarity of teachings of all religions including Hinduism, Sikhism, Islam and Christianity and they stressed the need for proper understanding of each other's point of view, discarding feelings of hatred and animosity.

The Jalsa adopted a lengthly resolution, which was sponsored by the Indian Ahmadiyas and also unanimously voted by the Indian Ahmediyas. It expressed gratitude to the Governments of India and East Punjab for the facilities provided for the participation of Ahmediyas from India and Pakistan and sought permission to convey the following requests :

(1) That Qadian is the spiritual and religious headquarters of the Ahmediya Community spread all over the world. Several Ahmediyas had to leave this place owing to the disturbances of 1947 and were now anxious to return and settle here.

(2) So long as the return of all Ahmediyas cannot be arranged, the families of those still living in Qadian should be allowed to visit them.

(3) There are 50 to 60 Ahmediya pilgrims who arrived here during the disturbences of 1947 and they are anxious to go back to their homes in Pakistan. Likewise some elderly inhabitants of Qadian are eager to return here.

(4) Property worth two crorse belonging to the Sad ar Anjuman, Qadian, a body registered in 1906, seized by Government as evacuee property should be restored because its headquarters continued to be at Qadian and its members had never migrated.

59th JALSA AT QADIAN

Thousand Ahmadiyas

Present

(From Our Own Correspondent)

QADIAN, Dec. 28. — After nearly 2½ years, 56 Ahmediya Muslims including two women, headed by Sheikh Bashir Ahmad, arrived here on Sunday from Pakistan for the 59th Annual Jalsa of the Ahmediya community of Qadian. Simultaneously, 138 Indian Ahmadiya Muslims including four women and five children drawn from all parts of the country arrived here on Sunday.

They were escorted to the Ahmediya colony in the town and were lodged in different houses. Touching scenes were witnessed when the Indian Ahmadiyas met the Pakistani Ahmediyas. All of them offered prayers both in the mosque and at the Bahishti graveyard.

Closely guarded by armed police and their own volunteers, the Jalsa was held in the previous year's compound and was attended by about 1,000 persons in all. Among the visitors was Major-General Abdur Rehman, Pakistan's Deputy High Commissioner in Jullundur.

Maulvi Abdur Rehman Jatt, head of the local Ahmediyas, inaugurated the Jalsa, describing it as the third after partition, and read out messages from distinguished Ahmediyas and heads of branches from all parts of the world.

Sheikh Bashir Ahmad, who headed the delegation from Pakistan, then occupied the Chair. He mentioned how Hazrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmood Ahmad owing to pre-occupations could not send them a special message this year but he had come to see them off and had in his blessings asked them to carry on with faith in God. He had also said that there could be peace in the world through faith in God.

God and your country, through your untiring efforts and the grace of God, becomes one of the first strongholds of God and His true and living religion—Islam, which is truly represented in our time by Ahmadiyyat. AMEN.

Yours very sincerely,
KHALIFATUL MASSIAH II

The Moslem Sunrise, Page 11—13, Fourth Quarter, 1949, Chicago 4, Illionois, U. S. A.

and set a grand example of true obedience to God and His religion for your contemporaries and for the coming generations, so much so that you become in the eyes of God; the deliverers of your country and your people; and become like the first disciples of the prophets of old. Those disciples had no special claims on God; their only claim was that they were the first to believe, first to make sacrifices and first to live a life which was not in conformity with the lives of their countrymen. They bore and bore well all rebuke; they took with a light heart all ridicule and stuck to the way which God chose for them and thus they became the chosen people of God. Old orders and governments die out giving place to new ones but thesc disciples' good name has been kept alive all along. Mighty nations have perished; strong governments have succumbed but these people never died and are still living in the memories of millions of people who love them more than their own kith and kin.

Dear Friends and my spiritual children ! Fortunately you have got the same opportunity, being the first bearers of truth in the United States of America, being disciples of the disciples of the Promised Messiah (peace be on him)—beloved of God, His only begotton son, in the same sense as the Christ was. God has no son but those who gain His presence and win His pleasure through steadfast love and never wavering faith, become like sons to Him. Nay even more than that. A father may forsake his son in certain circumstances but God never forsakes His beloved ones. You have a further blessing that you found the time of the Promised Son and so you are not mere disciples of the disciples of the Promised Messiah (peace be on him) but are also like the first disciples themselves. So rise to the grand occasion and act according to your exalted position. Do not forget that everybody is directly responsible to his God. Therefore, do not copy anybody's weaknesses but follow the word of God and His Prophet and try to live a life even more pious and cleaner than the lives of those who have come to teach you. I also hope that my representatives there, will set a good example for you and will not act in a way detrimental to the cause of Islam and misleading the seekers after truth. Woe to him who gets the opportunity of bringing people to the fold of God but delivers them to His eternal enemy—Stan. May God help you, your preachers and your country, so that all of you gain the blessings of

inspired interpretation of Islam. Probably they thought that this grey bearded man was mad just as the peoples of old thought every prophet and his disciples were mad. But those who thought so were made themselves. The sheep that does not recognize the shepherd is mad and destined for destruction, for it becomes the prey of that old wolf—Satan; and loses all hope of salvation.

My dear friends and children ! No country and no people are absolutely without any seekers after truth. The voice which was taken as the babble of a mad man by many, began to attract some of those who were destined to be the pioneers and torch-bearers of truth in the United States of America. May be some of them are still alive, may be none are. Even if all of them have left this world, their spirits might be hovering over your heads just now seeing in you the seed which is being broadcast by God in the wilderness, as well as in some well prepared soil, to grow in time and become a heavy crop to give a new life to missions and millions of people of your country.

My friends and children ! Ahmadiyyat is the message of God Almighty and not a scheme conceived by any mortal being. So you should look upon it as such and try to follow it literally and with great care. No good citizen breaks the law of his country and so is the case of a true believer. He knows that the law of God is based upon infallible philosophy and is for his good and betterment. So always try and strive to know more and more about Islam and Ahmadiyyat, so that your actions may be in complete accord with the law chosen for you by your Creator. God Almighty says in the Holy Quran. "To-day I have brought to perfection the spiritual code according to which you have to live and thus I have filled for you the cup of my blessings to its very brim." This verse shows that every order and injunction given by the Holy Quran is for the spiritual uplift of man and not as an arbitrary order to make the human beings feel their serfdom to God. God has nothing to gain if we follow "The Law". It is we who benefit from it and so the person who is lukeworm in his obedience to the law in letter and in spirit, is himself the loser. Woe to him who finds the door of heaven opened for him but turns his face and goes astry. So I advise you with all the love I bear for you, to avail yourselves of this great opportunity of being pioneers of the truth in your country

A MESSAGE

TO

AHMADIYYA MUSLIMS

ON THE

SEC·ND ANNUAL CONVENTION

OF THE

AMERICAN MISSIONS

EPTEMBER 17-18 1949

Hazrat Amirul Muminin, Khalifatul Masih II,

Head of the Ahmadiyya Movement in Islam,

York House, Lytton Road,
Quetta, Pakistan,
2nd September, 1949.

My dear friends and spiritual children
of the United States of America,

Assalamu Alaikum-wa-Rahmatullahi-wa-Barakatuhu.

I have been asked by our Missionary-in-Charge in the United States of America, Mr. Khalil Ahmad Nasir, to write a message for you to be read in your Second Convention. It is a great pleasure for me to do so. Twenty-nine years ago, I sent Mufti Mohammad Sadiq, an old companion of the Promised Messiah (peace be on him), to introduce the Ahmadiyya Movement in your country. He after reaching the United States of America, chose Chicago as the centre of his mission. His was a lonely voice raised in support of the truth about a quarter of a century back; and probably the people laughed when they heard him preach Islam and call them to Ahmadiyyat—the true and divinely